

ایک والد کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہئے

بچوں کی مناسب اور معیاری تربیت کے خواہشمند والد کیلئے اپنی نوعیت کی ایک نایاب کتاب

مشالی باپ

پسند فرمودہ
حضرت مفتی نظام الدین عثمانی صاحب

مُصَنَّف
مولانا محمد حنیف عبدالحمید

خصوصیات

- ① بچے کے لئے دعائیں
- ② پیدائش پر شکر
- ③ اولاد کی قدر و قیمت
- ④ احساسِ کرمی سے بچانے کی تربیت
- ⑤ ذہنی و جسمانی تربیت سے متعلق اصول
- ⑥ اسلاف کے واقعاتِ تربیت
- ⑦ اولاد سے نرمی اور رحم کا سلوک
- ⑧ مشالی باپ کی خصوصیات

بیتِ العلمِ ٹرسٹ

ایک والدین کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہئے

بچوں کی مناسب اور معیاری تربیت کے خواہشمند والد کیلئے اپنی نوعیت کی ایک نایاب کتاب

مشالی باپ

پسند فرمودہ
حضرت مفتی نظام الدین شاہری صاحب

مصنف
مولانا محمد حنیف عبد المجید

خصوصیات

- 1. بچے کے لئے دعائے
- 2. پہلا آئینہ شکر
- 3. اولاد کی قدر و قیمت
- 4. اولاد سے نرمی اور رحم کا ملوک
- 5. ذہنی و جسمانی تربیت سے متعلق اصول
- 6. اسلام کے انعامات تربیت
- 7. اساسی نرمی سے بچانے کی تربیت
- 8. مشالی باپ کی خصوصیات

بیگز العلم ونبی

منفرد علمی اور دینی تحفہ

”مثالی باپ“

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

◎ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ تحفہ میں بہترین چیز پیش کرے۔

◎ کیا آپ جانتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی

طرف سے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟

① یاد رکھیے! ایک مسلمان کے لئے سب سے بہترین تحفہ ”دینی علوم سے

واقفیت ہے“ اپنے دوستوں، عزیزوں کو یہ کتاب تحفہ میں پیش کر کے ہم

”تَهَادُوا وَتَحَابُّوا“ؓ والی حدیث پر عمل کر سکتے ہیں جس کا معنی: ”تم ایک

دوسرے کو ہدیہ لیا دیا کرو آپس میں محبت بڑھے گی۔“

② اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر آپ محسوس کریں کہ یہ آپ کے گھر

والوں..... رشتہ داروں..... دفتر کے ساتھیوں..... کاروباری حلقے..... اور

معاشرے کے دیگر افراد بشمول اسکول، کالج اور مدارس کے طلبہ کے لئے مفید

ہے تو آپ کا انہیں یہ کتاب تحفہ میں پیش کرنا آخرت میں سرمایہ کاری اور سماجی

ذمہ داری کی ادائیگی کا حصہ ہوگا۔

③ نیکی کے پھیلانے، علم دین اور کتابوں کی اشاعت کا ثواب حاصل کر

سکتے ہیں۔

لہذا اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ محلہ کی مسجد، لائبریری،

کلیںک، محلہ کے اسکول اور مدرسہ کی لائبریری تک پہنچا کر معاشرہ کی اصلاح میں

ﷺ موطا امام مالک، کتاب الجامع، باب ماجاء فی المهاجرة: ۷۰۶، ۷۰۷

مجلد حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

11040809

اسٹاکسٹ

ملکتیہ بیٹک العلم

فدا منزل نزد زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی۔

فون: 0300-8948974، 0322-2583198

فیکس: +92-213-2726509

کتاب کا نام:..... مثالی باپ

مصنف:..... محمد حنیف عبد المجید

تاریخ اشاعت:..... شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ بمطابق اگست ۲۰۰۹ء

ناشر:..... ملکتیہ بیٹک العلم

ST-9E بلاک ۸ گلشن اقبال، کراچی

فون نمبر: +92-213-4976073 فیکس: +92-213-4976339

ویب سائٹ: www.mbi.com.pk ای میل: info@mbi.com.pk

ملنے چکے کی نیکی پتے

☆ محلہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔ فون: 0423-7224228

☆ محلہ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور۔ فون: 0423-7228196

☆ محلہ مکتبہ امدادی، بی روڈ، ملتان۔ فون: 061-4544965

☆ محلہ کتب خانہ رشیدیہ، درجہ بازار، مدینہ کھاتہ مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 051-5771798

☆ محلہ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ فون: 081-662263

☆ محلہ کتاب مرکز، فیروز روڈ، سکھر۔ فون: 071-5625850

☆ محلہ بیت القرآن، نزد اکسٹری مارون والی گلی، چھوکی گھٹی، حیدرآباد۔ فون: 022-3640875

نوٹ: یہ کتاب اب آپ بیت العلم سے بذریعہ VP بھی منگوا سکتے ہیں۔

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
۱۳	کلماتِ تبرک: حضرت مفتی نظام الدین شامزئی صاحب شہید رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۵	کتاب کا تعارف
۱۶	آپ اس کتاب کو کیسے پڑھیں؟
۲۱	بچے کے لئے دعا کیجیے
۲۹	اپنی نسل کے لئے عبادت و طاعت میں معاون رزق طلب کرنا
۳۱	والد کو چاہیے کہ اپنی اولاد کے لئے رزق میں برکت کی دعا کرے
۳۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسے کو طلبِ برکت کی دعا سکھانا
۳۸	اپنی نسل کے لئے منتخب شہر کے پر امن ہونے کی دعا
۴۱	بیٹوں کے لئے ہر شر سے پناہ الہی کے حصول کی فریاد
۴۴	اللہ تعالیٰ سے نسل میں سے امت مسلمہ بنانے کی دعا
۴۶	اولاد کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں
۴۸	اولاد کی قدر و قیمت
۵۰	لڑکی کی پیدائش پر آپ کا رد عمل
۵۴	لڑکی جو باعثِ سعادت بنی
۵۷	بہنی ماں باپ کی جنت
۵۸	قابلِ رشک صلہ
۶۴	بچیوں کی شادی کرانے کی فضیلت

معاون و مددگار بنئے۔

۴ کتاب کو تحفہ میں دے کر آپ علمی دوست بن سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بنا سکتے ہیں اس لئے کہ کتاب جہاں کہیں بھی رکھی جاتی ہے وہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف دعوت دیتی ہے اور لوگ دینی، معاشرتی، اخلاقی احکام اور ہدایات سے باخبر ہوں گے تو اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ با عمل بھی ہوں گے۔

۵ اللہ تعالیٰ نے مالی گنجائش عطا کی ہو تو کم از کم دس کتابوں کو لے کر والدین اور اساتذہ کرام کے ایصالِ ثواب کے لئے وقف کر دیں، یا رشتہ داروں، دوستوں کو خوشی کے مواقع پر پیش کر کے دین اور دنیا کے فوائد اپنائیں۔

کتاب دے دینا ہمارا کام ہے، مطالعہ کی توفیق اور پھر ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، ہم اپنا کام پورا کرنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرما کر مطلوبہ نتائج بھی ظاہر فرمائیں گے۔

درج ذیل سطور میں پہلے اپنا نام و پتہ پھر جنہیں ہدیہ دے رہے ہیں ان کا نام و پتہ لکھیں۔

ہدیہ مبارکہ

From

مِنْ

To

إِلَى

صفحہ	عنوان
۶۳	بے سہارا بننے کی کفالت
۶۴	لڑکی اور لڑکے کے ساتھ امتیازی سلوک
۶۷	حقیقہ کرنا
۷۱	ختمہ
۷۳	بچے کو ماں کا دودھ پلوایئے
۷۵	جنت میں شکر کا محل
۷۷	بچوں کی کفالت سے غفلت، سنگین گناہ
۷۸	وہ خرچ جس کا اجر سب سے بڑھ کر ہے
۷۹	وہ باپ جس کا چہرہ بدر کامل کی طرح چمک رہا ہوگا
۸۲	اولاد پر خرچ، والد کی ذمہ داری ہے
۸۵	اولاد کے ساتھ حسن سلوک
۸۹	احف بن قیس کی نصیحت
۹۰	بچوں کے ساتھ سلوک میں مساوات
۹۵	بچوں پر شفقت اور ان سے نرمی کا برتاؤ
۹۷	قرآن کریم و احادیث مبارکہ کے ذریعے بچوں کی تربیت کیجیے
۱۰۱	سب سے پہلے بچے کو کیا سکھایا جائے
۱۰۷	ایمان بنانے کے طریقے
۱۰۸	اولاد کو بوسہ دینے میں سنت کی نیت
۱۱۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے محبت
۱۱۵	بچوں کے جھگڑے اور آپ کی ذمہ داری

صفحہ	عنوان
۱۱۸	ایک لڑکی بھول
۱۲۲	ہرگز ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ کیجیے
۱۲۳	ایک باپ کے لئے خطرناک غلطیاں
۱۳۱	باپ "نرسنگ ہوم" میں
۱۳۱	جیسا کریں گے ویسا بھریں گے
۱۳۳	حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولاد کی فکر
۱۳۵	تھیل کوو
۱۳۹	ذہنی فائدے
۱۴۰	جذباتی فائدے
۱۴۰	بچوں کو تربیت دینے کا انداز
۱۴۳	کھانا کھانے کا ایک ادب
۱۴۵	سات سال سے پہلے تعلیم
۱۴۶	بچوں کو مارنے کی حد
۱۴۷	بچوں کو تربیت دینے کا طریقہ
۱۴۸	بچے کو کیا کہہ کر پکارا جائے؟
۱۵۰	لفظ "بیٹا" ایک شفقت بھرا خطاب
۱۵۲	ذاتی عمل نجات کے لئے کافی نہیں
۱۵۳	اگر اولاد نہ مانے تو؟
۱۵۳	دنیاوی آگ سے کس طرح بچاتے ہو؟
۱۵۵	اللہ کے واسطے جابر و حاکم باپ نہ بنیے

صفحہ	عنوان
۱۵۹	اولاد پر جبر.....
۱۶۳	زیادہ مار پیٹ سے کبھی بچے مجرم بھی بن جاتے ہیں.....
۱۶۹	مارنے کی شرائط.....
۱۷۵	حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے بیٹے کی تربیت.....
۱۷۷	بچوں کی اصلاح سے مایوس نہ ہوں.....
۱۸۰	بچوں کو احساس کمتری میں مبتلا ہونے سے بچائیے.....
۱۸۶	بچے کو ناجائز دباؤ میں نہ رکھیے.....
۱۹۰	بچوں کو غلطی پر ٹوکنے کا انداز.....
۱۹۹	جوامع النکم.....
۲۰۰	بچوں کو سمجھانے کا طریقہ.....
۲۰۳	جذبات و احساسات کا پاس و لحاظ.....
۲۱۲	بچے کے فیصلے کی قوت خراب نہ کیجیے.....
۲۱۸	اس کے فوائد.....
۲۲۲	نقصانات.....
۲۲۷	بچوں میں مہارت فکر پیدا کرنے کی چند مفید تدابیر.....
۲۳۸	جذبائی و جبلت کی تربیت.....
۲۳۹	جذبہ و جبلت.....
۲۳۹	جبلت کی خاصیتیں.....
۲۳۱	جذبے کی خاصیتیں.....
۲۳۳	جبلتوں اور جذبات کی تربیت.....

صفحہ	عنوان
۲۳۳	بچوں کی تربیت اپنی سعادت عظمیٰ سمجھیے.....
۲۳۸	اولاد سے عام شکایت.....
۲۳۹	ماں باپ کے سوچنے کی باتیں.....
۲۴۳	مناسب مواقع تلاش کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا.....
۲۴۷	قصص و واقعات کے ذریعہ تربیت.....
۲۵۳	مرہی کے اوصاف.....
۲۵۳	۱ اخلاص.....
۲۵۶	۲ علم.....
۲۵۹	۳ صبر و تحمل.....
۲۶۲	۴ حسن گفتار.....
۲۶۳	۵ حسن کردار.....
۲۶۸	مثالوں سے تربیت.....
۲۷۰	کھلائیں سونے کا نوالہ، نگاہ رکھیں شیر کی.....
۲۷۲	بچوں کو ٹی وی سے بچائیے.....
۲۸۱	آوارگی.....
۲۸۶	فلکنا پن.....
۲۹۱	تربیت بھی، مشغولیت بھی.....
۲۹۲	بچے سے غلطی پر صلوة التوبہ پڑھوائیے.....
۲۹۳	بچوں میں ایثار کا جذبہ پیدا کیجیے.....
۲۹۷	اپنی نسل کے لئے منصب امامت طلب کرنا.....

صفحہ	عنوان
۲۹۸	دعائے خلیل الرحمن علیہ السلام کی قبولیت
۳۰۰	بچوں کو فرشتوں کے اعلا نات یاد کروائیے
۳۰۴	سورہ یسین حفظ کروائیے
۳۰۵	فضائل یسین شریف
۳۰۶	بچوں کو مسنون دعائیں یاد کروائیں
۳۰۷	صبح جاگنے کی دعا
۳۰۸	بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا
۳۰۹	جب رات کو سونے کے لئے لیٹے تو یہ دعا پڑھے
۳۱۱	سونے سے پہلے دانتوں کی صفائی
۳۱۳	ناخن کی صفائی
۳۱۳	لباس کی صفائی
۳۱۴	تعلیم و تعلم کے اسلامی آداب
۳۲۰	بچوں کے اساتذہ کی خدمت کیجیے
۳۲۱	بچوں کی تعلیم کب سے شروع کی جائے
۳۲۳	اپنے بچوں کے لئے گھر میں تعلیمی نظام بنائیے
۳۲۴	۱ نظم
۳۲۴	ایک اہم بات تاکید کے ساتھ
۳۲۶	۲ انصاب
۳۲۶	۳ تعلیم کے طریقے
۳۲۷	۴ کتابت (لکھوانا)

صفحہ	عنوان
۳۲۷	۵ کارگزاری
۳۲۹	۶ امتحان و انعامات
۳۲۹	بچے کی قابلیت میں اضافہ ممکن ہے
۳۳۳	دو ٹٹھے بول
۳۴۰	اندھیروں میں روشنی کی کرن "مسکراہٹ"
۳۴۳	اپنا مقام پہچانیے
۳۴۶	باپ کے ہوتے ہوئے بچے یتیم
۳۵۳	نیک والد کی اپنے بیٹے کو وصیت
۳۵۵	حکم ربانی کو بیٹے کی محبت پر ترجیح دینا
۳۶۲	بچے کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی اہمیت بٹھائیے
۳۶۴	نماز کی اہمیت و فرضیت
۳۶۶	نماز فجر ادا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے
۳۶۸	فرض نماز فیند سے بہتر ہے
۳۷۰	فجر کی نماز میں دن رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے
۳۷۲	ساری رات کی عبادت سے فجر کی نماز باجماعت بہتر ہے
۳۷۳	عشاء کے بعد فضول گفتگو کرنا مکروہ ہے
۳۷۴	فرائض و واجبات، نوافل پر بہر حال مقدم ہیں
۳۷۵	صبح کے وقت سونا پسندیدہ نہیں
۳۷۶	صبح کے وقت میں برکت ہے
۳۷۸	نماز فجر کے بعد دینی کاموں میں مشغول ہونا

صفحہ	عنوان
۳۷۹	صبح کو جلد اٹھنے کی تدابیر
۳۸۱	مزید چند تدابیر
۳۸۳	قضا نماز کی ادائیگی میں بھی تاخیر نہیں کرنی چاہیے
۳۸۴	سخت غیر اختیاری
۳۸۵	نماز قضا ہوتے رہنے پر اپنے نفس کو سزا دینا
۳۸۶	دنیا و آخرت کی کامیابی کے چند اصول
۳۹۳	تربیت کے آٹھ سنہری اصول
۳۹۶	ہم ایک امت ہیں
۳۹۸	حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحتیں
۴۰۲	شیطان کے دھوکے سے بچیں
۴۰۶	بچوں کا غصہ بیوی پر نہ اتاریں
۴۰۸	بچے کے سامنے اس کی والدہ کی تعریف کریں
۴۰۸	اگر آپ کی بیوی بچوں کو ڈانٹ رہی ہو تو؟
۴۱۸	تجہائوں کا عذاب
۴۲۱	نکتہ چینی
۴۲۳	بات واضح انداز میں سمجھائیں
۴۲۵	الزامات نہ تھوپیں
۴۲۶	”کیا چیز صحیح ہے“ پر توجہ دیں
۴۲۸	بیوی کی غلطی پر صبر باعث مغفرت
۴۳۲	بیوی کا دل نہ دکھائیے

صفحہ	عنوان
۴۳۶	بیوی کو کبھی برے القاب سے یاد مت کیجیے
۴۴۱	بچے سے دوستی کیجیے
۴۴۳	بچوں کے لئے ایسے دوست تلاش کیجیے
۴۴۵	بچے کی نگہداشت
۴۵۰	بچے کے پیٹ کے درد کی شکایت کو نظر انداز نہ کریں
۴۵۲	آپ کا بچہ مکمل شخصیت کا مالک بن سکتا ہے
۴۵۵	بچوں کو صبح کا ناشتہ اپنی نگرانی میں کروائیے
۴۵۸	اچھا کھانا کون سا ہے؟
۴۵۹	اولاد کے لئے رشتہ کا انتخاب
۴۶۶	اپنی بیٹی کے لئے رشتہ کا انتخاب
۴۷۰	ایک مفید تدبیر
۴۷۱	آداب مشورہ
۴۷۳	آپ کا سلوک اپنے والدین کے ساتھ
۴۸۰	والد صاحب کی شکایت نہ کریں
۴۸۳	آپ کا سلوک بھائی بہنوں کے ساتھ
۴۸۴	اپنے والد صاحب کی خدمت کیجیے
۴۸۵	ایک واقعہ عجیبہ
۴۹۰	اولاد والدین کے لئے یہ دعائیں کرے
۴۹۵	مرنے کے بعد نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے
۴۹۷	شوہر، بیوی اور اولاد کی ذمہ داریاں

صفحہ	عنوان
۵۰۵	مسلمان والدین کے لئے مفید مشورے
۵۱۰	بڑے بیٹے کو تجارت میں ساتھ رکھنے کی بہترین صورت
۵۱۳	ملازمت کرنے والے والد سے گزارش
۵۱۶	وصاحت نہ کرنے کے نقصانات
۵۱۷	ایک ضروری گزارش
۵۱۸	مثالی والد ایک نظر میں
۵۲۷	استحانی پرچہ



باسمہ تعالیٰ

کلمات تبرک

حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

اسلام ہمارے لئے ایک ایسی رحمت بن کر آیا ہے کہ صرف اسی کی بدولت ہمارا نظام زندگی درست ہو سکتا ہے۔ انسانی معاشرہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب کہ ہم اسلامی اصولوں کو اپنائیں۔

کسی بھی قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ بچے ہوا کرتے ہیں، اگر اس وقت وہ گود کا کھلونا ہیں تو آگے چل کر وہی مستقبل کے معمار بنیں گے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے سامنے سب سے پہلے دو بزرگ یعنی ماں باپ ہوتے ہیں۔ باپ ہی اپنے بچے کا پہلا استاد ہوتا ہے اور ہمیں سے بچے کے اچھا یا برا بننے کی بنیاد پڑتی ہے۔ اسی استاد سے وہ اچھے یا برے جذبات و اخلاق اور اطاعت یا نافرمانی کو اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ اس لئے باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت اس ڈھنگ سے کرے کہ اس کے رگ و ریشہ میں دین کی روح سرایت کر جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود بھی ان صفات کا حامل ہوتا کہ بچہ کے لئے عملی نمونہ بن سکے۔

باپ کے اخلاق اعلیٰ ہوں، وہ سچ بولتا ہو، نماز اہتمام سے پڑھتا ہو، ہر طرح کی بری باتوں اور گناہ کے کاموں سے بچتا ہو تو ان شاء اللہ بچہ بھی خود بخود ایسا ہی طریقہ اختیار کر لے گا۔

آج سے چودہ سو سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تربیت کے وہ اصول بتائے، جن پر عمل پیرا ہو کر انہوں نے اپنے بچوں کی ایسی تربیت کی جو کہ اسلام کا معیار مطلوب تھا۔

وہ اپنے بچوں کی تربیت اس انداز سے کرتے تھے کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت پیدا ہو کر اسلام کی خاطر مر مٹنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا تھا۔

حضرات ابن عمر، ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسی ہی تربیت کا بہترین نمونہ ہیں۔ اسی درد کو لے کر ہمارے دوست مولوی محمد حنیف عبد المجید صاحب اور ان کے رفقاء نے کچھ ایسی اصلاحی کتابیں مثلاً ”تحفہ دلہن“، ”تحفہ دولہا“ اور ”مثالی ماں“، ”مثالی استاذ“ مرتب کی ہیں، جن پر عمل کرنے سے ایک صحت مند معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے۔ ان کے علاوہ ”آسان دینیات“، اور ”شرح اسمائے حسنی“ ذوق شوق کی سیریز ”کہانیوں کی دنیا“ کے نام سے کتابوں کا ایک ایسا سلسلہ بھی جاری کیا ہے، جو بچوں کی دینی ذہن سازی کے لئے نہایت مفید ہے۔

زیر نظر کتاب ”مثالی باپ“ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں بچوں کی صحیح اسلامی اصولوں پر تربیت کرنے اور ان کو کامل مسلمان بنانے کی اسلامی تدبیریں درج ہیں۔ بندہ نے جتنے جتن اس کتاب کو دیکھا، امید ہے باقی مضامین بھی صحیح ہوں گے۔ انداز تحریر در دلبریز، آسان اور مبسوط ہے، جس سے عام المسلمین کو بات سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ بندہ کے خیال میں گزشتہ کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی بچوں کی تربیت کے لئے نہایت مفید ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کتابوں کو شرف قبولیت بخشے اور امت مسلمہ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مولانا موصوف اور ان کے احباب کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے اور ان کو ایسی مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی (صاحب شہید رحمہ اللہ تعالیٰ)

استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

کتاب کا تعارف

اس کتاب میں ایک مسلمان پر والد ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، مثلاً نیک، وفا شعار اور دیندار اہلیہ کا انتخاب، اولاد کی پیدائش سے قبل اولاد کے طلب کے لئے دعائیں، بچوں کی دینی و شرعی تربیت کے سنہری اصول، بچوں کی اصلاح اور اسلامی ذہن سازی کی چند بہت اہم تدابیر، توحید ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہو، ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جذبہ پیدا ہو جائے، نیز آج کے یہ نو نہال آئندہ کل کامل مومن، داعی، مجاہد اور امت مسلمہ کے قائد کیسے بنیں؟ ان کی نظر میں قرآن کریم و احادیث مبارکہ کی اہمیت پیدا ہو..... والدین کی محبت اور عظمت ان کے دلوں میں پیدا کرنا..... ان بچوں کے مزاج اور موقع محل کا خیال رکھتے ہوئے کیسے ان کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ پوری امت کے دین پر آنے کی فکر کرنے والے بن جائیں..... ان میں ایثار کا ایسا جذبہ پیدا کرنا کہ اپنا سب کچھ ایک دوسرے پر قربان کرنا ان کے لئے آسان ہو جائے۔

اور ان جیسے اور بے شمار مضامین کو تمثیلات و واقعات کی روشنی میں نفسیات اور طب و حکمت کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسے فطری انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ ہر مسلمان والد نہایت آسانی کے ساتھ ان اصولوں اور تدابیر پر عمل پیرا ہو کر مثالی والد بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے امید کامل ہے کہ ان تدابیر پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ گناہوں سے بچنے اور بچانے کے اہتمام کرنے سے ان شاء اللہ ہر گھر جنت کا نمونہ بن جائے گا اور ایک مطمئن اور خوشحال معاشرہ وجود میں آئے گا۔

وما ذالك على الله بعزيز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ اس کتاب کو کیسے پڑھیں؟

یاد رکھیے مسلمان کی نیت بہت ہی زیادہ اہمیت رکھتی ہے، لہذا پڑھنے سے پہلے یہ نیت کر لیں کہ اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے اور اس کتاب میں جو دین کی بات میں پڑھوں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا، اس نیت سے آپ پڑھیں گے، تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر عمل کی توفیق ضرور عطا فرمائیں گے۔ جس بات پر عمل کرنا مشکل ہوگا، آپ کی پکی نیت اور یکے ارادہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنا آسان فرمائیں گے، اور جتنا وقت پڑھنے پر لگے گا وہ دین بنتا جائے گا اور عبادت میں شمار ہوگا۔

چونکہ یہ کتاب خاندانی زندگی کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے اور خاندان صحیح ہو تو معاشرہ بنتا ہے، یعنی اگر گھر کی زندگی صحیح کر لی تو باہر کی زندگی بھی صحیح ہو سکتی ہے، اس لئے ہماری عاجزانہ گزارش یہ ہے کہ

”اس کتاب میں درج مضامین، ہدایات اور اصلاحی باتوں کو انتہائی سنجیدگی اور ہدایت کی نیت سے پڑھا جائے اور جن کوتاہیوں سے بچنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، ان سے بچنے کی پوری کوشش کی جائے۔“

انہیں واقعی اس نیت سے پڑھا جائے کہ مجھے اپنی اصلاح پر توجہ دینی ہے اور آئندہ کے لئے ان غلطیوں کے ارتکاب سے بچنا اور بچانا ہے۔ کتاب کی روح یہ ہے کہ جن مضامین کی طرف کتاب دعوت دے رہی ہے ان پر عمل پیرا ہو جائے، اگر اس کے مضامین پر عمل ہو گیا تو سمجھ لیں کہ کتاب دیکھ لی ورنہ نہیں دیکھی۔ امید ہے

کہ آپ ہماری ان گزارشات کو سامنے رکھ کر اس کتاب کا مطالعہ کریں گے۔

① کتاب پڑھنے سے قبل یہ دعا ضرور کر لیں کہ یا اللہ! اس کتاب کو میری ہدایت کا ذریعہ بنادے اور مجھے اپنے گھر والوں کی نفاذ میں مصلح اور مجھے اپنے بچوں کے لئے نیک اور مثالی والد بنادے اور میری اولاد کو میرے لئے ”قُرۃِ اَعْیُن“ آنکھوں کی ٹھنڈک بنا اور مجھے بھی اپنے والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔

② کتاب پڑھنے کے لئے وقت ایسا نکالا جائے جو انہنوں یا پریشانیوں سے گھرا ہوا نہ ہو، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ الجھن ذہن پر موار تھی کسی اور وجہ سے، اور چھین محسوس ہوئی کتاب کے مضمون سے۔

③ ایک اہم گزارش یہ ہے کہ کتاب کو از اول تا آخر مکمل طریقے پر ترتیب وار پڑھیں خواہ اس میں مہینہ بھر لگ جائے، بلکہ اس سے بھی زیادہ لگ جائے تب بھی آچھ مضاقت نہیں، مگر پڑھیں مکمل طور پر اور ترتیب وار، صورت اس کی یہ ہے کہ کل صفحات کی تعداد کا اندازہ کر کے یومیہ کچھ صفحے پڑھنا متعین کر لیں، اور جہاں پہنچ کر رک جائیں وہاں کوئی نشانی لگا دیں۔

④ مزید یہ کہ کتاب کے مطالعے کے وقت ایک قسم ساتھ رکھیں اور جن امور میں خود کو کوتاہ محسوس کرتے ہوں اس پر نشان لگالیں اور اس کو بار بار پڑھیں اور اس کی اصلاح کے لئے خوب دعا کریں بھی مانگیں اور کوشش بھی کریں۔

تکلم کا دوسرا قاعدہ یہ ہوگا کہ جہاں بھی کوئی بات آپ کو ایسی محسوس ہو کہ وہ اگر کتاب کے مضامین کا حصہ ہوتی تو پڑھنے والے کی نفسی دور کرنے کا ذریعہ بن سکتی تھی یا مسلمان والد ہونے کی حیثیت سے..... یا شوہر ہونے کی حیثیت سے..... یا استاد ہونے کی حیثیت سے..... مزید کوئی اہم ذمہ داری کی بات جو اس کتاب میں اگر ہوتی تو مسلمان بھائیوں کے لئے مفید ہوتی اور اس پر عمل کرنے سے گھروں سے

لڑائی جھگڑوں کی فضا ختم ہو سکتی۔ تو کسی الگ کاپی میں صفحہ اور سطر کے حوالہ کے ساتھ لکھ کر اور ناشر کے توسط سے ہم تک پہنچا کر اجر عظیم کے مستحق بنیے۔

کتاب پڑھتے ہوئے دنیا کے سارے مسلمان شادی شدہ جوڑوں کے لئے دعا میں بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ ان میں محبت، الفت پیدا فرمائے، ان کو صالح مسلمان بچوں کے دنیا میں آنے کا سبب بنائے، خوب خوب خوشیاں دکھائے، روزانہ دعا کریں کہ آج کے دن جہاں بھی شادیاں ہوئیں ان میاں بیوی میں اللہ پاک محبت پیدا فرمائے۔ اور ان کی اولاد کو دین کا خادم اور دین کا داعی بنائے۔

اس کتاب کو پڑھنے کی دوسرے مسلمان مردوں کو بھی دعوت دیں اور اس کتاب میں جو ایمانی ترقی اور اخلاقی بہتری سے متعلق بات ملے، ان خوبیوں اور صفات کی طرف دوسرے حضرات کی بھی توجہ دلائیں۔

آخر میں گزارش ہے کہ کتاب اور جن بزرگوں کی کتابوں سے استفادہ کر کے اس کتاب کے مضامین تیار کئے گئے یا دوران تیاری کتاب جن بزرگوں، دوستوں یا علماء، حضرات سے رہنمائی حاصل کی گئی، نیز اس کی تیاری کے مختلف مراحل میں کسی بھی طرح شریک ہونے والے جملہ معاونین کے لئے خصوصی طور پر دعاؤں کا اہتمام فرمائیں۔ جزا لم اللہ تعالیٰ۔



ہیں۔

آپ بھی اگر عقل مند اور دور اندیش والد ہیں تو اپنے بچوں کو نیک اور صالح بنانے کی فکر کیجیے۔

میرے مرنے کے بعد

بچوں کا

کیا ہوگا؟

لوگ اس سوال پر غور کرتے ہیں اور جو کچھ بن پڑتا ہے، انتظام کرتے ہیں۔ ایسے لوگ دور اندیش اور عقل مند سمجھے جاتے ہیں مگر۔

بچوں کے مرنے کے بعد

بچوں کا

کیا حال ہوگا؟

اس سوال پر ہم ہی لوگ غور کرتے ہیں، حالانکہ اصل سوال یہی ہے۔ ہمارے بچے نیک و صالح نہ بن سکے تو چاہے وہ دنیا میں کچھ بھی کیوں نہ بن جائیں، معاملہ نقصان ہی کا رہا۔

دور اندیش اور عقل مند لوگ دنیا سے کہیں زیادہ آخرت کے بارے میں سوچتے

ضروری گزارش

لِسَلَامٍ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ہم نے کتاب میں تصحیح و تخریج کی پوری کوشش کی ہے تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں کمی بیشی یا انابط و غیرہ نظر آئیں تو ازراہ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی دور کی جائے۔

مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ہم نے آخر میں ”خط“ دیا ہے وہ ضرور بھیجیں۔

اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کافی محنت ہوئی ہے، امید ہے قدر دان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہیں گے۔

جَزَاؤُكُمْ اللَّهُ خَيْرًا

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب بیت العلم مرست

بچے کے لئے دعا کیجیے

یوں تو اولاد کی اصلاح کے بہت سے طریقے ہیں جنہیں حسب موقع اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”لطائف حوالہ المنن والاخلاق“ میں لکھا ہے کہ اولاد کی اصلاح کے لئے سب سے زیادہ کارگر عمل یہ ہے کہ والدین ان کی دینی اصلاح کے لئے دعا کا اہتمام کریں۔ دعا کرنے میں نہ تو پیسہ خرچ ہوتے ہیں، نہ جان مارنا پڑتی ہے، لہذا اپنی اولاد کی دینی و دنیوی اصلاح کے واسطے دعا مانگنا سب سے آسان تدبیر ہے۔ والدین کی خدمت میں عاجزانہ گزارش ہے کہ اپنی اولاد کے لئے خوب دعاؤں کا اہتمام کریں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ فرمائیں۔

تمام مسلمان والدین کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کی ذات اور خصوصاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک قابلِ اہتمام ہے اور اولاد کے لئے دعاؤں کا مانگنا اکثر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرت میں ملتا ہے۔ درحقیقت دعا مانگنے کا سب سے اچھا طریقہ اور طریقہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہوتا ہے۔ ان کی دعائیں سبق آموز ہوتی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیا چیز مانگنے کی ہے۔

قرآن کریم و احادیث میں مذکور دعائیں پیغمبرانہ فراست والی دعائیں ہیں اور گویا ایسی ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ مجھ سے یہ دعائیں مانگو، تو یقیناً یہ دعائیں قبولیت کے بہت زیادہ قریب ہیں، لہذا تمام مسلمان والدین ان دعاؤں کے مانگنے کا اہتمام کریں، خصوصاً پانچوں نمازوں کے بعد یہ دعائیں ضرور مانگیں، یہاں پر ہم چند دعائیں لکھتے ہیں:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾^۱

ترجمہ: ”اے رب! بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا۔“

کتنی مختصر اور جامع دعا ہے۔ اس دعا کو چلتے پھرتے کثرت سے مانگا کریں اور اپنی اہلیہ کو بھی ترغیب دیں۔ خاص طور پر زمانہ حمل میں تو آپ اور آپ کی اہلیہ اس دعا کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں، ان شاء اللہ تعالیٰ رب کریم آپ کو ایسی اولاد عطا فرمائیں گے کہ جو آپ کے بلکہ آپ کی خاندان اور نسلوں کے لئے بھی دین و دنیا کی کامرانیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ بنے گی۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نیک اولاد طلب کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”وہ دعوت و اطاعت کے کاموں میں میری اعانت کریں اور پردیس میں میرے موافق اور غم خوار بنیں۔“^۲

شیخ ابن عاشور رحمہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں لکھتے ہیں: ”انہوں نے (اپنی دعا میں) اولاد کے ساتھ ان کے نیک ہونے کا ذکر کیا، کیونکہ نعمت اولاد کی تکمیل ان کی نیکی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اولاد کی نیکی والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک بھی اولاد کی نیکی ہی کے آخر میں سے ہے۔“^۳

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”ایسی تابع دار اولاد عطا فرما جو چھوڑے ہوئے کنبے اور قوم کا عوض ہو۔“^۴

۱۔ سورہ مفت: آیت ۱۰۰

۲۔ تفسیر بیضاوی: ج ۲ ص ۲۹۸

۳۔ التحریر والتبیین: ج ۲۳ ص ۱۵۸

۴۔ تفسیر ابن کثیر: ج ۴ ص ۱۶

﴿وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ﴾^۱ رَبِّ إِنِّي أَخْلَعُ

كَبِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

ترجمہ: ”اور مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھیے۔ اے رب! یقیناً انہوں (بتوں) نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے، پس جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی پس تو یقیناً معاف کرنے والا مہربان ہے۔“

اور شیخ دکثور فضل الہی اپنی کتاب ”ابراہیم علیہ السلام ابا“^۲ ج ۵، ص ۵۲ میں لکھتے ہیں: ”وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ“ کا معنی جیسا کہ امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے، یہ ہے کہ ہمیں ان کی عبادت سے بچنے میں ثابت قدمی عطا فرمائے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے: ”مجھے اور انہیں (میری اولاد کو) ان کی عبادت کے قریب چھٹکنے سے بھی محفوظ رکھنا۔“^۳

حضرت خلیل الرحمن علیہ السلام کا اپنے اور اپنی اولاد کے بت پرستی میں مبتلا ہونے کا خدشہ کس قدر شدید تھا، خود منصب امامت پر فائز ہونے اور اولاد کی نیکی کے باوجود اس بارے میں کتنے فکر مند تھے کہ اس مسئلے میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے ہیں۔

ہم تو اتنے کمزور ہیں کہ جس کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ:

فَإِنَّهُ مَنْ لَا يَدْفَعُ عَنْ مَنكِبِهِ النَّاسَ فَكَيْفَ يَدْفَعُ عَنْ غَابِدِيهِ

النَّاسِ

۱۔ سورہ ابراہیم: آیت ۳۵، ۳۶

۲۔ التفسیر الکبیر: ج ۱۹ ص ۱۲۲، زاد المسیر: ج ۳ ص ۳۶۵

۳۔ تفسیر سعدی: ص ۲۵۳

تَرْجَمَتًا: ”پس جو شخص اپنے کندھوں سے کلباڑی کو ہٹا نہیں سکتا، وہ کیسے اپنے ساتھیوں سے تکلیف کو دور کر سکتا ہے۔“

شیخ ابراہیم نجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب بات کہی ہے:

”مَنْ يَأْمَنُ الْبَلَاءَ بَعْدَ الْخَلِيلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِينَ يَقُولُ: (وَاجْنِبْنِي وَبَنِي أَنْ تَعْبُدَ الْأَصْنَامَ) كَمَا عَبْدَهَا أَنِي وَفَرَمِي“^۱

یعنی حضرت خلیل علیہ السلام کے بعد کون بتائے فتنہ ہونے کے ڈر سے آزاد رہ سکتا ہے؟

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: ”مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچائے رکھنا کہ ہم اس طرح بتوں کی عبادت کریں جس طرح کہ میرے باپ اور میری قوم نے کی۔“ تو ہمیں کتنی زیادہ دعائیں مانگنے کی ضرورت ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہر داعی کو چاہیے کہ وہ اپنے لئے اپنے والدین کے لئے اور نسل کے لئے (بتوں کی عبادت سے دور رہنے کی) دعا کرے۔^۲ یہ شرک سے بچنے کے لئے، اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لا شریکہ پر مکمل ایمان رکھنے والا جتنے کے لئے، اور عقیدہ توحید پر راسخ ہونے کے لئے بہترین دعا ہے۔ اس دعا کے بارے میں مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ: ”انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اگرچہ معصوم ہوتے ہیں، ان سے شرک و بت پرستی بلکہ کوئی گنہ و سرزد نہیں ہو سکتا، مگر یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا میں اپنے آپ کو بھی شامل فرمایا ہے، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ طبعی خوف کے اثر سے انبیاء علیہم السلام بھی ہر وقت اپنے آپ کو خطر و میں محسوس کرتے رہتے ہیں یا یہ کہ اصل مقصود اپنی اولاد کو شرک و بت پرستی سے بچانے کی دعا کرنا تھا، اولاد کو اس کی اہمیت سمجھانے کے لئے

اپنے آپ کو بھی شامل فرمایا، اللہ جل شانہ نے اپنے خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول فرمائی، ان کی اولاد شرک و بت پرستی سے محفوظ رہی۔“^۳

﴿وَرَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ نَيْلِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْنِهِمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾^۴

تَرْجَمَتًا: ”اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو بے کھیتی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسایا ہے، اے ہمارے رب! (یہ اس لئے) تاکہ وہ نماز قائم رکھیں، پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ شکر کریں۔“

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: ”(تَهْوِي إِلَيْهِمْ) تَحَنُّنٌ إِلَيْهِمْ“ وقال فتاوة: ”تَسْرِعُ إِلَيْهِمْ“ وقال الفقهاء: ”تُرِيدُهُمْ“^۵

”(تَهْوِي إِلَيْهِمْ) (سے مراد) ان کی طرف جانے کے لئے بے قرار ہوں، اور قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: ”ان کی طرف کچھ جائیں۔“ اور فراء رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: ”لوگوں کے دلوں میں ان کی چاہت ہو۔“

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے: ”(تَهْوِي إِلَيْهِمْ) تَسْرِعُ إِلَيْهِمْ شَوْقًا وَوَدَادًا“^۶

”(تَهْوِي إِلَيْهِمْ) (سے مراد) شوق و مودت سے ان کی طرف بھاگے جائیں۔“

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”(فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ

تَهْوَىٰ إِلَيْهِمْ: اِنِّی تُحِبُّهُمْ، وَتُحِبُّ الْمَوْضِعَ الَّذِیْ هُمْ سَاکِنُونَ فِیْهِ۔^۱

”فاجعل أفیة مَنْ النَّاسِ تَهْوَىٰ إِلَيْهِمْ“ کا معنی یہ ہے کہ وہ ان سے محبت کریں اور اس جگہ سے بھی پیار کریں جہاں انہوں نے سکونت اختیار کر رکھی ہے۔

ہر والد کو چاہیے کہ یہی دعا اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لئے بھی کرے کہ:

اے اللہ! ہم کمزوروں کی نسل کو نیک بنا اور انہیں اپنا محبوب بنا، اور صالحین کے دلوں میں ان کے لئے چاہت اور محبت پیدا فرما۔ اِنَّكَ سَمِیعُ الدُّعَاءِ۔

اصل میں یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت مانگی، جب وہ اپنی زوجہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کی وادی سنکستان اور بے آب و گیاہ جگہ میں چھوڑ کر جا رہے تھے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک طرف تو مقام خلیل اللہ کا حق ادا کیا کہ جس وقت اور جس جگہ ان کو یہ حکم ملا کہ آپ ملک شام واپس چلے جائیں۔ اس بے آب و گیاہ لُح و دِق میدان میں اہلیہ اور شیر خوار بچے کو چھوڑ کر چلے جانے اور حکم ربانی کی تعمیل میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں فرمائی، اس کی تعمیل میں اتنی دیر لگانا بھی گوارہ نہیں فرمایا کہ اہلیہ محترمہ کے پاس جا کر تسلی دیں، اور کہہ دیں کہ مجھے یہ حکم ملا ہے آپ گھبراہٹیں نہیں، بلکہ جس وقت جس جگہ حکم ملا فوراً حکم ربانی کی تعمیل کے لئے چل کھڑے ہوئے۔

دوسری طرف اہل و عیال کے حقوق اور ان کی محبت کا یہ حق ادا کیا کہ پہاڑی کے پیچھے ان سے اوجھل ہوتے ہی حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی حفاظت اور امن و اطمینان کے ساتھ رہنے کی دعا فرمائی، ان کی راحت کا سامان کر دیا، کیونکہ وہ اپنی جگہ مطمئن تھے کہ تعمیل حکم کے ساتھ (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان کر) جو دعا کی جائے گی

بارگاہ کریم سے وہ ہرگز رو نہ ہوگی، اور ایسا ہی ہوا کہ یہ بے کس و بے بس عورت اور بچہ نہ صرف خود آباد ہوئے بلکہ ان کے طفیل میں ایک شہر آباد ہو گیا۔^۲

اس مضمون میں خصوصیت سے جس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت بہت ضروری امر ہے اور اس کے ساتھ دعا مانگنا سونے پر سبائہ کی طرح ہے یعنی باجماعت پانچوں نمازیں ادا کرنا، صاحب نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ و حج ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرنا، چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہوں سے بچنا، آنکھیں کسی نامحرم کی طرف نہ اٹھیں، زبان سے کسی کا دل نہ دکھائے، کسی کی خبیثت نہ کرے، کسی کو طعنہ نہ دے، حقوق العباد کا پورا پورا اہتمام کرنا، سارے عالم کے انسانوں کو پورے دین پر عمل پیرا کرنے کے لئے اپنی جان و مال اور صلاحیت لگانا اور پھر اس کے ساتھ دعا مانگنا ہو تو سمجھیں قبولیت میں ذرا تردد نہ ہوگا اور فوراً قبول ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ کہ حقوق اللہ کے اہتمام کے ساتھ بیوی بچوں کی تمام جائز ضرورتوں کا دل جان سے خیال رکھنا اور ان کے لئے حلال روزی کی فراہمی میں کوشش کرنا، برائی قومہ نہ سہی، انڈا پر اٹھا نہ سہی، ریشم چکن نہ سہی، لیکن دال بھری اور سوتی اونی کپڑے مہیا کرنے اور ان کو دیندار بنانے کی حتی الامکان کوشش کرنے میں کوتاہی نہ کرنا، جب اللہ کے راستہ میں ملکوں میں جانا ہو، دین کی سر بلندی کے لئے سفر ہو تو گھر والوں کو اعتماد میں لینا، ان کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں مانگنا، ان کی ہدایت، استقامت اللہ تعالیٰ سے منوالینا اور ان کے لئے عافیت اور سہولت کو اللہ تعالیٰ سے مانگ لینا بھی بہت ضروری ہے۔

دینی مقاصد کی خاطر اپنی اولاد کو سرزمین مکہ مکرمہ میں چھوڑنے کے بعد حضرت

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ ان کے اس اقدام سے ہونے والی کمی کی وہ خود تلافی فرمائے۔ ”وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ“

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں قلم بند کیا ہے: ”وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ“: یعنی میری اس نسل کو جنہیں میں نے یہاں بسایا ہے، پھلوں کا رزق دے، یا (مراد یہ ہے کہ) انہیں اور ان کے ساتھ رہائش پذیر ہونے والے لوگوں کو ان سب قسموں کے پھلوں کا رزق عطا فرما جو اس جگہ پیدا ہوں یا باہر سے لائے جائیں۔

حضرت خلیل علیہ السلام کی اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی نسل کے لئے ان تمام اقسام کے پھلوں کے رزق کی دعا کی جو لوگوں کے درمیان معروف تھے۔ اس بارے میں شیخ ابن عاشور رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر کیا ہے: (الثمرات) میں تعریف (ال) استغراق عرفی کے لئے ہے، یعنی پھلوں کی وہ تمام اقسام جن سے لوگ آشنا ہیں، اور اس میں ان (کی نسل) کے لئے خوش حالی کی دعا ہے تاکہ وہ (سامان خورد و نوش کی قلت کے سبب) وہاں سے کوچ کا ارادہ نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا، اور جس چیز کے فقدان کا انہیں اندیشہ تھا وہی چیز اس سے اعلیٰ نوعیت اور وافر مقدار میں ان کی نسل اور اہل مکہ کو عطا فرمائی۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجَنَّبُوا فِيهِ ثَمَرَاتٌ كُلِّ شَيْءٍ رَزَقْنَا مِنْ لَدُنَّا وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾

ترجمہ: ”کیا ہم نے انہیں امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر چیز (یعنی قسم) کے پھل کھینچے چلے آتے ہیں، (یہ) ہماری

سہ فتح القدیر: ج ۳ ص ۱۶۱

سہ انحرار والتوہید: ج ۱ ص ۱۵، روح المعانی: ج ۳ ص ۲۵۵

سہ سورۃ القصص: آیت ۵۷

طرف سے رزق ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔“

اپنی نسل کے لئے عبادت و طاعت میں

معاون رزق طلب کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی نسل کے لئے ہر قسم کے پھلوں کے رزق کی دعا کی تو انہوں نے اپنی دعا ہی میں طلب کیا کہ وہ رزق ایسا ہو جو عبادت و طاعت میں ان کی بھرپور توجہ، دل جمعی اور تقویت کا سبب ہو۔

قرآن کریم میں حضرات ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

﴿وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾

ترجمہ: ”اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرماتا کہ وہ شکر کریں۔“

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں تحریر کیا ہے: ”یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عقل مند شخص کا دنیوی منافع (کے حصول) سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کے میسر آنے پر وہ توجہ اور دل جمعی سے عبادت اور نیکی کے کام کر سکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بات کو واضح کیا کہ اپنی اولاد کے لئے دنیوی منافع طلب کرنے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ خوب توجہ اور دھیان سے نمازیں اور دیگر واجبات ادا کر سکیں۔“

علامہ خازن رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: ”یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دنیوی فوائد صرف اس غرض سے حاصل کیئے جاتے ہیں کہ وہ عبادات کے ادا کرنے اور نیکی کے امور سرانجام دینے میں معاون بن سکیں۔“

سہ سورۃ ابراہیم: آیت ۳۷

سہ تفسیر خازن: ج ۳ ص ۳۹

شیخ ابن عاشور رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: (دنوی ساز و سامان کے حصول سے) مقصود یہ ہے کہ ایک سوئی کے ساتھ عبادت کے اسباب میسر آ جائیں۔ اور اس کی راہ میں حائل ہونے والی فکر معاش کی رکاوٹ ختم ہو جائے۔^۱

ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بقدر ضرورت حلال اور پاکیزہ دنیوی ساز و سامان اور مال و دولت طلب اور جمع کرتے وقت اس کی غرض و غایت بھی یہی ہو۔ دنیوی مال و متاع کو مقصود بالذات نہ ٹھہرائے۔

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جو دنیوی مال و متاع میسر آئے اس کے ذریعے اپنی آخرت بنانے اور سدھارنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ﴾^۲

ترجمہ: ”اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کر رکھا ہے، اس سے آخرت طلب کیجیے۔“

امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے:

﴿اُطْلُبْ فِيمَا اَعْطَاكَ اللَّهُ مِنَ الْاَمْوَالِ وَالنِّعَمِ الْجَنَّةَ وَهُوَ اَنْ تَقُوْمَ بِشُكْرِ اللَّهِ فِيمَا اَنْعَمَ عَلَيْكَ وَتَنْفِقَهُ فِي رِضَا اللَّهِ﴾^۳

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مالوں اور نعمتوں کے ذریعے جنت طلب کرنے کی کوشش کرو، اور اس کی عملی شکل یہ ہے کہ ان نعمتوں کا شکر کرو اور انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے کاموں میں خرچ کرو۔“

شیخ قاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں تحریر کیا ہے: ”اللہ تعالیٰ نے فقر و فاقہ کے بعد آپ کو جو تو نگری عطا فرمائی ہے اس کے ساتھ فرائض و مستحبات میں

۱۔ آخر رب التوبہ: ج ۱۳ ص ۲۴۲، روح البانی: ج ۱۳ ص ۲۴۴

۲۔ سورہ قصص آیت ۷۷

۳۔ تفسیر بغوی: ج ۳ ص ۵۵۴

سے نیک اعمال کر کے اپنے لئے زادِ آخرت بنا لیجیے۔“^۱

اللہ تعالیٰ ہمیں، جہرے بہن بھائیوں اور اولادوں کو ان سعادت مند لوگوں میں شامل فرمائے جو نعمت دنیا کو ایک سوئی اور توجہ سے عبادت کرنے اور زیادہ سے زیادہ اچھے کام سرانجام دینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ آمین یا حی یا قیوم!

اس لئے حدیث میں یہ دعا سکھائی گئی کہ اے اللہ!

﴿وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا كِبْرًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ﴾^۲

ترجمہ: ”اور دنیا کو ہمارا بڑا مقصد نہ بنا اور نہ اس کو ہمارے علم کی انتہائے پرواز بنا۔“

والد کو چاہیے کہ اپنی اولاد کے لئے رزق میں برکت کی دعا کرے

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے ایک طویل روایت نقل کی ہے۔ اور اسی میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر مکہ مکرمہ تشریف لائے، تب ان کے بیٹے گھر میں موجود نہ تھے۔ انہوں نے اپنی بہو سے ان کے حالات اور گزران کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے یہ سوال بھی کیا: ”ہا طعمائکم؟“ ”تمہاری خوراک کیا ہے؟“

بہو نے عرض کی: ”اللحْمُ“ ”گوشت۔“

انہوں نے پوچھا: ”فَمَا شَرَبْتُمْ؟“ ”تمہارا مشروب کیا ہے؟“

اس نے جواب دیا: ”الْمَاءُ“ ”پانی۔“

۱۔ تفسیر قاسمی: ج ۱۳ ص ۱۲۹

۲۔ مشکوٰۃ، باب جامع الدعاء: ج ۱ ص ۲۶۹

انبیوں نے دعا کی: "اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي الْخُبْءِ وَالْمَاءِ."
 "اے اللہ! ان کے لئے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔"

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا دی:
 "اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي طَعَامِهِمْ وَشَرَابِهِمْ."
 "اے اللہ! ان کے لئے ان کے کھانے اور پینے میں برکت عطا فرما۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: "ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ارشاد فرمایا: "بِرُكَّةٍ بِذَعْوَةِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ."
 "(مکہ میں چیزوں کی فراوانی) ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت کی وجہ سے
 ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عام مسلمانوں کے بچوں کے لئے بھی برکت کی دعا
 کیا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں
 ایک باب کا درج ذیل عنوان رکھا ہے:

«الدُّعَاءُ لِلصَّبِيَّانِ بِالْبِرْكَةِ وَمَسْحَ رُؤُوسِهِمْ»
 "بچوں کے لئے برکت کی دعا کرنا اور ان کے سروں پر ہاتھ
 پھیرنا۔"

اور اس باب میں ذکر کردہ واقعات میں سے تین درج ذیل ہیں:

(الف) ... حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو آپ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے برکت کی دعا کی۔

(ب) ... حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ انہیں آنحضرت صلی اللہ

رحمہ اللہ بخاری، کتاب الانبیاء: ج ۱ ص ۲۷۶

بخاری، کتاب الانبیاء: ج ۱ ص ۲۷۶

بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء للصبيان بالبركة ومسح رؤوسهم: ج ۲ ص ۹۳۰

بخاری

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعائے برکت
 کی۔

(ج) حضرت ابو قتیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 دعائے برکت فرمائی۔

لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے لئے بھی اور اولاد کے لئے بھی پاکیزہ حلال
 رزق وافر کے لئے دعا مانگتے رہیں اور پھر ان کے رزق میں برکت کی دعا بھی مانگتے
 رہیں، اور اے اللہ! یہ رزق ان کو آپ کی اطاعت و فرمانبرداری میں مدد کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسے کو

طلبِ برکت کی دعا سکھانا

غلاوہ انیس ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے نواسے حضرت
 حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس بات کی تعلیم دی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی
 کریں: "اپنی عطا کردہ نعمتوں میں میرے لئے برکت عطا فرما۔" امام ترمذی رحمہ اللہ
 تعالیٰ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں
 نے کہا:

«عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ أَقُولُهَا فِي
 الْوُتْرِ: اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ - وَمَنْهَا: وَبَارِكْ لِي فِيمَا
 أَنْعَمْتَ عَلَيَّ»

"مجھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر میں کہنے (دعا کرنے)

صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء للصبيان بالبركة ومسح رؤوسهم: ج ۲ ص ۹۳۰

بخاری

رواہ الترمذی، فی ابواب الوتر: ج ۱ ص ۱۰۶

کے لئے یہ الفاظ سکھائے:

اے اللہ! جن کو تو نے ہدایت دی، مجھے بھی ان میں سے (شامل کر کے) ہدایت دے۔

اور اسی دعا میں ہے: ”اور تو نے جو کچھ عطا کیا ہے، اس میں میرے لئے برکت عطا فرما۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے خام خاص حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اس طرح دعا فرمائی:

﴿اللَّهُمَّ اكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِي مَا أُعْطِيَ﴾

ترجمہ: ”اے اللہ! اس (انس) کے مال کو زیادہ فرما، اس کی اولاد کو بڑھا اور (اپنی طرف سے) جو نعمتیں تو نے اس کو عطا کی ہیں ان میں برکت دے۔“

﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ﴾

ترجمہ: ”اے میرے رب! مجھ کو بھی نماز کا (خاص) اہتمام رکھنے والا رکھیے اور میری اولاد میں بعضوں کو اے ہمارے رب، اور میری (یہ) دعا قبول کیجیے۔“

یہ مشہور دعا ہے جو اکثر نماز میں درود شریف کے بعد بھی پڑھی جاتی ہے۔ دراصل اپنی اولاد کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں نماز کا پابند بنا دیا جائے، اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں نہ صرف اپنی اولاد کے لئے بلکہ اس کی آنے والی تمام نسلوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے نماز کی پابندی کی دعا مانگی

۱۔ مکتوبہ جامع المناقب: ج ۲ ص ۵۷

۲۔ سورہ ابراہیم آیت ۴

ہے۔ ہر مسلمان اور مثالی والد کو سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کے گھر والے خصوصاً بیوی بچے نماز کے پابند رہیں۔ اسی کے لئے مختلف تدابیر جو آگے مضامین میں آئیں گی ان کے ساتھ ساتھ یہ ایک بہترین دعا تعہیم کی گئی ہے، لہذا اس کا خوب اہتمام کریں۔

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾

۱۔

ترجمہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا پیشوا بنا دے۔“

یہ مبارک دعا قرآن کریم میں مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ اس دعا کرنے والوں کو اپنے خاص اور نیک بندے فرماتے ہیں، یعنی اللہ والے بندوں کی صفات میں یہ شامل ہے کہ وہ یہ دعائیں کریں۔ آنکھوں کی ٹھنڈک بنادینے سے مراد حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول دیکھے، یہی ایک انسان کے لئے آنکھوں کی اصلی ٹھنڈک ہے اور اگر اولاد اور بیویوں کی ظاہری رحمت و عافیت اور خوشحالی بھی اس میں شامل کی جائے تو وہ بھی درست ہے۔

یہاں اس دعا سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح اور اعمال صالحہ پر قناعت نہیں کر لیتے بلکہ اپنے اہل و عیال کی بھی اصلاح اعمال و اخلاق کی فکر کرتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اسی کوشش میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کی صلاحیت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہیں۔ ”وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا“ کے بارے میں بعض علماء کرام نے

۱۔ سورہ فرقان آیت ۷۴

فرمایا ہے کہ ہر شخص اپنے اہل و عیال کا قدرتی طور پر امام و پیشوا ہوتا ہے، اس لئے دعا کا حاصل یہ ہو گیا کہ ہماری اولاد اور اہل و عیال کو متقی بنا دیجئے اور جب وہ متقی ہو جائیں گے تو طبعی طور پر یہ شخص متقین کا امام و پیشوا بن جائے گا۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں اپنی بڑائی کی دعا میں اپنے لئے کوئی ریاست و امامت اور پیشوائی طلب کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصود اس دعا کا یہ ہے کہ ہمیں ایسا بنا دیجئے کہ لوگ دین و عمل میں ہماری اقتداء کیا کریں اور ہمارے علم و عمل سے ان کو نفع پہنچے تاکہ اس کا ثواب ہمیں حاصل ہو۔ حضرت مکحول شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دعا کا مقصود اپنے لئے تقویٰ کا ایسا اعلیٰ مقام حاصل کرنا ہے کہ دنیا کے متقی لوگوں کو بھی ہمارے عمل سے فائدہ پہنچے۔

تو مسلمان والد کو چاہیے کہ اپنے بیٹے اور بیٹی (بہو اور داماد) کے لئے دین و دنیا کی بھلائی کی دعا کرے اور خوب اخلاص کے ساتھ دعا کرے کہ یا اللہ! میرے بیٹے اور بیٹی کو پکا دین دار اور خالص مسلمان بنا، اپنے نازل کردہ دین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نورانی طریقوں پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور اس پر ان کو قائم رکھ، یا اللہ! ان کو دنیا کے اندر دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھیلائے کا ذریعہ بنا، انہیں دین کا خادم اور دین پر اپنا سب کچھ قربان کرنے والا بنا، یا اللہ! انہیں عالم عالمہ، حافظ حافظہ، داعی داعیہ، مبلغ مبلغ، یا اللہ! ان کو ہدایت یافتہ و ہادی بنا، یا اللہ! ان کی تمام دیوی و اخروی مصیبتیں دور فرما، انہیں سوائے اپنی ذات بابرکت کے کسی اور کا محتاج نہ بنا، ان کو صالح بنا۔

یا اللہ! تو ہمیں اور ہماری اولاد کو ایمان کی زینت سے آراستہ کر دے اور راہ بتانے والا اور خود راہ یافتہ بنا دے، اے اللہ! مجھ کو اور میری اولاد کو اور زیادہ عظم عطا فرما اور ہماری اولاد کو ہدایت عطا کر، اور ان کے دلوں کو اللہ سے بچا اور انہیں اپنی طرف سے خاص رحمت نصیب فرما، بے شک آپ بہت بڑے عطا فرمانے والے ہیں، اے

اللہ! مجھے اور میری اولاد کو اچھے اخلاق نصیب فرما اور بڑے اخلاق مجھ سے اور میری اولاد میں سے دور فرما دے، اے اللہ! میرا اور میری اولاد کا دین سنوار دے جس میں میری اور میری اولاد کے ہر کام کی حفاظت ہے، اور میری اور میری اولاد کی دنیا درست کر دے جس میں ہمارا گزران ہے اور ہماری آخرت درست کر دے جس میں ہمیں لوٹ کر جانا ہے، آمین یا رب العالمین!

اسی طرح جو دعا حالات کے مناسب ہو آپ مانگ سکتے ہیں، مانگیئے خوب رو رک کر مانگیئے اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے اور آپ کی اولاد دنیا و آخرت دونوں میں خوش و خرم رہے گی۔

دعا تو ہر وقت قبول ہوتی ہے اس کے لئے کوئی وقت مخصوص نہیں، البتہ ان مندرجہ ذیل مواقع پر قبولیت کا زیادہ امکان ہے، لہذا ان اوقات میں زیادہ اہتمام کے ساتھ دعائیں مان لگیئے:

① ہر رات کے بچھلے پہر یعنی آخری حصے میں۔ اس وقت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فرمایا ہے کہ تم لوگ مجھ سے مانگو میں دوں گا۔

② شب جمعہ میں،

③ جمعہ کے دن،

④ شب قدر میں،

⑤ اذان کے وقت،

⑥ اذان و اقامت کے درمیان،

⑦ حتی علی الصلوٰۃ اور حتی علی الفلاح کے بعد،

⑧ اقامت کے وقت،

⑨ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دین پھیلانے کی محنت کرتے ہوئے،

⑩ فرض نمازوں کے بعد،

۱۱۔ سجدے کی حالت میں،

۱۲۔ قرآن کریم کی تلاوت اور ختم قرآن مجید کے وقت،

۱۳۔ عرفہ کے دن یعنی نو ذی الحجہ کو،

۱۴۔ رمضان المبارک کے مہینے میں روزہ افطار کے وقت،

۱۵۔ بارش کے وقت،

۱۶۔ زمزم کا پانی پیتے وقت،

۱۷۔ مرغ کی آواز کے وقت،

۱۸۔ صدقہ کرنے یا کسی نیک عمل کے بعد۔

ان اوقات میں گڑا گڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں، اگر آپ کو زیادہ دعائیں یاد نہیں تو اس کے لئے الجزب الاغظم، حصن حصین، پُر نور دعائیں "ولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، مستند مجموعہ وظائف (مرتبہ اساتذہ مدرسہ بیت العلم) پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اولاد سے محبت کرنے والا اور ان کے لئے دعائیں کرنے والا بنائے آمین۔

اپنی نسل کے لئے منتخب شہر کے پُر امن ہونے کی دعا

سیرت ابراہیم علیہ السلام میں یہ بات بھی نظر آتی ہے کہ انہوں نے جس شہر میں اپنی نسل کو بسایا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

۸۔ اے اللہ! اس کو امن والا شہر بنا دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر قرآن کریم میں دو مقامات پر کیا گیا ہے:

۱۔ سورۃ البقرہ میں اس دعا کو ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا ۖ﴾

سورۃ البقرہ آیت ۱۲۶

تَرْجُمَہ: "اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے رب! اس (مقام)

کو امن والا شہر بنا۔"

۲۔ سورۃ ابراہیم میں یہ دعائیں بیان کی گئی ہیں:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا ۖ﴾

تَرْجُمَہ: "اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے رب! اس شہر کو امن

والا بنا دیجیے۔"

(الف) ... سورۃ البقرہ میں ذکر کردہ دعا تعمیر کعبہ سے پہلے کی ہے، اور سورۃ ابراہیم میں موجود دعائے کعبہ اور اہل مکہ کے وہاں رہائش پذیر ہونے کے بعد کی ہے۔

(ب) ... سورۃ البقرہ میں مذکورہ دعا میں دو باتوں کو طلب کیا گیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس ویران جگہ کو شہر بنایا جائے، دوسری بات یہ ہے کہ اس کو پُر امن بنا دیا جائے، اور سورۃ ابراہیم میں صرف شہر کو پُر امن بنانے کی دعا کی گئی ہے اور مقصود یہ ہے کہ امن دائمی ہو۔ کیونکہ وہ ہی مقصود اصلی ہے۔

(ج) ... سورۃ ابراہیم میں صرف طلب امن کی دعا ہے، اس امن میں مبالغہ کا ذکر نہیں، سورۃ البقرہ میں امن میں مبالغہ کی التجا بھی ہے۔
امن کو رزق سے پہلے طلب کرنے کی حکمت:

سورۃ البقرہ میں موجود دعا "رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ" میں ایک قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے طلب رزق سے پہلے اس شہر کے پُر امن ہونے کی دعا کی۔ علامہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی حکمت بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

سورۃ ابراہیم آیت ۳۵

تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۱۸۶

مع المعانی: ج ۱ ص ۳۸۱

سورۃ البقرہ آیت ۱۲۶

”نعمت امن کے ساتھ دعا کی ابتدا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ سب نعمتوں سے بلند و بالا ہے، اور اس کے بغیر دین و دنیا کی کوئی صلاحیت پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتی۔“

کسی عالم سے سوال کیا گیا: ”امن افضل ہے یا صحت؟“ انہوں نے جواب دیا: ”امن افضل ہے۔“

غلام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں لکھا ہے: ”طالب امن کو دیگر سب انتہاؤں پر مقدم کیا کیونکہ امن کے مفقود ہونے کی صورت میں انسان دین و دنیا کے کسی کام کو بھی توجہ اور دل جمعی سے سرانجام نہیں دے سکتا۔“

جیسا کہ حدیث شریف میں ذکر ہے:

”مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهِ، مُعَافًى فِي جَسَدِهِ، عِنْدَهُ قُوَّةٌ يَوْمُهُ، فَكَانَ مِمَّا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا“

ترجمہ: ”تم میں سے جو اپنے اہل و عیال میں امن کے ساتھ صبح کرے، جسمانی طور پر ہمارفیت ہو، اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہو تو وہ ایسے ہے کہ اس کے لئے دنیا کو سمیٹ دیا گیا (یعنی اس کو دنیا دے دی گئی)۔“

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

”بِحَدِّثٍ لِيَرَهَا“ ”کہ پوری کی پوری (دنیا)۔“

لیکن نعمت امن کی حقیقی قدر غالباً وہی لوگ کرتے ہیں جو اس سے محروم ہو چکے ہیں۔ اے اللہ! ان شہروں کو بالامن بنا جہاں ہماری اولادیں آباد ہیں، اور سارے عالم

رحمۃ اللہ علیہ، الشیخ المکی، ج ۱ ص ۱۳۵

فتح التدریج ص ۳۳

رحمۃ اللہ علیہ، جامع الترمذی، باب ما جاء فی الزهادة فی الدنیا، رقم الحدیث: ۲۳۳۹، ج ۴ ص ۹

رحمۃ اللہ علیہ، سلسلة الاحادیث الصحیحة، ج ۵ ص ۳۸

اسلام کو بھی پر امن بنا۔ آمین یا رب العالمین۔

دعائے ابراہیم علیہ السلام کی قبولیت:

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس فریاد کو بھی قبول فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”وَلَمْ يَزُوا اَنَا جَعَلْنَا حَرَمًا هَذَا وَ يُخْطَفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ط

افبالباطل يُؤْمِنُونَ وَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ط

ترجمہ: ”کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم کو باامن بنایا (حالانکہ) لوگ ان کے ارد گرد سے اچک لے جاتے ہیں؟ کیا وہ باطل پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا احسان نہیں مانتے؟“

شہری امن ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ہم نے ہماری کتاب شرح اسمائے حسنیٰ میں ”المومن جل جلالہ“ کے تحت اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ”فَمَنْ شَاءَ فَلْيُلاحِظْ“ ایمان بڑھانے کے لئے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت اور محبت حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت مفید رہے گا۔

بیٹوں کے لئے ہر شر سے پناہ الہی کے حصول کی فریاد

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ:

”كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، وَيَقُولُ: إِنَّ أَبَا كُمًّا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الْعَامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامِيَةٍ ط

رحمۃ اللہ علیہ، فتح البہاری، ج ۶ ص ۳۰

رحمۃ اللہ علیہ، سورۃ العنکبوت آیت ۶۷

تَرْجُمًا: ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے (ہر شر سے بچاؤ کے) لئے اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کیا کرتے تھے اور فرماتے: ”تمہارے باپ (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کے لئے اللہ تعالیٰ سے (ان کلمات کے ساتھ) پناہ طلب کیا کرتے تھے۔“

⑨ ﴿أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الثَّمَانَةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامِيَةٍ﴾

تَرْجُمًا: ”میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ساتھ ہر شیطان، ہر زہریلی چیز، اور ہر ملامت کرنے والی آنکھ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔“

”تمہارے باپ ان کلمات کے ساتھ پناہ غالب کیا کرتے تھے۔“ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کے لئے مذکورہ بالا دعا کے ساتھ کثرت سے پناہ الہی طلب کیا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح حدیث میں تحریر کیا ہے: (وَمِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ) میں انسانوں اور جنوں کے سب شیطان داخل ہیں۔ اور ”هَامَةٍ“ میم کے تشدید ساتھ ہے اور (هَوَامٍ) کا مفرد ہے، اور مراد زہریلی چیزیں ہیں۔ اور (اس کے معنی میں) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کا زہر قاتل ہو، اور اگر زہر قاتل نہ ہو تو اس کو ”سوام“ کہتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر ذی روح ہے جو برائی پہنچانے کا قصد کرے۔“

امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ نے (مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامِيَةٍ) کی شرح میں لکھا ہے: ”اس سے مراد جنوں اور جسم کے مختلف حصوں کو لاحق ہونے والی ہر وہ بیماری اور آفت ہے جو انسانوں کو پہنچتی ہے۔“

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قلم بند کیا ہے: (الْعَيْنُ اللَّامِيَةُ) سے مقصود برائی پہنچانے والی آنکھ ہے۔“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دونوں بیٹوں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہت کثرت سے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں، زہریلی چیزوں اور برائی کا قصد کرنے والی ہر آنکھ کے شر سے پناہ طلب کیا کرتے تھے، اور ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی بات اپنے دونوں پیارے نواسوں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے اللہ تعالیٰ سے طلب کیا کرتے تھے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول: ”كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ“ کی شرح میں ایک عجیب بات نقل فرمائی ہے: لفظ ”كَانَ“ یعنی (تھے) کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو بیان کرنا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت کے ساتھ اپنے نواسوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔“

دکتور فضل الہی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

اللہ اکبر! خلیل الرحمن اور حبیب الرحمن علیہما الصلوٰۃ والسلام اپنی نسلوں کو ہر قسم کے شر و فتن سے بچانے کے لئے پناہ الہی حاصل کرنے کے کس قدر حریص تھے! اسے مولا کریم! ہمیں بھی اپنی اولادوں کے بارے میں یہ حرص عطا فرما کہ ہم بھی آپ کی بارگاہ میں بار بار کثرت سے اولاد کی حفاظت و عافیت کے لئے ہدایت و استقامت کے لئے دعائیں مانگتے رہیں۔ آمین ”یا ذالجلال

اللہ تعالیٰ سے نسل میں سے امت مسلمہ بنانے کی دعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے یہ دعا بھی کی کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایسی نسل پیدا فرمائے جو کہ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی مطیع، تابع دار..... اور فرماں بردار..... ہو۔

قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر درج ذیل آیت کریمہ میں ہے:

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَكَ﴾^۱

ترجمہ: ”اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے، اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنی اطاعت گزار رکھ۔“

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: انہوں نے (ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام) نے اپنے لئے اور اپنی نسلوں کے لئے مسلمان بننے کی دعا کی۔ اور مسلمان بننے کی حقیقت یہ ہے کہ دل اور اس کے ساتھ سارے جسم کے اعضاء اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار بن جائیں۔

شیخ ابن عاشور رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہ اس بات کی دعا ہے کہ ان کی نسل میں دین اسلام باقی رہے۔

اس دعا میں اپنی نسل کی تخصیص کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ خازن رحمہ

۱۔ نافذہ حضرت ابراہیم بحیثیت والد: ص ۵۵

۲۔ سورہ بقرہ آیت ۱۲۸

۳۔ تفسیر سعدی: ص ۵۱

۴۔ انوار التوہید: ج ۱ ص ۴۲

اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: کیونکہ وہ شفقت و نصیحت کے دوسرے لوگوں سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾^۱

ترجمہ: ”اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔“

ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ ان کی نسل نماز قائم کرنے والوں میں سے

ہو۔

۱۔ انہوں نے اپنی اولاد کو بیت اللہ کے پڑوس میں آباد کیا کہ وہ وہاں نماز قائم کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا یوں ذکر فرمایا ہے:

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾^۲

ترجمہ: ”(ابراہیم علیہ السلام نے کہا:) اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو بے کھیتی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسایا ہے، اے ہمارے رب! (یہاں لئے) تاکہ وہ نماز قائم رکھیں۔“

علامہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے: ”رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ“ میں ”لِيُقِيمُوا“ کا (لام) ”أَسْكَنْتُ“ سے متعلق ہے اور معنی یہ ہے کہ میں نے اپنی نسل میں سے ایک حصے کو اس بے آب و گیاہ جگہ میں اس غرض سے آباد کیا ہے کہ وہ یہاں نماز قائم کریں۔“

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انہیں اور ان کی اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنادے۔ ان کی اس دعا کا ذکر درج ذیل آیت کریمہ میں

ہے:

۱۔ سورہ تہیم آیت ۶

۲۔ سورہ ابراہیم آیت ۳۵

۳۔ تفسیر کبیر: ج ۱ ص ۱۳۶

﴿۱۱﴾ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝

ترجمہ: ”اے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی، اے ہمارے رب! تو دعا کو قبول فرما۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ“ سے مراد یہ ہے کہ میں نماز کی حفاظت کروں اور اس کی حدود کو قائم کروں (وَمِنْ ذُرِّيَّتِي) اور میری نسل کو بھی اسی طرح نماز قائم کرنے والا بنا۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز قائم کرنے والوں میں اپنی نسل کے شمولیت کی خاطر دو چیزوں کا اہتمام کیا، انہیں بیت اللہ کے پڑوس میں آباد کیا، اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے التجا بھی کی۔ دونوں میں سے صرف ایک بات پر اکتفا نہ کیا۔“

اس لئے ربائش کے لئے جگہ کا انتخاب کرتے وقت ہمیں چاہیے کہ مسجد کے قریب مکان بنائیں، یا خریدیں۔

اولاد کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں

اولاد کا ہونا لڑکی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ دنیا کے لحاظ سے بھی اور آخرت کے لحاظ سے بھی، دنیوی اعتبار سے اس طرح کے گھر کی رونق اولاد کے دم سے ہے، گھر میں خیر و برکت انہی سے ہوتی ہے، اولاد آپ کی جائیں ہے جو آپ کے بعد آپ کی روایات اور کارناموں کو زندہ رکھتی ہے۔

اور دینی اعتبار سے اس طرح کہ اگر اولاد کی تربیت صحیح اسلامی بنیادوں پر ہو تو یہی اولاد آگے چل کر جو بھی دین کا کام کرے گی اس میں آپ کا پورا پورا حصہ ہوگا

۱۔ سورہ ابراہیم آیت ۳۹

۲۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۹۵

۳۔ ماخوذہ من کتاب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام آیا: وفعل الہی: ص ۶۱

اور آخر خدا خواست بچپن میں ہی انتقال ہو گیا اور اللہ کی مرضی سمجھ کر آپ نے اس پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے بے تحاشا اجر ہے، اور یہی سچے باپ کے لئے دوزخ کی آگ سے آڑ ہیں، والدین کی سفارش کرنے والے ہیں، ان کی سفارش مقبول ہے۔ اور اولاد کی زندگی میں اگر آپ دنیا سے رخصت ہو گئے تو نیک اولاد آپ کے لئے ایک ایسا صدقہ ہے جس کا اجر رہتی دنیا تک آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام پر اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر اور سبکچے کہ یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے مجھے ایسی دولت سے نوازا ہے جو نہ فوت سے حاصل کی جاسکتی ہے نہ دولت سے، یا اللہ! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس بچہ اور بچی کی ایسی تربیت کروں کہ یہ تیرے دین کے داعی اور مجاہد بنیں۔

یہ شکر ادا کرنا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی۔ ذکر یا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب بچی علیہ السلام کی بشارت دی گئی تو وہ بڑے متعجب ہوئے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ:

﴿كَلِمَاتُ اللَّهِ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾ ۝

ترجمہ: ”اسی طرح اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہے۔“

اور بعد میں یہ بھی فرمایا کہ:

﴿وَإِذْ تَكَوَّرُكَ كَثِيرًا وَتَسْبَحُ بِالْعُشِيِّ وَالْإِبْكَارِ﴾ ۝

ترجمہ: ”اور یاد کیجئے اپنے رب کو بہت اور تسبیح کیجئے شام اور صبح۔“

یعنی ”اپنے رب کو (دل سے بھی) بکثرت یاد کیجئے (اور زبان سے بھی) تسبیح (وقتوں میں) کیجئے، دن ڈھلے بھی اور رات صبح بھی۔“

۱۔ سورہ آل عمران آیت ۴۰

۲۔ سورہ آل عمران آیت ۴۱

۳۔ معارف القرآن ج ۶ ص ۶۳، ۶۴

اسی طرح ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شکر کرتے ہوئے فرمایا:

”شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے بخشا مجھ کو اتنی بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحاق۔“

اس لئے جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے اولاد جیسی نعمت سے نوازا ہے تو بجائے لغویات میں پڑنے کے اللہ تعالیٰ کی خوب حمد و ثنائیاں کریں، شکر ادا کریں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے اور اپنے لئے پورے دین پر چلنے کی دعا کریں۔

اصل شکر یہ ہے کہ نعمت اپنے صحیح مقصد میں استعمال ہو۔

اولاد اللہ تعالیٰ نے اس لئے دی ہے کہ اس کی صحیح دینی تربیت ہو اور اس طریقے پر پروان چڑھے کہ دنیا سے سب رشتہ بنو اور بڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو ساری دنیا میں بلند کرنے کے لئے اپنا تین من حصن سب آچھ لگا دے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا حق ادا کرے۔ اولاد کی تعلیم و تربیت اغیار کے طریقوں پر ہو اور بڑا ہو کر صرف دنیا کے چند نکلوں کے حصول میں اپنی زندگی گزار دے، تو یہ نعمت اولاد کی ناشکری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا فہم عطا فرمائے، اور نعمت اولاد پر حقیقی شکر ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

اولاد کی قدر و قیمت

اولاد کا پہلا اور اہم حق یہ ہے کہ آپ اس کی قدر و قیمت کا احساس کریں، اس کے وجود کو وبال جان سمجھ کر اس سے استغنائیں نہیں، بلکہ اس کو اپنے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت اور انعام سمجھیں۔ اگر آپ اس کے وجود کی قدر و قیمت کا احساس کرنے میں کامیاب نہ ہوئے تو پھر اس کے دوسرے حقوق ادا کرنا مشکل ہوگا۔

اولاد کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کے لئے اولاد کی صحیح قدر و قیمت کا جاننا گزیر ہے۔ اولاد اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام ہے، اولاد گھر کی رونق، خیر و برکت اور دین و دنیا کی بھلائی کا سامان ہے۔

دین کے لحاظ سے اولاد اللہ تعالیٰ کا بے مثال انعام ہے، دین کے کاموں میں آپ کی بہترین معین اور چاشمین ہے، دینی امور کی انجام دہی میں وہ آپ کی آنکھوں کی منیٹک اور ول کا سکون ہے، اگر آپ نے ان کی صحیح طریقے سے تربیت کی تو وہ دینی روایات اور نظریات کی محافظ بنے، دنیا میں دین پھیلانے کا ذریعہ بنے، ساری دنیا کے چین و آرام کا سبب بنے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً﴾

ترجمہ: ”میرے پروردگار تو اپنے پاس سے مجھے پاکباز اولاد عطا فرما۔“

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ ان کا بیٹا دینی امور کا وارث بنے، لہذا دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا﴾

ترجمہ: ”میرے پروردگار تو اپنے پاس سے ایک ایسا وارث دے دیجئے کہ وہ میرا وارث بنے۔“

یعنی یعقوب علیہ السلام (حضرت زکریا علیہم السلام کے اجداد میں سے تھے) کے گھر سے جو دین کی روشنی پھیلی تھی، اس کا وارث بنے۔

اولاد دنیا و آخرت کے اعزاز و اکرام کا ذریعہ ہے، اس لئے اپنی اولاد کی تربیت اس طریقے سے کریں کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین کو

۱۔ سورہ آل عمران: ۳۸

۲۔ سورہ مريم آیت ۵

۳۔ معارف القرآن، ج ۶ ص ۱۹

کھیلانے اور دنیا میں استغناء کرنے کے لئے اپنا مال اپنی جان پیش کرنے کو قابل فخر سمجھتا ہو۔

حقیقت: یہ تقریباً ۱۳ دعائیں ہیں، ان کو یاد کر لیں اور اپنے معمولات میں شامل کر لیں، ان میں عربی کی دعائیں نفل نماز کے سجدوں میں بھی مانگ سکتے ہیں، لہذا خصوصاً سجدہ کی نماز میں سجدہ میں خوب دعائیں مانگیئے، جو دعا دل سے نکلتی ہے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔

لڑکی کی پیدائش پر آپ کا رد عمل

آپ کے یہاں لڑکی پیدا ہو یا لڑکا آپ خوشی مناتے ہیں، اور قدرتی بات ہے کہ آپ خوشی منائیں، بلکہ اپنے ملنے جلنے والوں اور رشتہ داروں سے بھی توقع رکھیں کہ وہ آپ کی خوشی میں شریک ہوں، اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے، اس لئے کہ اسلام نے آپ کو جو روشنی دی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو عمل آپ کے سامنے ہے، اس کے ہوتے ہوئے آپ سوچ ہی نہیں سکتے کہ لڑکی اور لڑکے کے درمیان کوئی تفریق کریں، لڑکے کی پیدائش پر خوشی منائیں اور لڑکی پیدا ہو تو خوشی کا اظہار نہ کریں۔ لڑکی کے وجود کو پتھر سمجھتا اور لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دینا غیر اسلامی طرز فکر و عمل ہے، جس سے اسلامی معاشرے کو پاک ہونا چاہیئے، اور ایسا ہے بھی۔

لیکن پھر بھی کچھ گھرانے ایسے مل جاتے ہیں جن میں لڑکے اور لڑکی کی پیدائش کے موقع پر یکساں طرز عمل اختیار نہیں کیا جاتا، لڑکے کی پیدائش پر جس طرح دلی خواہشات کے ساتھ خوشی منائی جاتی ہے، لڑکی کی پیدائش پر اس طرح خوشی نہیں منائی جاتی۔ لڑکے کی پیدائش کی خوشخبری جن جذبات کے ساتھ اپنے عزیز واقارب اور ملنے جلنے والوں کو دی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض لوگ لڑکی کی خبر پر مبارکباد کچھ اس طرح دیتے ہیں، کہ گویا لڑکی والے کے جذبات کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں، اور اس کو

تسلی دیتے ہوئے صبر کی تلقین کر رہے ہیں۔

آپ ہی بتائیے ان جملوں کا کیا مطلب ہے؟ غیر تربیت یافتہ دادی یا پھوپھی صاحبہ کہتی ہیں، اس کو بھی گود میں لے لیتی ہوں گھر لڑکے کی تو بات ہی اور ہے لڑکی والے تو سراخا ہی نہیں سکتے، خیر بھی ٹھیک ہے، اللہ کی مشیت میں کس کو دخل ہے، اللہ تعالیٰ ٹھیسب اچھا کرے، اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں والا ہے تو وہی ہمت بھی دے گا، اس کو بھی پیار کرتا ہوں مگر بچے بچکے دل سے۔ لڑکا ہوتا تو امنگ ہی اور ہوتی۔ آپ کو اطلاع اس لئے نہیں دی کہ کیا اطلاع دیں، وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا ہے، اس لئے کیا لکھتا۔ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ آپ ہی بتائیے ان جملوں کا اسلامی تعلیم سے کیا جوڑ ہے؟ مگر یہ شعوری یا غیر شعوری طور پر بعض مسلمان گھرانوں میں بھی دہرائے جاتے ہیں۔ مرد بھی دہراتے ہیں اور عورتیں بھی۔

اولاد کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اس میں نہ کسی کے ارادے کو دخل ہے اور نہ کسی کی خواہش اور آرزو کو، اور یہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس کے حق میں لڑکی بہتر ہے اور کس کے حق میں لڑکا۔ آپ یہ دعا اور تمنا تو ضرور کر سکتے ہیں کہ آپ کے یہاں لڑکی پیدا ہو، لڑکا نہ ہو یا لڑکا پیدا ہو، لڑکی نہ ہو، لیکن نہ درمیانی میں کہ آپ کی تمنا پوری ہی ہو اور آپ کی دعا کو شرف قبولیت ہی ملے، یہ فیصلہ محض اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ آپ کو لڑکی بخشے یا لڑکا۔ دونوں سے نوازے یا دونوں سے محروم کرے۔ کسی کے بس میں نہیں کہ اس کے فیصلے کو بدل دے یا اس پر اثر انداز ہو، اس کی قدرت و اختیار میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

”وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو (جس کے لئے چاہے) جمع کر دیتا ہے (کہ) بیٹے بھی (دیتا ہے) اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہے

بے اولاد رکھتا ہے، بے شک وہ بڑا جاننے والا ہے اور بڑی قدرت والا ہے۔

یعنی انسان کی تخلیق میں کسی کے ارادہ و اختیار بلکہ علم و خبر کا بھی کوئی دخل نہیں، اور کسی کا دخل تو کیا ہوتا انسان کے ماں باپ جو اس کی تخلیق کا ظاہری سبب بنتے ہیں خود ان کے ارادہ و اختیار کا بھی بچے کی تخلیق میں کوئی دخل نہیں، بچے کی ولادت سے پہلے ماں کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ اس کے پیٹ میں کیا... کیسا... اور کس طرح بن رہا ہے، یہ صرف حق تعالیٰ کا کام ہے کہ کسی کو اولاد لڑکیاں دیتا ہے کسی کو مزید اولاد لڑکے بخش دیتا ہے، کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا فرما دیتا ہے، اور کسی کو بالکل بانجھ کر دیتا ہے کہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوتی۔

ان آیات میں بچوں کی اقسام بیان کرنے میں حق تعالیٰ شانہ نے پہلے لڑکیوں کا ذکر فرمایا ہے، لڑکوں کا بعد میں کیا ہے، اسی آیت کے اشارہ سے حضرت واعظ رحمہ اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس عورت کے بطن سے پہلے لڑکی پیدا ہو وہ مبارک ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اولاد کے معاملے میں انسان قلعی بے بس ہے، اگر وہ صرف اسی ایک معاملے پر غور کرے تو اس حقیقت کو پالے گا کہ کائنات میں صرف ایک ہی اللہ کا حکم چل رہا ہے اور اس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں۔ اولاد کے معاملے میں نہ کسی کی بزرگی اور کرامت کام دیتی ہے، نہ تعویذ مؤثرے، اور نہ ذاکری تدبیریں۔ دوسروں کو اولاد دلانا یا لڑکی کے بجائے لڑکا پیدا کرنا تو درکنار خود کوئی بڑے سے بڑا روحانی پیشوا اپنے پیسوں بھی اپنی خواہش کے مطابق اولاد پیدا نہیں کر سکتا۔ اور اگر اولاد سے محروم ہے تو یہ ممکن نہیں کہ اپنی کوششوں سے ایک بچہ بھی پاسکے۔

سہ سورۃ الشوریٰ آیت ۲۰۰، ۲۰۹

سہ قرطبی: ج ۸ ص ۳۵۰، بحوالہ معارف القرآن: ج ۷ ص ۱۴

پھر آپ یہ بھی کسی ذرا چم سے معلوم نہیں کر سکتے کہ آپ کے حق میں لڑکی خیر و برکت کا سامان ہے یا نازک۔ ایسا بھی دیکھ لیا ہے کہ ایک گھر میں لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں اور وہ خیر و برکت اور سکون و الطمینان کا نمونہ ہے، اور ایک گھر میں لڑکے ہی لڑکے ہیں، لیکن یہ ایک ماں باپ کے لئے درد سر بنا دیتا ہے، اور ماں باپ لڑکوں سے اس قدر ڈرتا ہے کہ ان کا ذکر گوارہ نہیں اور لڑکی ان کے لئے اس درجہ سکون ہے کہ اس کے سن گاتے نہیں تھکتے، حقیقت یہ ہے کہ غیب کا جاننے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی جانتا ہے کہ انسان کی سعادت اور بھلائی کس چیز میں ہے۔

اولاد اللہ کا انعام ہے۔ لڑکی بھی اس کا انعام ہے اور لڑکا بھی، انعام پانے والے کا کام ہے کہ وہ انعام کی قدر کرے اور اپنے مومن کا شکر بجا دے۔ مومن و بگڑ زیب نہیں دیتا کہ وہ مالک کے انعام کی ناقدری کرے اور ناشکری کی روش اختیار کرے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کو کس نعمت سے نوازے۔ اور وہی اپنے مسلم اور اپنی قدرت کے تحت حکیمانہ فیصلے فرماتا رہتا ہے۔ اس کے فیصلوں پر راضی رہنا اور اس کو اپنے حق میں بہتر سمجھنا مومن کی شان ہے۔

یہ بھی سوچ لینا چاہیے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو کر اس کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ اس تقدیر کا انکار کرتا ہے کہ جو اس کے متعلق اللہ کے ہاں لکھی ہوئی ہے۔ اور ایسے مواقع پر انسان کی مسلمانی کے معیار کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے کہ جب تک انسان ناقدرت کے فیصلے پر ایمان پختہ نہیں، وہ ایماندار نہیں بن سکتا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی مومن اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک وہ... تقدیر پر ایمان نہ رکھے۔“ اور ابن ماجہ کی ایک طویل حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر انسان کا اللہ کی تقدیر پر ایمان نہیں تو اس کی کوئی نیکی بھی قبول نہیں ہوتی۔

سہ ابوداؤد، کتاب السنۃ: باب فی القدر، ابن ماجہ، المقدمة، باب فی القدر: ص ۷

تقدیر کے ہر فیصلہ پر راضی رہنے کے لئے یہ دعا بھی مانگتے رہنا چاہیے:

اللَّهُمَّ ارْضِنِي بِقَضَائِكَ وَبَارِكْ لِي فِيهَا قُدِّرْ لِي خَيْرًا لَا أَحِبُّ
تَعْجِيلَ مَا أَخَوْتُ وَلَا تَأْخِيرَ مَا عَجَلْتُ ۝

ترجمہ: "اے اللہ! اپنی قضا پر مجھ کو راضی کر دے اور جو میرے لئے
مقرر ہو چکا ہے اسی میں مجھے برکت عطا فرما تاکہ جو چیز تو نے مؤخر فرما
دی ہے اس کی جلدی نہ کروں اور جس کو تو نے فی الحال مقدر کر دیا ہے
اس کی تاخیر کی تمنا نہ کروں۔"

لڑکی جو باعث سعادت بنی

حضرات عمران رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیوی نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ پروردگار
میں اپنے ہونے والے فرزند کو تیرے حضور نذر کرتی ہوں، تو میری نذر کو قبول فرما۔
جب ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی تو بہت غم زدہ ہوئیں اور بولیں پروردگار یہ کیا، تو
لڑکی ہے۔ بے اللہ اس بچی سے وہ مقصد کیسے پورا ہوگا جس کے لئے میں نے نذر
مانی تھی۔ لڑکا تو لڑکی کی طرح نہیں ہوتا، وہ بہت سی فطری کمزوریوں اور تمدنی
پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ زوجہ عمران نے کس کو جنم
دیا ہے، وہ اسے لڑکی سمجھ کر پریشان ہو رہی ہیں کہ اس سے وہ مقصد کیسے حاصل
ہو سکے گا جس کے لئے وہ اپنے فرزند کو نذر کرنا چاہتی تھیں، انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ
لڑکی ہی ان کے لئے وجہ سعادت ہے اور یہی لڑکی قیامت تک ان کا نام روشن رکھے
گی، اسی کی بدولت زوجہ عمران کا نام آخری آسمانی کتاب میں محفوظ ہو جائے گا اور
قیامت تک کروڑوں افراد ان کا نام لیتے رہیں گے اور اسی کی بدولت وہ ایک اولاد
العزم پیغمبر کی مانی بنیں گی، جن پر اللہ تعالیٰ اپنی کتاب انجیل نازل فرمائے گا۔ چنانچہ

اللہ تعالیٰ نے زوجہ عمران کی نذر ٹھکرائی نہیں بلکہ اس لڑکی کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حسن
قبول بخشا کہ قیامت تک اس حسن قبول کی کہانی دہرائی جاتی رہے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہم مؤمن مرد اور پر مؤمن عورت کا یہ عقیدہ
ہے کہ ان سے افضل نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ ہو سکتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار
لڑکیوں کے والد ماجد تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کے بارے میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین و آسمان میں ان سے بہتر کوئی خاتون نہیں،
انہیں سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چار لڑکیاں عطا فرمائی تھیں، اور
حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان چار لڑکیوں کی ماں تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے امت کو ہدایت فرمائی:

"لڑکیوں سے نفرت نہ کرو، میں خود لڑکیوں کا باپ ہوں۔"

نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹیاں بڑی محبت والی اور بڑی خیر و برکت
والی ہوتی ہیں۔

حضرت ابن شریط رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے تھے، جب کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس
کے یہاں فرشتوں کو بھیجتا ہے جو آکر کہتے ہیں، اے گھر والو السلام
ملکیم، فرشتے پیدا ہونے والی لڑکی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے
ہیں، اور اس کے سر پر اپنے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں: "يَقُولُونَ:
ضَعِيفَةٌ خَيْرٌ حَتَّ مِنْ ضَعِيفَةِ الْقَبْرِ عَلَيَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ" یہ ایک
ناقواں کمزور جان ہے جو ایک ناقواں اور کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے،
جو شخص اس ناقواں جان کی پرورش کی ذمہ داری اٹھائے گا، قیامت کے

دن اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال رہے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک شخص ہوتا تھا جو کئی بکریوں کا باپ تھا، اس نے چھ کائیں یہ سب بچیاں مری جاتیں۔ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سنا تو انہیں غصہ آگیا اور اس شخص سے بولے: کیا تم ان کو روزی دیتے ہو؟

لڑکی کی پیدائش پر ناک نیچوں چڑھانے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے بنیادی طور پر وہی سبب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ آدمی لڑکی کے وجود ہی کو اپنے لئے باعث شگ و غار سمجھے، دوسرے یہ کہ اس کے مصارف سے گھبرائے۔

پہلا سبب کا تجربہ یہ کیجیے تو یہ مسلمان والد کہ شرم محسوس ہوں کہ اس طرح سوچے، جو آدمی اسلام کی روشنی میں زندگی گزارنا چاہتا ہو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کو اپنے لئے نمونہ ماننا ہو وہ بھلا کیسے سوچ سکتا ہے کہ لڑکی والا ہونا شرم اور غار فی ذات ہے۔ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بیٹیوں کے والد ماجد تھے، اور لڑکی کے وجود کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی ذوال اور جنت کا ذریعہ بتایا ہے۔

دوسرے سبب کا تجربہ یہ کیجیے تو آپ لحد بھر کے لئے بھی گوارا نہ کریں گے کہ اس طرح کا جاہلانہ خیال کسی مسلمان والد کے ذہن میں آئے۔ اللہ تعالیٰ کو رازق اور روزی رساں ماننے والا ایسے سوچ سکتا ہے کہ لڑکی کو روزی دینے والا میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان رکھنے والے کا عقیدہ یہ ہے کہ رزق دینے والا اور ضروریات پوری کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور ہر پیدا ہونے والے کو اللہ تعالیٰ ہی روزی مہیا کرتا ہے وہ اپنے حصے کی روزی ساتھ لے کر آتا ہے۔ کسی انسان کو اس طرح سوچنے کا کیا حق ہے کہ میں کسی کے لئے روزی مہیا کرتا ہوں جب کہ خود اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے اور وہ اپنی ضروریات میں اللہ تعالیٰ ہی کا محتاج ہے، کچھ

بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے نصیب میں کیا ہے اور پیدا ہونے والی کمزور ناتواں بچی کتنا حاقور نصیب لے آئی ہے۔ یہ بھی اللہ کی قدرت سے بعید نہیں کہ آپ کے گھر میں پیدا ہونے والی خبیث و ناتواں بچی نہ صرف اپنے لئے روزی لے کر آئی ہو بلکہ وہ اپنے نصیب کی بدولت آپ کے بھی دن پھیر دے۔

کمزور لڑکی کا سر پرست بنا کر اللہ تعالیٰ نے آپ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ایسا احسان کہ اگر آپ سوچیں تو آپ کا رواں رواں شکر کے جذبات سے سرشار ہو جائے، وہ جنت جس کو اللہ تعالیٰ نے مشکلات اور تکالیف سے گھیر رکھا ہے اور جس کی راہ مشکلات سے پر ہے، لڑکی کا باپ بنا کر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے وہ راہ بہت آسان کر دی ہے کہ آپ کو لڑکی کا باپ بنا کر اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر آپ کے دل میں اس کی محبت پیدا فرمادی ہے اور آپ طبعی طور پر مجبور ہیں کہ اپنی بچی کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور اسے باپ کا پیار دیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت یہ ہے کہ لڑکی کے ساتھ پیار و محبت کا سلوک کرنا ایک طرف تو دوزخ کی آگ سے بچاؤ کے لئے ذوال ہے اور دوسری طرف جنت کا ذریعہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔

بیٹی ماں باپ کی جنت

اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹی کا باپ بنایا ہے تو آپ بڑے ہی خوش نصیب ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی جنت آپ کی نگرانی میں دے دی ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس جنت کی حفاظت کریں یا اسے ضائع کر دیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری دی ہے کہ اگر آپ نے بیٹی کی پرورش کا حق ادا کیا تو آپ کے لئے جنت واجب ہوگئی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، کہتے ہیں: نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں، وہ تینوں کو اپنی سرپرستی میں رکھے، ان کی ضروریات پوری کرے اور ان پر رحم کھائے تو اس کے لئے جنت واجب ہوگی۔ کسی قبیلے کے ایک آدمی نے پوچھا اور اگر دو بیٹیاں ہوں یا رسول اللہ! فرمایا: وہ ہوں تب بھی یہی اجر ہے۔“

مشکوٰۃ میں اسی مفہوم کی ایک اور روایت ہے جس کے راوی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں، ان کا بیان ہے کہ اگر لوگ ایک بیٹی کے بارے میں پوچھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے بارے میں بھی یہی بشارت دیتے۔^۱

اسلام نے لڑکی کی پرورش پر خصوصیت کے ساتھ متوجہ کیا ہے، اور لڑکی کی پرورش کا عظیم اجر و انعام بتا کر خاص طور پر اس کی تربیت دی ہے۔ دراصل لڑکی ایک کمزور مخلوق ہے، برسوں تک اس کی پرورش اور کفالت کے بعد بھی اس سے یہ توقع نہیں ہوتی کہ یہ اس کا کچھ دینی صلہ یا بدلہ والدین کو دے سکے گی، یا کما کر لاسکے گی۔ اس سے کسی خدمت کی توقع بھی نہیں ہے، اس لئے کہ جوں ہی یہ خدمت کے لائق ہوتی ہے، یہ کسی دوسرے کی خدمت کے لئے حوالے کر دی جاتی ہے۔ کوئی آزادقت آجائے تو مدافعت کا حق بھی ادا نہیں کر سکتی۔ ان حالات میں اگر اسلام کی تعلیم آدمی کے سامنے نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ وہ لڑکی کی پرورش کا حق ادا نہ کر سکے اور اس کو وہ پیار و محبت اور وہ عزت و مقام نہ دے سکے جس کی یہ مستحق ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان ہدایات کی بار بار یاد دہانی کی جاتی رہے جو لڑکی کی پرورش سے متعلق خصوصیت کے ساتھ اسلام نے دی ہیں۔

قابل رشک صلہ

”پچیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہیں“ یہ مقولہ صرف معاشرتی مقولہ ہی نہیں

۱۔ الادب المفرد، ص ۱۵۔ مشکوٰۃ، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، ج ۲ ص ۲۲۳

بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ زندگی میں خدمت کی صورت میں اور آخرت میں اجر عظیم کی صورت میں اللہ کی رحمت ثابت ہوتی ہیں۔ ایک بیٹی کی تربیت لڑکے کی تربیت سے زیادہ باعث اجر و ثواب ہے۔ جو خوش قسمت اپنی بیٹیوں کی تربیت اسلامی اصولوں کے مطابق کرتا ہے، وہ لڑکوں کی تربیت کرنے والے سے اللہ کا زیادہ مقرب و محبوب بن جاتا ہے، بلکہ ایسا انسان قیامت کے دن رحمۃ اللہ علیہ کا ہمسا یہ بنے گا۔ کس قدر بلند و ارفع اعزاز ہوگا یہ۔ رسول رحمت کی زبان حقیقت ترجمان سے اس کی پیش گوئی یوں ہوتی ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ عَالَ جَارَ بَيْنِهِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ وَصَمَّ أَصَابِعُهُ﴾

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جس شخص نے دو بیٹیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ دونوں بالغ (اور جوان ہو گئیں اور اپنے گھروں کی) ہو گئیں، تو روز قیامت وہ اس حال میں آئے گا کہ وہ اوپر میں (ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ ہوں گے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔“

ایک مؤمن ماں اور ایک مؤمن باپ کے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ قیامت کے دن ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میسر ہو۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”تبلغا“ کا جملہ لفظ استعمال کیا ہے، وہ بڑا ہی بالغ ہے، اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہ دونوں جوان ہو گئیں اور یہ بھی کہ وہ اپنی منزل یا مقصد کو پہنچ گئیں، جس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے گھر اپنے شوہر کی سرپرستی میں پہنچ گئے۔ مسلم، کتاب البر والصلہ، باب فضل الاحسان الی البیات، ج ۲ ص ۳۳۹

لگیں۔

کتنی خوش قسمتی اور خوش نصیبی ہے اس شخص کی کہ جو بچیوں کی پیدائش سے نفرت نہیں کرتا ان کو برا نہیں جانتا، ان کو بوجھ تصور نہیں کرتا، بلکہ ان سے پیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھتا ہے اور بہترین تربیت کر کے ان کو جوان کرتا ہے ایسے ہی خوش نصیب کو قیامت کے دن، جب پیغمبر بھی "زبِ نَفْسِی زبِ نَفْسِی" پکار رہے ہوں گے، اس وقت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی اور رفاقت نصیب ہوگی۔

بایں کہہ لیں کہ وہ تربیت تو اپنی اولاد کی کر رہا ہے جب کہ اجر و ثواب اور درجہ اللہ کے ہاں اس طرح حاصل کر رہا ہے کہ رسول مکرم نبی رحمت کا ساتھ اور رفاقت جنت میں حاصل کر رہا ہے۔

ایک حدیث میں بچیوں کی بہترین تربیت کرنے والے کو جہنم سے آزادی کا پروانہ دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں:

«جَاءَنِي امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَانِ لَهَا فَسَأَلَتْنِي فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي غَيْرَ ثَمَرَةٍ وَاحِدَةٍ فَأَعْطَيْتَهَا إِيَّاهَا فَأَخَذَتْهَا فَفَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَيْهَا وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا شَيْئًا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ وَابْتِئَاهَا فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثَهُ حَدِيثَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ نَحْنُ لَهُ بَسْتَرًا مِنَ النَّارِ»

ترجمہ: "میرے پاس ایک عورت اپنی دو بچیوں کو لے کر حاضر ہوئی اور اس نے مجھ سے (کسی چیز کا) سوال کیا۔ اس وقت میرے پاس

۱۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة باب فضل الاحسان الى البنات: ج ۲ ص ۳۳۰

صرف ایک کھجور ہی ہو گئی۔ میں نے اس کھجور اس عورت کو دے دی۔ اس نے اس کھجور کے دو حصے کئے اور دونوں بچیوں کو تقسیم کر دیئے جبکہ اس کھجور سے خود کچھ نہ کھایا۔ پھر وہ چلی گئی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا ماجرا سنایا۔ یہ واقعہ سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ان بچیوں کے بارہ میں امتحان میں ڈالا گیا، وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کر کے کامیاب ہو گیا۔ تو وہ بچیاں (قیامت کے دن) اس کے لئے جہنم کی آگ سے آڑ (پردہ) بن جائیں گی۔"

بچی کی پرورش سے متعلق فضائل بیش بہا ہیں۔ سب کا احاطہ مشکل ہے، چند باتیں مذکورہ بالا احادیث میں آگئیں، مگر قابل لحاظ امر یہ ہے کہ ان فضائل کا مستحق وہی ہے کہ جو اپنی بیٹی کی تعلیم و تربیت حضرت فاطمہ، زینب، ام کلثوم و رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی طرز پر کرے کہ فوقیت دینی تربیت و تعلیم کو ہے اور ضرورت کے درجے میں بقدر ضرورت عصری علوم بھی سکھائے اور ذریعہ تعلیم بھی دینی ہونا ضروری ہے، ورنہ مخلوقِ تعلیم نے اخلاق کی تباہی میں جو کردار ادا کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اس طرح بچپن سے ہی شرعی پردہ کی تلقین اور نو دس سال کی عمر ہوتے ہی شرعی پردہ شروع کروادیا جائے، کیونکہ فی زمانہ جن حالات سے ہمارا ماحول شرعہ دوچار ہے، وہ سب پر ظاہر ہے، اس لئے کیوں اپنی اولاد کی بیٹی کو دوسروں کے دل میں برے خیالات پیدا کرنے کا سبب بنائیں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ بچے اور بچیوں کا کھانا پانا اور لباس وغیرہ کی ضرورت پوری کرنے میں تو دنیا کے سارے لوگ برابر ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اصل فرق طرز تربیت کا ہے کہ مسلمان اپنی اولاد کی اس طرز تربیت کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو اپنی زندگی کا نصب العین

بنائے۔ صرف بچے پالنا دین نہیں، بچے تو غیر مسلم بھی پالتے ہیں۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر بچے پالنا دین ہے اور باعث ثواب بھی۔ بچیوں کو بچپن سے ہی بالوں کو ڈھانپنے کی ترغیب دیں، دسترخوان پر بیٹھیں تو بچہ بھی سر ڈھانپ لے ٹوپی پہن کر اور بچی اسکارف پہن لے، گھر کے باہر جائے تو بال کھلے ہوئے نہ ہوں، خالہ اور ماموں کے لڑکوں کے ساتھ نہ کھیلے، بلکہ خالہ اور ماموں کی لڑکیوں کے ساتھ کھیلے، ذرا نجسٹ اور عشقیہ مضامین کے پڑھنے سے بچائیں، وغیرہ۔

بچیوں کی شادی کرانے کی فضیلت

ہر مسلمان والد کو چاہیے کہ اولاد کی تعلیم و تربیت، ان پر خرچ کرنا، ان کی پرورش کرنا، ان کی شادیاں کرنا، اس کو ہرگز بوجھ نہ سمجھیں، اس پر پریشان نہ ہوں خاص طور سے لڑکیوں کی شادی پر بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ بلکہ ٹھنڈے دل سے ان تمام کاموں پر جو فضائل احادیث مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں ان کا استحضار رکھیں، اور اپنی اہلیہ کو بھی تسلی دیں کہ ان سب فکروں پر اور پریشانیوں پر اللہ تعالیٰ ہمیں بہت کچھ عطا فرمائیں گے، اس لئے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے تین بچیوں کی پرورش کی،

پھر ان کو ادب سکھایا، پھر ان کی شادیاں کر دیں، پھر ان کے ساتھ بہتر

سلوک کیا تو اس کے لئے جنت ہے۔“

کتب احادیث میں وارد فرامین رحمۃ الدعا میں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بچیوں کی بہتر تعلیم و تربیت کرنا، لڑکوں کی نسبت زیادہ درجہ و اجر و ثواب کی حامل ہے۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ بچی کی گود مستقبل میں ایک درس گاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اگر تو اس کی تربیت اسلامی طریقہ پر نہ ہوئی تو وہ بھی اپنی اولاد کی تربیت غلط ہی کرے گی۔ ایک عربی شاعر نے اس مضمون کو کیا خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے:

الأم مدرسة إن أَعَذَّتْهَا
أَعَذَّتْ شَعْنًا طِبْتَ الْأَعْرَاقُ

”مادر کی گود ایک درس گاہ ہے، اگر تو نے اس درس گاہ کو سنوار دیا تو گویا ایک با اصول اور پاکیزہ نسب والی قوم وجود میں آگئی۔“

حاصل یہ کہ اللہ کریم جو بھی اولاد عطا کرے، خواہ بیٹا ہو یا بیٹی، ہمارا فرض ہے کہ ہم ایمان داری سے اس پر پوری توجہ دیں، نہ کہ جاہلیت کے تصورات کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیں، اور نرینہ اولاد کے حصول کی خواہش میں خالق کائنات اور آخری نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے اپنی دولت ایمان کو لٹا بیٹھیں اور یوں ہم ”خبیث الدنیا والآخرۃ“ کا مصداق بنیں۔

بے سہارا بیٹی کی کفالت

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں بہترین صدقہ کیوں نہ بتا دوں، وہ تمہاری بیٹی ہے جو تمہارے پاس لوٹا دی گئی ہے اور تمہارے سوا کوئی اس کو کما کر کھانے والا نہیں ہے، اس کی کفالت کرنا“ (یعنی شادی کے بعد بیوہ ہو جانے کے بعد پھر ماں باپ کے حوالے کر دی گئی ہو)۔

اس سے مراد اصلاً تو وہی بیٹی ہے جو شادی ہو جانے کے بعد پھر اپنے ماں باپ کے حوالے کر دی گئی ہے، خواہ اس لئے کہ اس کا شوہر مر گیا اور سسرال میں اس کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہے یا اس لئے کہ شوہر نے کسی وجہ سے اس کو طلاق

دے دی ہے اور وہ ماں باپ کے یہاں آگئی ہے، لیکن وہ لڑکی بھی اس سے مراد ہے جس کی شادی نہیں ہو سکی ہے یا وہ شادی کے لائق نہیں ہے۔

مثلاً کسی دماغی سارے میں مبتلا ہے۔ یا کسی جسمانی نقص کی وجہ سے اس کی شادی نہیں ہو پا رہی ہے یا شادی کے لائق ہی نہیں ہے۔۔۔۔۔ بہر حال ایسی بے سبارا لڑکی پر خرچ کرنا بھی بڑے ثواب کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ خرچ ایسا صدقہ ہے جو تمام صدقات سے افضل ہے۔

بعض گھرانوں میں مطلقہ یا بیوہ بیٹی کو رکھ تو لیتے ہیں، لیکن بھائیوں، بھائیوں، چھوٹی بہنوں اور کبھی والدہ والدہ کی زبانی طعنہ کے ایسے تیر مارے جاتے ہیں کہ وہ معصوم تڑپ جاتی ہے۔ بزرگز ایسا نہ کریں۔ کیا یہ وہی بیٹی نہیں کہ جب وہ چھوٹی تھی تو اس کی ناز برداریوں میں دن رات آپ نہیں تھکتے تھے اور اس کی خواہشات کو پورا کرنا آپ کا مقصد حیات تھا۔ آج یہ بے چاری ٹوٹا دل لے کر آپ کے در پر پڑی ہے، تو اس کو زخم کیوں لگائے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے واسطے اس کی شادی کسی دین دار اور مناسب شخص ہی سے کر دیں۔ اور ہمت و جرأت کے ساتھ اس کی فکر کریں، کوشش کریں، رشتہ داروں، بزرگوں، اور دوستوں کو بتائیں کہ میری بیٹی یا بہن کے لئے کوئی رشتہ ہو تو بتاؤ، اگر یہ ممکن نہیں تو اس کے لئے اپنے گھر میں کمرہ الگ کریں، ہو سکے تو چولہا بھی الگ کریں تاکہ بھائیوں اور بھائیوں سے زیادہ واسطہ نہ پڑے تاکہ زخم ہرے نہ ہوں اور اس بات کا یقین رکھیں کہ آپ کا یہ عمل یقیناً اللہ جل جلالہ کے دربار سے آپ کو بہت کچھ دلانے گا۔

لڑکی اور لڑکے کے ساتھ امتیازی سلوک

”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے یہاں بچی ہوئی اور اس نے

اسے دور جاہلیت کی طرح زندہ دفن نہیں کیا، نہ اس کو حقیر سمجھا اور نہ لڑکوں کو اس پر ترجیح دی، تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ماں باپ کو جس عمل پر جنت کی بشارت دی ہے اس کے تین اجزاء ہیں:

۱) لڑکی کو زندہ دفن نہ کریں اور جینے کا حق دیں۔

۲) لڑکی کی توہین و حقیر نہ کریں۔

۳) لڑکے کو لڑکی پر ترجیح نہ دیں۔

بہت سے گھرانوں میں لڑکوں کو گھر اور خاندان کے اندر جو غنیمت و اہمیت حاصل ہوتی ہے وہ لڑکیوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ لڑکوں، لڑکوں کی بیویوں اور ان کی اولاد کے ساتھ جو اچھا سلوک ہوتا ہے، وہ بیٹیوں، بیٹیوں کے شوہروں اور ان کی اولاد کے ساتھ نہیں ہوتا۔ دراصل بیٹی اور بیٹے کے ساتھ جو امتیازی سلوک ہوتا ہے، اس میں یہ ذہن کام کرتا ہے کہ لڑکی کی پرورش دوسرے کے لئے کی جاتی ہے اور لڑکے کی پرورش اپنے لئے۔ لڑکی سے کسی طرح کی کوئی امید نہیں ہے اور لڑکے سے ہر قسم کی امیدیں وابستہ ہیں۔ لڑکی دوسرے کے گھر کی رونق اور آبادی کا ذریعہ ہے اور لڑکا اپنے گھر کی رونق اور آبادی کا ذریعہ ہے۔ اس ذہن کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکے کی پرورش میں جو دلوں اور دلی جذبات کام کرتے ہیں، لڑکیاں ان سے محروم ہوتی ہیں۔ لڑکی کی پرورش اور اس کے ساتھ سلوک میں ادائے فرض کا جذبہ تو کام کرتا ہے، لیکن وہ امنگ و ولولہ اور نشاط و حوصلہ نہیں ہوتا جو لڑکے کی پرورش اور اس کے ساتھ سلوک میں کارفرما ہوتا ہے۔

لڑکی گھر میں بھی حقیر سمجھی جاتی ہے اور خاندان میں بھی۔ گھر میں بھی لڑکے کو

اس پر ترجیح دی جاتی ہے اور خاندان اور تعارف والوں میں بھی لڑکے کو اس پر فضیلت حاصل رہتی ہے۔ ماں باپ بھی لڑکی کو وہ لباس، وہ زیور اور وہ تحفے نہیں دیتے جو اپنی بہو کو دیتے ہیں، بہو کو جو کچھ دیتے ہیں وہ دلی جذبات کے ساتھ دیتے ہیں کہ وہ انہی کے گھر کی رونق ہے اور بیٹی کو جو کچھ دیتے ہیں وہ محض ادائے فرض یا معاشرے میں اپنا مقام بنانے رکھنے کے لئے دیتے ہیں۔ بہو کو دے کر یاد نہیں رکھتے، لیکن بیٹی کو دے کر اسے یاد رکھتے اور اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ایسے گھرانوں میں بیٹی کی اولاد کو بھی وہ سرپرستی، وہ شفقت اور پیار نہیں ملتا جو بیٹے کی اولاد کو ملتا ہے، بیٹے کے بچے اپنے گھر کے بچے سمجھے جاتے ہیں۔ اور بیٹی کے بچے غیر کے گھر کے بچے سمجھے جاتے ہیں۔ خاندان اور تعارف والوں میں بھی بیٹے کی اولاد اپنے گھر کے بچوں کی طرح سامنے لائی جاتی ہے اور اسی حیثیت سے خاندان والوں سے ان کے ساتھ سلوک کی توقع کی جاتی ہے، لیکن بیٹی کی اولاد کے ساتھ نہ اپنے سلوک کا یہ انداز ہوتا ہے اور نہ خاندان والوں سے اس حیثیت کے سلوک کی توقع کی جاتی ہے۔ اور خاندان والے بھی اپنے لوگوں کے بیٹوں کی اولاد کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں، وہ ان کی بیٹیوں کی اولاد کے ساتھ نہیں کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارک مسلمان ماں باپ کو خبردار کرتی ہے کہ یہ طرز عمل پسندیدہ نہیں۔ اللہ کی خوشنودی اور جنت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان ماں باپ، لڑکی اور لڑکے کو یکساں اہمیت دیں، دونوں کے ساتھ برابری کا سلوک کریں۔ لڑکی کو بھی گھر اور خاندان میں عزت و عظمت کا وہی مقام دیں جو وہ لڑکے کو دیتے ہیں، اور کسی معاملے میں بھی لڑکے کو لڑکی پر ترجیح نہ دیں اور ہمیشہ اپنے ذوق اور معاشرے کی روایات اور دستور کے مقابلے میں دین کے تقاضوں کو مقدم رکھیں۔

دنیا میں لڑکی کی ذات سے کسی مادی فائدے کی توقع نہ ہو تو نہ سہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آخرت پر یقین رکھنے والے ماں باپ کے لئے لڑکی

کے ساتھ حسن سلوک کا اس سے بڑا اور قوی محرک اور کیا ہوگا کہ یہی کمزور بچیاں قیامت کے روز اس کے لئے جہنم کی بھڑکتی آگ سے آڑ بن جائیں گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا، اس کی گود میں اس کا بچہ تھا، وہ پیار سے اس بچے کو چٹانے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پوچھا: کیا تمہیں اس پر رحم آتا ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس بچے پر جتنا رحم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ وہ سارے رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

عقیدہ کرنا

بچے کی طرف سے عقیدہ کرنا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچوں کا عقیدہ کیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔ لیکن یہ ضرور پیش نظر رہے کہ عقیدہ صرف ایک مستحب صدقہ ہے، فرض نہیں ہے کہ لازماً کیا جائے۔ اگر کوئی نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ باپ خوش حال ہو تو بہتر یہی ہے کہ عقیدہ کرے۔ یہ بچے کی جان کا صدقہ ہے۔ عقیدہ کر دینے سے بائیس دور ہو جاتی ہیں اور آفات و مصائب سے بچے کی حفاظت رہتی ہے، عقیدہ کرنے سے بچے کی بہت سی مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ عقیدے کا گوشت غریبوں میں تقسیم کرنے سے غریبوں کی دعائیں بچے کو ملتی ہیں، ان کے قبول ہونے کا قوی امکان رہتا ہے۔ رشتے داروں اور پڑوسیوں کو بھی گوشت دیا جاتا ہے یا کھلایا جاتا ہے، اس سے سماجی روابط مضبوط ہوتے ہیں۔ اخوت اور بھائی چارے کی فضا استوار ہوتی ہے اور نومولود کے لئے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيْقَةٍ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُخْلَقُ رَأْسُهُ

سہ الاوبہ المفروہ باب ورحمة العبال: ص ۱۱۱

وَبُسْمَى ۱۰

مَنْ تَجَمَّعَ: ”ہر بچہ اپنے عقیدہ کے عوض رمن ہے، ساتویں روز اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اسی روز اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کے بال اتروائے جائیں۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ تَجَمَّعَ غَبِيْقَةً فَاهْرَقُوا عَنْهُ دَمًا وَامِيطُوا عَنْهُ الْأَذَى ۱۱»

مَنْ تَجَمَّعَ: ”لڑکے کا عقیدہ کرو۔ اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف دور کرو (سر کے بال صاف کرو)۔“

عقیدہ دراصل اس جانور کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کی ولادت کے ساتویں دن بطور صدقہ ذبح کیا جاتا ہے، اگر ممکن ہو تو لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا بکریاں ذبح کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک، لیکن لڑکے کے عقیدے میں دو بکریاں ذبح کرنا ضروری نہیں ہے، ایک بکری یا بکرا بھی ذبح کیا جاسکتا ہے۔ یہ چونکہ بچے کی جان کا صدقہ ہے، اور بچے کی جان اس کے عوض رمن ہے اس لئے عقیدہ کرنا پسندیدہ عمل ہے۔

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے عقیدے میں ایک بکری کی اور فرمایا فاطمہ ان کے بال اتروا دو اور بالوں کا وزن کر کے اتنے وزن کی چاندی خیرات کر دو۔ تو ہم نے ان کے بالوں کا وزن کیا، بال ایک درہم کے برابر ہوئے یا ایک درہم سے کچھ کم۔“ ۱۲

۱۰ ابوداؤد، کتاب الصحابہ: ج ۲ ص ۳۶، جامع ترمذی، کتاب الاضاحی: ج ۱ ص ۲۷۸

۱۱ صحیح بخاری، باب اماطة الاذى عن الصبي في العقيدة: ج ۲ ص ۸۳۳

۱۲ جامع ترمذی، کتاب الاضاحی باب العقيدة بشافة: ج ۱ ص ۲۷۸

ایک روایت کے مطابق سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بالوں کے وزن کے بقدر چاندی صدقہ کی۔ ۱۳

بالوں کے وزن کے بقدر چاندی صدقہ کرنے سے ایک تو نومولود کے لئے خیر و برکت ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ غریبوں اور مسکینوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ گھر کے افراد میں غریبوں کے لئے خرچ کرنے کا مزاج بنتا ہے۔ دراصل اسلام، معاشرے کے معاشی نظام کو کسی مرحلے پر بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ وہ غریبوں اور پس ماندہ لوگوں کا ہر وقت خیال رکھتا ہے اور ہر خوشی کے موقع پر انہیں بھی خوش رکھنا چاہتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لڑکے کی طرف سے ایک بکری یا بکرا ذبح کرنا بھی جائز ہے۔ کسی کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور وہ دو جانور کرنا چاہتا ہے تو خوشی سے کرے، لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ لڑکے کی طرف سے دو جانور کرنا ضروری نہیں، ایک بھی کر سکتے ہیں۔

عقیدہ ساتویں روز کرنا چاہیے۔

«وَلْيَكُنْ ذَلِكَ يَوْمَ السَّابِعِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَبِئْسَ يَوْمًا ۱۴»

يَكُنْ فَبِئْسَ يَوْمًا: ”اگر میسر نہ ہو تو اکیسویں دن“

مَنْ تَجَمَّعَ: ”عقیدہ ساتویں دن ہونا چاہیے، اگر میسر نہ ہو تو چودھویں دن اور پھر بھی میسر نہ ہو تو اکیسویں دن۔“

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر چودھویں یا اکیسویں روز بھی عقیدہ نہ کیا جاسکتا ہو تو کسی ایسے دن کر دیا جائے، جو بچے کی پیدائش کا ساتواں دن ہو، مثلاً:

۱۳ موطا امام مالک، کتاب العقيدة: باب ما جاء في العقيدة: ص ۵۰۱

۱۴ مستدرک حاکم، ج ۳ ص ۲۳۸، ۲۳۹

اٹھا کیسویں دن یا پینتیسویں دن، اور اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ بچہ جس روز پیدا ہوا ہے، اس سے پہلے والے دن عقیقہ کیا جائے مثلاً: بچہ منگل کو پیدا ہوا ہے تو پیر (سوموار) کو عقیقہ کیا جائے۔ جس پیر کو بھی عقیقہ کیا جائے، وہ پیدائش کا ساتواں دن پڑے گا۔

اگر کسی وجہ سے ساتویں روز نہ کر سکیں تو پھر چودھویں روز یا اکیسویں روز کریں، اور اس کے بعد بھی کر سکتے ہیں۔

عقیقہ مسنون اقرب ہے، سنت کی پیروی کی نیت سے نہایت سادہ انداز میں اس اقرب کو انجام دیں، آخر میں ایک بات اور سمجھ لیں کہ عقیقہ کا گوشت سب کھا سکتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کی قید کہ دوا دادی یا نانا نانی نہیں کھا سکتے، فضولیات میں سے ہے اور احادیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

عقیقہ کا گوشت کچا بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے اور پکا کر بھی اور یہ بھی جائز ہے۔ کہ دعوت کر کے کھلا دیا جائے۔ عقیقہ کا گوشت قربانی کی طرح گھر والوں کے لئے بھی کھانا جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیئے جائیں، ایک حصہ گھر کے لئے اور ایک حصہ رشتہ داروں اور دوستوں کے لئے اور ایک حصہ غریبوں اور مسکینوں کے لئے۔

اگر کسی وجہ سے کسی کا عقیقہ بچپن میں نہ ہوا ہو تو وہ بالغ ہونے کے بعد اپنا عقیقہ کر سکتا ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ خود کیا۔

ایک روایت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت ملنے کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔

۱۔ فتح الباری: ج ۹ ص ۵۹۳

۲۔ مسند عبدالرزاق: رقم ۷۰۲۰

عقیقہ کا جانور ذبح کرتے وقت بچے کا نام لیا جائے، حدیث میں عقیقہ کی وصا ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے:

﴿بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ لَكَ وَالْيَاكُ هَذِهِ عَقِيقَةُ فُلَانٍ﴾

ترجمہ: ”اللہ کے نام سے، اے اللہ! یہ تیرا مال ہے اور تیرے حضور

پیش ہے۔ یہ فلاں (بچہ کا نام لیا جائے) کا عقیقہ ہے۔“

ختہ

ختہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور اسلامی شعار ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فطرت (سلیم) پانچ چیزیں ہیں: ختہ کرنا، زیر ناف بال صاف کرنا، بغل کے بال صاف کرنا، مونچھیں کترنا، اور ناخن کاٹنا۔“

انفطرت سے مراد فطرت سلیم ہے، یعنی یہ پانچ چیزیں جو طہارت و نظافت اور خوش ذوقی کا تقاضا اور علامت ہیں، انسان کی فطرت میں داخل ہیں، بشرطیکہ انسان نے اپنی فطرت کو اپنی بد عملی اور بد ذوقی سے مسخ نہ کر لیا ہو۔ یہ پانچوں چیزیں پرانے زمانے سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت رہی ہیں، سارے انبیاء ان پر عمل کرتے رہے ہیں اور سب کی شریعتیں ان پر متفق رہی ہیں۔ گویا یہ انسان کی فطرت اور جبلت ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے۔

اگر بچہ زیادہ کمزور نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ ساتویں روز ختہ کرا لیا جائے، اس میں دو مصلحتیں ہیں، ایک یہ کہ بچے کی کھال اس وقت بہت نرم اور پتلی ہوتی ہے، جلد اچھی ہو جائے گی۔ دوسری مصلحت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ساتویں دن ختہ کا جو اشارہ ملتا ہے، اس کی بھی تکمیل ہو جائے گی۔ حضرت سلمان

۱۔ فتح الباری: ج ۹ ص ۵۹۳، تہذیبی: ج ۹ ص ۳۰۴

۲۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس: ج ۲ ص ۸۷۵، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ: ج ۱ ص ۱۲۸

بن عام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے:

”بچے کی ولادت کے ساتھ عقیدہ ہے، پس اس کی طرف سے خون بہاؤ، اور اس سے گندگی وغیرہ دور کرو۔“

گندگی وغیرہ دور کرنے سے مراد بال اتروانا اور مہلتا وغیرہ ہے۔ اور بعض علماء نے نزدیک ختنہ بھی اسی حکم میں داخل ہے، اس لئے کہ وہ بھی گندگی دور کرنے اور پاکیزگی اور صفائی حاصل کرنے کے لئے ہے۔

لہذا مستحب یہ ہے کہ ساتویں روز ختنہ کرا لیا جائے اور اگر کسی وجہ سے نہ کرائیں تو چالیس دن کے اندر اندر کرائیں۔ ورنہ جب بھی کرائیں، پہلے یا بعد میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ دو باتوں کا خیال رہے، ایک یہ کہ بہت زیادہ تاخیر نہ کریں، دوسری بات یہ کہ اس سنت کو نہایت سادہ انداز میں کسی بڑے اہتمام کے بغیر ادا کریں۔ اگر حالات سازگار ہوں اور اس سنت کو ادا کرنے کی خوشی میں اپنے دوست احباب کو سچھ کھائیں پلائیں تو گنجائش ہے، لیکن اس کو مستقل تقریب کی شکل دینا اور نمود و نمائش کے لئے کچھ خرچ کرنا ضروری سمجھنا، اسلامی مزاج سے میل نہیں کھاتا۔ بے وجہ اپنے اوپر کچھ چیزیں لازم کرنا اور پھر زیر بار ہونا اور اپنے لئے پریشانیاں پیدا کرنا شریعت کی نافرمانی ہے۔

بہتر یہی ہے کہ اس سنت کو اس طرح سادگی کے ساتھ ادا کیا جائے کہ خواہ مخواہ یہ لوگوں کے لئے پریشانی اور زحمت کا باعث نہ بنے۔

البتہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوشحال کیا ہے اور آپ اس خوشی میں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سنت کے ادا کرنے کی توفیق بخشی ہے تو کچھ لوگوں کو کھانے پینے پر بلانا چاہیں یا کچھ شیرینی تقسیم کرنا چاہیں تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ حضرت

سیدہ زہراؓ، ابواب الاضاحی، باب ماجاء فی العقیقة: ج ۱ ص ۲۷۸

سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: جب ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہماری اور نعیم کی ختنہ کرائی تو اس خوشی میں انہوں نے ایک مینڈھا ذبح کیا تو میں نے دیکھا کہ ہم اپنے ساتھ کے بچوں میں فخر اور خوشی کا اظہار کر رہے ہیں کہ ہماری طرف سے تو مینڈھا ذبح کیا گیا۔

البتہ اس سے پرہیز کرنا چاہیے کہ یہ کوئی رسم نہ بن جائے۔ اور پھر اس رسم کے لوازم اور محارف کی وجہ سے یہ آسان اور اہم سنت امت کے لئے ایک پریشان کن مسئلہ نہ بن جائے۔

بچے کو ماں کا دودھ پلوایے

بچوں کو پالنے پونے کی خدمت میں قدرتی طور پر یہ بات بھی شامل ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو معروف دستور کے مطابق اپنا دودھ پلائیں۔ یہ ماں پر اس کے پیارے بچے کا حق بھی ہے اور ماں کی مادریت کا تقاضہ بھی۔ ماں کا بچے کو اپنا دودھ پلانا معاشرے کا ایک معروف دستور اور عام معمول ہے اور ہر ماں اپنی طبعی اور فطری ذمہ داری سمجھتی ہے کہ اپنے بچے کو اپنا دودھ پلائے۔

بچے کے وجود کو برداشت کرنا، اس کو جنم دینا اور اس کو پروان چڑھانے کے لئے اپنا دودھ پلانا، ہر ماں کا طبعی وظیفہ ہے، اور وہ اپنے طبعی تقاضوں کے تحت اس وظیفہ کو اپنا دل پسند مشغلہ اور فطری فریضہ سمجھتی ہے۔ اور اپنے ننھے اور ناتواں معصوم بچے کا یہ حق سمجھتی ہے کہ اسے اپنے سینے سے لگائے اور اپنا خون جگر پلا کر پالے۔ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

وَالْوَالِدَتُ يُرْضَعْنَ خَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُنْعَمَ

المرضاعة ط

سیدہ زہراؓ، ابواب المفرد، ص ۱۸۴

سیدہ زہراؓ، آیت ۲۳۳

قرآن مجید: ”اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں (یہ مدت اس کے لئے ہے) جو شیر خوارگی کی تکمیل کرتا چاہے۔“

ماں کا دودھ بچے کا فطری حق ہے اور بچہ صرف باپ ہی کی اولاد نہیں ہے، بلکہ ماں کا بھی جگر گوشہ ہے، لہذا ماں کو چاہیے کہ بچے کے باپ کا غصہ بچے پر نہ اتارے، اور بچے کی حق تلفی نہ کرے۔ بچوں کو دودھ پلانا انسانی سماج کا معروف دستور اور عام معمول ہے، جس کا زور دار داعیہ ہر ماں کی طبیعت اور فطرت میں موجود ہے، نہ صرف انسان بلکہ جانور کی طبیعت میں بھی موجود ہے۔ مائیں جن طبعی جذبات اور دلی لگن کے ساتھ اپنے معصوم بچوں کو جوش محبت میں دودھ پلاتی ہیں، وہی مطلوب اور محبوب ہے۔

اسی لئے قرآن کریم نے اس کی تائید، تسمین، ترغیب اور اہمیت کی وضاحت پر ہی اکتفا کیا۔ مومن ماں کے لئے اس ذمہ داری کو امتیازی شان کے ساتھ ادا کرنے کے لئے یہی محرک کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس کے عمل کی تائید کرتی ہے، اس کو پسند کرتی ہے اور اس کو نہایت اہم سمجھتی ہے اور مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ کے رسول مصلی اللہ علیہ وسلم اس عمل پر عظیم انعام اور صلے کی بشارت دیتے ہیں، اس لئے باپ پر لازم ہے کہ ماں کو اگر کوئی عذر نہیں تو اسے تاکید کرے کہ بچے کو اپنا دودھ پلائے، اس سے بچوں کی صحت بھی ٹھیک رہے گی اور دو سال کی عمر تک ماں باپ اجر کے مستحق بھی ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں جب سب سے چھوٹے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام انور ارفع نے آپ کو خوشخبری سنائی، آپ نے اس خوشی میں اسی وقت ایک غلام آزاد کر دیا۔ جب ساتواں دن ہوا تو عقیقہ کیا اور بچے کے بال اتروائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بالوں

کے وزن کے برابر چاندی فی سبیل اللہ خیرات کی۔

دودھ پلانے کے لئے انصار کی بہت سے خواتین نے پیش کش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے خولہ بنت زید انصار یہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس خدمت کے لئے منتخب فرمایا اور ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے حوالے کر دیا اور اس خدمت کے معاوضے میں ان کو مجبوریں دیں۔

لیکن دودھ پلانے میں باپ ایک بات پر نظر رکھیں کہ اگر ماں کے دودھ میں کسی قسم کے مضر اثرات (جو کہ بعض اوقات دواؤں کے استعمال سے پیدا ہو جاتے ہیں) ہوں، یا ماں ولادت کے بعد اتنی کمزور ہوئی ہو کہ دودھ پلانے کی متحمل نہیں ہے تو ایسے حالات میں بے جا طور پر بیوی کو مجبور نہ کریں کہ وہ ضرور بچے کو دودھ پلائے۔ صرف سمجھائیں، اور دعا کریں۔

بعض اوقات شوہر، بیوی کی واقعہ حقیقی کمزوری کو بہانہ سمجھ کر اس سے بچے کو دودھ پلوانے کی ضد کرتے ہیں، جو جھگڑے کا باعث بنتا ہے۔

ماں باپ دونوں خصوصاً والد اس بات کا بہت خیال رکھے کہ بچے کی پیدائش کے بعد دو سال تک حمل نہ ٹھہرے، اطباء نے لکھا ہے کہ اگر حمل نہ ہو تو ماں کا دودھ وافر اور صحت بخش ہوتا ہے، جس سے بچے کی تندرستی قائم رہتی ہے اور اس سے بچے کی صحیح نشوونما ہوتی ہے۔

حمل ٹھہرنے کی صورت میں دودھ خراب ہو جاتا ہے، اس لئے طیب سے مشورہ کر کے کوشش کریں کہ کم از کم دو سال تک حمل نہ ٹھہرے کہ اتنی مدت تک دودھ پینا بچے کا حق ہے۔

جنت میں شکر کا محل

والدین کی زندگی ہی میں اولاد کی موت واقع ہو جائے اور والدین اس جانکاہ

صدے کو صبر اور شکر کے ساتھ اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ کی امانت تھی اللہ تعالیٰ نے لے لی اور مجھے اجر ملے گا، برداشت کر لیں تو والدین کے لئے یہ تکلیف و خیر و آخرت، وسیلہ جنت اور زبردست اعزاز و اکرام کا ذریعہ ہے۔ اس صبر اور شکر کے صلہ میں اللہ تعالیٰ والدین کو جنت سے نوازے گا اور جنت میں ایک محل تیار کرے گا جس کا نام شکر کا محل ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جب کسی بندے کی اولاد کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے پوچھتا ہے: تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کی؟ فرشتے جواباً کہتے ہیں: جی ہاں! پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں: تم نے اس کے دل کے ٹکڑے کو لے لیا؟ فرشتے کہتے ہیں: جی ہاں! تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: پھر میرے بندے نے کیا کیا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: (پروردگار) تیرے بندے نے تیری تعریف کی اور اس مصیبت پر اس نے ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ پڑھا۔ یہ سن کر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتے ہیں: میرے بندے کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر کرو اور اس کا نام ”بَيْتُ الْحَمْدِ“ ”شکر کا محل“ رکھو۔“

”حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان جوڑے کے بھی تین نابالغ بچے مرجائیں، تو یہ بچے قیامت کے روز جنت کے دروازے پر رک کر کھڑے ہو جائیں گے، اور جب ان سے کہا جائے گا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ تو یہ معصوم بچے جواب دیں گے: جب تک ہمارے ماں باپ جنت میں داخل نہ ہوں گے، ہم جنت میں نہیں جاسکتے۔“

تو اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ ”جاؤ تم اور تمہارے ماں باپ سب ہی جنت میں جاؤ۔“

بچوں کی کفالت سے غفلت، سنگین گناہ

”كُفِّي بِالْمَرْءِ إِنَّمَا أَنْ يَضَيِّعَ مِنْ يَتِيمٍ“

”آدمی (کی برادری) کے لئے یہی گناہ کافی ہے کہ وہ ان کو ضائع کر دے جن کا نان و نفقہ اس کے ذمہ ہے۔“

آدمی جن لوگوں کا کفیل بنایا گیا ہے، ان کی کفالت سے غفلت برتنا اور ان کو ضائع کر دینا ایسے سنگین جرم ہے کہ تباہی جرم اس کو اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور گنہگار قرار دینے کے لئے کافی ہے۔ اس غفلت اور کوتاہی کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں: یہ کہ وہ نموء و نمائش میں تو خوب خرچ کر رہا ہو، لیکن اہل و عیال کے حقوق سے غافل ہو۔

یہ کہ خود تو داغ دیش دے رہا ہو اور دوستوں کے ساتھ مل کر خوب دعوتیں ازار پا ہو اور اولاد و فاقہ کشی میں مبتلا ہو۔

یہ کہ دین کی صحیح سمجھ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا مال و متاع دوسرے خیر کے کاموں میں لگا رہا ہو اور اہل و عیال کی ضروریات سے غفلت برت رہا ہو۔

انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام شریعت کی پابندی کرتے ہوئے اپنے وسائل کی حدود میں ان کے دنیوی تقاضوں اور ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام بھی فرماتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بیت اللہ کے جوار میں بسانے کے لئے لائے تو اپنے ہمراہ ان دونوں

کے لئے کھجوروں کا تھیلا اور پانی کا مشکیزہ لائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا:

﴿ثُمَّ جَاءَ بِهَا إِبْرَاهِيمُ وَبِأَنِيَا إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ - وَهِيَ تَرْضَعُهُ - حَتَّى وَضَعَهَا عِنْدَ الْيَتِ عِنْدَ ذَوْحَةٍ فَوْقَ زَمْزَمَ فِي أَعْلَى الْمَسْجِدِ، وَلَيْسَ بِنَجْمَةٍ يَوْمُنَا أَحَدٌ، وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ، فَوَضَعُهَا هُنَاكَ، وَوَضَعَ عِنْدَهُمَا جَرَابًا فِيهِ تَمْرٌ وَسِقَاءٌ فِيهِ مَاءٌ﴾

تَرْضَعُهَا: ”پھر ابراہیم علیہ السلام اس (والدہ اسماعیل) کو، اور اس کے بیٹے اسماعیل علیہما السلام کو، جنہیں وہ (ان دونوں) دودھ پلا رہی تھی، لے آئے، ان دونوں کو گھر (خانہ کعبہ) کے پاس بڑے درخت کے قریب مسجد کے بالائی حصے میں ٹھارہ دیا جہاں (اب) زمزم ہے، اور تب مکہ میں کوئی نہ تھا، اور نہ ہی وہاں پانی تھا۔ انہوں نے کھجوروں کا چمڑے کا بنا ہوا تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ ان دونوں کے پاس رکھ دیا۔“

غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیوی بچوں کے لئے کھجور پانی کا انتظام کیا، پھر ان کو چھوڑ کر گئے۔

وہ خرچ جس کا اجر سب سے بڑھ کر ہے

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک اشرفی وہ ہے، جو تم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی، ایک اشرفی وہ ہے، جو تم نے کسی غلام کو غلامی سے آزاد کرانے کیلئے خرچ کی ہو، ایک اشرفی وہ ہے، جو تم نے کسی غریب کو صدقہ میں دی، اور ایک اشرفی وہ ہے، جو تم نے اپنے اہل و عیال پر خرچ کی۔ ان میں سب

سے بڑا اجر اس اشرفی کا ہے جو تم نے اپنے اہل و عیال پر خرچ کی۔“
اس روایت کی مزید وضاحت حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سب سے بہتر اشرفی، وہ اشرفی ہے، جس کو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے۔ اور وہ اشرفی ہے جس کو آدمی راہ خدا کی سواری پر خرچ کرتا ہے اور وہ اشرفی ہے جس کو آدمی راہ خدا کے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے۔ ابوقلابہ (ایک درمیانی راوی) کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال بچوں پر خرچ کرنے سے بات شروع کی اور پھر فرمایا: اس آدمی سے بڑھ کر اجر و انعام کس کا ہو سکتا ہے جو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں پر خرچ کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو مانگنے سے بچائے اور خوشحال بنائے رکھے۔“

اولاد پر خرچ کرنے میں نیت صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ہو۔ یہ نیت بالکل نہ ہو کہ ”میں ان کے لئے کر رہا ہوں کل یہ میرے لئے کریں گے۔ آج جو کچھ میں ان پر لگا رہا ہوں، وہ انویسٹ ہو رہا ہے، کل اس سے بڑھ کر ملے گا، اور میرے بڑھاپے میں میرے لئے جیسا کھی کا بندوبست ہوگا۔ یہ ایک گھنیا اور ادنیٰ نیت ہے، اعلیٰ نیت یہی ہے کہ جو میں ان پر خرچ کر رہا ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے خرچ کر رہا ہوں، اور یہ بڑے ہو کر جو خیر و برکتی کا کام کریں گے، وہ میرے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

وہ باپ جس کا چہرہ بدر کامل کی طرح چمک رہا ہوگا

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقة علی العیال: ج ۴ ص ۲۲۲
کے جامع ترمذی، ابواب البر والصلة: ج ۲ ص ۱۸

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے حلال ذرائع سے دنیا طلب کی تاکہ اپنے کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے سے بچائے رکھے اور اپنے اہل و عیال کے لئے روزی مہیا کرے اور اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے، وہ قیامت کے روز اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ بدر کامل کی طرح چمک رہا ہوگا۔ اور جس نے حلال طریقے سے دنیا اس لئے کمائی کہ وہ دوسروں سے مال و دولت میں بڑھ جائے، دوسروں پر اپنی بڑائی جٹائے، نمود و نمائش کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔

غور فرمائیے! بچوں کے لئے دنیا کمانا بھی اجر و ثواب کا باعث بن گیا، لہذا بچوں کے لئے آپ جتنی محنت کر رہے ہیں، اس پر آخرت کے اجر کی بھی امید رکھیے، ہاں یہ ضرور ہے کہ ملازمت اور تجارت کرتے ہوئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کیجیے۔

کفالت کی ذمہ داری کا مطلب یہ ہے کہ بچے کی ولادت سے بالغ ہونے کے وقت تک بچے کے ہر طرح کے مصارف باپ برداشت کرے۔ اس کی ولادت کے مصارف، کمانے پینے پینے اوڑھنے کے مصارف، اس کی خدمت و نگہداشت کے مصارف، اس کی صحت و آرام کے مصارف، اجنبی عورت سے دودھ پلانا، ہوتو اس کا معاوضہ، اور اگر اللہ نہ کرے بچے کی ماں کو طلاق دے دی ہو اور وہ دودھ پلائے تو اس کا معاوضہ، غرض بچے کی پرورش اور نشوونما کے لئے ہر قسم کے خرچ برداشت کرنا باپ کی شرعی ذمہ داری ہے۔ اگر باپ خوش حال ہو تو بچے کی طرف سے صدق فطر ادا کرنا بھی اس پر واجب ہے اور بچے کی طرف سے عقیقہ کرنا بھی مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے باپ کے سینے میں پوری محبت کا بے پناہ جذبہ پیدا فرما کر اس پر

بھی زبردست احسان کیا ہے اور اولاد پر بھی۔ اس فطری محبت کے بغیر محض تقاضائے فرض کے طور پر اولاد کی کفالت بڑا کٹھن کام تھا۔ اور کم ہی لوگ اس فرض کا حق ادا کر پاتے۔ نتیجے کے طور پر اولاد کی پرورش انسانی معاشرے کا ایک سنگین مسئلہ بن جاتا اور اولاد بالعموم پرورش سے محروم رہ جاتی۔ اولاد پر بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے والدین کے دل میں ان کی زبردست محبت و پیار پیدا کر کے ان کی پرورش کو والدین کے لئے نہایت خوشگوار فرض اور انتہائی محبوب اور دل پسند مشغلہ بنا دیا۔

مسلمان باپ اپنی اولاد کی کفالت اس لئے بھی کرتا ہے کہ وہ اولاد سے فطری محبت رکھتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ تصور بھی رکھتا ہے کہ اولاد کی کفالت ایک دینی فریضہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو میرے سپرد کیا ہے کہ میں ان کی نگہ رانی اور سرپرستی کروں۔ اپنی اولاد پر خرچ کر کے وہ اپنے پدری جذبات کو بھی تسکین دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ آخرت میں اس حسن عمل کا اس کو بیش بہا صلہ عطا فرمائے گا۔

اولاد کی فطری محبت کے ساتھ جب یہ زور و محرک بھی مل جاتا ہے کہ اولاد کی کفالت آخرت میں بھی کامیابی کا ذریعہ ہے، تو یہ فریضہ نہایت آسان اور دل پسند بن جاتا ہے اور مسلمان باپ اپنی عاقبت بنانے اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں محبوب بننے کے لئے اس فرض کو عبادت سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ اولاد کی کفالت کے لئے سخت سے سخت مشقتیں جھیل کر اور زبردست قربانیاں دے کر بھی خوش اور مطمئن ہوتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حسن عمل کی توفیق بخشی اور اس نے میرے سپرد جو مانت کی بخشی، میں نے اسے ضائع نہیں کیا۔ اولاد پر خرچ کر کے بجا طور پر وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا۔

حضرت ابو مسعود البدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا انْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى اَهْلِهِ نَفَقَةً يَحْتَسِبُهَا فَيُحِبُّ لَهٗ صَدَقَةٌ ۝

ترجمہ: ”جب کوئی شخص اللہ کو خوش کرنے اور آخرت میں اجر پانے کے لئے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے تو اس کا یہ خرچ (اللہ تعالیٰ کی نظر میں) صدقہ قرار پاتا ہے۔“

اقتساب کے ساتھ کسی عمل کو کرنے کے معنی یہ ہیں کہ شخص اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے اجر کے لئے عمل کیا جائے اور اس کے پیچھے کوئی اور جذبہ نہ ہو۔ اور اس کا احتضار ہو کہ اس پر مجھے اللہ تعالیٰ یہ اجر عطا فرمائیں گے۔

ایک بات کی وضاحت یہاں پر ضروری ہے کہ بچے پر جو کچھ بھی خرچ کرے، اس میں ایک پیسہ بھی حرام کا نہ ہو، ورنہ ”نیکی پر بادگناہ لازم“ کا مصداق ٹھہرے گا۔ اسی طرح جب نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ہے تو نام و نمود و نمائش وغیرہ کے لئے اور فضول تقریبات مثلاً سالگرہ وغیرہ پر مال خرچ کرنے سے اجتناب کریں، اگر ماں اور بچے کی طرف سے زور بھی ہو تب بھی پیار و محبت سے ان کو سمجھائیں اور ترغیب دیں کہ ایسی لغویات کی اسلام میں اجازت نہیں اور اس میں آخرت کے علاوہ دنیا کا بھی نقصان ہوتا ہے اور یہی پیسہ جو ہم سالگرہ پر خرچ کرتے ہیں، غریب یتیم بچوں کی تعلیم پر خرچ کریں تو معاشرہ میں جہالت کے ختم ہونے کا سبب ہو، اور سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ اس میں غیروں کی نقل ہے، جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دونوں جہاں میں نقصان کا سبب بنتی ہے۔

اولاد پر خرچ، والد کی ذمہ داری ہے

اصولی طور پر وہی صدقہ و خیرات پسندیدہ ہے، جس کے بعد بھی خوش حالی رہے اور بچے کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہوں۔ اسی طرح یہ بھی فہم دین سے محرومی کی

بات ہے کہ آدمی کے اپنے بچے تو فاقہ کشی میں مبتلا ہوں، ان کو تو ماپ تول کر دیا جائے، اور شہرت و ناموری کے لئے یا ذاتی عیش و آرام کے لئے کشادہ دلی سے خرچ کیا جائے۔ آپ کے مال و متاع کے اولین مستحق آپ کے پیارے بچے ہیں، خواہ وہ اس بیوی ہی کے کیوں نہ ہوں، جو آپ سے جدا ہو چکی ہے، چاہے کسی وجہ سے بھی، بہر حال وہ آپ کے بچے ہیں، ان کو تنگی میں رکھ کر آپ خود عیش کریں یا دوسروں کو عیش کرائیں اور ان کو ترسا ترسا کر دیں، اور دوسروں کو دینے میں کشادہ دلی اور فراخ دہی دکھائیں، یہ حق تلفی ہے، آپ کا یہ عمل قابل اصلاح ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت آپ کے لئے یہ ہے کہ آپ سب سے پہلے اولاد کی ضروریات پوری کریں۔

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے اچھا صدقہ وہ ہے، جس کے بعد بھی خوشحالی برقرار رہے اور سب سے پہلے ان پر خرچ کرو، جن کی کفالت تمہاری ذمہ داری ہے۔“

اس حدیث سے مسلمان ماں باپ کو ایک متوازن، معتدل اور فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق نقطہ نظر ملتا ہے۔ ہر انسان کی فطری خواہش ہے کہ اس کا مال اس کی اولاد کے کام آئے اور وہ آرام و آسائش کی زندگی گزارے۔ مال و دولت کمائے کا سب سے بڑا محرک بھی یہی ہے، اور سب سے پہلا پسندیدہ مصروف بھی یہی ہے۔ اسلام صدقہ و خیرات پر بہت زور دیتا ہے، بلکہ اس کو ایمان کا تقاضا قرار دیتا ہے اور نکل اور تنگ دلی کو نفاق کی علامت بتاتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی دیتا ہے کہ سب سے پہلے ان لوگوں کی ضروریات پوری کرو، جن کے تم لفیل بنائے گئے ہو۔ اولاد کی ضروریات نظر انداز کر کے اپنی ذاتی نفسانی فتنوں خواہشات پر لگانا یا ۱۰۱ سے بچا بچا کر جمع پہ جمع کرتے رہنا اور اپنی جمع شدہ پونجی کی ان کو خبر بھی نہ ملے مکمل طور پر باب فضل الصدقہ: ج ۱ ص ۱۷۰

ہونے ویسا، یہ سمجھداری نہیں ہے۔

اسی طرح اپنی حیثیت کے موافق اولاد پر خرچ کرنے میں سخاوت کی جائے۔ بار بار روک ٹوک اور ایک ایک پیسہ کے حساب پر ڈانٹ ڈپٹ اور ذلیل نہ کیا جائے۔ بلکہ اچھی چیزوں پر خرچ کرنے کا عادی ہے تو حوصلہ افزائی کی جائے اور غلط چیزوں پر خرچ کرنے کا عادی ہو تو بار بار اس طرح سمجھایا جائے کہ اس کی سمجھ میں آ جائے، بچے کو گھر کے موافق جیب خرچ دی جائے، ایسا نہ ہو کہ سخاوت کے جذبے کے تحت چھوٹی رقم میں اتنے پیسہ دے دیں کہ جس سے خود اس بچے اور دوسرے بچوں کے اخلاق خراب ہوں۔

لہذا افراط و تفریط کے درمیان اس طرح خرچ کیا جائے کہ نہ بچہ بگڑے اور نہ جوان شادی شدہ اولاد والد کی موت کی تمنا کرے، اس لئے کہ سمجھدار بچوں پر بہت زیادہ روک ٹوک اور بار بار دوسرے بھائی بہنوں کے سامنے ذلیل کرنا، بچوں کے دل میں والد کی موت کی تمنا پیدا کر دیتا ہے۔ اس موقع پر والد کو سوچنا چاہیے کہ میرے انتقال کے بعد تو سب اولاد اور بیوی ہی کا ہے تو میں اپنی بات اسی طرح کہوں کہ اس کا وزن باقی رہے اور بچوں کو اس سے نصیحت ملے، نہ کہ وہ مزید پریشانی کا سبب ہو۔ اسی طرح لڑکیوں میں خرچ کرنے سے خود بھی بچے اور اولاد کو بھی بچائے۔ دنیا و آخرت میں گناہوں پر خرچ کرنے کے نقصانات، اس پر غدا ب و وبال اور انفرادی و اجتماعی نقصانات کو ان کے سامنے کھول کھول کر بیان کرے، تاکہ وہ ان گناہوں میں خرچ نہ کریں، لیکن یہ خیال رکھے کہ سو فیصد اولاد کا مزاج باپ پر نہیں آ سکتا، اگر والد قمت پسند ہے تو ہو سکتا ہے اولاد فضول خرچ ہو یا اس کا عکس۔ دونوں صورتوں میں سمجھدار والد کو چاہیے کہ خود اپنے معیار سے نیچے اترے اور ان کو تھوڑا سا اوپر لائے اور درمیانی راہ اختیار کر کے خود بھی خوش رہے اور بالغ اولاد کو بھی خوش رکھے۔

اسی طرح خرچ کرنے میں نیت اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کی کرے۔ اس کو شریعت کی اصطلاح میں احتساب اور ثواب کا انتظار کیا جاتا ہے۔ اس نیت کی وجہ سے خرچ کرنے کا ثواب مزید بڑھ جائے گا۔ ویسے تو ہر ماں باپ اولاد پر خرچ کرتے ہی ہیں، لیکن جو ولدین اس میں ثواب کی بھی نیت کر رہے ہیں، وہ لوگ ناکامے میں رہتے ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات آدمی دوستوں کے ساتھ لُنج یا کھانے پر ہولوں میں خوب خرچ کرتا ہے اور بل وا کرنے میں سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ میں بل ادا کروں گا، اس وقت ہر والد کو سوچنا چاہیے کہ میرے حقیقی دوست میرے بیوی بچے ہیں، کیا میں اپنی بیوی بچوں پر اسی طرح خوشی سے خرچ کرتا ہوں؟ کیا میں اس خرچ پر ثواب کی امید رکھتا ہوں؟

اولاد کے ساتھ حسن سلوک

اولاد کا ایک اہم حق یہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ان پر رحم کھائیں، ان کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آئیں، ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھیں، ان کے جذبات و احساسات کا لحاظ کریں، ان کو خوش رکھنے کی کوشش کریں اور کوئی ایسا برتاؤ نہ کریں، جس سے ان کے جذبات کو غمیں لگے، ان کا دل ٹوٹے، ان پر مایوسی طاری ہو یا ان کی خود داری اور عزت نفس مجروح ہو۔

آپ کے ننھے منے پیارے بچے آپ کی طرف شفقت طلب نظروں سے دیکھتے ہیں، یہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں۔ اس انعام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے اور اس کے انعام کی ناقدری نہ کیجئے، اولاد کی قدر کیجئے اور ان کے ساتھ وہی سلوک کیجئے جس کے یہ مستحق ہیں۔

اولاد اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس امانت کی حفاظت کیجئے، اولاد کے ساتھ ایسا

سلوک کیجیے کہ یہ لائق فائق اور دنیا کے لئے بھی باعث رحمت ہوں اور آپ کے لئے بھی عزت و عظمت، نیک نامی اور آخرت کی سرخروئی کا سامان بنیں۔

اگر آپ کا سلوک اپنی اولاد کے ساتھ اچھا نہیں ہے تو یہ آپ کے اپنے ساتھ بھی زیادتی ہے، اولاد کے ساتھ بھی زیادتی ہے اور اپنے معاشرے کے ساتھ بھی۔

بات بات پر بے جا غصہ کرنا..... چیخنا..... چلنا..... ڈانٹنا..... جھڑکنا..... برا بھلا کہنا..... ناکارہ..... نالائق..... جیسے الفاظ سے یاد کرنا، ان کی نادانیوں اور شرارتوں سے تنگ آکر ان سے نفرت اور بیزارگی کا اظہار کرنا، گالی دینا..... کوستا

اور ان پر سختی کرنا..... ان کو بے جا مشقت میں مبتلا کرنا..... ان کو کسی وقت کھیل کھیلنے اور ہنسنے بولنے کا موقع نہ دینا..... اولاد کے ساتھ بدسلوکی ہے۔ اس بدسلوکی کے نتائج انتہائی تلخ اور انتہائی حسرت ناک ہوتے ہیں، اولاد کے حق میں بھی، ماں باپ کے حق میں بھی اور معاشرے کے حق میں بھی۔

بچے اپنی ابتدائی عمر میں جب وہ نادان، کمزور اور بے بس ہوتے ہیں، آپ کی محبت و مہربانی کے بھی مستحق ہوتے ہیں، آپ کی مشفقانہ ہمدردی اور مدد کے بھی اور آپ کی رہنمائی اور رہبری کے بھی، لیکن آپ کے سامنے اگر انہیں ان تین نعمتوں کے بجائے صرف غصہ، قہر اور سخت گیری ہی میسر آئے تو فطری طور پر وہ آپ سے مایوس اور بیزار ہوں گے۔ آپ سے دور دور رہنے اور گھر سے بھاگنے کی کوشش کریں گے اور جہاں بھی انہیں ان تین نعمتوں کی جھلک نظر آئے گی، وہ بے اختیار ادھر لپکیں گے۔ بچوں کو یہ تمیز نہیں ہوتی کہ وہ حقیقی محبت..... اور مصنوعی محبت..... میں فرق کر سکیں، اخلاص..... اور فریب..... کو پہچان سکیں۔ معاشرے کے بدقماش اور بے دین لوگوں کو ایسے بچوں کو ورغلائے اور اپنے گھناؤنے جال میں پھانسنے کا موقع مل جاتا ہے اور یہی نادان بچے دھیرے دھیرے معاشرے کے لئے وبال جان بن جاتے ہیں اور بڑے بڑے جرائم کرنے لگتے ہیں۔

اگر خوش قسمتی سے یہ بچے برے لوگوں کے چنگل میں پھنسنے سے بچ جائیں تو بھی یہ والدین کے لئے مستقل درد سر ہوتے ہیں، ان کو اپنے ماں باپ سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ ماں باپ کے لئے وہ پاکیزہ جذبات پیدا ہی نہیں ہوتے جو سعادت مند اولاد کے دل میں ہوتے ہیں۔ ماں باپ زندگی بھر ان کی نافرمانی اور نالائقی کا رونا روتے رہتے ہیں، حالانکہ ان کو باغی اور سرکش بنانے میں سب سے گہرا اثر انہی کے برے سلوک کا ہوتا ہے اور جس بات کی ساری ذمہ داری یہ اولاد کے سر ڈال کر ان کی شکایت کرتے ہیں، اس بگاڑ میں ان کا اپنا حصہ اولاد سے کچھ کم نہیں ہوتا۔

والدین کی بدسلوکی کا تیسرا برا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے بچے اخلاقی اعتبار سے انتہائی پست ہوتے ہیں، اور وہ ان اخلاقی جوہروں سے بالعموم محروم ہوتے ہیں، جن کی بدولت کوئی انسان دین یا دنیا کے لئے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیتا ہے۔ وہ خود اعتمادی، جرات، ہمت، حوصلہ، خودداری، عظمت، استقلال، خوش اخلاقی، خوش مزاجی اور خوش کلامی وغیرہ جیسے اخلاقی فضائل سے محروم ہوتے ہیں۔ اس کی بجائے وہ جھنجھلاہٹ، تنگ نظری، کم ظرفی، احساس کمتری، بخل، تنگ دلی اور غرور و ریا جیسے اخلاقی رذائل کا شکار ہوتے ہیں، وہ اکثر اپنے وجود کو نہایت حقیر، بے مصرف اور نکما سمجھتے ہیں اور اپنے اس عیب کو چھپانے کے لئے اپنی برتری اور بڑائی کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے ہیں۔

اگر آپ واقعی اولاد کے ہی خواہ ہیں، تو ان کا حق ادا کیجیے اور ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیجیے، جیسے سلوک کی آپ خود ان سے توقع کرتے ہیں۔ تب ہی اولاد کے دل کی گہرائیوں سے آپ کے لئے یہ دعا نکل سکے گی:

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا﴾

ترجمہ: "اے میرے پروردگار! ان دونوں (ماں باپ) پر رحمت

۱۴ سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۴

فرمایے جیسا انہوں نے مجھ کو پچھین (کی عمر) میں پالا پرورش کیا ہے۔
قرآن کریم کے ذریعے ہمیں یہ ہدایت ملی گئی ہے کہ اولاد کے ساتھ نرمی اور شفقت
درگزر کا برتاؤ کیا جائے اور شفقت و مہربانی سے بخش آیا جائے۔ اولاد کی کوتاہیوں
پر ان کو سزا دینا، ان سے انتقام لینا اور ان پر غصہ اتارنے کے لئے نفی کرنا، نا پسندیدہ
عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کے تصور بخشے اور انہی لوگوں پر رحم فرمائے۔ ان کو اپنے
گمراہیوں کے ساتھ معافی، درگزر اور بخشش کا سلوک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
کا ارشاد ہے:

﴿وَأَن تَغْفِرُوا وَتَصْفَحُوا فَاِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

ترجمہ: ”اور اگر تم ان کو معاف کرو، ان سے درگزر کرو اور ان کو بخش

دو تو اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

کچھ لوگ اسلام لانے کے باوجود ہجرت کی سعادت سے محروم رہ گئے تھے۔ ہوا
یہ کہ جب انہوں نے مدینے کو ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے گھر والے آڑے آئے
انہوں نے کہا: ہم نے یہ تو برداشت کر لیا کہ تم مسلمان ہو گئے، لیکن اب یہ برداشت
نہیں کر سکتے کہ تمہیں اپنے سے جدا ہونے دیں، اور بیوی بچوں نے سچے اس طرح
ان کے جذباتِ محبت کو ابھارا، جس سے وہ متاثر ہوئے اور وہ ہجرت سے رک گئے۔
پھر جب یہ لوگ مدینہ پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ جو لوگ اس وقت ہجرت کر کے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے تھے، وہ دین کی سوجھ بوجھ میں ان سے
بہت آگے ہیں، تو ان کو بہت دکھ ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ اس عظیم نقصان کا سبب
ہمارے بیوی بچے ہیں، چنانچہ بیوی بچوں کے خلاف ان کی آتش غضب بھڑک اٹھی
اور انہوں نے بیوی بچوں سے انتقام لینے اور ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔

سورہ تغویٰ آیت ۱۴

سورہ تغویٰ: ج ۲۸ ص ۱۲۶

اس موقع پر قرآن کریم نے ان کو یہ ہدایت کی کہ بے شک گمراہیوں کی نافرمانی
سے تم ہجرت کی فضیلت سے محروم رہے، لیکن تم نے خود ہی تو ان کو دین کے تقاضے
پر ترجیح دی، لہذا آئندہ تم ان سے ہوشیار رہو، لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھو کہ اللہ
تعالیٰ یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ تم گمراہیوں کے ساتھ سختی سے پیش آؤ، ان سے انتقام
لو اور ان کو سزا دو، ان کے ساتھ اچھا سلوک ہی دین کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود بہت
زیادہ بخشنے والا ہے اور بخشنے والوں کو ہی پسند کرتا ہے، اگر تم اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور
رحمت کے طالب ہو تو اولاد کے ساتھ شفقت و مہربانی کا سلوک کرو، ان کو معاف
کرو، ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرو اور ان کو بخش دو۔

”وَاسْتَعِذْ بِهَا عَلَى أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يَخْفِذَ عَلَى زَوْجِهِ وَوَلَدِهِ إِذَا
حَوًّا مَغْفًا جَنَابَةً وَأَنْ لَا يَدْعُو عَلَيْهِمْ“

ملاء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا کہ اہل و عیال سے کوئی کام خلاف
شرع بھی ہو جائے تو ان سے بیزار ہو جانا..... اور ان سے بغض رکھنا..... یا ان کے
لئے بددعا کرنا..... مناسب نہیں بلکہ ان کی نرمی سے اصلاح کی کوشش کرنا چاہیے۔

احنف بن قیس کی نصیحت

احنف بن قیس عرب کے مشہور سردار تھے، ان کی شان و شوکت، ان کی دانتی،
ان کی بردباری اور جاد و جلال کا عرب میں بڑا شہرہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ
عنه ان کا بڑا لحاظ فرماتے اور فرمایا کرتے تھے: یہ بگڑ جائیں تو سمجھو ایک لاکھ عرب بگڑ
گئے۔

ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنه نے ان کو اپنے یہاں بلوایا، جب آپ
تشریف لائے تو پوچھا: ابو بکر! اولاد کے ساتھ سلوک کے بارے میں آپ کی کیا رائے

سورہ العافی: ج ۲۸ ص ۱۲۶

ہے؟ اخف بن قیس نے کہا:

”هَمُّ بِنَارِ قُلُوبِنَا، وَعِمَادُ ظُهُورِنَا وَنَحْنُ لَهُمْ أَرْضٌ ذَلِيلَةٌ وَسَمَاءٌ ظَلِيلَةٌ فَإِنْ ظَلَمُوا فَاعْظَمُوا وَإِنْ غَضِبُوا فَارْضَهُمْ فَإِنَّهُمْ يَمْنَحُونَكَ وَدَّعَهُمْ وَيَجُودُونَ جُهْدَهُمْ وَلَا تَكُنْ عَلَيْهِمْ ثَقِيلًا فَيَمْلُوا حَيَاتَكَ وَيَتَمَتَّوْا وَقَاتِكَ“^۱

ترجمہ: ”اولاد ہماری دلی آرزوؤں کا ثمرہ اور سر کی ٹیک ہے۔ ہم اس کے لئے اس زمین کی طرح ہیں، جو نہایت نرم اور بالکل بے ضرر ہے۔ ہمارا وجود اولاد کے لئے اس آسمان کی طرح ہے، جو اس پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ ہم اسی کے سہارے بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کی ہمت کرتے ہیں۔“

لہذا اولاد اگر آپ سے کچھ مطالبہ کرے تو خوش دلی کے ساتھ اسے پورا کیجیے۔ اگر وہ غم زدہ ہو، اس کے دل کا غم دور کیجیے۔ آپ ہیکھیں گے کہ وہ آپ سے محبت کرے گی۔ آپ کی پدرانہ کوششوں کو پسند کرے گی، آپ کبھی اس کے لئے ناگوار اور ناقابل برداشت بوجھ نہ بنیں گے کہ وہ آپ کی زندگی سے اکتا جائے، آپ کی موت چاہنے لگے اور آپ کے قریب آنے سے نفرت کرے۔“^۲

اخف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس نصیحت کو دوبارہ پڑھیں اور بار بار پڑھیں اور دعا کیجیے کہ ”اے اللہ! یہ نصیحت میرے دل و دماغ میں پیوست فرما دیجیئے۔“

بچوں کے ساتھ سلوک میں مساوات

آپ کی اولاد ہونے کے ناطے آپ کے سارے بچے برابر ہیں اور سب کا آپ

۱۔ ماخذہ ترمذیہ الاولاد فی الاسلام: ج ۱ ص ۱۲۸

۲۔ اصلاح معاشرہ اور اسلام: ص ۵۸۴

بیت العلم

پر یکساں حق ہے، لہذا آپ سب کے ساتھ یکساں سلوک کریں اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہلی بیوی یا پہلے شوہر کی اولاد اور موجودہ شریک حیات کی اولاد کے درمیان برابری کا سلوک نہیں کیا جاتا، جس شریک حیات سے جدائی ہو چکی ہے اور اس کی اولاد کے مقابلے میں نئے شریک حیات کی اولاد کی زیادہ قدر کی جاتی ہے اور پہلے شریک حیات کی اولاد کے حقوق نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی ایک ہی بیوی سے دو بچوں میں ہوشیار اور بے وقوف، لڑکے یا لڑکی میں فرق کیا جاتا ہے۔

حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد نے مجھے ایک چیز دی تو عمرہ بنت رواحہ (میری والدہ) نے میرے والد بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں اس پر اس وقت تک رضا مند نہیں ہوں، جب تک کہ تم اس ہبہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنالو، چنانچہ حضرت بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اپنے بیٹے نعمان کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے، ایک غلام ہبہ کر دیا ہے اور عمرہ بنت رواحہ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس ہبہ پر آپ کو گواہ بنالوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: جس طرح تم نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے، کیا اسی طرح اپنے سب بیٹوں کو بھی ایک ایک غلام دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْبُدُوا فِي أَوْلَادِكُمْ“^۱

”کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو۔“ حضرت نعمان رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد واپس آئے اور مجھے جو غلام ہبہ کر دیا تھا، وہ واپس لے لیا۔

۱۔ صحیح مسلم، کتاب المہات، باب كراهة تفضيل بعض الاولاد في الهبة: ج ۲ ص ۳۷

بیت العلم

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر فرمایا کہ "لَا تُهْذِبُوا عَلٰی جُورٍ" "میں ظلم پر گواہ نہیں ہوتا۔" ۱

ایک اور روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "أَيُّسُوْلُهُ أَنْ يَكُوْنُوْا إِلَيْكَ فِي الْبُيُوتِ سَوَاءً؟" ۲

یعنی "کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سارے بچے تمہارے ساتھ یکساں حسن سلوک کریں۔" حضرت بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ "کیوں نہیں" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پس تم ایسا نہ کرو۔" اور طحاوی شریف میں اسی طرح کا ایک قصہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شخص بیٹھے ہوئے تھے تو ان کا بیٹا آیا، انہوں نے اس کو بوسہ دیا اور اپنی ران پر بٹھایا، پھر بیٹی آئی، اس کو اپنے برابر میں بٹھایا تو آپ نے فرمایا:

"فَهَلَا عَذَلْتُ بَيْنَهُمَا" ۳

ترجمہ: "تم نے ان دونوں کے درمیان برابری کیوں نہیں کی؟"

مصنف عبدالرزاق میں اس روایت پر یہ بھی اضافہ ہے:

"فَارَبُّوْا بَيْنَ آبَائِكُمْ وَلَوْ فِي الْقُبُلِ" ۴

ترجمہ: "اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو، چاہے بوسہ لینے میں ہو۔"

یہ تو انسان کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اپنے سارے بچوں کے ساتھ یکساں محبت کرے، ضعی طور پر کبھی کسی بچے کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے، محبت میں مساوات نہ انسان کے قابو میں ہے اور نہ اس کا اس سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ حدیث میں جس بات کا مطالبہ اور تاکید ہے، وہ سلوک اور برتاؤ ہے۔ آپ کی اولاد ہونے کے ناتے آپ کے سارے بچے برابر ہیں اور سب کا آپ پر یکساں حق ہے، لہذا آپ

۱۔ مفتوح باب العطایا: ج ۱ ص ۲۶۱۔

۲۔ فتاویٰ ج ۲ ص ۲۰۰

۳۔ عمل صالح المجلد ۲ ص ۷۲

۴۔ عمل صالح المجلد ۲ ص ۷۲

سب کے ساتھ یکساں اور نیک سلوک کریں اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیں۔ ایک بچے کو دوسرے پر ترجیح دینا اس لئے بھی صحیح نہیں ہے کہ اس طرح ایک کی حق تلفی ہوتی ہے اور اس لئے بھی صحیح نہیں ہے کہ اسی سے بچوں کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ بس کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے، اس میں برتری اور بڑائی کے جذبات پر دان چڑھتے ہیں اور وہ دوسرے بہن بھائیوں کو اپنے سے کمتر سمجھنے لگتے ہیں، اور جن بچوں کے ساتھ سلوک میں کمی کی جاتی ہے، ان میں احساس کمتری کا مرض پیدا ہوتا ہے اور وہ نفسیاتی طور پر اپنے وجود کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں، جس سے ان کی اخلاقی اور جسمانی اٹھان پر برا اثر پڑتا ہے، ساتھ ہی محبت و شفقت اور ایثار و قربانی کے وہ جذبات بھی مجروح ہوتے ہیں، جو ہر شخص کے دل میں اپنے بہن بھائیوں کے لئے قدرتی طور پر موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح والدین کے لئے عزت و احترام اور عظمت و عقیدت کے جو جذبات ہوتے ہیں، وہ بھی مجروح ہوتے ہیں۔

اگر کسی کی دو بیویوں سے اولادیں ہیں اور ان میں سے ایک بیوی کی اولاد کی طرف سے والد کا دل صاف نہیں ہے یا ان کی عادتیں اور اطوار والد کو پسند نہیں ہیں اور والد کی طبیعت ان کی طرف غیر اختیاری طور پر مائل نہیں ہوتی تو والد مجبور ہے، لیکن اسلام والد سے یہ مطالبہ ضرور کرتا ہے کہ اختیاری طور پر سلوک برتاؤ میں سب کے ساتھ برابری ضرور کرے، اولاد کو یہ محسوس نہ ہونے دے کہ فلاں کو مجھ پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اگر ایک کے لئے والد عیش و آرام کے سارے سامان مہیا کرے اور دوسرے کو ترسائے تو والد شریعت کی نظر میں مجرم ہے۔

والدین اپنے طرز عمل کی تاویل میں کر کے اپنے نفس کو دھوکا دے سکتے ہیں، دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی نظر سے نہ اچھا نہ بُرا ہو سکتا ہے، نہ اس کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روش کا غور فرمایا۔

اسی طرح بچوں کے ساتھ سلوک میں مساوات یہ بھی ہے کہ کسی ایک بچے کی بار بار تعریف نہ کرے، بعض اوقات انتخاب میں والدین سے یہ غلطی ہوتی ہے کہ کسی ایک بچے کی بار بار ہوشیاری، سلیقے کی تعریف کرتے رہتے ہیں، جس سے احوالہ مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے کہ باقی بھائی بیوقوف ہیں یا اس کے مقابلہ میں کم سمجھ ہیں، اور ماشاء اللہ یہ تو بہت ہی ہوشیار ہے۔

دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے دوسرے بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ والد اور خاندان والوں کی نگاہ میں ہوشیار تو یہی ہے، ہم تو ویسے ہی پاگل و بیوقوف ہیں یا کام کرنے والا تو وہی کہلاتا ہے، ہم جتنے بھی کام کریں، ہمیں تو سختے کا ہی لقب ملتا ہے، ہمارے تو بھلے کاموں کی بھی برائیاں نکالنی ہیں تو پھر کیوں غم کھاتے ہو، ان کا کوئی کام ہی نہ کرو، لہذا والدین کو چاہیے کہ کسی ایک کی ہوشیاری اور قابلیت کا بار بار ذکر نہ کریں، بلکہ اس کی ہوشیاری اور قابلیت کی حفاظت کا بھی طریقہ یہی ہے کہ اس کا ذکر نہ کریں، ورنہ نظر لگ جاتی ہے، یا حاسدین پیدا ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اپنے بھائی بہنوں کی اولاد کو اپنی اولاد پر کبھی بھی قولاً و فعلاً ترجیح نہ دیں، اگر بھائی یا بہن کے بیٹوں میں کوئی قابلیت نظر آئے، جو اپنے بیٹوں میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ اے اللہ! یہ نعمت آپ میری اولاد کو بھی عطا فرمائیے، لیکن اپنی اولاد سے یہ نہ کہیے، دیکھو نعیم کو..... تمہاری ہی عمر کا لڑکا ہے، تمہاری پھوپھی کا ہی تو لڑکا ہے اور تم..... وہ کتنا ہوشیار ہے... کتنا کام کرتا ہے... اس کے طور و طریقے دیکھو... بات کرتا ہے تو منہ سے پھول نکلتے ہیں... اور تم اب تک بیوقوف کے بیوقوف ہی رہے، ہرگز ایسا نہ کیجیے... ہرگز ایسا نہ کیجیے... خدا را ایسا نہ کیجیے، اس طرح کرنے سے اچھے خاصے بھلے بچے اپنے آپ کو بے وقوف سمجھنے لگتے ہیں۔ اور عمر بھر اپنے آپ کو کوتاہی سے رہتے ہیں۔

بچوں پر شفقت اور ان سے نرمی کا برتاؤ

شفقت کا مطلب نرمی، پیار اور محبت ہے۔ ویسے تو بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت، انسانیت اور اخلاق کا عمومی اصول ہے اور ہمارے دین اسلام اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت زیادہ تاکید کی ہے، لیکن اپنے بچوں پر شفقت کی خصوصی اہمیت ہے۔ یہ معصوم بچے اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہیں، آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، ان کی اچھی اور مناسب تربیت کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ ان کے کردار کو دین و شریعت کے سانچے میں ڈھالنا آپ کا فرض ہے۔ یہ فرض اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے بچوں کی تربیت میں شفقت کو بنیادی حیثیت دیں۔ شفقت کا یہ مطلب نہیں کہ بچوں سے بے جالاؤ پیار کر کے ان کو ضدی اور خود سر و نافرمان بنا دیا جائے اور ان کے کسی فعل پر خواہ وہ کسی بھی طرح کا ہو، کوئی باز پرس نہ کی جائے، بلکہ بچوں کو بری عادات و اطوار سے روکنے کے لئے بوقت ضرورت سختی سے کام لینا چاہیے۔ لیکن یاد رکھیے کہ یہ سختی بھی شفقت آمیز اور نصیحت کے لئے ہو۔ مثلاً بچے کی عمر سات سال کی ہوگئی تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دیجیے اور اپنے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں لے کر جائیے۔ اگر آپ دیکھیں کہ بچہ نماز نہیں پڑھ رہا ہے یا نماز میں سستی کر رہا ہے تو اس کو تنبیہ کیجیے، اس طرح سے ان شاء اللہ دس سال کی عمر تک اس کی نماز پڑھنے کی عادت پختہ ہو جائے گی۔

لیکن اگر وہ پھر بھی سستی کرے تو اس پر سختی کی جائے اور شرعی حدود کے اندر سب سے بڑے مار سکتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے محسوس کیا کہ بچے کو جھوٹ کی عادت پڑ رہی ہے تو نرمی سے سمجھائیے، لیکن اگر پھر وہی حرکت کرے تو سختی کیجیے۔ غرض بچے کی کسی بھی بری حرکت کو دیکھ کر نظر انداز مت کیجیے، ورنہ وہ حرکت اس کی عادت بن جائے گی۔ اس کے دور کرنے کی فکر کیجیے اور اس کے لئے اگر ضرورت پڑے تو سختی

بھی کیجیے اور جب بچے کی عمر دس سال سے بڑھے تو اس کی کڑی نگرانی کیجیے، مگر اس انداز میں کہ اسے محسوس نہ ہو۔ ملازمین خصوصاً اگر گھر میں کام کرنے والی ملازمہ ہے تو اس سے اور دیگر رشتہ دار ہم عمر لڑکیوں سے بے تکلف ہونے نہ دیجیئے نہ ہی ان کے ساتھ تنہائی میں رہنے دیجیئے۔

لیکن خدا کے لئے ایسی سختی نہ کیجیے کہ آپ بچوں کے لئے ہیبت اور دہشت کی علامت بن جائیں۔ بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ بچوں کی نامناسب حرکات کو اچھی طرح سمجھ کر اور اس کی تہہ تک پہنچ کر اس کے بنیادی اسباب معلوم کیجیے اور ان کی روک تھام کا مناسب حل تلاش کیجیے اور جہاں تک ہو سکے نرمی کے ساتھ ان کی رہنمائی کیجیے اور اس کے لئے سب سے آسان اور مؤثر طریقہ یہ ہے کہ یہ باتیں بچوں کو فہمی مذاق میں اور ان کے ساتھ ان کے کھیل میں شریک ہو کر سکھائی جائیں۔ اسی طرح وقتاً فوقتاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ اور سلف کے مختلف واقعات ان کو سنائیے، اس سے ان کا ذہن بہت ہی اچھا اثر قبول کر لے گا۔

آپ کی سنجیدگی اور نرمی کے ساتھ اس طرح کی نصیحت کہ جیٹا ہمیشہ سچ بولو، جھوٹ سے اجتناب کرو، بڑوں کی بات مانو، لالچ نہ کرو، حسد نہ کرو، اپنے دوستوں سے نہ لڑو، اپنا آج کا کام کل پر نہ چھوڑو، خدمت کیا کرو وغیرہ بچے پر بہت ہی زیادہ اثر انداز ہوگی، اسی طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قصوں اور دلچسپ مثالوں کی روشنی میں بات سمجھنے سے اثر ہوگا۔ اس لئے کہ بچوں کو فطرتاً قیصے کہانیوں اور عجیب و غریب باتوں سے دلچسپی ہوتی ہے اور یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ آپ اپنی اولاد پر شفیق ہوں اور آپ کا لہجہ ان سے نرمی والا ہو۔ الحمد للہ ہم مسلمان ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ بچوں سے انتہائی نرمی اور شفقت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر سفر سے واپس تشریف

لاتے تو جو بچے راستے میں ملتے، انہیں اپنے ساتھ سواری پر آگے یا پیچھے بٹھالیتے، اسی طرح راہ چلتے ہوئے اگر بچے کھیلنے ہوئے مل جاتے تو مسکرا کر نہیں سلام کرتے اور انہیں سلام میں پہل کرنے کا موقع ہی نہ دیتے، پھر ان سے پیار بھری باتیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بات سمجھنے اور یہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ان ساری نصائح سے آپ فائدہ اس وقت اٹھا سکیں گے، جب آپ خود بھی عملی طور پر ان تمام برائیوں سے بچیں، جن سے آپ اپنے بچے کو بچانا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بچہ کسی کی غیبت نہ کیا کرے، لیکن اگر آپ نے خود اپنے گھر میں دفتر کے ساتھیوں کی برائی کی، اپنے دوسرے رشتہ داروں کی غیبت کی تو اب آپ لاکھ اس کے سامنے غیبت کرنے کے نقصان گنوا دیں، اس کو آپ غیبت سے نہیں روک سکیں گے۔ آپ سے کوئی ملنے آیا اور آپ نے بچے سے کہہ دیا کہ جاؤ بیٹا! کہہ دو کہ ابو گھر پر نہیں ہیں۔ یا ابو سو رہے ہیں تو پھر یاد رکھیے کہ آپ اس کو عملی طور پر جھوٹ بولنا سکھا رہے ہیں، جھوٹ بولنے کی اس عملی مشق میں جو کچھ آپ کریں گے، وہ بچہ آسانی سے سیکھ جائے گا۔

قرآن کریم و احادیث مبارکہ کے ذریعے

بچوں کی تربیت کیجیے

قرآن کریم وہ کتاب ہے جو زندگی کا دستور العمل ہے۔ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ یہی وہ کتاب ہے،

سہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲ ص ۲۳۸، ابوداؤد، کتاب الاذکار، باب فی السلام علی النبیان، ج ۲ ص ۳۵۱

جس پر عمل پیرا ہونے سے دنیا کے تمام خوف و غم بچ ہو جاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب کے سمجھانے والے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اس کتاب کی تفسیر ہیں، انہی اقوال مبارکہ پر عمل کرنے سے عرب کے لوگ دنیا کے سب سے بڑے علماء و عقلاء ٹھہرے۔ اس لئے آپ بھی اپنے بچوں کی تربیت قرآن کریم و احادیث نبویہ پر کیجیے، قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے احکام ان کے ذہنوں میں اتاریے، قرآن کریم اور احادیث میں مذکور واقعات ان کو سنائیے اور ان کے نصیحت آموز جزئیات ان کو ازبر کرائیے۔ اس کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ روزانہ کسی مخصوص وقت میں، مثلاً نماز فجر کے بعد یا نماز مغرب وغیرہ کے بعد تمام بچوں کو لے کر بیٹھ جائیے اور قرآن کریم کی کسی بھی سورۃ یا آیت کا ترجمہ و تشریح تفسیر معارف القرآن یا کسی دوسری معتبر تفسیر سے ان کو بتائیے، مثلاً کبھی:

﴿فَانظُرْ إِلَىٰ إِنْسَانٍ إِلَىٰ طَعَامِهِ﴾

”سو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔“

پڑھ کر اس کی تفصیل سمجھائیے کہ دیکھو! کس طرح اللہ تعالیٰ انسان کو رزق دیتا ہے، اول کچھ بھی نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے بیج بنا دیا، پھر انسان کے دل میں ڈالا اور نبھانے کس علاقے اور ملک میں اس نے محنت کر کے زمین میں وہ بیج ڈالا، پھر زمین سے اللہ تعالیٰ نے کوئیل نکالی، اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی، وہ کوئیل بڑی ہو کر پودا اور درخت بنی، اس میں اللہ تعالیٰ نے پھل اور اناج پیدا کیا، پھر وہ مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا ہم تک بھیج دیا اور ہم گھر کے اندر بیٹھ کر بغیر محنت اور مشقت کے یہ طرح طرح کے لذیذ کھانے اور پھل کھا رہے ہیں۔

غور کرو بیٹا! اللہ تعالیٰ نے کیلے میں کس طرح مٹھاس بھری، اس کا رنگ دیکھو کتنا خوبصورت ہے، اس کی حفاظت کے لئے اس کے اوپر چھلکا کیسا لگایا، موبہی

دیکھو! اس کا رنگ۔۔۔ اس کا ذائقہ۔۔۔ اس کی خوشبو۔۔۔ سب ہی کیلے سے الگ، جبکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو ایک ہی زمین سے پیدا فرمایا، اور غور کرو ایک ہی رنگ کا پانی موبہی میں جا کر الگ ذائقہ، الگ مزہ، الگ رنگ کا سبب بنتا ہے اور یہی پانی کیلے کے درخت میں جا کر کیلے میں الگ رنگ، الگ ذائقہ کا سبب بنتا ہے۔ غور کرو اللہ تعالیٰ کتنی بڑی قدرت والے ہیں، لہذا اس کی تمام نعمتوں پر خوب شکر ادا کیا کرو اور ہر نعمت کھا کر ارادہ کرو کہ اس کی قدرت اور وحدانیت کے بولوں کو ہر جگہ پھیلاؤں گا۔

انسان کی غذا، جو اس زندگی کا مدار ہے، اس کی حقیقت اسی انداز سے ظاہر فرمائی کہ سوال کیا کہ تم جو کچھ زمین میں بیج بونے ہو، ذرا غور کرو کہ اس بیج میں سے درخت پیدا کرنے میں تمہارے عمل کا کیا دخل ہے، غور کرو گے تو جواب اس کے سوا نہ ملے گا کہ کاشت کار کا دخل اس میں اس سے زیادہ نہیں کہ اس نے زمین کو بیل چلا کر پھر کھاڈال کر نرم کر دیا کہ جو ضعیف کوئیل اس دانہ سے پیدا ہو کر اوپر آتا چاہے، اس کی راہ میں زمین کی سختی رکاوٹ نہ بنے، بیج بونے والے انسان کی ساری کوشش اسی ایک نقطہ کے گرد دائر ہے۔ اندر سے درخت نکال لانا نہ اس کے بس کا ہے نہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے یہ درخت بنایا ہے، تو پھر وہی سوال آتا ہے کہ منوں مٹی کے ڈھیر میں پڑے ہوئے دانے کے اندر یہ خوبصورت اور ہزاروں فوائد پر مشتمل درخت کس نے بنائے تو جواب اس کے سوا کیا ہے کہ وہی مالک و خالق کائنات کی قدرت کا نام اور صنعت عجیبہ اس کی بنانے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کی تفسیر و تشریح سمجھائی جائے، اللہ تعالیٰ کا ایک اسم مبارک بورڈ پر لکھیں، پھر اس کے معانی یاد کروائے جائیں، پھر اس پر کوئی واقعہ اور دعا، پھر اگلی مجلس میں اس بارے میں سوالات کئے جائیں اور اس کے لئے ہماری کتاب شرح اسماء الحسنی بہت مددگار

رہے گی، جو بیت العلم ٹرسٹ کراچی سے مل سکتی ہے، جس میں ہر اسم مبارک کی تشریح آسان انداز میں کی گئی ہے۔

کبھی ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي سَقَانَا مَاءً غَذِيًّا قُرْآنًا“ کی تفصیل اور مطلب سمجھ دیا کہ دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ ہمیں میٹھا پانی آسمان سے برسا کر پہاڑوں اور زمین سے نکال کر دیتے ہیں، اگر ذرا سانس لیں تو پیا نہیں جاتا نہ ہی اس سے پیاس بجھتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مٹھاس بھی رکھی ہے اور پیاس بجھانے کی صفت بھی، اگر اللہ تعالیٰ یہ پانی روک دیں یا سب کو نمکین کر دیں تو انسان کا زندہ رہنا مشکل ہو جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بطور احسان فرمایا:

﴿اَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۚ ؕ اَآلْتُمْ اَنْزَلْنَاهُ مِنْ الْمَزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ۚ ؕ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ اَجَاخًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۚ ؕ﴾

ترجمہ: ”بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو، کیا تم نے اتارا اس کو بادل سے یا ہم ہیں اتارنے والے؟ اگر ہم چاہیں کر دیں اس کو کھارا، پھر کیوں نہیں احسان مانتے۔“

گناہوں سے بچانے کے لئے کبھی سورۃ یس میں سے:

﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ افْوَاهِهِمْ وَتُغْلِقُ اٰيُنُهُمْ وَتُشَدُّ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۚ ؕ﴾

ترجمہ: ”آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے منہ پر اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور تھلائیں گے ان کے پاؤں، جو کچھ وہ کماتے تھے۔“

پڑھ کر ان کو سمجھائیں کہ یہی اعضاء، جن کے آرام اور سہولت کے لئے ہم گناہ

کریں گے، کل کو ہمارے ہی خلاف گواہی دیں گے۔ اسی طرح سورۃ حجرات میں مذکور احکام ان کو بتائیے، تو کبھی سورہ نور میں مذکور حجاب وغیرہ کے احکام ان کو یاد کروا دیجئے، کبھی کوئی اور سورت۔ غرض کچھ نہ کچھ ان کو یاد کراتے جائیے اور پھر ان سے نیچے بھی اور ان کا آپس میں مقابلہ بھی کروائیں اور عمل کا شوق بھی والائیں۔ اسی طرح کبھی معارف الحدیث یا ریاض السالکین یا فضائل اعمال وغیرہ حدیث کی کتاب لے کر ان کو احادیث مبارکہ سنائیے۔ بچیاں کچھ بڑی ہو جائیں تو ان کی ماں کے ذریعے بہشتی زیور پڑھائیں۔ اس کا مقصد و مطلب کتاب میں سے پڑھ کر سنائیے اور پھر ان بچیوں سے پوچھیے۔ ان شاء اللہ اس طرح ان بچوں کے ذہن میں بچپن ہی سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور طور طریقے نقش ہو جائیں گے اور آگے چل کر یہی بچے ان شاء اللہ الرحمن والی اور داعیہ اور دین کا کلہ بلند کرنے والے بنیں گے۔ دین کا کوئی حکم چھوڑنا ان کے لئے ساری دنیا چھوڑنے سے زیادہ مشکل ہوگا اور امت ان پر بجا طور پر فخر کر سکے گی اور یہی بچے مستقبل کے جیلانی و بغدادی اور زبیدہ و رابعہ کہلائیں گے رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

سب سے پہلے بچے کو کیا سکھایا جائے

﴿قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: افْتَحُوا عَلَيَّ صَيَانَكُمْ اَوَّلَ كَلِمَةٍ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ ۚ ؕ﴾

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بچوں کو زبان کھولنے کے بعد سب سے پہلا کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ کہلاؤ۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے بچے کو کلمہ توحید ”لا الہ الا اللہ“ سکھانا چاہیے اور اس طرح بچے پر ابتدا ہی سے واضح کرنا چاہیے کہ عبادت، شکر اور

تعریف کے لائق صرف ایک ذات ہے، جس نے اسے پیدا کیا، پھر ماں باپ کے دلوں کو اس کے لئے شفقت سے بھر دیا اور اس کو بے شمار نعمتیں دیں۔

یہی مسئلہ توحید، دین کی بنیاد ہے، اگر یہ ابتدا سے مضبوط ہوا تو ان شاء اللہ آخر تک مضبوط رہے گا۔ حالات کچھ بھی ہوں، اسے کسی کی پروا نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس کا ایمان اللہ تعالیٰ پر بن چکا۔

یہ بات اس کے ذہن میں راسخ ہو چکی کہ نفع و نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ بغیر اللہ تعالیٰ کی نشا، و مرضی کے ساری کائنات مل کر بھی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جو خیر اور بھلائی لکھ دی ہے، کوئی اس سے نہیں چھین سکتا اور اگر اللہ کی مرضی اسے نقصان پہنچانے کی ہو تو تمام کائنات مل کر بھی اسے نقصان سے نہیں بچا سکتی۔ یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ارشاد فرمائی تھی۔ جب بچہ کا ایمان و یقین ہوگا کہ سب کچھ کرنے والی ذات اللہ کی ہے تو دنیا کی کوئی تکلیف اسے تکلیف نہ دے گی۔ اس لئے کہ وہ اس بات کو سمجھے گا کہ یہ میرے اللہ کی طرف سے ہے اور جس پر اللہ راضی اس پر میں راضی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جس مسئلہ کو سب سے زیادہ بیان فرمایا ہے، وہ مسئلہ توحید ہے۔ جن بزرگوں نے اپنی اولاد کی تربیت صحیح اصولوں پر کی، انہوں نے بھی سب سے پہلے اسی بات کو بیان فرمایا اور یہی مسئلہ بچوں کو سمجھایا۔ قرآن کریم میں حضرت لقمان علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے انہوں نے سب سے پہلے یہ فرمایا:

﴿يٰٓبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۚ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝﴾

ترجمہ: ”کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراتا۔ بیشک شرک

کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔“

دیکھیے لقمان علیہ السلام نے سب سے پہلے تو عقیدہ کی درستی کی فکر کی اور اس میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک بلا شرکت غیر مانے، اس کے ساتھ کسی غیر اللہ کو شریک عبادت نہ کرے کہ اس دنیا میں اس سے بڑا بھاری ظلم کوئی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرائے، پھر آگے مزید اور انصاف بیٹے کو کہے، مگر اصل مقصود یہی ہے کہ اللہ کو ایک مانے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ بچے کی ابتدا ہی کلمہ توحید سے کرائی جائے اور اسے اس کا پہلا سبق قرار دیا جائے۔ اور مختصر یہ چیزیں زبانی بھی یاد کرائی جائیں، مثلاً اللہ ایک ہے، اللہ ہی عبادت کے لائق ہے، زمین و آسمان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اللہ ”خالق“ ہے، اللہ مالک ہے، اللہ ”مُعِزُّ“ (عزت دینے والا) ہے، اللہ ”مُذِلُّ“ (ذلت دینے والا) ہے، اللہ ”مُعْطٰی“ (عطا کرنے والا) ہے، اللہ ”فَانِعٌ“ (روکنے والا) ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں، قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے وغیرہ۔ اگر شروع سے ہی تربیت اس طرز پر کی جائے گی تو ان شاء اللہ شعور اور تمیز پیدا ہونے کے بعد ان کی دینی تربیت بہت ہی آسان ہو جائے گی اور بچہ عقیدہ اس شعر کے مصداق ہوگا۔

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہو مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اور ایمان و یقین اتنی اہم اور عظیم دولت ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کے لئے دعائیں مانگنا سکھلایا ہے کہ ایمان کامل کے حصول کے لئے یہ دعا کرتے رہیں۔

﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيمَانًا يُبَاسِرُ قَلْبِي وَيَقِينًا صَادِقًا حَتَّى أَعْلَمَ أَنَّكَ لَا يُصِيبُنِي إِلَّا مَا كُتِبَ لِي وَرِضًا بِمَا قَسَمْتَ لِي إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ۱۰۴

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں، جو میرے دل میں رچ جائے اور وہ سچا یقین کہ میں خوب جان لوں کہ جو بات تو نے میری تقدیر میں لکھ دی ہے، پس وہی مجھ کو پیش آسکتی ہے اور رضا مندی مانگتا ہوں اس زندگی پر جو تو نے میرے لئے تقسیم فرمادی ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

﴿اللَّهُمَّ اعْطِنِي إِيمَانًا لَا يَرْتَدُّ وَ يَقِينًا لَيْسَ بَعْدَهُ كُفْرٌ وَ رَحْمَةً أَنْتَ بِنِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ۱۰۵

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے وہ ایمان نصیب فرما، جو زائل نہ ہو سکے اور ایسا یقین دے، جس کے بعد کفر نہ ہو اور وہ رحمت عطا فرما، جس کے سبب میں دنیا و آخرت میں تیری عطا کردہ بزرگی کا شرف حاصل کر سکوں۔“

﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيمَانًا لَا يَرْتَدُّ وَ نَجِيمًا لَا يَنْفَدُ وَ مُرَافَقَةً نَبِيَّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَعْلَى ذُرُجَةِ الْجَنَّةِ جَنَّةِ الْخُلْدِ﴾ ۱۰۶

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں، جو نہ چھوٹے اور اس نعمت کا طالب ہوں، جو ختم نہ ہو، اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہتا ہوں، جنت کے سب سے اونچے درجے میں جو ہمیشہ

۱۰۴ کنز العمال ج ۱ ص ۱۹۴

۱۰۵ ترغیب ج ۳ ص ۵۸۳

۱۰۶ الحزب الاعظم ج ۵ ص ۷۵

رہنے کی جنت ہے۔“

﴿اللَّهُمَّ زَيِّنَا بِزِينَةِ الْإِيمَانِ وَ اجْعَلْنَا خِدَاةً مُهْتَدِينَ﴾ ۱۰۷

ترجمہ: ”اے اللہ! تو ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ کر دے۔ اور راہ بتانے والا اور خود راہ یافتہ بنا دے۔“

﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ صِحَّةً فِي إِيْمَانٍ وَ إِيْمَانًا فِي حُسْنِ خُلُقٍ وَ نَجَاةً يَنْفَعُنِي فَلَاحٍ وَ رَحْمَةً مِنْكَ وَ عَافِيَةً وَ مَغْفِرَةً مِنْكَ وَ رِضْوَانًا﴾ ۱۰۸

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے درستی کا طالب ہوں ایمان میں (یعنی کامل ایمان کا) اور اس ایمان کا جو اچھے اخلاق کے ساتھ ہو اور (دنیا میں) ایسی نجات کا جس کے بعد پوری پوری کامیابی نصیب ہو (یعنی آخرت میں) اور تیری ہی طرف سے خاص رحم کا اور سلامتی کا اور معافی کا اور رضا مندی کا طلب گار ہوں۔“

﴿اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْإِيمَانَ وَ زَيِّنْهُ فِي قُلُوبِنَا وَ كَوِّرْهُ إِلَيْنَا الْكُفْرَ وَ الْفُسُوقَ وَ الْبَعْضِيَانِ وَ اجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِينَ﴾ ۱۰۹

ترجمہ: ”اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے اور اس کو ہمارے دلوں کی زینت بنا دے اور نفرت ڈال دے ہمارے دلوں میں کفر کی، گناہ کی، اور نافرمانی کی، اور ہم کو نیک راہ پر چلنے والوں میں

بنالے۔“

ترجمہ: ہم سب کو غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ایمان کتنی اہم اور عظیم دولت ہے

۱۰۷ الحزب الاعظم ج ۳ ص ۴۳

۱۰۸ مسند احمد حدیث ۷۹۲۳

۱۰۹ الحزب الاعظم ج ۶ ص ۶۱ مسند احمد حدیث نمبر ۱۳۹۳۵

۱۰۴ کنز العمال ج ۱ ص ۱۹۴

۱۰۵ ترغیب ج ۳ ص ۵۸۳

۱۰۶ الحزب الاعظم ج ۵ ص ۷۵

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف الفاظ سے امت کو ایمان مانگنا سکھایا۔ کہیں یہ دعا مانگ رہے ہیں: اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے۔ کہیں ... اے اللہ! میں تجھ سے ایمان کی درستی کا طالب ہوں۔ کہیں ... اے اللہ! میں ایسا ایمان مانگتا ہوں، جو ہمیشہ میرے ساتھ رہے۔ کہیں ... اے اللہ! ایسا ایمان جو دل میں رچ بس جائے۔ کہیں ... اے اللہ! مجھے وہ ایمان نصیب فرما جو زائل نہ ہو سکے اور کہیں ... اے اللہ! سچا یقین کہ میں خوب جان لوں کہ جو بات تو نے میری تقدیر میں لکھ دی ہے، بس وہی مجھ کو پیش آسکتی ہے اور کہیں ... اے اللہ! تو ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ کر دے۔

لہذا ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہیے کہ وہ خوب عاجزی کے ساتھ اور رورہ کر ایمان کامل اور ایمان دائم اور یقین صادق کی دعائیں مانگتا رہے اور اس ایمان کو اپنے اندر اور سارے عالم کے انسانوں کے اندر سیکنے اور سکھانے اور پھیلانے کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے محنت اور کوشش بھی کرے اور دعائیں بھی مانگے، اس طرح کہ چوبیس گھنٹوں میں جن جن سے بھی ملاقات ہو، اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی بات ضرور کرے اور سمجھائے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ ایک اکیلے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے، جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے، اس سب کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس بے شمار ہیں۔ عورتیں گھروں میں جو عورتیں ملنے کے لئے آئیں، ان کو بھی یہ ایمان کے بوسے سکھائیں۔ بچوں کو، بچیوں کو اور گھر کی ماسیوں اور نوکریوں کو بھی سکھائیں۔ قرآن کریم میں جو ایمان اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کو بتانے والی آیات ہیں، ان کا ترجمہ یاد کریں۔ اپنے چھوٹے بچوں اور بچیوں کو، اپنے شاگردوں کو، مقتدیوں کو یہ ایمانی بول اور یہ دعائیں یاد کروائیں اور ہر نماز کے بعد ان دعاؤں کو مانگنے کی ترغیب دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کامل اور یقین صادق عطا فرمائے اور ایمان کی محنت سے لئے

اور اس کو سارے عالم میں پھیلانے کے لئے پھرنے اور پھرانے والا بنائے اور ایمان ہی پر ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین۔

ایمان بنانے کے طریقے

۱۱ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کی طرف دعوت دینا۔

۱۲ صلہ رحمی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آدمی خالص ایمان تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک یہ کام نہ کرے کہ اپنے سے تعلق توڑنے والوں کے ساتھ تعلقات جوڑا کرے، اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کو معاف کیا کرے، اپنے کو گالیاں دینے والے کو بخش دیا کرے اور جو اپنے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ بھلائی کرے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے، جو برابر برابر کا معاملہ کرنے والا ہو۔ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے، جو دوسرے کے توڑنے پر صلہ رحمی کرے۔

لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ خالص ایمان تک پہنچنے کے لئے اپنے تمام رشتہ داروں سے ملاپ رکھے، ان کی غلطیوں کو تاپیوں کو معاف کر دے، ان کے لئے دعائیں کرتا رہے، اور جتنا ممکن ہو ان کے ساتھ احسانات کرتا رہے۔ خاص طور پر اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ اور عورت ہوتے ہوئے ساس، نندہ، بھانج، سوکن کے ساتھ صلہ رحمی والا معاملہ کرے اور اپنے شوہر، والد، محرم کو صلہ رحمی پر آمادہ کرے۔ یاد رکھیے یہ قطع رحمی اتنی بری چیز ہے کہ شب قدر میں بھی اس شخص کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، ان شاء اللہ رشتہ داروں کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے صلہ رحمی والا معاملہ

کرنے سے اللہ تعالیٰ خالص ایمان مرحمت فرمائیں گے۔

حجت: یاد رکھیے! حقیقی بھائی بہن کسی کو بنانا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب و اختیار ہے کہ اس نے کسی کو آپ کا بھائی / یا بہن بنایا، لہذا ہم کو یہ بھی اختیار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اس مقدس رشتہ کو ہم توڑ دیں۔

۳ ایمان کی حلاوت، حاصل کرنے کا طریقہ حدیث میں یہ بتایا گیا کہ نگاہ کسی غلط جگہ لگ جائے، جہاں اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، وہاں لگتے ہی نگاہ بٹا دی تو ایسے شخص کو ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بری نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر بجھا ہوا تیر ہے، جو شخص مجھ سے ڈر کر اس کو چھوڑ دے گا، میں اس کے بدلے میں اسے ایسا ایمان دوں گا، جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

اولاد کو بوسہ دینے میں سنت کی نیت

”ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے طور و طریقہ، عادات و روش اور نیک خصلاتی اور ایک روایت میں ہے کہ بات چیت اور کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ کسی اور شخص میں نہیں دیکھی۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے، ان کی طرف متوجہ ہو جاتے، پھر ان کو اپنے بیٹھنے کی جگہ پر بٹھاتے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، جب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کو دیکھ کر کھڑی ہو جاتیں، آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتیں، پھر آپ کو بوسہ دیتیں (یعنی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک چومتیں) اور اپنی جگہ پر بیٹھتیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ کسی غزوہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدینہ آتے ہی میں ان کے ساتھ ان کے گھر گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ان کی صاحبہ ادنیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بخار میں مبتلا ہیں اور لیٹی ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ میری بیٹی تمہاری طبیعت کیسی ہے اور انہوں نے ان کے رخسار پر بوسہ دیا۔“

ان دونوں احادیث میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی اولاد کے ساتھ برتاؤ دیکھا کہ کیسے محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔ ہر شفیق باپ اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے اور کبھی اس محبت کے جذبے کے تحت اولاد کا بوسہ بھی لیتا ہے۔ ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہر وہ کام جو ہم عادت یا فطرت کے طور سے کرتے ہیں، اگر اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ معلوم کر کے، اسی جذبے کے تحت کریں تو اس میں تین فائدے ہوں گے۔

۱ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل ہوگا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھے گی، اور جتنی زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھے گی، اتنی ہی دنیا آخرت میں کامیابیاں حاصل ہوں گی اور ایک مسلمان کے لئے یہ بہت ہی بڑی سعادت ہے کہ اس کا ہر عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بشر اور آدمی بنا کر بھیجے جانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ وہ بھی شادیاں کرتے ہیں۔ ان کے بھی بچے ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک باپ بننے کا حق ادا کریں تو یہ ہمارے لئے والد ہوتے ہوئے بہت ہی بڑی سعادت ہوگی کہ ہم ان

کے مبارک طریقوں کو اپنائیں، اس سے ہماری اولاد میں بھی اس اتباع کی برکت کا رنگ آئے گا۔

❶ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس عمل کرنے پر ہمیں اجر و ثواب بھی ملے گا۔ اللہ بہت ہی کریم ہے، رحیم ہے۔ کائنات میں سب سے زیادہ محبت کرنے والے، اچھائی کی قدر کرنے والے، رحم کرنے والے، انصاف کرنے والے اور بڑی سے بڑی چیز کو نیست سے نیست میں لانے والے، اور ناممکن کو ممکن بنادینے والے اللہ کے علاوہ اور کون ہے؟

اس کی رحمت اجر و ثواب دینے کے لئے بہانہ ڈھونڈا کرتی ہے۔ پھر کیوں نہ اس سے محبت کی جائے، اس کی بڑائی کے گیت گائے جائیں، اٹھتے بیٹھتے اس کا نام لیا جائے، ہر مشکل ہر مصیبت میں اس کو پکارا جائے، اس کی دہائی دی جائے، اس کے سہارے جیا جائے، زندگی بھر اس کا دم بھرا جائے اور اس کی منشاء پر چلا جائے، اپنی جان، اپنے ماں باپ اور اولاد سے زیادہ اس سے محبت کی جائے۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک مبارک اور نورانی طریقے پر عمل کیا جائے اور محنت و کوشش کر کے عالم کے انسانوں کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کو حاصل کریں۔

❷ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ جس بچے اور بچی سے آپ نے اللہ کے لئے محبت کی، اور بوسہ بھی لیا تو اسی لئے کہ اللہ کے نبی کا طریقہ ہے۔ ناراض بھی ہوئے، تو اسی لئے کہ اللہ کے حکم کو اس نے توڑا، خوش بھی ہوئے تو اللہ کے لئے خوش ہوئے، بچے کی جائز خواہش بھی پوری کی تو نیست یہ رکھی کہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے، اس کو تعلیم بھی دی تو اس لئے کہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے، تو یہ بچہ بڑا ہو کر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ بنے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے محبت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل صحابہ کرام نے محفوظ رکھا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خالص گھریلو واقعات اور حالات کو بھی دین کا حصہ سمجھ کر ان کے تذکرہ کو اپنا معمول بنایا اور ان کو محفوظ کیا اور بعد میں یہی چیزیں حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہوئیں۔ ان تمام واقعات و ہمیں غور سے پڑھنا چاہیے۔ بار بار پڑھنے سے ہمیں یہ بات بالکل واضح نظر آئے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنی اولاد میں سے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا، نہ ہی کسی کو مارا، نہ ڈانٹا، نہ سخت کہا نہ کوئی سختی کی۔ اس طرح کا کوئی واقعہ موجود نہیں۔

بلکہ اولاد تو اولاد ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جنہوں نے دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور صبح شام خدمت اقدس میں حاضر رہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جتنا تعلق زیادہ ہو، اتنا ہی خوش و غصے کا اظہار بھی زیادہ کیا جاتا ہے، لیکن اس دس سالہ دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کبھی یہ نہیں کہا کہ ”اوتھہ یہ کیا کیا“ خود حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

”میں دس سال برابر مدینے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا اور اس وقت میں نو عمر لڑکا ہی تھا، اس لئے میرا ہر کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے متن مطابق نہ ہوتا تھا، (اور نہ ہو سکتا تھا کہ دس بارہ سال کا بچہ کس طرح ہر کام مرضی کے مطابق کر سکتا ہے۔) لیکن دس سال کی اس پوری مدت میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے افسوس نہیں کہا اور نہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا؟“

سلفہ شرح شمائل ترمذی، ص ۲۰۶

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوسفیہ لوبار کے یہاں پہنچے۔ (ابوسفیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم کی رضاعی ماں کے شوہر تھے)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کو گود لیا، ان کو پیار کیا اور ان کو سونگھا، (یعنی ان کے چہرے پر اپنی ناک اور منہ اس طرح رکھا گویا سونگھ رہے ہوں) پھر جب اس کے بعد ہم وہاں گئے تو ابراہیم کی سانس اکٹھ چلنی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو ٹپا ٹپ کر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر جناب عبدالرحمن بن عوف نے کہا: ”آپ بھی رو رہے یا رسول اللہ!“ آپ نے فرمایا: ”اے ابن عوف! یہ آنسو رحمت کی نشانی ہیں“ اور آپ کے آنسو پھر رواں ہو گئے اور آپ نے فرمایا: ”آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل دیکھتا ہے اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے بڑے غم زدہ ہیں“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے نواسے) حسین بن علی کو چوما اور پیار کیا۔ اس موقع پر اقرش بن حابس بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: ”غیرے تو دس بچے ہیں، مگر میں نے تو کبھی کسی ایک بچے کو بھی پیار نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا: جو رحم نہیں کرتا، اس پر اللہ بھی رحم نہیں کرتا۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک بدو (دیہاتی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا: ”کیا تم لوگ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے ہو؟ ہم تو بچوں کو نہیں چومتے۔“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا: ”میں کیا کر سکتا ہوں، اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحم کا مادہ نکال دیا ہے۔“

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز: ج ۱ ص ۱۷۲، صحیح مسلم، کتاب الفضائل: ج ۲ ص ۲۵۲

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الادب: ج ۲ ص ۸۸۷، صحیح مسلم، کتاب الفضائل: ج ۲ ص ۲۵۲

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الادب: ج ۲ ص ۸۸۷، صحیح مسلم، کتاب الفضائل: ج ۲ ص ۲۵۲

یعنی اپنی اولاد کو چومنا اور پیار کرنا رحم اور مہربانی کی علامت ہے، وہی لوگ اپنی اولاد کو چومتے اور پیار کرتے ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے رحم ڈالا ہے، اور اللہ تعالیٰ انہی لوگوں پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں، جو دوسروں پر رحم نہیں کرتے وہ خود بھی رحم سے محروم رہتے ہیں۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے سلوک اور برتاؤ کا حال اس طرح سناتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی غلام، کسی لونڈی، کسی عورت، کسی جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا اور جب بھی گھر میں داخل ہوتے ہتھتے اور مسکراتے ہوئے داخل ہوتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زینہ اولاد بچپن میں ہی انتقال کر گئی، لہذا ان کے ساتھ رہنے کا تو زیادہ موقع نہیں ملا، مگر صاحبزادیوں بڑی ہوئیں اور ان کی اولادیں بھی ہوئیں، لیکن اس تمام مدت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بھی ناراض نہیں ہوئے اور ان سے محبت کا یہ حال یہ تھا کہ فرماتے: ”فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ جو اس کو ناخوش کرے گا، وہ مجھے ناخوش کرے گا۔“

شادی کے بعد اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے اور ان کی پیشانی چومتے اور اپنی جگہ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بٹھا لیتے۔ اور تمام اولاد کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرتے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں، ان کا نکاح ان کے خال زاد ابوالعاص سے ہوا تھا۔ نکاح کے موقع پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیٹی کو عقیق یعنی کا ایک قیمتی ہاتھ میں دیا تھا، جب رسول اللہ صلی

۱۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ج ۲ ص ۱۷۹

۲۔ مسند ابی یوسف، باب مناقب اہل بیت: ج ۲ ص ۵۶۸

اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کی تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ میں ہی رہ گئیں، اس لئے کہ ان کے شوہر اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ جنگ بدر میں وہ مشرکین کے ساتھ تھے، لہذا پکڑ کر لائے گئے۔ مشورہ سے طے ہوا کہ قیدیوں سے فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ تمام لوگوں نے اپنے اپنے رشتے داروں کی رہائی کے لئے رقم بھیج دی۔ ابوالعاص کی رہائی کے لئے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو فدیہ بھیجا اس میں وہ ہار بھی تھا جو ان کو ان کی والدہ نے تخت میں دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہار دیکھ کر سبے تاب ہو گئے اور چشم مبارک سے آنسو رواں ہو گئے۔ صحابہ یہ دیکھ کر پریشان ہوئے، وجہ پوچھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم سب کی مرضی ہو تو یہ ہار زینب کو واپس کر دیا جائے اور اس کے شوہر کو بھی رہا کر دیا جائے۔ صحابہ کرام نے بخوشی منظور کر لیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار اور ابوالعاص دونوں کو مکے بھیج دیا، لیکن طے پایا کہ مکہ جا کر یہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ کچھ مدت بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایمان الکرمدینہ تشریف لے آئے۔ سن ۸ ہجری میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے قبر میں اتارا۔ قبر میں اتارتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی رنجیدہ تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: یا اللہ! یہ بڑی کمزور تھی۔ یا اللہ! تو اس کی مشکل کو آسان فرما دے اور اس کی قبر کو کشادہ فرما۔^۱

صرف اولاد ہی نہیں، اولاد کی اولاد سے بھی آپ کو بہت پیار تھا، جب سبھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر جاتے تو فرماتے میرے بچوں کو لے آؤ، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، صاحبزادوں حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سونگھتے اور سینے سے چمکا کر پیار کرتے تھے۔^۲

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۵۳ ۲۔ مشکوٰۃ، باب مناقب اہل بیت ج ۲ ص ۵۷۱

اکثر ایسا ہوتا کہ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ساتھ ساتھ ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوئے اپنے بازو مبارک کھول دیتے تاکہ بچے اس پر باسامی چڑھ جائیں اور کبھی سجدہ طویل فرماتے کہ وہ بیٹھ پر چڑھ رہیں۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر جا رہے تھے، ایک آدمی نے دیکھا تو عرض کیا: "نعم المؤمن کتب رکبت یا غلام" واہ واہ کیا اچھی سواری ہے، تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ونعم الزنا کتب هو" سوار بھی کیسے اچلی ہیں۔^۱

ہم اسی پیغمبر کے امتی ہیں، ہمارے ذمہ لازم ہے کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل اور طریقے کو جان سے زیادہ عزیز رکھیں، لہذا اس طریقے کو بھی اپنے لئے لازم کر لیں اور اپنی اولاد سے محبت، نرمی اور شفقت کا سلوک کریں۔

اس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل بھی ہوگا، اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب بھی ملے گا اور اولاد کے دل میں آپ کی محبت اور قدر بھی ہوگی۔

آپ خود بھی چین و سکون سے رہ سکیں گے، اولاد بھی چین و سکون سے رہے گی۔

بچوں کے جھگڑے اور آپ کی ذمہ داری

بچوں کے آپس کے جھگڑے ہر محلے بلکہ ہر ملک قوم اور ہر معاشرے میں معمول کی بات ہے۔ لیکن اگر گھر کے اندر جھگڑنے والے بچوں میں سے کسی ایک کی حد سے زیادہ حمایت کی جائے تو یہ بات گمراہی و ماحول کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے اور دوسرے بچے کے دل میں بھی اس بڑے سے بیزاری اور نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان خرابیوں کے پیش نظر آپ کو بچوں کے جھگڑوں کا بہت ہی احتیاط اور حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لینا ہوگا۔ اس کے لئے سب سے پہلے تو یہ

۱۔ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷۱

دیکھئے کہ بچوں کا جھگڑا کیوں اور کیسے ہوا؟

اگر اس سبب کو دور کر دیا جائے اور بچوں کو سمجھا دیا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ عموماً جھگڑے اس لئے ہوتے ہیں کہ ایک نے دوسرے بچے کو منہ چڑا دیا اور وہ اس سے عقلم گتھا ہو جاتا ہے۔ دو بچے کھلونوں سے کھیل رہے ہیں، ایک بچے نے دوسرے سے کوئی کھلونا چھیننے کی کوشش کی، اس طرح دونوں میں لڑائی ہو جاتی ہے اور دونوں رونے اور چیخنے لگتے ہیں۔

ایک کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے اور دوسرا اپنی چیز کھا چکا ہے، یہ اس سے لینا چاہتا ہے یا چھین لیتا ہے اور دونوں میں لڑائی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہاکی، کرکٹ وغیرہ کھیل رہے ہیں، ایک فریق جیتنے کا دعویٰ کرتا ہے، جب کہ دوسرا فریق بار تسلیم نہیں کر رہا، اسی بات پر جھگڑا ہو جاتا ہے۔ ان تمام مثالوں پر اگر غور کریں تو یقیناً آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ بچوں کا لڑنا تین اسباب کی وجہ سے ہے۔

① فطری وقدرتی، شوقی و چلبلا پن جو ان کو قرار سے بیٹھنے نہیں دیتا۔
② بھولپن کی بنا پر اپنی خوشی اور پسند کی خاطر، دوسرے بھائی کی پسند اور خوشی کی پروا نہ کرنا۔

③ بھولپن کی وجہ سے اپنی دلی جذبات کو نہ چھپا سکتا اور اپنے غم، غصہ، خوشی، لالچ، اور خواہش کا فوراً اظہار کر دیتا۔

ان لڑائیوں میں کینہ یا کدورت کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، اسی لئے لڑائی کے بعد فوراً ہی پھر مل کر کھیلنا شروع کر دیتے ہیں، گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔

اس لئے اگر آپ کے بچوں میں لڑائی ہو اور لڑنے والے بچے چھوٹے ہوں تو ہر ایک کو لڑائی کے خلاف غیرت دلائیں۔ کسی کی بیجا حمایت نہ کریں، مثلاً یوں کہیں: دیکھو بیٹا، یہ کتنی بری بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے لڑتے ہو اور اسے اپنا کھلونا نہیں دیتے، حالانکہ وہ آپ سے چھوٹا ہے اور آپ سے کھیل بھی رہا ہے، آپ کو تو اس کا

خیال رکھنا چاہیئے۔

آپ اسے مارتے ہو، تو بہ..... تو بہ..... اور اگر بچے کچھ بڑے ہیں تو اس وقت سمجھا دیجئے کہ دونوں کو الگ الگ کریں اور پھر دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگیں! کہ اے اللہ! یہی اولاد میں آپس میں محبت پیدا فرما، ان کی لڑائی جھگڑوں سے حفاظت فرما کچھ دیر بعد ان میں سے ہر ایک کو تنہائی میں بلا کر اس سے لڑنے کا سبب معلوم کریں اور لڑائی کی مذمت اور محبت اس پر واضح کریں اور اس سبب کو دور کریں، پھر ان دونوں کو ایک ساتھ بٹھا کر پیار و محبت سے مل جل کر رہنے کی فضیلت اور فوائد بتائیں اور اس پر عمل کی ان کو نصیحت کریں اور دعا بھی کریں کہ اللہ ان میں ہمیشہ کا اتحاد و اتفاق نصیب فرمائے۔ اسی طرح اگر آپ کا بچہ اپنے کسی دوست سے جھگڑا کرے تو پہلے اس کے لئے دعا کیجئے اور پھر اسے مذکورہ بالا طریقے پر سمجھائیے۔

آپس میں یا دوسرے بچوں سے لڑائی کی صورت میں ان کی ہرگز حوصلہ افزائی نہ کریں اور نہ ان کے اس فعل کو فخریہ طریقے سے کہ ”میرے شیر بیٹے نے فلاں بچے کو خوب بیٹا“ بیان کیجئے۔ ورنہ آپ کا یہی جملہ ان کی تباہی کا موجب بنے گا۔ فضول میں یہ بات بتائی جائے کہ لڑائی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ بچوں کو سدھارنے کے لئے گھر کا ماحول بھی خوشگوار رکھنا ضروری ہے، اس لئے آپ بچوں کے سامنے کبھی بھی کسی بھی معاملے میں بیوی سے لڑتے اور تو مزاح کرنے سے اجتناب کیجئے، ورنہ وہ بھی ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے کو معمولی سمجھنے لگتے ہیں۔ جب جھگڑا ہو رہا ہو تو ایسا برگز نہ کریں کہ غصہ میں فوراً اٹھیں اور زور زور سے چیختے یا گالیاں دیتے ہوئے پاس پہنچے اور دونوں کو الگ الگ کر کے دونوں کو زور زور سے مارنا بیٹنا شروع کر دیا کہ اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ آگ بجھانے کے لئے اس پر پانی ڈال چھڑکا جائے۔ ان کی لڑائی میں خود شریک نہ ہوں کہ آپ بھی ان کے ساتھ چیخنے چلانے لگیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک اور مثالی

باپ بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اسی طرح اگر اہلیہ نے شام کو واپسی پر آپ سے شکایت کی کہ آج فلاں نے آپ کے بچے کو مارا ہے اور دھکا دے کر کچھڑ میں گرا دیا ہے یا کوئی زخم یا چوٹ لگ گئی ہے، آپ جناب فوراً فلاں کے گھر پہنچتے ہی برا بھلا کہنا شروع کر دیا، جب بعد میں بات کھلی تو پتہ لگا کہ دونوں بچوں کی غلطی تھی، اس نے بھی اس کے کپڑے پھاڑ دیئے تھے اور ناخن مار کر چہرے پر جہجہات ڈال دیئے تھے۔ اگر ایسی کوئی شکایت سنیں تو پہلے اپنے گھر میں ہی سمجھائیں کہ لڑائی کرنا بری بات ہے، اس سے آپس میں توڑ پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح لڑنا انسانیت کے خلاف اور حیوانیت کا کام ہے۔

اگر اہلیہ صاحبہ متہ بنائے..... یا ناراض ہوں..... تو ہرگز پروا نہ کریں۔ اگر طعنہ دیں کہ بزدل ہو، بدلہ نہیں لے سکتے وغیرہ تو غصہ میں نہ آئیں، بلکہ صبر و ضبط کا سامن ہاتھ میں لے کر پیار و محبت سے تلقین کریں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے واقعات سنائیں کہ کس طرح انہوں نے پتھر مارنے والے اور گالیاں دینے والوں کے لئے وعامیں کی ہیں، پھر لڑائی کی تحقیق ضرور کریں، مگر پوشیدہ رہ کر کہ گھر والوں کو پتہ نہ چلے۔ جب بات سامنے آجائے تو اگر اپنوں کی غلطی ہو تو انہیں تنبیہ کریں اور دوسروں کی ہو تو ان کے بڑوں کو حکمت کے ساتھ موقع دیکھ کر سمجھائیں اور ہو سکے تو دونوں کو گلے ملوادیں۔ اسی سلسلے میں روزنامہ جنگ سے ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں، غور سے پڑھیے، عجیب عبرت ناک قصہ ہے۔

ایک لمحہ کی بھول

۲۳ مئی ۱۹۹۶ء کا ذکر ہے جب میں ایک ترقی دوپہر کو پاکستان اسمبل کینڈٹ کالج کراچی میں اپنی ڈیوٹی دے کر واپس آ رہا تھا۔ بس اسٹاپ سے جیسے ہی میں اپنی گلی میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھک کر کھڑا ہو گیا کہ دو ننھے نیم

بچے حسن اور شاہد، ایک خالی پلاٹ پر بڑے پیار سے گیند بلا کھیل رہے تھے۔ گرمی اور اتھوپ کی تہاڑت سے ان کے چہرے تھما رہے تھے، مگر انہیں نہ تو موسم کی شدت کا احساس تھا اور نہ کسی آنے جانے والے کی پرواہ۔ انہیں تو یہ خیال بھی نہ تھا کہ اسی گیند بلے کے کھیل نے صرف ایک ہفتے پہلے ان دونوں کو یتیم کر دیا تھا۔

گذشتہ برس اگست کے مہینے تک میں کراچی کی جس بستی میں مقیم تھا، وہاں زیادہ تر متوسط اور نچلے طبقے کے لوگ رہا کرتے تھے۔ انہیں لوگوں میں دو ایسے بڑی بھی تھے، جو گذشتہ برس سے ایک ساتھ رہتے بستے چلے آ رہے تھے۔ محلہ والے ان کی دوستی کی مثالیں دیا کرتے۔ ان میں سے ایک اظہر صاحب تھے، جو ایک سرکاری محکمہ میں سپرنٹنڈنٹ تھے اور دوسرے ناصر صاحب، جو کسی محکمہ کے ریٹائرڈ حوالدار تھے اور اب محلہ میں کریانے کی چھوٹی سی دکان چلا رہے تھے۔ اظہر صاحب اور ناصر صاحب کی بیویوں اور بچوں میں بھی بڑی محبت تھی۔ اظہر صاحب تو کثیر العیال تھے، جن کی چار بیٹیاں اور پانچ بیٹے تھے، مگر ناصر صاحب کے صرف دو ہی بچے تھے۔ چودہ برس کی بیٹی اور سات برس کا بیٹا۔ اظہر صاحب کا سب سے چھوٹا بیٹا، ناصر صاحب کے بیٹے شاہد کا ہم عمر تھا۔ حسن اور شاہد محلہ ہی میں واقع اسکول میں ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ دونوں ایک ساتھ اسکول جاتے، ایک ساتھ واپس آتے اور پھر یہ ہوتے اور کھیل کود۔

۱۶ مئی کی گرم دوپہر تھی، جب حسن اور شاہد نے اسکول سے واپس آ کر اٹا سیدھا کھانا کھایا اور پھر حسب معمول گیند بلا سنبھال کر گلی میں نکل گئے۔ دونوں کی مائیں چیخ رہ گئیں، مگر وہاں سنتا کون؟

ابھی دونوں کو کھیلتے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ حسن نے شاہد کی گیند پر جو زور دار ہٹ لگائی تو گیند سنسناتی ہوئی شاہد کی ناک سے ٹکرائی۔ گیند اتنی زور سے شاہد کی ناک پر لگی تھی کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی اور خون کا فوارہ اچھل کر بہہ نکلا۔ شاہد درد

سے تڑپ اٹھا اور اس نے غصہ میں آگ لگوا ہو کر ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور حسن کے رسید کر دیا۔ پتھر سیدھا جا کر حسن کے سینے پر لگا اور وہ چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔ پتھر کیا تھا۔ دونوں کتھم کٹھا ہو گئے اور خوب مار پیٹ ہوئے لگی۔ کسی نے ناصر صاحب کو اس بات کی خبر نہ دی، جو اپنی دکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ فوراً اس جگہ پہنچے، جہاں دونوں بچے ایک دوسرے کی جان کے پیری ہو رہے تھے۔ ناصر صاحب نے انہیں ایک دوسرے سے جھڑایا، حسن کو تو وہ کھینچتے ہوئے لٹھ لے گئے، جب کہ شاہد رونا چیخا اپنے گھر چلا گیا۔ اظہر صاحب کی اہلیہ نے جب شاہد کو خون میں لت پت دیکھا تو بے ساختہ ان کی چیخ نکل گئی۔ انہوں نے جب شاہد سے خون بہنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے اصل واقعہ بتانے کے بجائے سارا الزام حسن کے سر دھڑ دیا۔ اب اظہر صاحب کی بیگم تمام محبت، خلوص اور لگاؤ بھول کر، حسن اور ان کی ماں کو گالیاں اور کوسنے دینے لگیں۔ حسن کی امی نے جب یہ مغفلت سنیں تو وہ برداشت نہ کر سکیں اور ناصر صاحب کے سمجھانے بھجانے کے باوجود تنگاتی ہوئی اپنے گھر سے نکل کر اظہر صاحب کے دروازے تک پہنچیں اور دروازہ پیٹ پیٹ کر شاہد کی امی کو چیلنج کرنے لگیں۔ شاہد کی امی بھی شعلہ جوالہ بنی ہوئی گھر سے باہر آئیں اور حسن کی امی سے الجھ پڑیں۔ ناصر صاحب نے فوراً موقع پر پہنچ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ چند لمحوں کے اندر اندر ہی دونوں خواتین دست و گریباں ہو کر ایک دوسرے کے جھوٹے نوجوان چکی تھیں۔ انہوں نے درمیان میں آ کر دونوں کو الگ الگ کرنے کی کوشش کی تو سبوا ان کا ہاتھ شاہد کی امی کے جسم سے نکرا گیا۔ ان کی آن میں بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ اب تو شاہد کی امی نے ناصر صاحب کو بھی ہزاروں گالیاں سنا ڈالیں اور ان کے ہاتھ بھی جڑ دیا۔ اس دوران مجھے کے کچھ مرد اور عورتیں وہاں آ گئیں اور انہوں نے طرفین میں بیچ بچاؤ کر دیا۔ اس طرح معاملہ وقتی طور پر رفع دفع ہو گیا۔

مگر شام کو جیسے ہی اظہر صاحب تھکے ماندے دفتر سے واپس آئے تو ان کی

بیگم نے ان سے اس ناخوشگوار واقعہ کو نمک مرچ لگا کر بیان کیا۔ یہ سب سن کر اظہر صاحب کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ غیرت سے ان کا خون کھول گیا، انہوں نے آؤ دیکھا نہ تارا، گھر میں پڑی ہوئی ایک کلباڑی اٹھائی اور سیدھے ناصر صاحب کی دکان پر جا پہنچے۔ اس وقت دکان پر صرف ایک ہی گاہک موجود تھا، ناصر صاحب ترازو پر جھگٹے ہوئے کوئی سودا قبول رہے تھے، بغیر کسی توقف کے اور کچھ کہے سے بغیر اظہر صاحب نے ناصر صاحب پر کلباڑی کا بھرپور وار کیا۔ کلباڑی ناصر صاحب کے بائیں کانہ تھے پر لگی اور ناصر صاحب شدید زخمی ہو گئے۔ مگر چشم زدن میں وہ اٹھے۔ انہوں نے دو میر وزن کا ایک بڑا اٹھا کر اظہر صاحب کے سر پر دے مارا۔ اظہر صاحب اس وار کی تاب نہ لاسکے اور وہ بھی تیرا کر گرے، مگر اگلے ہی لمحے وہ جھرجھری کھا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور دکان کے اندر گھس کر ناصر صاحب کے سر پر کلباڑی رسید کر دی۔ یہ وار کاری ثابت ہوا اور ناصر صاحب موقع پر ہی دم توڑ گئے۔ مگر ترازو کے بے کی چوٹ، اظہر صاحب کے لئے بھی ناقابل برداشت ثابت ہوئی اور چند لمحوں بعد وہ بھی جاں بحق ہو گئے۔ گاہک کے شور شرابے پر جب چند لوگ وہاں پہنچے تو ناصر صاحب اور اظہر صاحب کے بے جان لاشے پڑے ہوئے پائے۔ فوراً پولیس کو خبر دی گئی۔ پولیس والے نعشوں کو پوسٹ مارٹم کے لئے لے گئے اور اگلے دن بعد نماز ظہر، دونوں دوستوں کو جو ایک لمحے کی بھول کے نتیجے میں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے تھے، نارتھ کراچی کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

اس سنگین سانحہ اور دلدوز واقعہ کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ میں نے حسن اور شاہد کو حسب سابق ایک ساتھ کھیلنے ہوئے دیکھا، صاحب اولاد حضرات سے میری گزارش ہے کہ خدا را بچوں کی لڑائی کو زندگی اور موت کا مسئلہ نہ بنائیں، بچے تو لڑ بھڑ کر پھر ایک ہو جاتے ہیں، مگر ان کے والدین کی نادانی انہیں ایک دوسرے کا جانی

دشمن بنا دیتی ہے۔

ہرگز ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ کیجیے

ہر والد کو چاہیے کہ وہ یہ بات ضرور یاد رکھے کہ ایک بیٹے یا بیٹی کی بات سن کر فوراً دوسرے کے خلاف فیصلہ نہ دے دے، بلکہ دوسرے کو بلا کر اس کی بھی بات سن لے، پھر وجہ پوچھے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس طرح کرنے سے بہت سی پریشانیاں حل ہو جائیں گی۔

جہاں بھی فیصلہ ایک فریق کی بات سن کر ہوگا، وہ فیصلہ حقیقت و انصاف سے بہت ہی دور ہوگا۔

بعض اوقات بچے اسکول اور مدرسہ سے گھر واپس آتے ہیں اور استاد کی یا قاری صاحب کی شکایت لگاتے ہیں، آج کس نے یوں کہا... یوں کہا... مجھے پندرہ منٹ دیر ہوگئی تھی، لیکن قاری صاحب نے ایک گھنٹہ کھڑا رکھا، اب والد فوراً متاثر ہو جاتی ہیں اور پھر اپنے شوہر کو بھی متاثر کر دیتی ہیں، اب کم سمجھ والد، بچے یا بیوی کی یہ بات سن کر بغیر تحقیق کئے ہوئے استاد سے ناراض ہو جاتے ہیں، یا استاد سے جھگڑا شروع کر دیتے ہیں، جس سے ایک تو استاد کی بدعنوانی ہے، دوسرے بچے کی شرارتوں کو مزید تقویت مل جاتی ہے اور بعض اوقات اس غصہ کی وجہ سے بچے تعلیمی ترقی سے محروم ہو جاتے ہیں، بار بار اسکول اور مدرسہ بدلنے سے بہت نقصان ہوتا ہے، لہذا ایک بچے کی بات سن کر دوسرے بچے کے خلاف، یا چھوٹے بیٹے کی بات سن کر بڑے بیٹے کے خلاف یا بچے کی بات سن کر استاد... یا مدرسہ... اور اسکول... کے خلاف کوئی فیصلہ نہ کیجیے، بلکہ استاد یا مدرسہ اور اسکول کے ذمہ داروں سے جا کر تحقیق ضرور کر لیں۔

سہ ہفت روزہ نامہ جنگ

ایسا اوقات چھوٹا بیٹا، بڑے بیٹے کے خلاف شکایت کرتا ہے، یا بیٹی اپنے بھائی اور بھائی کے متعلق شکایت کرتی ہے، والد کو چاہیے کہ ہرگز ایک کی بات سن کر دوسرے کے متعلق دل میں کوئی میل نہ آنے دے۔ پہلے اچھی طرح تحقیق کر لے، ممکن ہو تو دونوں فریق کو سامنے بٹھا دے، اور اگر اس سے جھگڑے کے بڑھنے کا خوف ہو تو اسکیل میں دونوں کو سمجھا دے، لیکن دونوں صورتوں میں والد کا کسی ایک طرف جھکاؤ نہ ہو، اور والد کی نیت بھی اصلاح کی ہو، غصہ اتارنے کی، یا کڑوی کسلی سنانے کی نہ ہو، والد کی اس وقت حیثیت، حکم اور قاضی کی ہے۔ صحیح فیصلہ کرنے پر ثواب بھی بہت اونچا، اور غلط فیصلہ کرنے پر پکڑ بھی بہت زیادہ...۔

ایک باپ کے لئے خطرناک غلطیاں

درحقیقت باپ کا رویہ ایک مشفق بادشاہ جیسا ہونا چاہیے، جو اپنی رعیت سے محبت رکھتا ہے، اس کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتا ہے، جس کے سائے تلے رعایا خود بخود محفوظ و مامون خیال کرتی ہے، لیکن ساتھ ہی اس کے دبدبہ اور رعب کے باعث رعایا کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے کہ کوئی غلط کام کر جائے۔ اسی طرح باپ کو بھی اپنی اولاد کے ساتھ نرمی و شفقت کا رویہ اختیار کرنا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ اپنا وقار اور دبدبہ و رعب بھی برقرار رکھنا چاہیے۔ لیکن یاد رکھیے! رعب جمانے یا بچوں کی اصلاح کے لئے کوئی ایسا طریقہ ہرگز اختیار نہ کیجیے، جو آپ کی ازدواجی زندگی اور آپ کے بچوں کے لئے نقصان دہ ہو۔ ہم مثال کے طور پر یہاں چند چیزیں بیان کرتے ہیں، جن سے بچوں پر بہت ہی غلط اثر پڑتا ہے:

۱۔ اگر کوئی ایک بچہ غلطی کر جائے تو اس ایک کی غلطی کی وجہ سے سب کو نہ ڈانٹیں، نہ ہی ذلیل کریں، بلکہ جس کی غلطی ہو اس کو تنبیہ کریں۔ اگر نیت اصلاح کی ہو تو نفع ہوگا۔ اسی طرح ایک غلطی کا غصہ دوسرے کام میں نہ نکالیں۔ حضرت

زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوالات کیے۔ ایک سوال اونٹ کے لفظ کے بارے میں کیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کا رنگ بدل گیا، پھر اس شخص نے بکری کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کے لئے یا بھیڑ کے لئے ہے۔“

نور کریں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کی غلطی کا غصہ دوسرے کام میں نہیں نکالا، بلکہ بڑی شفقت سے جواب دے دیا۔

بچے کی غلطی پر اسے اس کے ہم عمروں کی مثالیں بطور طعنہ دے کر تنبیہ ہرگز نہ کریں۔ مثلاً ثعلب کو دیکھو! کس طرح محنت سے پڑھتا ہے اور تم۔۔۔ مریم کو دیکھو! کتنی شریف اور پڑھا کو ہنسی ہے، وہ اپنی کلاس میں اول آئی ہے اور ایک تم ہو کہ بیسوں کو برباد کرتی ہو اور پڑھتی ہو نہیں، وغیرہ۔ اس طرح کرنے کے کئی نقصانات ہیں، مثلاً ایک یہ کہ آپ کا بچہ یا بچی اس بچے سے بغض رکھنے لگیں گے۔ اسی طرح اگر خدا غواستہ اس بچے میں کوئی ایسا عیب ہے، جو آپ کے بچے کو تو معلوم ہے، لیکن آپ کو معلوم نہیں، تو آپ کا بچہ اس عیب کو سوچے گا اور یہی فیصلہ کرے گا کہ اس میں تو اتنی ساری برائیاں ہیں اور پھر بھی میرے والد اسے اچھا کہتے ہیں، آئندہ میں بھی صرف ظاہری طور پر شریف بن کر رہوں گا اور باقی وہی افعال کرتا رہوں گا اور اگر کسی دن اس نے غصے میں آکر وہ عیب آپ کے سامنے کھول دیا، تو وہ حجاب جو ایک باپ اور بچے کے درمیان ہونا چاہیے، ختم ہو جائے گا۔

تیسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ آپ کو اپنا مصلح سمجھنے کے بجائے ایک طعنہ دینے والا اور بلاوجہ ڈانٹ کر اپنے غصہ نکالنے والا سمجھے گا اور اس طرح آپ کی نصیحت اس کے کسی کام نہیں آئے گی۔ آپ کو مہذب سمجھنے کے بجائے معذب سمجھے گا کہ میرے

والد تہذیب سکھانے کے بجائے مجھے عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔

اگر بچے کی غلطی کا سبب اس کی ماں بنی ہے تو اس بچے کے سامنے ہرگز ہرگز اپنی اہلیہ یعنی اس بچے کی ماں کو نہ ڈانٹیں، ورنہ بچہ ماں کو مظلوم اور آپ کو ظالم سمجھے گا اور اس طرح آپ کی محبت بچے کے دل سے نکل جائے گی یا ماں کی عزت اور احترام اس کی نظروں میں کم ہو جائے گا۔

اگر کسی محلہ دار نے آپ کو آپ کے بچے کی کسی شرارت کی شکایت کی تو اس شخص کے سامنے یا بعد میں بلا تحقیق کبھی بھی سزا نہ دیں، بلکہ اچھی طرح تحقیق کریں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ بے قصور ہونے کے باوجود باپ یا کسی دوسرے بڑے کے خوف کی وجہ سے اپنی بے گناہی بیان نہیں کرتا، ایسی صورت میں پہلے خوب شفقت و محبت سے اس سے پورا معاملہ معلوم کریں، پھر اگر محسوس کریں کہ اگر یہ واقعی قصور وار ہے تو پہلے دعا کریں، پھر تہائی میں نرمی و شفقت سے اسے سمجھائیے اور اگر ضرورت محسوس کریں تو تنبیہ بھی کر دیں۔ بلا تحقیق ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دینا کسی بھی طرح مناسب نہیں، اس طرح والد عند اللہ خیانت کرنے والے ہوں گے اور اولاد کے دل میں بھی والد کے لئے نفرت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے، جس میں کسی کی شکایت ہو تو بدون تحقیق کے اس پر عمل نہ کیا کرو، بلکہ عمل کرنا مقصود ہو تو خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو نابالغی سے کوئی نمر نہ پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پچھتا تا پڑے۔“

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”كُفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنِّي يَحْدُثُ بِكُلِّ مَاسْمِعٍ“

”انسان کے جھوٹا بننے کے لئے یہ کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کر دے۔“

اس لئے بچے کی کسی بھی شکایت کی خوب تحقیق کر لیا کریں۔ مثلاً آپ کا بڑا بچہ آپ کے پاس شکایت لے کر آیا کہ آپ کے بچے نے میرے بچے کو مارا ہے۔ بجائے اس کے کہ آپ فوراً چھڑی لے کر بچے کی پٹائی شروع کر دیں، ان صاحب سے کہیے کہ ان شاء اللہ میں ابھی تحقیق کرتا ہوں، اگر اس نے واقعی ایسی غلطی کی ہوگی تو میں اسے سزا دوں گا۔ پھر اپنے بچے سے نرمی اور شفقت سے معلوم کیجئے تو وہ ضرور آپ کو اصل حقیقت بتا دے گا۔ ہو سکتا ہے پہلے شرارت اسی بچے نے کی ہو، جس کے جواب میں اس نے اسے مارا ہو یا اس بچے نے اس کی کوئی چیز چھینی ہو یا توڑی ہو اور اس کی وجہ سے اس بچے نے مارا ہو تو اس صورت میں آپ کا اسے سزا دینا ظلم ہوگا اور یہ فعل آئندہ کے لئے آپ کے بچے کو بزدل بنا دے گا، حتیٰ کہ وہ اپنے حق کے لئے بھی کسی سے جھگڑا نہ کر سکے گا اور یہ بزدلی خدا نخواستہ آگے چل کر اس کی زندگی کو ہی نہ برباد کر دے۔ اگر اس وقت آپ نے تحقیق کی تو اس کے وہ فائدے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ پوری حقیقت آپ کے سامنے آ جائے گی اور اس میں اگر آپ کے بچے کی غلطی ہو تو آپ اس کی اصلاح کر سکیں گے دوسرا یہ کہ اگر اس آدمی نے غلط شکایت لگائی ہو تو آپ کا بچہ سزا سے بچ جائے گا اور آئندہ کے لئے اس آدمی کو شکایت کی جرأت نہیں ہوگی۔ اسی طرح ایک بچے نے دوسرے بچے کے متعلق شکایت کی تو مناسب ہو تو دونوں کو سامنے بٹھا کر فیصلہ کریں، ہرگز ایک بچے کی شکایت سن کر بلا تحقیق دوسرے بچے کو نہ ڈانٹیں۔

بچوں کے سامنے بچوں کی ماں یعنی اپنی اہلیہ کی کبھی نصیحت نہ کریں، نہ برائی بیان کریں، مثلاً تمہاری ماں کو منع کیا تھا کہ یہ مت کرنا، پھر بھی کر لیا، اس کو منع کیا تھا کہ بازار مت جانا پھر بھی چلی گئی، اسے منع کیا تھا کہ فلاں کے ہاں مہندی میں مت

جانا پھر بھی چلی گئی وغیرہ۔ اسی طرح بچوں کی بات پر اعتماد کر کے فوراً بیوی کو برا بھلا کہنا نہ شروع کریں، مثلاً آپ کام سے شام کو گھر واپس آئے، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ بیوی صاحبہ گھر پر نہیں ہیں اور بچوں نے بتا دیا کہ بازار یا کسی کے ہاں گئی ہیں اور آپ نے چیخا شروع کر دیا کہ میری نہیں مانتی، گھر پر تو بیٹھنا جانتی ہی نہیں۔ میں نے منع بھی کیا تھا پھر بھی چلی گئی وغیرہ۔ اس طرح کرنے سے ایک نقصان تو یہ ہوگا کہ ماں کی قدر بچوں کی نظروں میں ختم ہو جائے گی۔

دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ بچے آپ کو ظالم اور ماں کو مظلوم سمجھنے لگیں گے۔ اس لئے کہ وہ منع کرنے کی حکمتیں نہیں جانتے تو بجائے چیخنے چلانے کے اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر انتظار کریں، بچوں کے ساتھ پیار محبت کریں اور بیوی کے لئے کوئی صحیح نذر سوچ لیں کہ ہو سکتا ہے چھوٹے بچے کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہو، اسے فوری ہسپتال لے جانا پڑا ہو، ہو سکتا ہے کھانے پینے کی چیزوں کی اور آپ کی کسی چیز کی ضرورت پڑ گئی ہو وہ لینے گئی ہوں، ہو سکتا ہے کہ اس کی والدہ کے گھر سے فون آیا ہو کسی پریشانی کی وجہ سے گئی ہوں، جب واپس آئیں گی تو معلوم ہو جائے گا، پھر اگر اس کا وہ جانا آپ کو نامناسب معلوم ہو تو پھر اسے تنہائی میں سمجھائیے، اپنے غصے اور ناراضگی کا اظہار کیجئے، لیکن بچوں کے سامنے اس طرح ہرگز نہ کریں، کیونکہ اس سے بچوں کے ذہن پر بہت برے اثرات پڑتے ہیں۔

اسی طرح اگر کبھی آپ کو بیوی کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا پسند نہ بھی آئے تو دوسرا خوان پر بیٹھ کر اس کی برائی کرنے کی بجائے اس کی تعریف کریں۔ اس سے ایک تو اللہ جل جلالہ عم نوالہ بھی راضی ہوں گے اور بیوی کی یا پکانے والے کی حوصلہ افزائی ہوگی، اس کی دلی دعاؤں میں آپ کا حصہ ہوگا، دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

﴿مَاعَابَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ إِنْ ائْتَاهُ اُنْكَلَدُ
وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ﴾

ترجمہ: ”کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب
نہیں لکالا، اگر پسند ہوا تو کھالیا، اگر وہ ناپسند ہوا تو نہ کھایا۔“

تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے میاں بیوی میں محبت بڑھے گی اور میاں بیوی
کے درمیان سچی محبت دین و دنیا کے درمیان خیروں اور بھلائیوں کی کٹھی ہے، اس
طرح بچے بھی دوسروں کی تعریف کرنا اور ہر طرح کی چیز پر ہمبر کرنا سیکھ جائیں گے
ورنہ خدا نہ کرے وہ ہم سے بھی دو قدم آگے نکل کر زیادہ برائی شروع نہ کر دیں۔ اس
طرح رزق کی اور مال کی توہین ہوگی جو گناہ ہے اور اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔

﴿اگر آپ یا آپ کی اہلیہ و ماغی کیفیت یا جسمانی کمزوری یا کسی دوسرے شرعی عذر
کی وجہ سے پے در پے بچوں کی صحیح تربیت و صحیح نگہداشت نہیں کر سکتے تو ماہر علماء
کرام اور مفتیان سے معلوم کر کے دو بچوں کے درمیان مناسب وقفہ کی کوشش ضرور
کےجیے کہ ایک بچہ کو شرعی طور پر ماں اپنا دودھ پلا سکے (بغیر دوسرا حمل ٹھہرے) تاکہ یہ
بچہ صحت و قوت کے اعتبار سے پوری طرح اپنی عمر کی منزل بس طے کرے، پھر جب
ماں اس بچے کو اچھی طرح دودھ پلا کر فارغ ہو جائے، اور اب تک جو کمزوری بچہ جننے
اور اس کو دودھ پلانے سے ہوئی تھی، وہ کمزوری بھی دور ہو جائے تو دوسرے بچے کے
لئے تیار ہو، تاکہ دونوں بچوں کا پورا حق ادا ہو سکے، دونوں کی صحیح تربیت ہو سکے۔ یہ
آپ کے اور آپ کی بیوی اور بچوں سب کے لئے مفید ہے۔

﴿جب بچے جوانی کی عمر تک پہنچ جائیں اور ان کی شادی کا مرحلہ آئے تو دو بیٹوں
کی شادی ایک ساتھ نہ کیجیے اور نہ ہی دونوں بہوؤں کو ایک ساتھ ایک گھر اور ایک
باورچی خانہ میں رکھیے۔ الگ رکھنے میں بہت خیر اور عافیت ہے اور بڑے بڑے

سہ بخاری، کتاب الاطعمہ، معاذ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعمًا قَطُّ: ج ۲ ص ۸۱۳

فسادت اور لڑائیوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ ہم سب کو سمجھ عطا فرمائے آمین۔

﴿بچے کی نظر میں آپ کی حیثیت ایک ایسے شخص کی ہوتی ہے، جو قابل اتباع ہے
اور یقین کر میں کہ بچہ الاشعوری طور پر ہر بات میں والد کی اتباع کرتا ہے، چاہے وہ
چیز بالکل غلط کیوں نہ ہو۔ ایک صاحب نے اپنے بچپن کا واقعہ بتایا کہ ایک مرتبہ
انہوں نے نوکرانی سے پانی مانگا، وہ پانی لائی تو بجائے ہاتھ میں گلاس دینے کے،
چوکی پر رکھ کر چلی گئی، بس انہوں نے گلاس اٹھا کر دیوار پر مارا اور الاشعوری طور پر
بڑی فحش گالیاں اس کو دینے لگے، لیکن چند منٹوں بعد اندر کمرے میں سے ان کے
والد صاحب نے بلند آواز سے گالیاں دینی شروع کیں کہ کبخت گان بکتا ہے نوکرانی
کو، شرم نہیں آتی، باپ کے سامنے بکتا ہے، ڈوب مرو وغیرہ۔

آپ خود سوچیں اس واقعہ میں قصور کس کا ہے؟ یقیناً بچے نے بارہا اپنے باپ کو
نوکرانی وغیرہ کو گالیاں دیتے سنا ہوگا اور بغیر سمجھے اس وقت وہی گالیاں اس کی زبان
سے جاری ہو گئیں۔ اس پر مزید ستم ظریفی کہ گالیاں بند کروانے کے لئے گالیاں دی
جاری ہیں۔ یعنی زہر کے اثر کو ختم کرنے کے لئے زہر کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ لہذا
کبھی بھی بچے کے سامنے اپنے ملازموں، ماتحتوں، اہلیہ وغیرہ کو نہ ڈانٹیں، نہ جھڑکیں،
نہ برا بھلا کہیں، اگر واقعی اصلاح مقصود ہو تو علیحدگی میں سمجھائیں۔ یاد رکھیے اولاد کی
تربیت غصے کے ذریعے نہیں کی جاسکتی، بلکہ غصہ کے وقت صبر کا دامن مضبوطی سے
تھام کر اولاد کو عملی نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ بیٹا تم بھی عملی زندگی میں غصہ میں ہرگز
کوئی قدم نہ اٹھانا۔

اور تاکہ اولاد یہ سوچ سکے کہ میں ایسے نیک والد کی اولاد ہوں کہ ان کو جس
وقت شدید غصہ آتا، پھر بھی مسکراہٹ ان کے چہرے سے غائب نہ ہوتی، نرم لہجہ ان
کا ساتھ نہ چھوڑتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھانے کا ذہنک نصیب فرمائے۔

﴿وہی تعلیم و تربیت سے اولاد کو محروم نہ کریں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، اپنے وعظ ”اولاد کے حقوق“ میں فرماتے ہیں: یاد رکھیے! اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک سنت ہے، جو حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اللہ جل جلالہ کو ناراض کرے تو اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کو اس پر مسلط فرمادیتے ہیں، مثلاً ایک شخص نے کسی آدمی کو راضی کرنے کے لئے گناہ کیا اور گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا تو بالآخر اللہ تعالیٰ اسی کو اس شخص پر مسلط فرمادیتے ہیں۔

آج ہماری حالت یہ ہے کہ اپنی اولاد اور بچوں کو راضی کرنے کی خاطر یہ سوچتے ہیں کہ ان کا مستقبل اچھا ہو جائے، ان کی آمدنی اچھی ہو جائے۔ اور معاشرے میں ان کا ایک مقام بن جائے، ان تمام کاموں کی وجہ سے ان کو دین نہ سکھایا، اور دین نہ سکھا کر اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی اولاد جس کو راضی کرنے کی فکر تھی، ماں باپ کے سر پر مسلط ہو جاتی ہے۔ آج آپ خود معاشرے کے اندر دیکھ لیں کہ کس طرح اولاد اپنے ماں باپ کی نافرمانی کر رہی ہے اور ماں باپ کے لئے عذاب بنی ہوئی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ماں باپ نے ان کو صرف اس لئے بے دینی کے ماحول میں بھیج دیا، تاکہ ان کو اچھا کھانا پینا میسر آ جائے، اور اچھی ملازمت مل جائے، اور ان کو ایسے بے دینی کے ماحول میں آزاد چھوڑ دیا، جس میں ماں باپ کی عزت اور عظمت کا کوئی خانہ نہیں ہے، جس میں ماں باپ کے حکم کی اطاعت کا بھی کوئی خانہ نہیں ہے، وہ اگر کل کو اپنی انسانی خواہشات کے مطابق فیصلے کرتا ہے، تو اب ماں باپ بیٹھے رو رہے ہیں، کہ ہم نے تو اس مقصد کے لئے تعلیم دلائی تھی، مگر اس نے یہ کر لیا۔ ارے بات اصل میں یہ ہے کہ تم نے اس کو ایسے راستے پر چلایا، جس کے نتیجے میں وہ تمہارے سروں پر مسلط ہو گیا، تم ان کو جس قسم کی تعلیم دلوا رہے ہو اور جس راستے پر لے جا رہے ہو، اس تعلیم کی تہذیب تو یہ ہے کہ جب ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو اب وہ گھر میں رکھنے کے لائق نہیں، ان کو نرسنگ ہوم میں داخل

کر دیا جاتا ہے اور پھر صاحب زادے پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے کہ وہاں ماں باپ کس حال میں ہیں، اور کس چیز کی ان کو ضرورت ہے۔

باپ ”نرسنگ ہوم“ میں

مغربی ممالک کے بارے میں تو ایسے واقعات بہت سنتے تھے کہ بوڑھا باپ ”نرسنگ ہوم“ میں پڑا ہوا ہے، وہاں اس باپ کا انتقال ہو گیا، وہاں کے مینیجر نے صاحب زادے کو فون کیا کہ جناب، آپ کے والد کا انتقال ہو گیا ہے، تو جواب میں صاحب زادے نے کہا کہ مجھے بڑا افسوس ہے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اب آپ براہ کرم ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کر دیں، اور براہ کرم بل مجھے بھیج دیجیے، میں بل کی ادائیگی کروں گا۔ وہاں کے بارے میں تو یہ بات سنی تھی، لیکن ابھی چند روز پہلے مجھے ایک صاحب نے بتایا کہ یہاں کراچی میں بھی ایک ”نرسنگ ہوم“ قائم ہو گیا ہے، جہاں بوڑھوں کی رہائش کا انتظام ہے، اس میں بھی یہی واقعہ پیش آیا کہ ایک صاحب کا وہاں انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹے کو اطلاع دی گئی، بیٹے نے پہلے تو آنے کا وعدہ کر لیا۔ لیکن بعد میں معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے تو اس وقت فلاں میٹنگ میں جانا ہے، اس لئے آپ کفن و دفن کا بندوبست کر دیں، میں نہیں آسکوں گا۔ یہ وہ اولاد ہے جس کو راضی کرنے کی خاطر تم نے اللہ کو ناراض کیا، اس لئے وہ اب تمہارے اوپر مسلط کر دی گئی۔ جیسا کہ حدیث میں صراحت موجود ہے کہ جس مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کرو گے، اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کو تمہارے اوپر مسلط کر دیں گے۔

جیسا کریں گے ویسا بھریں گے

جب وہ اولاد سر پر مسلط ہوگئی تو اب ماں باپ بیٹھے رو رہے ہیں کہ اولاد ہم سے راستے پر جا رہی ہے، ارے جب تم نے شروع ہی سے اس کو ایسے راستے پر

والہ جس کے ذریعہ اس کا زمین بدل جائے، اس کا خیال بدل جائے، اس کی سوجھ
بدل جائے تو اس کا انجام بھی ہونا تھا۔

درمیانِ قعر دریا حشتِ ہندم کردہ امی

بازی گوئی کہ دامنِ ترکمن ہشیار باش

پہلے میرے ہاتھ پیر باندھ کر مجھے سمندر کے اندر ڈبو دیا، اس کے بعد کہتے ہو
کہ ہوشیار! دامنِ ترکمن ترمیم کرتا۔

بھائی! اگر تم نے پہلے اس کو کچھ قرآن شریف پڑھایا ہوتا، اس کو کچھ حدیث
نبوی سکھائی ہوتی، دینی ماحول میں بٹھایا ہوتا، وہ حدیث سکھائی ہوتی جو مشکوٰۃ کتاب
اعلم جلد ۳۲ میں مذکور ہے، جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
کہ آدمی جب دنیا سے چلا جاتا ہے تو تین چیزیں اس کے لئے کارآمد ہوتی ہیں،
ایک علم ہے جسے وہ چھوڑ گیا، جس سے لوگ نفع اٹھا رہے ہیں، مثلاً کوئی آدمی کوئی
کتاب تصنیف کر گیا۔ اور لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

یا کوئی آدمی نظم دین پڑھاتا تھا، اب اس کے شاگرد آگے علم پڑھا رہے ہیں،
اس سے مرنے والے شخص کو بھی فائدہ پہنچتا رہتا ہے، یا کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ گیا،
مثلاً کوئی مسجد بنادی، کوئی مدرسہ بنادیا، کوئی شفا خانہ بنادیا، کوئی کنواں بنادیا، اور لوگ
اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، ایسے عمل کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

اور تیسری چیز نیک اولاد ہے، جو وہ چھوڑ گیا۔ وہ اس کے حق میں دعائیں
کریں، تو اس کا عمل مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے، کیونکہ ماں باپ کی تربیت
کے نتیجے میں اولاد جو کچھ کر رہی ہے، وہ سب باپ کے نام اعمال میں لکھا جا رہا
ہے۔ اگر یہ حدیث پڑھائی دیتی تو آج باپ کا یہ انجام نہ ہوتا۔ لیکن چونکہ اس راستے
پر چلایا ہی نہیں، اس لئے اس کا انجام بد آنکھوں کے سامنے ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولاد کی فکر

بھائی اولاد کو دین کی طرف لانے کی فکر اتنی ہی ضروری ہے، جتنی اپنی اصلاح
کی فکر، اولاد کو زبانی سمجھانا کافی نہیں، جب تک اس کی فکر اور تربیت ایسی نہ ہو جیسے
ذہنی ہوئی آگ کی طرف بچہ بڑھ رہا ہو اور آپ اس کو لپک کر جب تک اٹھا نہیں لیں
گے، اس وقت تک آپ کو جھین نہیں آئے گا، ایسی ہی تربیت یہاں بھی ہونی ضروری
ہے۔ پورا قرآن کریم اس حکم کی تاکید سے بھرا ہوا ہے، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے
واقعات کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

﴿وَمَا كَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ﴾

تترجمہ: ”(حضرت اسماعیل علیہ السلام) اپنے متعلقین کو نماز اور زکوٰۃ

کا (خصوصاً اور دوسرے احکام کا عموماً) حکم کرتے رہتے تھے۔“

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتے
ہیں:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾

تترجمہ: ”اور اپنے متعلقین کو (یعنی اہل خاندان کو یا مؤمنین کو) بھی

نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے (یعنی زیادہ تو بہ

کے قابل یہ امور ہیں)۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عجیب ترغیب رکھی ہے۔ بظاہر یہ ہونا چاہیے تھا کہ
پہلے خود نماز قائم کریں اور پھر اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں، لیکن یہاں ترتیب

۱۔ سورہ مریم آیت ۵۵

۲۔ سورہ طہ آیت ۱۳۲

۳۔ معارف القرآن: ج ۲ ص ۱۶۲

الٹ دی ہے۔

اس ترتیب میں اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ آپ کا اپنے گھر والوں کو یا اولاد کو نماز کا حکم دینا اس وقت تک مؤثر اور فائدہ مند نہیں ہوگا، جب تک آپ ان سے زیادہ اس کی پابندی نہیں کریں گے۔ اب زبان سے آپ نے ان کو کہہ دیا کہ نماز پڑھو، لیکن خود اپنے اندر نماز کا اہتمام نہیں ہے تو اس صورت میں ان کو نماز کے لئے کہنا بالکل بے کار جائے گا۔ لہذا اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دینے کا ایک لازمی حصہ یہ ہے کہ ان سے زیادہ پابندی خود کریں اور ان کے لئے ایک مثال اور نمونہ بنیں۔ بہر حال، والدین کو پہلے یہ کوشش کرنی چاہیے کہ یہ اولاد اللہ جل جلالہ کو راضی کرنے والی بن جائے۔ نافرمانیوں اور گناہوں سے بچنے والی بن جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک خاتون نے اپنے بچے کو گود میں لیٹنے کے لئے بلایا، بچہ آنے میں تردد کر رہا تھا تو اس خاتون نے کہا تم ہمارے پاس آؤ، ہم تمہیں کچھ چیزیں دیں گے، اب وہ بچہ آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے پوچھا کہ تم نے بچے کو یہ جو کہا کہ ہمارے پاس آؤ، ہم تمہیں کچھ چیزیں دیں گے، تو کیا تمہاری واقعی رکھ دینے کی نیت تھی؟

اس خاتون نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس ایک سکھور تھی اور یہ سکھور اس کو دینے کی نیت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَفَا إِلَکَ وَلَوْ لَمْ تُعْطِیْهِ شَیْئًا تُحِبُّیْتَ عَلَیْکَ کَذِبٌ" کہ اگر دینے کی نیت نہ ہوتی تو یہ تمہاری طرف سے بہت بڑا جھوٹ ہوتا، اور گناہ ہوتا، اس لئے کہ تم بچے سے جھوٹا وعدہ کر رہی ہو۔

گویا اس کے دل میں بچپن سے یہ بات ڈال رہی ہو کہ جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی کرنا کوئی ایسی بری بات نہیں ہوتی۔ لہذا اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ بیوی بچوں کو جو بھی حکم دیں، پہلے خود اس پر عمل کریں اور اس کی

پابندی دوسروں سے زیادہ کریں۔

ان دس خطرناک غلطیوں سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچانے کی فکر کریں۔ کتاب بند کر کے دعا بھی کر لیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

کھیل کود

کھیل کود بچوں کے لئے بہت مفید ہے۔ تعلیم یافتہ لوگ کھیل کود بچوں کی غذا اور تعلیم کا ایک جز تسلیم کرتے ہیں۔ لوگوں کا یہ احساس ہے کہ اگر درس گاہ کا ماحول دلچسپ کھیلوں سے خالی ہو تو طلبہ اسے اپنے لئے قید خانہ سمجھتے لگتے ہیں۔ ان کی جمالی صلاحیتیں مختصر کر رہ جاتی ہیں۔ ششک ماحول میں طلبہ کی تعلیم صحیح طور پر نہیں ہو پاتی۔ اس سے برعکس اگر درس گاہ میں کھیل کود، یہ تفریح کے دلچسپ مواقع اور ذہنی نشاۃ الی کا ماحول موجود ہو تو بچے نہایت ذوق و شوق سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ماہرین انشیا کا خیال ہے کہ کھیل بھی ایک جہلت ہے، جس طرح بچہ دودھ مانگتا ہے، اس طرح بچہ ہاتھ پیر مار کر کھیلنے کا آغاز کرتا ہے۔ آپ اپنے ارد گرد کے بچوں پر نظر ڈالیں۔ دیکھیں ان کے نزدیک کھیل سے زیادہ محبوب مشغلہ کوئی دوسرا نہیں۔ جب وہ کھیلتے ہیں تو انہیں تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ گرمی، سردی، ہوا، کچھ کسی بھی چیز کی وہ پروا نہیں کرتے۔ بھوک لگتی رہے یا پیڑے خراب ہو رہے ہوں تو ہوتے رہیں۔ وہ اپنے کھیل میں لگن رہیں گے۔ صبح کو بستر سے اٹھتے ہیں، درس گاہ سے واپس آ کر بستر رکھتے ہیں اور کھیل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ نہ وقت دیکھتے ہیں اور نہ جگہ، بس کھیلتے سے مطلب رکھتے ہیں۔ والدین ناراض ہوں تو بھی کھیلےں گے۔ وہ کھیل کی خاطر مار بھی جھیل لیتے ہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ کھیل کی جہلت بچوں میں کتنی طاقت ور ہوتی ہے۔ اس جہلت کو دبانے کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ کرنا

آپ کے لئے مشکل نہیں۔

امام ابوحنیفان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فقہ کے بہت بڑے عالم مزرعہ ہیں۔ ان کا دربار خلافت میں آنا جانا رہتا تھا۔ خلیفہ بھی ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ ایک بار انہوں نے خلیفہ سے کہا: ”بھئی اپنے بچے کی تو کسی روز زیارت کرا بیٹھے۔“ خلیفہ نے چند دن کی مہلت مانگی۔ جب آپ متعین وقت پر دربار میں تشریف لے گئے، تو دیکھا کہ بچہ ہاتھ باندھے، سر جھکائے، تخت پر ایک طرف بیٹھا ہے۔ خلیفہ نے امام صاحب کو بتایا کہ: ”یہ میرا بچہ ہے۔“ امام صاحب نے فوراً فرمایا: ”یہ بچہ ہے یا کوئی بوڑھا؟“ امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ بچے کو تو چلبلا ہونا چاہیے۔ اتنی شجیدگی اور متانت بڑھاپے میں تو آسکتی ہے، مگر بچپن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ خلیفہ نے امام صاحب سے صرف اس لئے مہلت مانگی تھی کہ وہ بچے کو اچھی طرح اس بات کے لئے تیار کر سکے کہ امام صاحب جب دربار میں آئیں تو بچہ نہایت ادب سے خاموشی کے ساتھ بیٹھا رہے۔

امام صاحب نے ایک جملے ہی میں اس بات کی وضاحت فرمادی کہ خاموشی اور سنجیدہ بیٹھے رہنا، بڑھاپے کی علامت ہے۔ بچے کی فطرت میں تو شوقی موجود ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ شوقی (چلبلا پن)، شرارت، اچھل کود، بھاگ دوڑ، شور و شغب، توڑ پھوڑ اور اٹھک بیٹھک بچپن کے خواص اور ذہانت و زندگی کی علامتیں ہیں۔ ان صفات سے محرومی، بچے کی بیماری یا بدھویں کی دلیل ہے۔ جو بچہ جتنا ذہین و زیرک ہوگا، وہ اتنا ہی شوق ہوگا۔ جو لوگ بچوں کو کھیل سے محروم رکھتے ہیں، وہ بچے کی فطرت سے جنگ کرتے ہیں۔ دنیا کے سب سے بڑے باغ و فطرت شناس نے بھی بچوں کی کھیل کی آزادی دی ہے۔

عید کے موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس دو لڑکیاں گیت گاری تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہی آرام فرما رہے تھے۔ اسی اثنا میں سیدہ

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آچپے۔ یہ منظر دیکھا تو غصے میں ڈانٹ کر فرمایا: ”مزمارۃ الشیطان عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ ”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ کیا شیطانی ہنگامہ برپا کر رہا ہے۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاموش کرتے ہوئے فرمایا: ”دفعہا، وفی روایۃ دفعہما“ ”ان کو چھوڑ دو، انہیں گانے دو۔“

کھیل کیوں کھیلا جاتا ہے؟ اس سلسلے میں ماہرین نفسیات نے مختلف توجیہات اور نقطہ نامے نظر پیش کیے ہیں۔ اگرچہ ان سے کلی طور پر اتفاق نہیں کیا جاسکتا، مگر اصولی طور پر ان سے انکار بھی ناممکن ہے۔ ان توجیہات کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے، تاکہ بچوں کی مناسب نشوونما کے لئے کھیل کی افادیت مزید واضح ہو سکے۔

✽ ہر بچے میں اپنے قد اور ضرورت کے لحاظ سے توانائی کا فاضل ذخیرہ موجود رہتا ہے۔ کھیل کے ذریعے اس فاضل توانائی کا اخراج ہوتا رہتا ہے۔ اگر اس فاضل توانائی کو خارج کرنے کے لئے بچے کو مواقع نہ ملیں تو یہ فاضل توانائی بچے کے جسم کو نقصان پہنچا سکتی ہے، جیسا کہ فالتو بھاپ انجن کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔

✽ کھیل، بچے کو مستقبل میں بالغ زندگی کی ذمے داریوں کو پورا کرنے کی مشق فراہم کرتا ہے۔ بچیاں، گڑیوں کے کھیل سے امور خانہ داری کی انجام دہی کا سلیقہ سیکھتی ہیں اور بچے، مختلف کھیلوں سے مختلف ذمے داریوں کو ادا کرنے کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔

✽ گڑیاں ایسی نہ ہوں کہ جو بچیوں کو بے حیائی کی طرف لے جائیں اور ان کے چہرے کے نقوش ختم کر دیں۔

✽ بچے کی اپنی کچھ الجھنیں اور پریشانیاں ہوتی ہیں۔ اس کے بہت سے جہلی

تقاضے پورے نہیں ہو پاتے۔ جس کی بنا پر وہ کلفت و اضطراب محسوس کرتا ہے۔ کھیل کود کے ذریعے بچے کے مجروح جذبات کی تسکین ہوتی ہے اور اس کو ذہنی کلفتوں سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے۔

✽ نشوونما کے مختلف مراحل پر بچے کا ذہن اور جسم مختلف تقاضے کرتے ہیں۔ کھیل کود سے ان تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہے۔

✽ بچے میں رشک و رقابت اور مقابلہ و مسابقت کے جذبات و دافعت ہیں۔ کھیل سے ان جذبات کی بھرپور تسکین ہوجاتی ہے۔ دیگر صورت میں یہ جذبات غلط رخ اختیار کر کے بری عادتوں کا پیش خیمہ بن سکتے ہیں۔

✽ انسان ترقی کر کے جس مقام پر پہنچ سکا ہے، اس کے لئے اسے مختلف مراحل و تجربات سے گزرنا پڑا ہے۔ مٹی کے برتن بنانا، لکڑی کے تیر کمان بنانا، بھاگنا دوڑنا، بیڑ پر چڑھنا، جنگل میں گھومنا پھرنا، شکار کرنا، گھر گھر وندے بنانا وغیرہ نہ صرف ماضی کی یادیں ہیں، بلکہ انسان کے ابتدائی تجربات اور ارتقائی مراحل ہیں۔ بچہ کھیل کے ذریعے انہیں تجربات و مراحل سے گزر کر اپنی شخصیت کو سنوارتا ہے۔

✽ بچے میں بہت سی تخلیقی صلاحیتیں فطری طور پر موجود ہوتی ہیں۔ انہیں تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار اور ان کو پروان چڑھانے کے لئے بچہ متنوع قسم کے کھیل کھیلتا ہے۔

مذکورہ توجہات سے پوری گنجائش کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ بقدر ضرورت، جائز کھیل بچے کے لئے اسی طرح ضروری ہے، جس طرح غذا اور پانی۔ کھیل سے کیا کیا فائدے ہیں؟ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل وضاحت سے لگا سکتے ہیں۔^۲

جسمانی صحت کے لئے کھیل بہت مفید ہے۔ کھیل سے جسمانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ بدن چست اور پھرتلا رہتا ہے، کووے پھاندنے، چڑھنے اترنے،

کرنے سنبھلنے اور دوڑنے اچھلنے سے اعتنا کھلتے ہیں، ان میں توازن و تناسب پیدا ہوتا ہے، دوران خون، عمل انہضام درست رہتا ہے، فضلہ اور زہریلا مادہ پسینے کی شکل میں اچھی طرح خارج ہوتا رہتا ہے، اعصاب و عضلات مضبوط اور کشادہ ہوتے ہیں، پیاریوں کے مقابلے کے لئے قوت مدافعت پیدا ہوتی ہے۔ کھلاڑی بچوں کی جسمانی نشوونما ان بچوں کے مقابلے میں بہت بہتر ہوتی ہے، جنہیں کھیل کے مواقع میسر نہیں آتے۔

ذہنی فائدے

کھیل سے ذہنی نشوونما میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ صحت مند دل و دماغ، صحت مند جسم ہی میں پروان چڑھ سکتا ہے۔ بیمار اور مریل جسم میں صحت مند دل و دماغ کا تصور کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ اگر کھیل جسمانی صحت پر اچھے اثرات ڈالتا ہے تو ذہنی صلاحیتوں پر بھی اچھے اثرات مرتب کرتا ہے۔ چیزوں کو توڑنے، جوڑنے اور بنانے بگاڑنے سے بچوں کو نئے نئے تجربات حاصل ہوتے ہیں، ان کے اندر ایجاد و اختراع کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ مختلف کھیلوں میں بچے کو مختلف حالات اور قسم قسم کے ہم عمروں اور ساتھیوں سے سابقہ پڑتا ہے، ان سب سے نبرد آزما ہونے کے لئے بچوں میں بروقت فیصلہ اور اقدام کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ کھیل کے دوران ان کو مختلف معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ اپنے ساتھیوں سے جب دو تبادلہ خیال کرتے ہیں تو ان کے ذہن کی گہری کھلتی ہیں اور گنگلو کا طریقہ آتا ہے۔

کھیل کے دوران اپنی جیت پر توجہ مرکوز کیے رہنے سے ان میں توجہ و انتہاک اور کسی بلند مقصد کے لئے اپنی قوتوں کو مرکوز کر دینے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ بہت سے بچوں کے جملے تقاضے گھریلو زندگی میں پورے نہیں ہو پاتے۔ جس کی وجہ

ہے ان کے ذہن پر ایک دباؤ سارہتا ہے۔ کھیل کے ذریعے ذہنی دباؤ اور الجھن دور ہو جاتی ہے اور نہیں فرحت و انبساط محسوس ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ نئے بچوں، نئے طور و طریقوں اور نئے نئے خیالات سے فیض یاب ہو کر بچہ ذہنی بلوغ کی شاہراہ پر گامزن ہونے لگتا ہے۔

جذباتی فائدے

جسمانی و ذہنی فوائد کے ساتھ کھیل سے بہت سے جذباتی فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ بچوں کے جذبات کو تعمیری رخ نصیب ہوتا ہے، ان کے جلی تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہے، ان کے جذبات غلط سمت اختیار نہیں کر پاتے۔ کھیل سے ان کی جذباتی زندگی میں توازن اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ بگڑا ہوا اگلو تا بچہ جب کھیل کے میدان میں داخل ہوتا ہے تو اسے جلد ہی یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ دنیا میں دوسرے بچوں کی خواہشیں اور مطالبے بھی اتنے ہی اہم ہیں، جتنے اہم اس کے مطالبات ہیں اور اگر وہ گھر کی طرح غصہ ضد بد مزاجی اور چیز چڑے پن سے کام لے گا تو کوئی بھی اسے اپنے ساتھ نہیں کھیلنے دے گا۔ چنانچہ اسے جلد ہی اپنے زوالے انداز کو ترک کر کے باہمی تعاون کی عادت ڈالنی پڑتی ہے۔

بعض گھرانوں کا خشک، اکتا دینے والا ماحول بچوں کی جذباتی تربیت پر جو غلط اثر ڈال سکتا ہے، اس کی تلافی بھی کھیل کے ذریعے بہ آسانی ہو سکتی ہے۔ کھیل کے خوش آئند پہلو، بچوں میں افسردہ ولی و احساس کستری کو جز نہیں پکڑنے دیتے بلکہ خوش مزاجی و خود اعتمادی کا سبب بنتے ہیں۔^۱

بچوں کی تربیت دینے کا انداز

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت علی

۱۔ بچوں کی تربیت کیسے کریں ص ۱۳۷ تا ۱۳۸

رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صاحبزادے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کہ ابھی بچے ہی تھے، ایک مرتبہ صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لی، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فوراً فرمایا: ”کھج کھج“ (عربی میں یہ لفظ ایسا ہے، جیسے ہماری زبان میں ”تھو تھو“ کہتے ہیں۔ یعنی اگر بچہ کوئی چیز منہ میں ڈال دے، یعنی اس کی (برائی) کے اظہار کے ساتھ وہ چیز اس کے منہ سے نکلوانا مشہور ہو تو یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کھج کھج“ یعنی اس کو منہ سے نکال کر پھینک دو۔) ”کیا تمہیں معنوم نہیں کہ ہم یعنی بنو ہاشم صدقے کا مال نہیں کھاتے۔“^۱

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں اور ایسے محبوب نواسے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے، اس وقت حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں داخل ہو گئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور آگے بڑھ کر ان کو گود میں اٹھالیا۔^۲ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے کندھے پر سوار ہو گئے اور جب آپ سجدے میں جاتے لگے تو آپ نے ان کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر نیچے اتار دیا اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ ان کو گود میں لیے اور فرماتے:

﴿مُبَجَّلَةٌ وَمُجَبَّنَةٌ﴾^۳

ترجمہ: ”یہ اولاد ایسی ہے کہ انسان کو بخیل بھی بنا دیتی ہے اور بزدل

بھی بنا دیتی ہے۔“

۱۔ جامع اصول: ج ۳ ص ۲۵۷، رقم ۲۷۲۸

۲۔ مشکوٰۃ ما قبل البیت ج ۳ ص ۵۷۱

۳۔ ابن ماجہ ص ۲۶۹

ایک طرف تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اتنی محبت ہے، دوسری طرف جب انہوں نے نادانی میں ایک کھجور بھی منہ میں رکھ لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ وہ اس کھجور کو کھا جائیں۔ مگر چونکہ ان کو پہلے سے اس چیز کی تربیت دی گئی تھی، اس لئے فوراً وہ کھجور منہ سے نکالوائی اور فرمایا کہ یہ ہمارے کھانے کی چیز نہیں ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ بچے کی تربیت چھوٹی چھوٹی چیزوں سے شروع ہوتی ہے۔ اسی سے اس کا ذہن بنتا ہے اور اسی سے اس کی زندگی بنتی ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ آج کل یہ عجیب منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ ماں باپ کے اندر بچوں کو غلط باتوں پر نوکے کا رواج ہی ختم ہو گیا ہے، آج سے پہلے بھی ماں باپ بچوں سے محبت کرتے تھے، لیکن وہ غفل اور تدبیر کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ آج کل یہ محبت اور لاڈ اس درجے تک پہنچ چکا ہے کہ بچے کتنے ہی غلط کام کرتے رہیں، غلط حرکتیں کرتے رہیں، لیکن ماں باپ ان غلطیوں پر نوکے ہی نہیں، ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نادان بچے ہیں، ان کو ہر قسم کی چھوٹ ہے، ان کی روک ٹوک کرنے کی ضرورت نہیں۔ ارے بھائی! یہ سوچو کہ اگر وہ بچے نادان ہیں، مگر ہم (ماں باپ) تو نادان نہیں ہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی تربیت کریں، اگر کوئی بچہ ادب، تمیز یا شریعت کے خلاف کوئی غلط کام کر رہا ہے تو اس کو بتانا ماں باپ کے ذمے فرض ہے، اس لئے کہ وہ بچہ اسی طرح بد تربیت بن کر بڑا ہو گیا تو اس کا وبال والدین پر ہے کہ انہوں نے اس کو ابتداء سے اس کی عادت نہیں ڈالی۔ بہر حال! اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کی چھوٹی چھوٹی حرکتوں کو بھی نگاہ میں رکھیں۔

کھانا کھانے کا ایک ادب

حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جو ام المؤمنین ہیں، ان کے پہلے شوہر سے یہ صاحب زادے پیدا ہوئے تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا تو یہ ان کے ساتھ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے، اس لئے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب یعنی سوتیلے بیٹے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بڑی محبت و شفقت فرمایا کرتے تھے اور ان کے ساتھ بڑی بے تکلفی کی باتیں کیا کرتے تھے۔

وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت میں چھوٹا بچہ تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر پرورش تھے، ایک روز کھانا کھاتے ہوئے میرا ہاتھ پیالے میں اڑھ اڑھ حرکت کر رہا تھا یعنی کبھی ایک طرف سے لقمہ اٹھایا، کبھی دوسری طرف سے اور کبھی تیسری طرف سے لقمہ اٹھالیا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس طرح کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اے لڑکے! کھانا کھاتے وقت "بِسْمِ اللّٰہ" پڑھو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور برتن کا جو حصہ تمہارے سامنے ہے، وہاں سے کھاؤ، اوھر اوھر سے ہاتھ بڑھا کر کھانا ٹھیک نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو دیکھ کر اس پر تنبیہ فرماتے اور صحیح ادب سکھاتے۔

ایک اور صحابی حضرت عکراش بن زویب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جب کھانا سامنے آیا تو میں نے یہ حرکت شروع کی کہ ایک نوالہ اوھر سے لیا اور دوسرا نوالہ اوھر سے لے لیا

اور اس طرح برتن کے مختلف حصوں سے کھانا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے عکراش! "سُكَلٌ مِنْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ فَإِنَّهُ طَعَامٌ وَاحِدٌ" "ایک جگہ سے کھاؤ، اس لئے کہ کھانا ایک جیسا ہے"، دوسرا دھر سے کھانے سے بدتہذیبی بھی معلوم ہوتی ہے اور بے ادبی بھی ظاہر ہوتی ہے، اس لئے ایک جگہ سے کھاؤ۔ حضرات عکراش فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ سے کھانا شروع کر دیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک بڑا اقبال لایا گیا، جس میں مختلف قسم کی کھجوریں بکھری ہوئی تھیں۔ مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا ہوا چھاپچھ کو بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے فرما چکے تھے کہ ایک جگہ سے کھاؤ، اس لئے میں نے وہ کھجوریں ایک جگہ سے کھانی شروع کر دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک طرف سے کھجور اٹھاتے، کبھی دوسری طرف سے اٹھاتے اور مجھے جب ایک طرف سے کھاتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اے عکراش! "سُكَلٌ مِنْ خِيْطٍ بَشْتٍ فَإِنَّهُ غَيْرُ لَوْحٍ وَاحِدٍ" "تم جہاں سے چاہو کھاؤ، اس لئے کہ یہ مختلف قسم کی کھجوریں ہیں۔" اب اگر ایک طرف سے کھاتے رہے، پھر دل تمہارا دوسری قسم کی کھجور کھانے کو چاہ رہا ہے تو ہاتھ بڑھا کر وہاں سے کھجور اٹھا کر کھاؤ۔

گویا کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ادب سکھایا کہ اگر ایک ہی قسم کی چیز ہے تو پھر صرف اپنی طرف سے کھاؤ اور اگر مختلف قسم کی چیزیں ہیں تو دوسری اطراف سے بھی کھا سکتے ہو۔ اپنی اولاد اور اپنے صحابہ کی ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ تھی۔ یہ سارے آداب خود بھی سیکھنے کے ہیں اور اپنے گھر والوں کو بھی سکھانے کے ہیں، یہ اسلامی آداب ہیں، جن سے اسلامی معاشرہ ممتاز ہوا ہے۔

سات سال سے پہلے تعلیم

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں، یعنی سات سال کی عمر سے تاکید کرنا شروع کر دو اور جب دس سال کی عمر ہو جائے اور پھر بھی نماز نہ پڑھے تو اس کو نماز نہ پڑھنے پر مارو اور دس سال کی عمر میں بچوں کے بستر الگ الگ کر دو، ایک بستر میں دو بچوں کو نہ سلاؤ۔

اس حدیث میں پہلا حکم یہ دیا کہ سات سال کی عمر سے نماز کی تاکید شروع کر دو، اس سے معلوم ہوا کہ سات سال سے پہلے اس کو کسی چیز کا مکلف کرنا مناسب نہیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب تک بچے کی عمر سات سال تک نہ پہنچ جائے، اس پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے، جیسے کہ بعض لوگ سات سال سے پہلے روزہ رکھوانے کی فکر شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت تھانوی اس کو پسند نہ فرماتے تھے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میاں تو سات سال سے پہلے نماز پڑھانے کو نہیں کہہ رہے ہیں، مگر تم سات سال سے پہلے اس کو روزہ رکھوانے کی فکر میں ہو، یہ ٹھیک نہیں۔ اسی طرح سات سال سے پہلے نماز کی تاکید کی کوشش بھی درست نہیں۔ اسی لئے کہا گیا کہ سات سال سے کم عمر کے بچے کو مسجد میں لانا ٹھیک نہیں۔ البتہ کبھی کبھار بچے کو تھوڑا تھوڑا مانوس کرنے کے لئے مسجد میں لاسکتے ہیں، لیکن اسی شرط پر کہ مسجد کو گندگی وغیرہ سے ملوث نہیں کرے گا، لیکن سات سال سے پہلے اس پر باقاعدہ بوجھ ڈالنا درست نہیں۔

بلکہ ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ سات سال سے پہلے تعلیم کا بوجھ ڈالنا بھی

مناسب نہیں۔ سات سال سے پہلے کھیل کود کے اندر اس کو پڑھا دو، لیکن باقاعدہ اس پر تعلیم کا بوجھ ڈالنا اور باقاعدہ اس کو طالب علم بنادینا ٹھیک نہیں۔ آج کل ہمارے یہاں یہ وہا ہے کہ بچہ بس تین سال کا ہوا تو اس کو پڑھانے کی فکر شروع ہوگئی، یہ غلط ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب وہ تین سال کا ہو جائے تو اس کو گھر کی تعلیم دے دو۔ اس کو اللہ و رسول کا کلمہ سکھا دو، اس کو کچھ دین کی باتیں سمجھا دو اور یہ کام گھر میں رکھ کر جتنا کر سکتے ہو کر لو۔ باقی اس کو مکلف کر کے باقاعدہ ایسی نرسری اور کنڈرگارڈن میں بھیجنا، جو اس پر کتابوں کا..... ٹیوشن کا..... اور رات دیر تک ہوم ورک کرنے کا..... بوجھ لا دے، یونیفارم کی پابندی کرادے اور اسے ضابطے کا طالب علم بنادے، اچھا نہیں۔

بچوں کو مارنے کی حد

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ استاد کے لئے یا ماں باپ کے لئے بچے کو اس حد تک مارنا جائز ہے جس سے بچے کے جسم پر مار کا نشان نہ پڑے۔ آج کل یہ جو بے تحاشہ مارنے کی ریت، رواج ہے یہ کسی طرح بھی جائز نہیں اور بعض اوقات اس مار پٹائی میں خون نکل آتا ہے، زخم ہو جاتا ہے یا نشان پڑ جاتا ہے، یہ عمل اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس گناہ کی معافی کی کیا شکل ہوگی؟ اس لئے کہ اس گناہ کی معافی کس سے مانگے؟ اگر بچے سے مانگے تو وہ نابالغ بچہ معاف کرنے کا اہل نہیں ہے، اس لئے کہ اگر نابالغ بچہ معاف بھی کر دے تو شرعاً اس کی معافی کا اعتبار نہیں، یہ اتنا خطرناک گناہ ہے۔ اس لئے استاد اور ماں باپ کو چاہیے کہ وہ بچے کو اس طرح نہ مارے کہ اس سے زخم ہو جائے یا نشان پڑ جائے، البتہ ضرورت کے تحت جہاں مارنا ناگزیر ہو جائے، صرف اس وقت با مجبوری اور بقدر ضرورت مارنے کی اجازت دی گئی

ہے۔

اس کے لئے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب نسخہ بتایا ہے اور ایسا نسخہ وہی بنا سکتے تھے، یاد رکھنے کا ہے۔

فرماتے تھے کہ جب کبھی اولاد کو مارنے کی ضرورت محسوس ہو یا اس پر غصہ کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو جس وقت غصہ آ رہا ہو، اس وقت نہ مارو، بلکہ بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت مصنوعی غصہ پیدا کر کے مار لو، اس لئے کہ اگر طبعی غصہ کے وقت مارو گے تو پھر حد پر قائم نہیں رہو گے، بلکہ حد سے تجاوز کر جاؤ گے، اور چونکہ ضرورتاً مارنا ہے، اس لئے مصنوعی غصہ پیدا کر کے پھر مار لو تا کہ اصل مقصد بھی حاصل ہو جائے اور حد سے گزرنا بھی نہ پڑے۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ساری عمر اس پر عمل کیا کہ طبعی غصے کے وقت نہ کسی کو مارا اور نہ ڈالنا، پھر جب غصہ ٹھنڈا ہو جاتا تو اس کو بلا کر مصنوعی قسم کا غصہ پیدا کر کے وہ مقصد حاصل کر لیتا تا کہ حدود سے تجاوز نہ ہو جائے، کیونکہ غصہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں انسان اکثر و بیشتر حد پر قائم نہیں رہتا۔

بچوں کو تربیت دینے کا طریقہ

اسی لئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اصول بیان کرتے تھے، جو اگرچہ کلی اصول تو نہیں ہے، اس لئے کہ حالات مختلف بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اکثر و بیشتر اس اصول پر عمل کیا جاسکتا ہے کہ جس وقت کوئی شخص غلط کام کر رہا ہو، ٹھیک اس وقت میں اس کو سزا دینا مناسب نہیں ہوتا، بلکہ وقت پر ٹوکنے سے بعض اوقات نقصان ہوتا ہے، اس لئے بعد میں اس کو سمجھا دو یا سزا دیں ہو تو سزا دے دو، دوسرے یہ کہ ہر کام پر بار بار ٹوکتے رہنا بھی ٹھیک نہیں ہوتا، بلکہ ایک مرتبہ ٹھہا کر سمجھا دو کہ فلاں وقت تم نے یہ غلط کام کیا، فلاں وقت یہ غلط کیا اور پھر ایک مرتبہ جو سزا دینی

ہے، دے دو۔ واقعہ یہ ہے کہ غصہ ہر انسان کی جبلت میں داخل ہے اور یہ ایسا جذبہ ہے کہ جب ایک مرتب شروع ہو جائے تو بعض اوقات انسان اس میں بے قابو ہو جاتا ہے اور پھر حدود پر قائم رہنا ممکن نہیں رہتا، اس لئے اس کا بہترین علاج وہی ہے جو ہمارے حضرت تھانوی (اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے) نے فرمایا تھا۔^۱

بچے کو کیا کہہ کر پکارا جائے؟

بچوں کو یا تو ان کے پورے نام سے یا پھر بیٹا کہہ کر پیار و محبت سے پکارنا چاہئے یا ان جیسے اور پیارے انداز سے پکاریں کہ بچہ اس پکار کے لئے بے تاب رہے اور یہ پکار سنتے ہی وہ آپ کا ہر حکم بجالانے کے لئے تیار ہو۔ مثلاً کبھی پیار سے بیٹے کہہ کر خطاب کیا تو کبھی جان پدر کہہ کر، کبھی نور چشم کہہ کر تو کبھی فرزند کہہ کر۔

اس طرح پکارنے میں جو محبت و شفقت ہے اور اس کے سننے میں جو لطف ہے، وہ دنیا کے کسی اور لفظ میں حتیٰ کہ اصلی نام پکارنے میں بھی نہیں۔ اس کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے، جب دنیا میں اس طرح پکارنے والا کوئی نہ رہے تو ان الفاظ کو سننے کے لئے ترستے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح پکارنے میں اور اس کے بعد کی نصیحت میں جو اثر ہے، وہ کسی اور طرح خطاب کرنے میں نہیں۔ یہ پکار سنتے ہی بچے کا دل نرم پڑ جاتا ہے اور ہر نصیحت قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید پر نظر ڈالیں تو یہی نظر آتا ہے کہ جن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یا اولیاء نے اپنی اولاد کو نصیحت کی تو لفظ ”بُنی“ استعمال فرمایا۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما الصلوٰۃ والسلام کی جو اپنی اولاد کو نصیحت موجود ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿يٰٓبُنَيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكَ الدِّينَ فَلَا تَمُوْنُنْ اِلَّا وَاَنْتُمْ

۱۔ ماخوذ از اصلاحی خطبات: ج ۳ ص ۱۸

مُسْلِمُوْنَ

تَرْجُمَہ: ”اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے اس دین یعنی اسلام کو پسند فرمایا ہے، خبردار تم مسلمان ہی مرنے۔“

حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کو پکار کر فرمایا:

﴿يٰٓبُنَيَّ اَرْغَبُ مَعْنًا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِيْنَ﴾^۱

تَرْجُمَہ: ”اے میرے بیٹو! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ شامل نہ ہو۔“

یہ نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا، جس کا لقب کنعان اور نام بام تھا، اسے حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت دی کہ مسلمان ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ شامل رو کر غرق ہونے والوں میں سے مت ہو۔

یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیٹوں کو وصیت کی:

﴿يٰٓبُنَيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِقَةٍ﴾^۲

تَرْجُمَہ: ”اے بیٹو! تم سب شہر کے ایک دروازے سے داخل نہ ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہونا۔“

حضرت لقمان علیہ السلام نے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿يٰٓبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾^۳

۱۔ سورہ بقرہ آیت ۱۳۲

۲۔ سورہ ہود آیت ۳۲

۳۔ کشف الرحمن: ۱۳۵۲/۲

۴۔ سورہ یوسف آیت ۶۷

۵۔ کشف الرحمن: ۱۵۱۴/۲

۶۔ سورہ لقمان آیت ۱۳

تَرْجُمَہ: ”اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایو۔
بلاشبہ شرک کرنا بڑا ہی ظلم ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی سب سے پہلی وصیت یہ نقل فرمائی کہ انہوں
نے اپنے بیٹے کو شرک سے منع فرمایا، جس سے یہ واضح ہوا کہ والدین کے لئے
ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو شرک سے بچانے کی سب سے زیادہ کوشش کریں۔
دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿يُنِىْ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ
عَلٰى مَا اَصَابَكَ طَا اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْر﴾ ۱۷

تَرْجُمَہ: ”اے میرے پیارے بیٹے! نماز قائم رکھنا اور اچھے کاموں کی
نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تم پر
آجائے، صبر کرنا۔ یقیناً مان! یہ کام بڑی ہمت کے کاموں میں سے
ہے۔“

ان تمام مقامات پر ذرا غور کیجئے، اولاد کو صرف ابن (بیٹا) کہہ کر ہی مخاطب
نہیں کیا بلکہ ”بیٹی“ کا لفظ استعمال فرمایا، جو تصغیر (چھوٹا پن) کے لئے استعمال ہوتا
ہے اور اس میں زیادہ شفقت و محبت ہے۔ اسی محبت و شفقت کا اثر ہے کہ وہ نصیحت
جو باپ کی زبان سے نکلی، بیٹے کے دل میں اترتی چلی گئی۔ اولاد نے اسے اپنی گھٹی
میں باندھ لیا۔ اسی سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کے
ایک وعظ ”اولاد کی تربیت“ سے ہم چند چیزیں نقل کرتے ہیں۔

لفظ ”بیٹا“ ایک شفقت بھرا خطاب

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنے وعظ ”اولاد کی

تربیت“ میں فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ
اسنے بڑے عالم اور فقیہ تھے، ہم نے تو ان کو اس وقت دیکھا تھا، جب پاکستان میں تو
کیا، ساری دنیا میں علم و فضل کے اعتبار سے ان کا ثانی نہیں تھا۔ ساری دنیا میں ان
کے علم و فضل کا لوہا مانا جاتا تھا، کوئی ان کو ”شیخ الاسلام“ کہہ کر مخاطب کرتا، کوئی ان کو
”علامہ“ کہہ کر مخاطب کرتا، بڑے تعظیمی القاب ان کے لئے استعمال کیئے جاتے
تھے، کبھی کبھی وہ ہمارے گھر تشریف لاتے تھے، اس وقت ہماری داوی بقید حیات
تھیں، ہماری داوی صاحبہ رشتے میں حضرت علامہ کی ممانی لگتی تھیں، اور اس لئے وہ
ان کو ”بیٹا“ کہہ کر پکارتی تھیں، اور ان کو دعا دیتی تھیں کہ ”بیٹا جیتے رہو“۔ جب ہم ان
کے منہ سے یہ الفاظ اتنے بڑے علامہ کے لئے سنتے، جنہیں دنیا ”شیخ الاسلام“ کے
لقب سے پکار رہی تھی تو اس وقت ہمیں بڑا عجیب سا لگتا تھا، لیکن علامہ عثمانی رحمۃ اللہ
علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت مفتی صاحب (مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ
تعالیٰ) کے گھر میں دو مقصد سے آتا ہوں۔

ایک یہ کہ حضرت مفتی صاحب سے ملاقات، دوسرے یہ ہے کہ اس وقت
روسے زمین پر مجھے ”بیٹا“ کہنے والا سوائے ان خاتون کے کوئی اور نہیں ہے، صرف یہ
خاتون مجھے بیٹا کہہ کر پکارتی ہیں، اس لئے میں بیٹا کا لفظ سننے کے لئے آتا ہوں،
اس کے سننے میں جو لطف اور پیار محسوس ہوتا ہے، وہ مجھے کوئی اور لقب سننے میں
محسوس نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کی قدر اس شخص کو ہوتی ہے جو اس کہنے والے کے
جذبے سے آشنا ہو، وہ اس کو جانتا ہے کہ مجھے یہ ”بیٹا“ کہہ کر پکارا جا رہا ہے، یہ
کتنی بڑی نعمت ہے، ایک وقت ایسا آتا ہے، جب انسان یہ لفظ سننے کو ترس جاتا
ہے۔

چنانچہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ”بیٹا“

الَّذِينَ آمَنُوا" کا خطاب کر کے اس رشتے کا حوالہ دیتے ہیں، جو ہر صاحب ایمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ماں باپ اپنے بیٹے کو "میتا" کہہ کر پکارے، اور اس لفظ کو استعمال کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آگے جو بات باپ کہہ رہا ہے، وہ شفقت، محبت اور خیر خواہی سے بھری ہوئی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ ان الفاظ سے مسلمانوں کو خطاب فرما رہے ہیں۔ انہی جگہوں میں سے ایک جگہ یہ ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَبَفَعَلُوا مَا يَأْمُرُونَ﴾

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ وہ آگ کیسی ہے؟ آگے اس آگ کی عفت بیان فرمائی کہ اس آگ کا ایندھن، لکڑیاں اور کوئلے نہیں ہے، بلکہ اس آگ کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، اور اس آگ کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے غلیظ (سخت) اور تند خو ہیں، سخت مزاج ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو جس بات کا حکم دیتے ہیں، وہ اس حکم کی کبھی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔"

ذاتی عمل نجات کے لئے کافی نہیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ بات صرف یہاں تک ختم نہیں ہوئی کہ بس اپنے کو آگ سے بچا کر بیٹھ جاؤ، اور اس سے مطمئن ہو جاؤ کہ بس میرا کام

ہو گیا، بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی آگ سے بچانا ضروری ہے۔ آج یہ منظر بکثرت نظر آتا ہے کہ آدمی اپنی ذات میں بڑا دین دار ہے، نمازوں کا اہتمام ہے، صف اول میں حاضر ہو رہا ہے، روزے رکھ رہا ہے، زکوٰۃ ادا کر رہا ہے، اللہ کے راستے میں مال خرچ کر رہا ہے، اور جتنے اوامر و نواہی ہیں، ان پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن اس کے گھر کو دیکھو، اس کی اولاد کو دیکھو، بیوی بچوں کو دیکھو تو ان میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے، یہ کہیں جارہا ہے، وہ کہیں جارہے ہیں، اس کا رخ مشرق کی طرف ہے، ان کا رخ مغرب کی طرف ہے، ان میں نماز کی فکر ہے، نہ فرائض دینیہ کو بھلانے کا احساس ہے، اور نہ ہی گناہوں کو گناہ سمجھنے کی فکر ہے، بس گناہوں کے سیلاب میں بیوی بچے بہہ رہے ہیں، اور یہ صاحب اس پر مطمئن ہیں کہ میں صف اول میں حاضر ہوتا ہوں، اور باجماعت نماز ادا کرتا ہوں، خوب سمجھ لیں۔ جب اپنے گھر والوں کو آگ سے بچانے کی فکر نہ ہو، خود انسان کی اپنی نجات نہیں ہو سکتی، انسان یہ کہہ کر جان نہیں بچا سکتا کہ میں تو خود اپنے عمل کا مالک تھا، اگر اولاد دوسری طرف جارہی تھی تو میں کیا کرتا، اس لئے کہ ان کو بچانا بھی تمہارے فرائض میں شامل تھا، جب تم نے اس میں کوتاہی کی تو اب آخرت میں تم سے مواخذہ ہوگا۔

اگر اولاد نہ مانے تو!

اس آیت میں قرآن کریم نے فرمایا کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ، درحقیقت اس میں ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا، جو شبہ عام طور پر ہمارے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ شبہ یہ ہے کہ آج جب لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی اولاد کو بھی دین کی تعلیم دو، حافظ قرآن بناؤ، عالم دین بناؤ، کچھ دین کی باتیں ان کو بھی سکھاؤ، ان کو دین کی طرف لاؤ، گناہوں سے بچانے کی فکر کرو، تو اس کے جواب میں عام طور پر بکثرت لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اولاد کو دین کی طرف

لانے کی بڑی کوشش کی، مگر کیا کریں کہ ماحول اور معاشرہ اتنا خراب ہے کہ بڑی بچوں کو بہت سمجھایا، مگر وہ مانتے نہیں ہیں اور زمانے کی خرابی سے متاثر ہو کر انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کر لیا ہے، اور اس راستے پر جا رہے ہیں۔ اور راستہ بدلنے کے لئے تیار نہیں ہیں، اب ان کا عمل ان کے ساتھ ہے ہمارا عمل ہمارے ساتھ ہے، اب ہم کیا کریں۔

دنیاوی آگ سے کس طرح بچاتے ہو؟

چنانچہ قرآن کریم نے اس آیت میں "فاد" یعنی "آگ" کا لفظ استعمال کر کے اس اشکال اور شبہ کا جواب دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ بات ویسے اصولی طور پر تو ٹھیک ہے کہ اگر ماں باپ نے اولاد کو بے دینی سے بچانے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کر لی ہے تو ان شاء اللہ ماں باپ بری الذمہ ہو جائیں گے اور اولاد کے کیئے کا وبال اولاد ہی پر پڑے گا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ماں باپ نے اولاد کو بے دینی سے بچانے کی کوشش کس حد تک کی ہے؟ اور کس درجے تک کی ہے؟

قرآن کریم نے "آگ" کا لفظ استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ماں باپ کو اپنی اولاد کو گناہوں سے اس طرح بچانا چاہیے، جس طرح ان کو آگ سے بچاتے ہیں۔

فرض کریں کہ ایک بہت بڑی خطرناک آگ سلگ رہی ہے، جس آگ کے بارے میں یقین ہے کہ اگر کوئی شخص اس آگ کے اندر داخل ہو گیا تو زندہ نہیں بچے گا، اب آپ کا نادان بچہ اس آگ کو خوش منظر اور خوبصورت سمجھ کر اس کی طرف بڑھ رہا ہے، اب ہاتھ تم اس وقت کیا کرو گے؟

کیا تم اس پر اکتفاء کرو گے کہ دور سے بیٹھ کر بچے کو نصیحت کرنا شروع کر دو کہ بیٹا! اس آگ میں مت جانا۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہوئی ہے۔ اگر جاؤ گے تو جل جاؤ

گے اور مر جاؤ گے۔ کیا کوئی ماں باپ صرف زبانی نصیحت پر اکتفاء کریں گے؟ اور اس نصیحت کے باوجود اگر بچہ اس آگ میں چلا جائے تو کیا وہ ماں باپ یہ کہہ کر بڑی الذمہ ہو جائیں گے کہ ہم نے تو اس کو سمجھا دیا تھا، اپنا فرض ادا کر دیا تھا، اس نے نہیں مانا اور خود ہی اپنی مرضی سے آگ میں کود گیا تو کیا کروں؟ دنیا میں کوئی ماں باپ ایسا نہیں کریں گے اگر وہ اس بچے کے حقیقی ماں باپ ہیں۔ تو اس بچے کو بچانے کے لئے زبانی جمع خرچ کو کافی کیوں سمجھتے ہو؟ لہذا یہ سمجھنا کہ ہم نے انہیں سمجھا کر اپنا فرض ادا کر لیا، یہ بات آسانی سے کہنے کی نہیں ہے۔

اللہ کے واسطے جابر و حاکم باپ نہ بنیے.....

باپ کی مثال بچے کے لئے ٹھنڈی چھائوں کی ہے۔ اولاد کو اگر کسی پر مکمل اعتماد ہے تو وہ باپ ہی ہے۔ اولاد اگر مخلوق میں کسی کو قوی اور طاقتور سمجھتی ہے تو وہ باپ کی ذات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غریب سے غریب اور کمزور سے کمزور آدمی کا بچہ بھی جب کسی بچے سے لڑتا ہے اور خود کو کمزور محسوس کرتا ہے یا کسی کو اپنے اوپر ظلم کرتا ہوا دیکھتا ہے تو کہتا ہے: "میں اپنے ابو سے کہہ دوں گا"۔ اسی طرح بچہ سب سے مالدار اپنے ہی باپ کو سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر پسندیدہ چیز کے لئے ضد کرتا ہے، وہ باپ کی مجبوریوں کو نہیں جانتا۔

برائے مہربانی ان پھول جیسے بچوں کی معصوم خواہشات کو اپنی سخت مزاحمت اور بد اخلاقی سے پامال نہ کیجیے کہ گھر میں داخل ہوتے ہی چیخا چلانا شروع کر دیں اور جو معصوم بچے آس لگائے بیٹھتے تھے کہ ابو آئیں گے تو ہمارے لئے کوئی کھانے کی چیز لائیں گے..... ہمیں کہیں گھمانے لے کر جائیں گے..... وغیرہ ان کی امیدوں پر آپ پانی پھیر دیں اور وہ بیچارے خوف کے مارے خاموشی سے ایک کونے میں جا

چھپیں۔ اسی طرح اگر بچے کی کسی غلطی پر آپ یوں کہیں کہ اگر اب کے تم نے یوں کیا تو یہ کتنی بار سمجھایا ہے تجھے مگر تو؟

تو یہ بچے آپ کو بجائے مصلح اور مشفق سمجھنے کے ظالم سمجھے گا اور اگر آپ کا رویہ مستقل اسی طرح رہا تو آئندہ اس کے بہت ہی بھیانک نتائج برآمد ہوں گے۔ کئی ایسے واقعات ہمارے مشاہدے میں آئے ہیں کہ اولاد اس ظالمانہ رویہ کی وجہ سے باپ سے باغی ہوئی اور دل میں باپ کے لئے اس قدر نفرت رکھتی ہے کہ ان کا بس چلے تو باپ کو قاضی کے سامنے عدالت میں پیش کریں۔

نواز پانچ سال کا ایک بہت ہی پیارا بچہ تھا۔ اس کی بھی خواہش تھی کہ اس کا باپ اسے پیار کرے، اس سے محبت اور شفقت سے بات کرے، اسے اپنے ساتھ گھمانے لے جائے، اس کی پسند کی چیزیں دلائے، جس طرح دوسرے بچوں کو ان کے ابو دلاتے ہیں، مگر بد قسمتی سے اس کا باپ بہت ہی سخت گیر اور بداخلاق واقع ہوا تھا۔ کام سے واپس گھر آتے ہی اگر نواز ابو کو کہہ کر قریب جاتا تو باپ فوراً جھٹک دیتا۔ دور رہو، کیا چپکے چلے جا رہے ہو، ایک تو کام کی تھکن اوپر سے تم ہو کہ چپکے چلے جا رہے ہو۔ نواز بے چارہ چپکے سے دور ہٹ جاتا، کبھی وہ قریب چلا گیا تو فوراً جھڑکی مٹائی، ہاتھ دور رکھو، میرے کپڑے خراب کر دو گے۔ اس معصوم بچے کو کسی کام کا کہہ دیا، اس میں معمولی کوتاہی پر اس قدر چیخا کہ پورے گھر میں ایک ہنگامہ مچ جاتا، اوپر سے ظلم یہ کہ اس کے کان اس قدر کھینچتا کہ سرخ ہو جاتے۔

زندگی کے دن گزرتے گئے، نواز بڑا ہوتا گیا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ نواز کے دل میں باپ کی نفرت بھی بڑھتی گئی۔ آج نواز چھبیس سال کا نوجوان ہے، لیکن باپ کے لئے اس کے دل میں محبت کی کوئی رقی نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر اللہ رب العزت کا خوف اور دنیا کی رسوائی کا ڈر نہ ہوتا تو میں وہ کچھ جہالت کے کام کر لیتا، جو انسانی وہم و گمان میں بھی نہیں آتا۔ اس لئے اللہ کے واسطے بچوں کے ساتھ نرمی و

شفقت و رحمت بھرے رعب کا مظاہرہ کیجئے۔

اگر آپ گھر میں داخل ہوں اور بچوں یا اہلیہ کی کسی بات پر غصہ آئے تو صبر کیجئے اور غصہ ختم ہونے کے بعد نرمی سے سمجھائیے، آپ کا یہ تھوڑا سا صبر آپ کے بچوں کو کئی گنا شاکر بنادے گا۔

جب بھی دفتر یا دکان سے گھر آئیں تو بچوں کے لئے ضرور کوئی چیز لائیں اور پیار و محبت سے انہیں کھلائیں یا تقسیم کریں، ان سے خوب پیار و محبت کا اظہار کریں کہ بچے آپ کے آنے کا انتظار کریں اور آپ کے لئے دعا کریں، یہ گندے ہیں اور ان کی والدہ کسی کام میں مشغول ہے تو آپ ہی انہیں صاف کر دیجئے۔ اسی سلسلے میں ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے، فرماتی ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ اسامہ بن زید کی ناک (کی ریشہ) صاف کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، میں نے کہا: (یا رسول اللہ!) مجھے اجازت دیں کہ میں صاف کر لوں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! اس سے محبت کرو کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔“

ہر مسلمان والد کو چاہئے کہ بچہ اگر کسی گندی حالت میں ہے تو خود ہی اٹھ کر اس کا منہ دھلا دے، اس کو اتھو صاف کپڑے پہنا دے، اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو زندہ کرنے کی نیت کر لے تو سونے پر سہاگہ ہے کہ بچے کی صفائی بھی ہوگی اور اہلیہ بھی خوش ہوگی کہ میرا شوہر کتنے اچھے اخلاق کا حامل ہے کہ جہاں اس بچے کو وہ میرا بچہ سمجھ رہا ہے، وہاں دوسری ذمہ داریوں کے اعتبار سے خود اپنے کو بھی میرا شریک سمجھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی خوش ہو گئے کہ اس بندہ میں تواضع بھی ہے اور مسلمان معصوم بچے سے محبت بھی ہے کہ جب سردار دو جہاں حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم ایک بچے کے ناک کی ریشہ صاف کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو پھر میں کیا ہوں؟

اس سنت مبارکہ پر مسلمان شوہر عمل کرتے تو گھر کے بہت سے جھگڑے ختم ہو جائیں، اس لئے کہ میاں بیوی میں بہت سے جھگڑوں کا سبب یہ بنتا ہے کہ شوہر یہ کہتا ہے تم بچوں کا خیال نہیں رکھتیں۔ تم خود بھی گندی رہتی ہو اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کندہ رکھتی ہو۔ تم بچوں کو پڑھاتی نہیں ہو تم خود بھی ان پڑھ ہو اور بچوں کو بھی ان پڑھ بنادیتی ہو، وغیرہ۔۔۔۔۔

ان تمام حالتوں میں شوہر یہ سوچ لے کہ یہ سب کام، جس طرح میری بیوی (بچوں کی والدہ) کی ذمہ داری ہے، اسی طرح شوہر یعنی بچے کے والد کی بھی ذمہ داری ہے، معاشرے نے یا رواج نے فرق کر دیا ہے کہ بعض ذمہ داریاں صرف اور صرف ماں کی سمجھی جاتی ہیں، حالانکہ شرعاً اور اخلاقاً والد کی بھی ذمہ داریاں ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رات میں اپنی کسی ضرورت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (گھر کے اندر سے) اس حال میں تشریف لائے کہ کسی چیز کو اپنے ساتھ لپیٹے ہوئے تھے اور میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا چیز تھی، پھر جب میں اپنی ضرورت کو عرض کر چکا تو پوچھا کہ یہ کیا چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لپیٹ رکھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں کوکھوں پر تھے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو گود میں لے کر چادر سے لپیٹ رکھا تھا) اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں، تو بھی ان کو محبوب رکھ اور ہر اس شخص کو محبوب رکھ، جو ان دونوں

کو محبوب رکھے۔

اسی طرح حضرت ابی بربیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اتنے میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سرخ رنگ کی قمیصیں پہنے ہوئے چلتے ہوئے آئے (چونکہ بچے تھے اور صحیح طریقے سے چل نہیں سکتے تھے، اس لئے کبھی) گرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو منبر سے اترے اور ان دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا۔

دونوں جہانوں کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کے ساتھ کیسا مشفقانہ رویہ تھا۔ ہم اور آپ اسی مشفق اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنی ہیں، لہذا ہم پر لازم ہے کہ ان واقعات کو سامنے رکھ کر بچوں کے ساتھ شفقت و نرمی کا معاملہ کریں۔ بچے آپ سے ہر وقت ڈریں نہیں، گھر میں آپ کے داخل ہوتے ہی ادھر ادھر چھپ نہ جائیں، جیسے شیر اور ساتپ سے ڈرا جاتا ہے، کہیں بچے باپ سے اس طرح نہ ڈریں۔

اولاد پر جبر

اولاد جب بالغ ہو جائے تو کوشش کیجیے کہ ان پر کسی بھی معاملے میں جبر اور زبردستی کی نوبت نہ آئے۔ بلوغ سے پہلے جس حد تک ممکن ہو انہیں اپنی مرضی اور اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کیجیے، کبھی نرمی سے اور اگر ضرورت پڑے تو کبھی بقدر ضرورت سختی سے اس اسلامی رنگ میں رنگیے اور اپنے مزاج کے موافق ان کو دلائیں، لیکن بلوغ کے بعد جو بھی بات کہنی ہو یا ان سے جو بھی کام کرانا ہو تو

سَلَامٌ تَرْمِيْهِ اَبْوَابُ مَنَاقِبِ، مَنَاقِبُ اَبِي مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ (روضی اللہ تعالیٰ عنہما)؛

ترجمہ: ۲۱۸، ۲۱۹

سَلَامٌ اَيْنَا

نرمی سے کہیے اور ترغیبی انداز میں کہیے نہ کہ حکمانہ اس میں کئی فوائد ہیں، مثلاً ان کو آپ کی بات بری بھی محسوس نہیں ہوگی اور چونکہ نرمی سے کہی ہوئی بات زیادہ اثر رکھتی ہے، لہذا عمل بھی آکر لیں گے اور اگر خدا نخواستہ عمل نہ کریں تو باپ کی نافرمانی کا گناہ نہ ہوگا، جس کا انجام بڑا ہے۔ اسی لئے علماء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ باپ جب بالغ یا شادی شدہ اولاد کو کسی بات کے کرنے کا کہتا ہے تو اسے چاہیے کہ یوں نہ کہے کہ بیٹا یہ کام کر... کہ اس طرح کہنے میں اگر اس نے انکار کر دیا یا وہ کام نہ کیا تو گناہ گار ہوگا، جس کا سبب باپ کا یہ کہنا ہوا، بلکہ یوں کہے کہ بیٹا اگر یوں کر دو تو مناسب ہے یا یہ کام اس طرح کرنا چاہیے، یا بیٹا! اگر تم فلاں کام کرو تو اچھا ہے، اس صورت میں نہ کرنے پر بیٹا نافرمانی کا مرتکب نہ ہوگا۔

بحیثیت والد، سیرت ابراہیم علیہ السلام میں ہم ایک بات یہ بھی دیکھتے ہیں کہ انہوں نے بیٹے کو حکم دینے سے پیشتر ان سے مشورہ لیا۔

جب انہیں بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے بیٹے کو ذبح کے لئے تیار ہونے کا حکم دینے سے پہلے ان سے مشورہ کیا۔ اس بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿فَبَشِّرْهُ بِعَلِيمٍ حَلِيمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَسُئُ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَأْمُرُ ۝ ط ۝﴾

تو بشارت دی۔ پھر جب وہ (بچہ) اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ دوڑ وھوپ کے لائق ہو گیا تو اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا کہ تیری رائے کیا ہے؟

علامہ زکھشری نے تحریر کیا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشورہ اس لئے نہ کیا تھا کہ بیٹے کے مشورے کے مطابق طرز عمل اختیار کیا جائے، بلکہ ان کا مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آمدہ آزمائش کے متعلق پہلے سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے نفس کو آمادہ صبر کر کے مصیبت کا بوجھ ہلکا کر لیں، اور آزمائش کا مقابلہ اس انداز سے کریں کہ وہ پہلے ہی سے اس سے آشنا اور مانوس ہو چکے ہوں، نیز وہ بھی حکم ربانی کے لئے پہلے ہی سے آمادہ اطاعت ہو کر ثواب حاصل کریں۔

انہوں نے بیٹے سے اس لئے بھی رائے طلب کی تاکہ ذبح کیے جانے کا ہر ایک فیصلہ طبیعت پر گراں نہ گزرے۔

مزید براں ان کے اس طرز عمل سے مشورہ کرنا سنت (ابراہیمی) قرار پایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ تعمیر کریں، تو انہوں نے اس بارے میں بیٹے کو حکم دینے سے پہلے ان سے مشورہ کیا۔ صحیح بخاری میں ہے:

﴿ثُمَّ قَالَ: "يَا إِسْمَاعِيلُ! إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِأَمْرٍ"﴾

"پھر انہوں نے فرمایا: اے اسماعیل! یقیناً مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کرنے کا حکم دیا ہے۔"

﴿ثُمَّ قَالَ: "فَأَصْنَعْ مَا أَمَرْتُكَ بِهِ"﴾

"انہوں نے عرض کیا: آپ کے رب تعالیٰ نے جس کام کا آپ کو حکم دیا ہے، اس کو کر دیجیے۔"

﴿ثُمَّ قَالَ: "أَوْ تَعْبُدْنِي"﴾

"انہوں نے فرمایا: اور (کیا) تو میری اعانت کرے گا؟"

﴿قَالَ: "وَأَعِثْكَ"﴾

"انہوں نے عرض کی: اور میں آپ کی معاونت کروں گا۔"

﴿قَالَ: "إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَتْبِعَ هَاهُنَا بَيْتًا"﴾

"انہوں نے فرمایا: یقیناً مجھے اللہ تعالیٰ نے یہاں گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔"

اور صحیح بخاری میں ایک دوسری روایت میں ہے:

﴿فَقَالَ (إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ): يَا إِسْمَاعِيلُ! إِنَّ رَبَّكَ أَمَرَنِي أَنْ

أَتْبِعَ لَهُ بَيْتًا﴾

"انہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا: اے اسماعیل! درحقیقت تیرے

رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کا گھر تعمیر کروں۔"

﴿قَالَ: أَطِيعُ رَبَّكَ﴾

"انہوں نے عرض کی: اپنے رب کی اطاعت کیجیے۔"

﴿قَالَ: إِنَّهُ أَمَرَنِي أَنْ تَعْبُدَنِي عَلَيْهِ﴾

"انہوں نے فرمایا: یقیناً اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس بارے میں میری

اطاعت کرو۔"

﴿قَالَ: "إِذْنُ أَفْعَلُ" أَوْ كَمَا قَالَ﴾

"انہوں نے عرض کیا: پھر میں کروں گا۔"

اسی طرح بلوغ کے بعد اگر وہ کوئی کام اور پیشہ اپنی مرضی سے اپنے لئے پسند

کرے اور اسے اختیار کرنا چاہے اور وہ پیشہ اور کاروبار شرعاً ناجائز نہ ہو تو آپ اس پر

اپنی مرضی مسلط نہ کریں، بلکہ اس میں اس کی مدد کریں، اسے مشورہ دیں، ہاں اگر وہ

کام شرعاً ناجائز اور حرام ہے تو کسی بھی طرح اس کے کرنے کی اجازت نہ دیں۔ اللہ

تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں۔ صرف اولاد ہی نہیں، بلکہ حکم الہی کے مقابلے میں والدین کی بات پر بھی عمل نہ کیا جائے گا، اس بارے میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر الفاظ میں انتہائی جامع اور عمدہ ضابطہ بیان فرما دیا ہے:

﴿لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ لِلَّهِ الْمَعْرُوفِ﴾

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی (والی بات) میں کسی کی اطاعت نہیں،

درحقیقت اطاعت تو بھلائی (کی بات) میں ہے۔"

اسے خود اور اس کے دوستوں کے ذریعے سمجھائیں، اس پر اس کام کے دعویٰ،

اغروی نقصانات واضح کریں اور ہر ممکن کوشش کر کے اسے اس کام سے روکیں،

اگرچہ اس میں تنخواہ یا پیسہ زیادہ ہو، مثلاً وہ بینک یا اسٹیٹ لائف میں ملازمت کرنا

چاہتا ہے یا ویڈیو کی دکان کھولنا چاہتا ہے وغیرہ تو ہرگز اس کی کسی بھی طرح مدد نہ

کیجیے، نہ مالی اعتبار سے، نہ مشورہ دے کر، بلکہ اسے کسی اور جائز کام کی ترغیب دیں۔

اسی طرح آپ کو بیٹے کی کوئی بات یا حرکت ناگوار گزری تو فوراً ہی اسے ڈانٹنا

نہ شروع کر دیں، بلکہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں اور تجربہ کار بزرگوں سے اس

بارے میں مشورہ کریں کہ اس کا حل کیا ہونا چاہیے، پھر کوئی قدم اٹھائیے یہ نہ ہو کہ

آپ نے فوراً ڈانٹ دیا یا سختی کی اس سے اگرچہ وقتی طور مسئلہ ٹھنڈا پڑ جائے گا، مگر یہ

کوئی مستقل حل نہیں۔ بلکہ خداخواستہ اگر بیٹا بھی بدتمیزی پر اتر آیا تو یہ بہت ہی برا

دوا، اور یہ بھی یاد رکھیے کہ کسی سے مشورہ کرتے ہوئے کبھی بھی اولاد کی شکایت والا

الفاظ اختیار نہ کیجیے۔ خصوصاً شادی کے بعد اگر آپ کو بیٹے یا بہو کی کوئی بات بری لگے

یا آپ محسوس کریں کہ بیٹا ماں کے مقابلے میں بیوی کو زیادہ اہمیت دے رہا ہے اور

اس کی ناجائز طرف داری کر رہا ہے یا کوئی اور غلطی کرے تو اس کی بیوی کے سامنے

اسے ذلیل نہ کریں، نہ ہی اس پر جبر کریں، بلکہ اس وقت صبر کریں، آپ کے اس وقت کا تھوڑا سا صبر آپ کے جگر گوشے کو کئی گنا سزا کر بنے پر مجبور کر دے گا، پھر غور کے بعد اسے سمجھائیے تو اس طرح آپ کی عزت بھی برقرار رہے گی اور آپ کو شکایت بھی نہیں رہے گی کہ جیسا مانتا نہیں، ہاتھ سے نکل گیا، بیوی نے جادو کر دیا ہے وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اچھٹیں کا ہر عمل ہمارے لئے نمونہ ہے۔ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک عورت سے نکاح کیا، جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پسند نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹے سے کہا کہ اسے طلاق دے دو، لیکن چونکہ اس عورت میں ظاہری کوئی عیب نہیں تھا، اس لئے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس میں ذرا تردد ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر کوئی زور نہیں دیا، بلکہ خاموش رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر بات بتادی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی باپ کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: اے عبداللہ ابن عمر! اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کام کے کرنے میں بیٹے کو تردد ہو اور وہ آپ کی بات قبول نہیں کر رہا تو کسی اور بڑے عالم کے ذریعے یا اس کے کسی دوست کے ذریعے یا چچا، ماموں کے ذریعے اسے سمجھائیے، مگر اس پر جبر ہرگز نہ کریں۔

زیادہ مار پیٹ سے کبھی بچے مجرم بھی بن جاتے ہیں

کم سن طالب علم نے والد کے ڈانٹنے پر خودکشی کر لی۔ طالب علم کو ٹیوشن نہ ملے ترمذی، نواب المصطفیٰ واللعن، باب ماجاء فی الرجل یسألہ أبوه أن یطلق امرأته قال:

بڑھنے پر والد نے سرزنش کی تو اس نے چوہے، رگولیاں کھالیں۔ باپ کے ڈانٹنے پر نوجوان نے خودکشی کر لی۔

اس قسم کی سب شمار نہیں آئے دن اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ یہ واقعات دراصل ہمارے معاشرے کے ان فرسودہ رسم و رواج کی عکاسی کرتے ہیں، جن میں بعض والدین اور اساتذہ کا، بچوں کی اصلاح کے لئے استعمال کیا جانے والا تشدد پر مبنی طریقہ کار، کس طرح سے ان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں میں زنگ لگاتا ہے۔ خاص طور پر والدین اپنی پریشانی اور معاشی تنگدستی کا غم بعض اوقات اپنے بچوں پر نکالتے ہیں، جس سے بچے کی ذہنی صلاحیت بالکل تباہ ہو جاتی ہے۔ بچہ چاہے امیر گھر کا ہو یا غریب گھر کا، اس کی خواہشات اور سوچ عموماً ایک ہی جیسی ہوتی ہیں، لیکن جو والدین بچوں کی جائز اور ضروری خواہشات پوری کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، وہ بجائے بچوں کو سمجھانے اور مطمئن کرنے کے مار پیٹ کے ذریعے بچوں کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے بچوں میں احساس محرومی پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے بچے یا تو اپنے گھروں سے بھاگ جاتے ہیں یا غلط سوسائٹی میں پناہ ڈھونڈتے ہیں اور مجرم بن جاتے ہیں۔

ماں باپ کی جانب سے کیئے جانے والے بے جا تشدد اور اس کے اثرات کے حوالے سے بعض لوگوں نے والدین، اساتذہ، ماہر نفسیات اور دوسرے ماہرین کی داس پر مبنی ایک سروے کیا ہے، تاکہ بچوں پر تشدد کے منفی رجحانات کو سامنے لا کر اس میں ملوث لوگوں کو اس عمل سے روکا جائے، جو ان بچوں کی شخصیت کو سنوارنے کے بجائے بگاڑنے کا کام کر رہے ہیں۔

ساتویں کلاس کے طالب علم خرم نے اپنے اسکول کی ٹیچر کی جانب سے سختی اور مار پیٹ کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ "اگر کبھی ہوم ورک کر کے نہیں لاؤں تو میری ٹیچر مجھے جانتے بغیر فوراً ایک تھپڑ لگا دیتی ہیں۔ ان کے خیال میں اس تھپڑ کو یاد رکھتے ہوئے

ہم آئندہ وقت پر ہوم ورک کر کے لائیں گے۔" خرم نے بتایا کہ "میری والدہ تو ہمارے ساتھ بہت نرمی اور محبت سے پیش آتی ہیں، لیکن میرے والد جب آفس سے بہت تھکے ہوئے آتے ہیں، تو پھر میری چھوٹی سی غلطی پر فوراً گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں، اگر ضد کروں تو مارتے ہیں۔ اس لئے انی ہم لوگوں کو ابو کے آنے سے پہلے ہی سلا دیتی ہیں۔"

بچوں کو مار پیٹ کے منفی اثرات کے حوالے سے ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ "جزا اور سزا دونوں بچوں کے لئے ضروری ہیں۔ لیکن سزا میں جسمانی مار پیٹ کا تصور کم اور بقدر ضرورت اور حدود میں رہتے ہوئے ہونا چاہیئے، اور غصہ کی حالت میں ہرگز کبھی سزا نہ دی جائے، اگر ڈاکٹر آپریشن کرتے ہوئے مریض پر غصہ ہو تو ایسے مریض کا کیا حال ہوگا؟ اس سے بچے کی شخصیت تباہ ہو جاتی ہے۔

بچوں کی غلطی پر ان کی اصلاح کے لئے سزا دینے کے دوسرے طریقہ کا بھی موجود ہیں، جس میں ناراض ہونا یا ان کو بظاہر نظر انداز کر دینا۔ صلوٰۃ اللہ علیہ پر ہونا۔ لکھنے کے لئے چند صفحات دے دینا۔ دشمنی سے مشکل الفاظ تلاش کروانا۔ وغیرہ ہیں، جس سے بچے کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس کے برعکس تشدد سے بچوں میں احساس کمتری پیدا ہو جاتی ہے، جس سے ان میں منفی رجحانات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں یا چیزیں چھپا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اوقات اپنے غصے کے اظہار کے لئے چھوٹے بمب بھائیوں کو تھک کرتے ہیں یا پڑھائی پر توجہ نہیں دیتے۔ بعض اوقات اس کے سنگین نتائج بھی برآمد ہوتے ہیں، بچے اپنے والدین یا منچر کے خوف سے گھر سے بھاگ جاتے ہیں یا خودکشی کر لیتے ہیں۔ لہذا اس قسم کی صورت حال سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ بچے کی دوستانہ ماحول میں پرورش کی جائے، اسی دوستی میں اس کی خامیوں کی با آسانی اصلاح کی جاسکتی ہے، جو اس کی شخصیت کو مضبوط بنانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ اکثر

والدین اپنے بچوں کی جانب سے لاپرواہی اور غلط رویے کی شکایت کرتے ہیں، وجہ عموماً یہی ہوتی ہے کہ والدین کی غلط یا بے موقع یا حد سے زیادہ مار پیٹ کی وجہ سے بچے بے جا ضد کرتے ہیں، اس لئے سب سے پہلے ہم والدین کو یہی علاج بتاتے ہیں کہ وہ بچوں سے پیار و محبت سے پیش آئیں، اگر کبھی ڈانٹنے کی ضرورت پیش بھی آئے تو علیحدگی میں لے جا کر سمجھائیں۔

ایک ٹرسٹ سے وابستہ ایک صاحب نے بتایا کہ "ہمارے ٹرسٹ میں آنے والے بچے عموماً ہمیں پولیس کی جانب سے ملتے ہیں، جو کسی جرم میں پکڑے جاتے ہیں۔ جب ان بچوں کے گھریلو حالات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو وجہ یہ سامنے آتی ہے کہ ان کے گھروں میں والدین کی جانب سے صحیح سلوک روا نہ رکھے جانے کے سبب یہ بچے باہر بٹھا ڈھونڈتے ہیں، جس سے غلط سوسائٹی کا شکار ہو کر جرائم کرنے لگتے ہیں۔ والدین بچے کی ابتدائی درگاہ ہوتے ہیں، ان کو مار پیٹ کے بجائے اصلاح کے لئے افہام و تفہیم، دعا، اچھے دوستوں کی صحبت وغیرہ ذرائع استعمال کرنا چاہیئے۔" ٹرسٹ کے چائلڈ ہوم میں بھی ایسے بچوں کی کثیر تعداد موجود ہے، جو اپنے استاد اور والدین کی جانب سے بے جا سختی کی وجہ سے گھر سے بھاگ آئی ہے۔ اسی ٹرسٹ کی انتظامیہ کے شعبے سے وابستہ فہم نے بتایا کہ یہاں عموماً وہ بچے آتے ہیں، جو سوتیلے والد یا والدہ کی نیتوں سے کھرا کر بھاگ جاتے ہیں۔ ان میں دین سے دور گھرانوں کے بچوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ساتھ ہمارے پاس آ کر تو وہ محفوظ ہو جاتے ہیں، لیکن جو غلط ہاتھوں میں پڑ جاتے ہیں، ان کے مستقبل کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ اس لئے والدین کو بچوں کے ساتھ محبت بھرا سلوک روا رکھنا چاہیئے اور ایسا ماحول پیدا کرنا چاہیئے کہ وہ گھر کو سب سے محفوظ جگہ تصور کریں۔ ایک سماجی کارکن نے بچوں پر بے جا تشدد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ "بچوں کا کام شرارت کرنا ہوتا ہے، لیکن اس پر ان کو بے جا مارنا والدین

کی بہت بڑی غلطی ہے۔ بچوں کو مار کر ہم ان کی تشہیک کر رہے ہوتے ہیں، اس سے ان کی شخصیت مجروح ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ زیادہ بے جا مار کھانے والے بچے عموماً ڈھیٹ ہو جاتے ہیں۔ مارنے کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے طریقے ہیں، جن سے بچوں کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میرے بچے کو کوئی غلط کام کرتے ہیں تو میں ان سے کہتی ہوں کہ۔

”اگر میری بات نہیں مانی تو آج آکس کریم نہیں ملے گی یا آئینہ چھٹی والے دن تفریح کے لئے نہیں ملے جائیں گے۔“ انہوں نے کہا کہ ”مجھے بھی بچپن میں میرے والدین نے کبھی نہیں مارا، البتہ ڈانٹ تو بہت پڑی ہے۔ اپنے تجربے کو سامنے رکھتے ہوئے جہاں مجھے اپنے والدین کی جانب سے ناجائز ڈانٹ پڑی تو اب میں یہ کوشش کرتی ہوں کہ اپنے بچوں کو اس بات کا موقع نہ دوں اور وہ نہ کریں جس ضمن میں مجھے اپنے والدین سے شکایت رہتی تھی۔“

غرض کہ بچوں کی تربیت کرنے میں اگر ہر وقت پر تشدد رو یہ اختیار کیا جائے گا تو یہ بچہ باہر جا کر دوسروں کے ساتھ بھی ایسی سلوک کرے گا، کیوں کہ جس کو جو ملتا ہے، وہ وہی دوسروں کو دیتا ہے۔ اس سے بعض اوقات والدین کی اپنی عزت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ لہذا اگر بچے کی اصلاح کے لئے تھوڑی بہت ڈانٹ ضروری ہو تو وہ بھی تنہائی میں لے جا کر ڈانٹنا چاہیے۔ اسلام میں بھی بچوں پر بے جا سختی کے سلسلے میں ممانعت کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں علماء کا کہنا ہے کہ ”باپ اور اساتذہ کی جانب سے منہ پر تھپڑ مارنے اور گالیاں دینے کا طریقہ، اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا۔“

یاد رکھیے! بچوں پر والد کا رعب تو ہونا بہت ضروری ہے، لیکن حد میں رہتے ہوئے یہ رعب ہو، ایسا مرعوب نہ کیجیے کہ وہ والد کے پاس آنے سے ڈریں، والد

ملہ ماخوذ از روزنامہ جنگ کراچی، طحا

سے کسی بات کی اجازت لیتے ہوئے گھبراہٹیں، ایسے کم قسمت بچے جو والدین سے حد سے زیادہ ڈرتے رہتے ہیں، بڑے ہو کر دنیا کے بزدل ترین لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، قوت مدافعت ان کی کمزور ہو جاتی ہے، بلڈ پریشر، ٹینشن، ڈپریشن کے امراض کو ایسے نوجوان جلد قبول کر لیتے ہیں۔

لہذا بچوں جوں بچہ باپ کے قریب ہونا چاہئے، اپنا رعب کم کرتے چاہئے یہاں تک کہ بالغ ہونے کے بعد دوستانہ رویہ اختیار کیجئے، اور جو کچھ تربیت میں کمی رہ گئی ہے، دوستی کے انداز میں دعا کے ذریعہ کیجئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزدلی کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿قَالَ جَبَانٌ يَقْرَأُ عَنْ نَبِيِّهِ وَآلِهِ﴾

ترجمہ: ”بزدل آدمی اپنے مال باپ کی مدافعت سے بھی ڈر کر بھاگتا ہے۔“

یعنی بزدلی کی وجہ سے والدین کے دفاع سے بھی بھاگتا ہے۔

لہذا والدین کو خصوصاً والد کو چاہیے کہ اتنا جابر و حاکم نہ بنے کہ اولاد بزدل ہو جائے، اپنی طرف سے اولاد کو بہادر بنانے کی پوری کوشش کرے۔ ان کی بات پوری سننے، کسی غلطی پر ان کو اپنی مدافعت کرنے دے، حد سے زیادہ اپنا رعب ان پر نہ جمائے۔

مارنے کی شرائط

۱۔ دس سال کی عمر سے پہلے نیک کاموں میں کوتاہی پر مارنا صحیح نہیں، اس لئے کہ باوجود اس کے کہ نماز دین کا ستون ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کوتاہی کرنے پر دس سال کی عمر سے پہلے بچے کو مارنے کی اجازت نہیں دی۔ کوشش کریں، گھر میں عصا لٹکائے رکھیں، اور اس کے استعمال کی نوبت نہ آئے، صرف

ملہ مؤطا امام مالک، کتاب الجہاد، ص ۷۷

بچوں پر رعب کے لئے لٹکا رہے۔

۱۲ اگر مارنا ہو یا مریجوری تو پہلے تو چھڑی کو زیادہ سے زیادہ زمین پر مارے۔ دیوار اور دروازہ پر مارے، بولو۔ اتنی بدتمیزی کیوں کی؟ شیطان کی بات کیوں مانی؟ اور بچے کی والدہ کو سکھاؤ کہ وہ بچے کو سکھا دیں کہ جب والد صاحب زندہ اٹھائیں تو فوراً کہہ دو کہ غلطی ہوگئی، آئندہ نہیں کرونگا۔ معاف کر دیں۔ اس طرح بچے کو مارے بغیر اس کی تادیب بھی ہو جائے گی اور آپ کا رعب بھی بیٹھا رہے گا۔ اور پھر بھی مارنے کی نوبت آ ہی جائے تو دس چھڑیوں سے زیادہ نہ مارے۔ اس لئے کہ بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: دس کوڑوں سے زیادہ صرف حدود میں ہی مارے جائیں۔“

۱۳ ایسی چھڑی سے مارے جو مرطوب ہو، نہ بہت موٹی ہو نہ باریک۔

۱۴ مارنے کی مدت میں وقفہ رکھے، روزانہ نہ مارے اور نہ ہی ہر بار ایک جگہ پر مارے۔

۱۵ سر، چہرے اور شرمگاہ پر نہ مارے۔

۱۶ غصہ کی حالت میں کبھی نہ مارے، کیونکہ مارنا تادیب اور تربیت کے لئے ہوتا ہے، لہذا مربی کے لئے ہوش و حواس میں ہونا ضروری ہے، جب کہ حالت غصہ میں انسان اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔

۱۷ جب بچہ اللہ کا واسطہ دے تو اس وقت ہاتھ اٹھاؤ کہ وہ اللہ کے ذریعے پناہ طلب کر رہا ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی اپنے خادم (غلام) کو مارے اور وہ اللہ کا نام لے تو اپنے ہاتھ کو اٹھاؤ (یعنی مارتا ترک کر دو)۔“

۱۸ فتح الباری ج ۱۵ ص ۱۹۱ ۱۹ ترمذی ج ۲ ص ۱۹

۱۸ بچے کو اس کے مارنے کی وجہ تفصیل سے بتا دے، تاکہ آئندہ وہ اس غلطی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے اور ساتھ اس کا متبادل بھی بتا دے کہ اس طرح کرنے سے اس کو باریئیں پڑے گی۔

اوپر جو باتیں ذکر کی گئی ہیں، ان میں بچوں کو مارنے کے ذریعہ تنبیہ کے طریقے تو بتائے گئے ہیں، مگر یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ قبل اس کے کہ بچے کو مارنے کی عمر شروع ہو، پیار اور محبت سے بچے کو اس طرح نماز پر لگا دیں کہ اسے مارنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ بچوں کو نمازی بنانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ اور آپ کی اہلیہ نماز کی خوب پابندی کریں، جو حقیقت میں ذریعہ بنے گی آپ کے بچے کے نماز و احکام کے پابند ہونے کا، اور بچپن ہی سے جب وہ والدین کو نماز پڑھتا دیکھے گا تو وہ خود بخود ان کی نقل کرے گا۔ اسی طرح اس کے دوست اور سہیلیاں وہ منتخب کروائیں، جو نمازی ہوں۔ بعض اوقات ہلکی سی سزا دینا بھی ضروری ہوتا ہے۔

بچے کی اصلاح شفقت و محبت سے کی جائے۔ ناگزیر صورتوں میں ہلکی سی سزا بھی دی جاسکتی ہے، مگر سزا کے فوراً بعد حسن سلوک سے اس کی تلافی کر دی جائے۔ بچے کو اتنا پیار دیا جائے کہ اس کے دل میں پھر کوئی میل باقی نہ رہے۔

البتہ سزا کا نمبر اس وقت آتا ہے، جب اصلاح کی تمام انسانی کوششیں ناکام ہوتی نظر آئیں۔ سزا میں غصہ و انتقام کا جذبہ تو شامل ہونا ہی نہیں چاہیے۔

اعتدال و توازن کی راہ یہی ہے کہ بچے کی اصلاح و تربیت، محبت و شفقت ہی سے کی جائے، البتہ آخری درجے میں ہلکی پھلکی سزا بھی دی جاسکتی ہے، مگر یہ سزا بھی پیار کے جذبات سے سرشاری کے عالم میں دی جائے اور جتنی جلد ممکن ہو، اس کی تلافی کر دی جائے۔

بچے کو اگر سزا دینا ناگزیر ہو تو چند باتیں ضرور ملحوظ رکھیے:

* بچے کو کبھی دوسروں کے سامنے سزا نہ دیجیئے۔ خاص طور پر مہمانوں اور اس کے

ہم عمر ساتھیوں کے سامنے سزا دینا، اس کی عزت نفس کو پامال کرنا ہے۔ جس طرح آپ دوسروں کے سامنے ذلیل ہونا پسند نہیں کرتے، اسی طرح بچہ بھی دوسروں کے سامنے رسوا نہیں ہونا چاہتا۔ اگر بچہ یہ محسوس کرے کہ اب دوسروں کی نظروں میں اس کی کوئی وقعت نہیں رہی تو وہ ذہیت ہو جاتا ہے اور غلط کام کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔

* کسی ایسے جرم پر بچے کو سزا نہ دیجیے جس کو وہ جرم نہیں سمجھ رہا ہے۔ جو غلطی اس نے انجام دی ہے، اس کے بارے میں اسے اتنا بتا دینا ہی کافی ہے کہ یہ غلط کام ہے۔ مثال کے طور پر بچہ آپ کے پاس بیٹھا ہے۔ آپ لکھنے میں مشغول ہیں، قلم لکھتے لکھتے بند ہو جاتا ہے، تو آپ دوات میں سے قلم میں روشنائی ڈال کر لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی دوران کوئی ملاقاتی آتا ہے، آپ اٹھ کر اس سے ملنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ بچہ آپ کا قلم اٹھاتا ہے اور لکھنے کی کوشش میں میز پر پھیلے ہوئے کاغذات پر قلم چلانا شروع کر دیتا ہے۔ جب اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ قلم نہیں چل رہا ہے تو آپ کی طرح دوات کھول کر قلم میں روشنائی اٹھیلانا چاہتا ہے، مگر روشنائی قلم میں جانے کے بجائے میز پر گر جاتی ہے۔ میز پوش اور کچھ کاغذات گندے ہو جاتے ہیں۔ بچہ اپنے ہاتھ اور دامن سے جلدی جلدی صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس دوران آپ واپس آ جاتے ہیں، بچہ سہم جاتا ہے، اگر آپ بچے کو مارنا جھڑکنا شروع کر دیں تو اس سے دو نقصان ہوں گے ایک یہ کہ بچے کے دل میں خوف بیٹھ جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس کی تجرباتی نشوونما رک جائے گی۔ وہ نئے نئے تجربات کرنے سے باز رہے گا اور اس کی ذہانت بری طرح متاثر ہو جائے گی۔ وہ مستقبل کی زندگی میں زیادہ غور و فکر اور حرکت و عمل کے بجائے تعطل و جمود کا عادی ہو جائے گا۔ آپ ذرا سنجیدگی سے سوچیے، بچے نے کوئی جرم تو نہیں کیا

ہے؟ اس نے صرف آپ کی تقلید ہی تو کی ہے، جو اس کی فطرت کا لازمہ ہے۔ کیا آپ اسے اپنا فرماں بردار بیٹا بنانا نہیں چاہتے؟ کیا آپ کی یہ خواہش نہیں کہ وہ آپ کے نقش قدم پر چلے؟ پھر سوچیے! اس نے ایک تجربہ ہی تو کیا ہے۔ آپ سے بھی تو تجربات کے دوران بہت سے نقصان ہوئے ہیں۔ پرسوں ہی کی تو بات ہے کہ آپ کا ٹیپ ریکارڈ خراب ہو گیا تھا، آپ نے درست کرنے کے لئے اسے کھولا، بہت سے پرزے ادھر سے ادھر گروئے، جب آپ میکینک کے یہاں گئے تو اس نے بتایا: اس میں کوئی خاص کمی نہیں ہے، البتہ کسی شخص نے پرزے غلط فرٹ کر دیئے ہیں۔ ذرا سوچیے! آپ اس عمر میں جب کہ دنیا بھر میں گھومتے پھرتے ہیں، تجربہ کرتے ہوئے غلطی کر بیٹھتے ہیں تو بچہ جس نے ابھی اچھی طرح دنیا بھی نہیں دیکھی ہے، اگر تجربے کے دوران غلطی کر بیٹھتا ہے تو اسے سزا دینے کا کیا جواز ہے؟

بچے نے یہ سب کچھ آپ کی تقلید میں کیا، اس کی نظر میں یہ کوئی غلطی نہ تھی۔ اس لئے ایسے موقعوں پر آپ اپنے غصے کو ضبط کریں اور بچے کی غلطی کو نظر انداز کر دیں۔

* بچے کو بار بار سزا دینا بھی مناسب نہیں۔ سزا اگر عادت بن جائے تو غیر مؤثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ بچہ اسے معمولی چیز سمجھ کر کوئی اہمیت نہیں دیتا، وہ بار بار سزا پانے کے بعد یہ سوچنے لگتا ہے کہ اس سے بڑی سزا اور کیا ہوگی۔ تھوڑی سی تکلیف ہی تھی، وہ جرم میں جو لطف و لذت محسوس کرتا ہے، اس کے مقابلے میں سزا کی تکلیف بہت معمولی محسوس ہونے لگتی ہے۔

* بچے کو جب سزا دی جائے تو اسے لعن طعن بالکل نہ کیا جائے۔ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ والدین جب بچے کو سزا دیتے ہیں تو کم بخت، الو..... کرتا

گدھا..... بندر..... سور..... کمینہ..... نالائق..... احمق..... بیوقوف.....

کوڑھ مغرور..... اور بدتمیز..... جیسے خطابات سے بھی اسے نوازتے رہتے ہیں۔ بعض والدین تو مخالقات تک کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر والدین کا یہ رویہ بار بار سامنے آئے تو بچے کی نظر میں ان فقروں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور نہ وہ ان فقروں کا اثر لیتے ہیں، ان کی ذہنی نشوونما بری طرح متاثر ہوتی ہے اور وہ احساس کمتری کا شکار ہو کر آگے بڑھنے کا حوصلہ کھو بیٹھتے ہیں۔

سزا کی ایک موثر اور کارگر صورت یہ ہے کہ اگر بچہ سمجھانے بجھانے سے نہیں مان رہا ہے، تو اسے دلچسپ مشاغل سے جدا رہنے کی سزا دی جائے۔ اس سزا کا بہت جلد اور خاطر خواہ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ بچہ ہر بات کو برداشت کر سکتا ہے، مگر اپنے دلچسپ مشاغل سے محروم رہنا کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ سزا کا یہ انداز دور رس بھی ہوتا ہے۔ بچہ اس خیال سے ہمیشہ غلطی کرنے سے باز رہتا ہے کہ اسے پھر دلچسپ مشاغل سے محروم کر دیا جائے گا۔ یہ تفریحی سزا، جسمانی سزا کے مقابلے میں زیادہ کارگر اور موثر ہے۔

جب بچہ آپ کی تادیبی کارروائی سے جرم کرنا چھوڑ دے تو آپ حسب توفیق اتنا ضرور کریں کہ اسے انعام دیں، چاہے وہ ایک ٹافی ہی کیوں نہ ہو۔ تاکہ بچے کے قیمری پہلو کو تقویت حاصل ہو اور اس کے اندر آئندہ غلطی نہ کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ اسی طرح اچھے کاموں اور بہتر کارکردگی پر انعامات دے کر بچوں کی حوصلہ افزائی ضرور کیجیے، لیکن انعام کا اسے عادی نہ بنایا جائے کہ وہ انعام ہی کی آرزو کرتا رہے، بلکہ انعام کی مقدار اور اوقات میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اگر بچہ غلطی کر کے توبہ کر لے یا آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے تو اسے معاف کر دینی چاہیے۔ غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد معاف کر دینا، غلطی کی بہترین سزا

ہے۔ اگر بچہ غلطی کے ارتکاب سے انکار کر رہا ہے تو زبردستی غلطی اس کے سر پر نہ تھوپنی، اس کا انکار کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ غلطی کو معیوب سمجھ رہا ہے، اس لئے یہ توقع رکھیے کہ وہ آئندہ غلطی نہیں کرے گا۔

غلطی کی جس قدر اصلاح ہوتی جائے، اس پر شاباشی دے کر اس کی ہمت بڑھائیے، تاکہ وہ باقی غلطی کی بھی اصلاح کر لے۔ یہ توقع ہرگز نہ رکھیے کہ بچہ تمام برائیوں سے یک لخت پاک ہو جائے گا یا تمام خوبیاں اس میں فوراً ہی نمودار ہو جائیں گی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی

اپنے بیٹے کی تربیت

ہم سب کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہم ملازم ہوں یا تاجر، جس شعبہ میں بھی ہوں، اگر وہاں حلال کمائی کا اہتمام نہ کیا تو اس حرام القہ کا اثر اولاد پر ضرور بالضرور پڑے گا۔ تاجر ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق تجارت کرنا، دھوٹ سے نیچے کا اہتمام کرنا، نمازوں کے اوقات میں جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنا، ادھار پر جو مال لیا ہے، پیسہ آنے کے بعد فوراً ادھار واپس کرنا، غریبوں، یتیموں وغیرہ کو بہت سی رعایت پر مال دینا، کمانے کے بعد اس کے خرچ کرنے میں صحیح جگہ پر خرچ کرنے کا اہتمام کرنا، زکوٰۃ کی ادائیگی وقت پر کرنا، اور صحیح مصرف دھونڈ کر زکوٰۃ ادا کرنا، زکوٰۃ کے علاوہ سورہ بقرہ میں جو چھ مصارف بیان کیئے گئے ہیں ان میں بھی خرچ کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح ملازم ہوتے ہوئے پورا وقت دینا، کام میں کوتاہی نہ کرنا، جو وقت ملے بچوں کی تربیت کیے کریں، ص ۲۲۹-۲۲۵

مکمل تفصیل کے لئے کتاب "طریقہ وصیت" مرتبہ اساتذہ مدینہ العلم ملاحظہ کیجیے۔

ڈیوٹی کا ہے، اس میں پوری دیانتداری سے ڈیوٹی ادا کرنا، کسی قسم کی خیانت سے بچتے رہنا وغیرہ امور کا لحاظ ہر مسلمان والد کے لئے ضروری ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کے لئے جو دنیا و آخرت میں اپنے بیٹے کو قائد، عالم یا عمل داری بنانا چاہتے ہوں۔

تربیت کے سلسلے میں اس واقعہ کو ہمیشہ مد نظر رکھیے۔

اس واقعہ سے ہر والد اندازہ لگا سکتا ہے کہ بزرگوں کو اپنے بچوں کی تربیت کی فکر کیسی رہتی تھی، خاص طور پر حرام غذا سے بچنے اور بچانے کی فکر ان حضرات پر بہت ہی غالب رہتی تھی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حلال لقمہ کی قدر اور حرام سے بچنے اور بچانے کا اہتمام نصیب فرمائے۔

ایک روز بیت المال کے میوہ جات میں سے سیب، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے روہرہ تقسیم کیے جا رہے تھے، اچانک خلیفہ کے ولی عہد خرمہ سال نے ہاتھ لمبا کر کے ایک سیب ان میں سے اٹھا لیا اور کھانے لگا۔ امیر المؤمنین نے وہ سیب اس کے منہ میں سے ایسے غصے کے ساتھ جھٹکا دے کر چھڑا لیا کہ اس کا منہ زخمی ہو گیا۔ بچہ روتا روتا اپنی ماں کے پاس آیا، ماں نے بازار سے سیب منگوا کر بچے کو دے دیا۔ جب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ حرم میں آئے، بچے کے ہاتھ میں سیب دیکھا اور کہا: ”یہ کہاں سے آیا ہے؟ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کے بیت المال سے لایا گیا ہو۔“ اہلیہ نے اظہار رنج کیا کہ ایک ناچیز سیب کی خاطر میرے بچے کا منہ زخمی کر دیا تو خلیفہ نے فرمایا: ”تو سچ کہتی ہے، لیکن میرے لئے یہ حرکت دشوار ہوگئی، بہتر نہ سمجھا کہ ایک سیب کی خاطر ثوابِ عدل سے محروم ہو جاؤں اور میرا نام نیکو کاروں کا فہرست سے قلم زد کر دیا جائے۔“

غور کیجیے! امیر المؤمنین کے اس حکیمانہ عمل پر کہ بیوی صاحبہ جب ناراض ہوئیں تو کس طرح حکمت اور بہترین تدبیر کے ذریعہ بیوی صاحبہ کو سمجھایا، ایسا نہیں

کہ بچے کی تربیت کی خاطر بیوی سے جھگڑ پڑے یا بچے پر رحم کھاتے ہوئے بیوی پر ظلم کر دیا۔ یاد رکھیے! اولاد کی تربیت کے لئے بیوی کو بھی اعتقاد میں لینا پڑتا ہے اور بیوی سے بحث و مباحثہ، مناظرہ و مجادلہ، تو تو میں میں کے بجائے افہام و تفہیم، محبت و حکمت، صبر و تدبیر کے ذریعے بیوی کو سمجھانا پڑتا ہے، اس کے لئے کبھی بیوی کی کمزوری کیلئے پر صبر بھی کرنا پڑتا ہے، کبھی اکیلے میں سمجھانا پڑتا ہے، کبھی رات کو اٹھ کر دعائیں کرنی پڑتی ہیں، کبھی اس کے ناز و نفرت برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ کبھی اپنے گناہوں پر توبہ استغفار کر کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔

بچوں کی اصلاح سے مایوس نہ ہوں

بچے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہیں۔ چونکہ بچے فطرتاً شوخ و چلبے ہوتے ہیں، لہذا اپنی اسی فطری کمزوری کی بناء پر شرارت بھی کرتے ہیں اور کبھی کبھی تو ان کی یہ شرارت اتنے کی حد تک پہنچا دیتی ہے اور اچھے خاصے متحمل مزاج والد صاحب بھی جھنجھلا جاتے ہیں اور بچوں سے زیادہ شور مچانے لگتے ہیں۔ اس طرح ہرگز نہ کریں، بلکہ یہ سوچیں کہ جب آپ اس عمر میں تھے تو آپ بھی تو اس طرح کی شرارتیں کیا کرتے تھے۔

لیکن کبھی کبھی بچوں کی یہ شرارت کسی ایسی عادت میں تبدیل ہونے لگتی ہے، جو مناسب نہیں، تو ایسی حالت میں بچوں کو نرمی سے سمجھائیے کہ ”بیٹا یہ حرکت مناسب نہیں، آئندہ آپ اپنے کو اس گندی حرکت سے بچائیے۔“

مثلاً آپ نے دیکھا کہ کھیل کے دوران آپ کے بچے نے دوسرے بچے کو گالی دی تو فوراً اسے سمجھائیے کہ بیٹا گالی نہیں دیتے، اس سے زبان گندی ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوتے ہیں۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، لہذا آئندہ اس طرح کی بات منہ سے نہ نکالیے۔

اسی طرح اگر بچے میں جھوٹ بولنے کی، یا اللہ نہ کرے چوری کرنے کی یا دوسرے بچوں سے لڑنے جھگڑنے کی عادت ہے تو اسے نرمی سے سمجھائیے اور ایک بار نہیں بار بار سمجھائیے کہ کسی طرح وہ ان بری حرکات کو چھوڑ دے، یہ نہیں کہ آپ نے ایک بار یا دو تین بار بول کر سمجھ لیا کہ میں نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر لی، اب وہ نہیں مانتا تو میں کیا کروں، یہ سوچ کر اس کی اصلاح سے ناامید ہو جانا بہت ہی غلط بات ہے۔

ذرا بتائیے! کہ بچے کے ہاتھ میں تیز دھار چھری ہو اور والد کو خطرہ ہو کہ بچہ کہیں اس سے اپنے آپ کو زخمی نہ کر لے تو کیا والد ایک آدھ بار کہہ کر یہ سمجھ کر خاموش ہو جائیں کہ وہ نہیں دے رہا تو میں کیا کروں، بلکہ والد صاحب ہر طرح سے کوشش کریں گے کہ یہ چھری اس کے ہاتھ سے لے لیں، تاکہ وہ زخمی ہونے سے بچ جائے۔ اسی طرح اس معاملے میں بھی سمجھیے، بلکہ اگر آپ محسوس کریں کہ بچے پر میری بات کا اثر نہیں ہوا تو اور سوچیں اور اس بارے میں غور کریں، اللہ تعالیٰ سے مانگیں اور دوسرے طریقوں اور مثالوں سے بچے کو سمجھائیں، مایوس ہونا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ ہم جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں، وہ کبھی کفار سے باوجود ان کفار کی سخت دشمنی کے مایوس نہیں ہوئے تو ہم اولاد سے مایوس کیوں ہوں۔ جب طائف کے رہنے والوں نے اسلام کو اور آپ کی بات کو ماننے سے انکار کر دیا، نہ صرف انکار بلکہ شہر کے منچلے نوجوانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر ماریں، اور ان ظالموں نے آپ کو پتھر مار مار کر سارا جسم لہو لہان کر دیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی حدود سے باہر نکلے اور اللہ تعالیٰ کا فرشتہ آپ کے پاس آیا کہ اللہ کے رسول! اگر اجازت ہو تو ان دو پہاڑوں کو آپس میں ملا کر رگڑ دوں اور جو لوگ ان کے درمیان ہیں، ان کو ہلاک کر دوں، قربان جائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا پیارا اور شفقت بھرا

”بَلَىٰ أُولَٰئِكَ أَنَّىٰ يُخْرِجُ اللَّهُ غَضَرٌ وَجَلَّ مِنَ أَهْلِهَا لَيْسَ مِنْهُمْ قُلٌّ يُّعْبَذُ اللَّهَ غَضَرٌ وَجَلَّ وَخَدَّةٌ لَا يَنْشُرُكَ بِهِ شَيْئًا“^۱
 ”میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کرے گا، جو صرف اس وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔“

اور واقعی بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے دین کا خوب کام لیا۔ یہ قبیلہ ہجرت کے چند سال بعد مشرف بہ اسلام ہوا، اسی قبیلہ والوں کی اولادوں میں سے محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، جنہوں نے سندھ میں سب سے پہلے اسلام کے جھنڈے گاڑے۔ اس لئے اولاد کی اصلاح سے کبھی بھی مایوس نہ ہوں۔
 اللہ تبارک و تعالیٰ مکہ کے ان لوگوں کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے اور ہر لمحہ دین کے منانے کی فکر میں تھے، دین کا تحفظ اور دین کا داعی بنا سکتا ہے تو اس نافرمان اور برائیوں میں مبتلا اولاد کو بھی رہنے کا ولی اور دین کا داعی بنا سکتا ہے، لیکن اس کے لئے آپ کو تھوڑی سی محنت اور صبر کی ضرورت ہوگی، آپ کی خیم شب کی دعائیں درکار ہوں گی، کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ ”تین شخصوں کی دعا رد نہیں کی جاتی، ایک والد کی دعا بیٹے کے لئے اور مسافر کی دعا اور مظلوم کی دعا۔“^۲

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ اولاد کی اصلاح کے لئے سونھوں کا ایک ٹنڈا کسیر، والدین کا گناہوں سے توبہ کر کے گڑ گڑا کر رو رو کر دعائیں مانگنا ہے۔

اولاد کو سمجھانے سے تنہا نہیں، اور سمجھاتے ہوئے ان تین باتوں کا خیال

۱۔ بخاری، کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائكة: ج ۱ ص ۲۵۸

۲۔ مشکوٰۃ، کتاب الدعوات: ج ۱ ص ۱۹۵

رہیں۔

① کسی ہم بات کو سمجھانے کے لئے پہلے دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں اور دعا سے پہلے ہو سکے تو کچھ نقلی صدقہ بھی نکالیں۔ اے اللہ! میں آتا یہ بات اپنے جیسے بڑی بڑی کو سمجھانا چاہتا ہوں، آپ ہی اس کے دل میں اتار دیجیئے۔ اے اللہ! داؤں کے آپ ہی مالک ہیں۔ آپ میرے بیٹے بڑی بڑی بات کو ہدایت دے دیجیئے۔ اہلیہ کو بھی کہیں کہ وہ بھی دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگیں۔

② اس کے بعد جو چیز سمجھانا چاہتے ہیں، اس کے فوائد شمار کر کے اس کو بتائیں اور جس چیز سے بچانا چاہتے ہیں، اس کے دنیا و آخرت کے نقصانات بتائیں۔

③ سمجھاتے ہوئے لہجہ نرم رکھیں۔ خاص طور سے بالغ بچہ ہو تو اس کا زیادہ خیال رکھیں، ہرگز اس طرح نہ کہیں! کہ ہزار مرتبہ تو سمجھا چکا ہوں، اب لکھ کر دوں؟

اردو میں تو بول چکا، اب نیوٹاؤن مدرسہ سے کوئی عربی کا پروفیسر بلاؤں، جو عربی میں سمجھائے یا انگریزی میں سمجھائے، تم نے سمجھ کیا رکھا ہے؟

تمہاری حیثیت کیا ہے؟ وغیرہ، ایسے کلمات جن سے صرف باپ کا غصہ ہی ختم ہو اور بچے کے لئے مفید ہونے کے بجائے نقصان دہ ہوں، ایسے الفاظ سے بچیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھانے کا ڈھنگ نصیب فرمائے۔

بعض اوقات والد کی سبھی ہوئی کوششیں اور گناہوں سے توبہ کے بعد کی دعائیں، والد کی موت کے بعد رنگ لاتی ہیں، والد کی کوششوں اور دعاؤں سے یا تو والد کی زندگی میں یا موت کے بعد اولاد راہ راست پر آ جاتی ہے، اس لئے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

بچوں کو احساس کمتری میں مبتلا ہونے سے بچائیے

بعض بچوں کو دیکھا گیا ہے کہ انتہائی خاموش اور سب سے سب سے رہتے ہیں۔

بچپن کا وہ چلبلا پن جو بچوں کی فطرت ہے اور جو بچوں کو چین و سکون سے بیٹھنے نہیں دیتا، وہ ان میں مفقود ہوتا ہے۔ کسی کے سامنے بولنے سے گھبراتے ہیں اور اپنے ہم عمر بچوں سے بھی صحیح طریقے سے بات نہیں کر پاتے، یہ درحقیقت اس بات کی علامت ہے کہ بچہ احساس کمتری میں مبتلا ہے۔ عموماً بچوں میں یہ احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے آس پاس ان کے بڑے اپنا مرضی سے چلتے پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور جو دل میں آئے کرتے ہیں اور اسے ہر شخص معمولی معمولی باتوں پر ڈانٹتا ہے اور ہر معاملے میں اسے چھوٹا سمجھ کر یا بیوقوف کہہ کر نظر انداز کر کے کمتری کا احساس دلاتا رہتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ موازنہ کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے ایک بچے کو دوسرے بچے پر ترجیح دی جاتی ہے یا کسی دوسرے بچے کی طاقت اور ذہانت سے اس کا موازنہ کیا جاتا ہے اور پھر اس کی کمزوری کا اس کے سامنے اظہار کیا جاتا ہے۔ گویا بار بار اس بچے کو یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ فلاں بچہ خوبصورتی میں، قوت میں، ذہانت میں، تم سے بڑھ کر ہے، اس سے بچوں میں کمتری کا احساس پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کو کمزور اور کمتر سمجھنے لگتے ہیں۔

حالانکہ مشاہدہ ہے کہ بچپن میں کسی بچے کا ذہنی یا دماغی طور پر کمزور ہونا، اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ ہمیشہ اسی طرح رہے گا۔ بے شمار واقعات ہمارے سامنے ہیں کہ ایک بچہ بچپن میں انتہائی کمزور اور کند ذہن تھا، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا ذہین بنایا اور اس سے وہ کام لیا، جو بڑے بڑے ذہین لوگ نہ کر سکے۔ اس لئے خدارا! اپنے بچوں کا کسی بھی طرح دوسروں سے موازنہ نہ کیجیے۔ اگر اس میں جسمانی طور پر کوئی کمی ہے یا بد صورت ہے تو یہ اس کا قصور نہیں، اس لئے کہ شکل و صورت اللہ تعالیٰ کی دین ہے، جسے چاہے خوبصورت بنائے اور جسے چاہے عام صورت بنائے، درحقیقت سب خوب صورت ہیں کہ اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾

ترجمہ: ”ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے۔“

لہذا کوئی بد صورت نہیں۔ بقول شاعر

کوئی بد صورت نہیں قدرت کے کارخانے میں

اس لئے بجائے بچوں کو یہ احساس دلانے کے کہ وہ بد صورت ہیں، ذہنی طور پر کمزور ہیں، بھولے ہیں، بے وقوف ہیں، ان کا حوصلہ بڑھائیں، ان کو ایسے لوگوں کے واقعات سنائیں، جنہوں نے باوجود معذوری اور کمزوری کے دنیا کے علم میں نام پیدا کیا، مثلاً ”مقامات“ عربی ادب کی ایک بے مثل کتاب ہے۔ ان کے مصنف کے بارے میں تاریخ گواہ ہے کہ حد درجہ بد صورت تھے، لیکن اپنے اس علمی کارنامے کی وجہ سے ان کا یہ عیب کسی کو نظر نہیں آیا اور آج تک ان کا نام عربی سب میں انتہائی احترام سے لیا جاتا ہے۔

مصر کے مشہور عالم، مصنف اور وزیر طحا حسین تابینا تھے۔

سعودی عرب کے مفتی اعظم الشیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن باز نابینہ تھے۔ مشہور موجد ایلین، جس نے بلب ایجاد کیا، بہرا تھا۔

اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں کہ جسمانی طور پر معذور یا بد صورت یا کم سمجھ بھولے لوگوں نے دنیا کے علم میں وہ مقام پیدا کیا، جو کوئی صحیح اور ذہین شخص بھی نہ کر سکا۔

بچوں کو کچھ ایسے کام آزادانہ طور پر ضرور کرنے دیجیے، جس سے ان میں خود اعتمادی اور جرأت پیدا ہو۔ بات بات پر بچے کو نوکنا اور اس کی تمام حرکتوں پر تہری نظر رکھنا مناسب نہیں ہے۔ اس کی قوت ارادی کو پروان چڑھانے کے لئے تھوڑا بہت مالی نقصان بھی برداشت کیجیے۔ مثال کے طور پر آپ نے بچے کو کچھ کھلونے لا

۱۔ سورۃ التین آیت ۴

بیت اہل بیت

کر دیئے، بچہ ان کھلونوں کو مختلف زاویوں سے دیکھتا ہے، ان کے بچے پرزے کھولتا ہے تو بچے کو ایسا کرنے دیجیے، دراصل بچہ مختلف تجربے کر رہا ہے، اس سے اس کے اندر خود اعتمادی بھی پیدا ہوگی اور تجرباتی صلاحیت بھی پروان چڑھے گی۔ اگر آپ نے اس کو ذرا ت دیا، تو وہ وقتی طور پر اپنے مشغلے سے باز تو آجائے گا، مگر اس کی خود اعتمادی مجروح ہو جائے گی۔

اسی طرح کبھی بچوں میں یہ احساس کمتری اس وجہ سے بھی پیدا ہوتا ہے کہ والدین حد سے زیادہ ان کے کاموں میں ان کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور انہیں پورے طریقے سے آزادی کے ساتھ کام کرنے نہیں دیتے۔ آہستہ آہستہ بچوں کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ کوئی کام تنہا نہیں کر سکتے اور جب وہ عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو ان کے پاس اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا حوصلہ نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ دوسروں کے دست نگر ہوتے ہیں۔ اس لئے بچوں کو اپنا کام خود آزادی سے کرنے دیں۔ اس کی نگرانی ضرور کریں، لیکن ان کے کام میں جہاں تک ممکن ہو، ہاتھ نہ ڈالیں اور انہیں ترغیب دیں کہ وہ بہت کر کے اپنا کام خود پورا کریں۔ اس طرح ان میں اعتماد پیدا ہوگا اور کوئی بھی کام سرتے وقت انہیں کتہی کا احساس نہیں ہوگا۔

اسی طرح احساس کمتری کا ایک اہم سبب حسد ہے۔

بچہ جب کسی کو خفا تصور دیکھتا ہے اور خود باوجود کوشش کے اتنی طاقت کا اظہار نہیں کر سکتا تو اس سے حسد کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح کسی کو زیادہ ذہین یا مالدار دیکھتا ہے یا کسی کے اندر کوئی خوبی اپنے سے بڑھ کر دیکھتا ہے، تو اس سے حسد کرنے لگتا ہے۔ ان سبب سے اس کے احساس کمتری کی ابتداء ہوتی ہے۔ اس لئے بچے کو اس مرض سے بھی بچائیے اور وہ آیات اور احادیث اسے سنائیے اور یاد کرائیے، جس میں حسد کی برائی کو بیان کیا گیا ہے اور صبر کرنے کا سبق اسے سکھائیے۔ ایک ضروری بات یہ کہ حسد کی وجہ کو بدلنے کی کوشش کیجیے، مثلاً بچوں کو یہ سمجھائیے کہ مثلاً ایسی چیزیں

بیت اہل بیت

جن میں آپ محنت کر کے دوسرے بچوں سے آگے بڑھ سکتے ہو، ان میں ضرور مقابلہ کرو، یعنی آپ کا ہم جماعت روزانہ ایک رکوع حفظ کر لیتا ہے اور بغیر انکے قاری صاحب کو سنا دیتا ہے۔ اب آپ دیر ۲۰ رکوع روزانہ یاد کرنے کی کوشش کرو، آپ کا ہم کلاس ہر شمولوں میں ۱۰۰ اور ۱۰۰ نمبر لیتا ہے، آپ بھی خوب محنت کر کے ایسا کر کے دکھانا، آپ کی سہیلی جو جماعت میں بھی مار نہیں پڑتی، آپ ایسی کوشش کرو کہ نیچے سے کبھی ڈانٹ بھی نہ پڑے وغیرہ۔ اگر آپ نے ان اصولوں پر عمل کر لیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ قوی امید ہے کہ آپ کے بچے احساس کمتری سے محفوظ رہیں گے۔

شیخ سراج الدین ندوی فرماتے ہیں: بچے میں خود تجربہ کرنے کا داعیہ فطری طور پر موجود ہے۔ اس تجرباتی دور میں بچے سے اگر کوئی نقصان ہو جائے تو اس پر برا فروخت (تاریف) نہ ہوئے، بلکہ بچے کی شخصیت کی تعمیر کے لئے اس نقصان کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیجئے۔

مثلاً: آج ہی آپ ٹیپ ریکارڈر لے کر آئے، کئی بار اس کو آپ نے آن آف کیا، کئی بار آواز آہستہ اور بلند کی، پھر آپ کمر سے باہر چلے گئے، ٹیپ آپ کی میز پر رکھا ہوا ہے، کمرے میں صرف آپ کا ٹیپ ہے اور "منا" ہے۔ منا بھی اس کو آپ کی طرف آن کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ سوچا ادھر ادھر گھماتا ہے، اٹھے سیدھے منہ دبانے سے ٹیپ میں چھو خرابی آ جاتی ہے۔ اسی دوران آپ کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ ٹیپ ہاتھ میں لے کر آن کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ٹیپ سے کوئی آواز نہیں آ رہی ہے، آپ منے پر برس پڑتے ہیں۔ خوف سے اس پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ غور کیجئے! یہاں پر آپ نے بچے کی تجرباتی صلاحیت کا خون کیا ہے۔ اب بچہ کوئی بھی نیا تجربہ کرنے سے گریز کرے گا۔ جس کے نتیجے میں اس کے اندر کماؤں پیدا ہو جائے گا۔ بچے پر برا فروخت ہوتے وقت آپ یہ بھول گئے کہ آپ بھی تجربہ کرتے وقت بہت سے نقصانات کر بیٹھتے ہیں۔ اس لئے بچے کے جائز تجربہ و تجسس سے چشم پوشی

کیجئے۔ البتہ اگر آپ یہ دیکھیں یا محسوس کریں کہ بچے کا کوئی تجربہ، نادانی کی وجہ سے بچہ کا سبب بن سکتا ہے تو اسے محبت اور نرمی سے روکیجئے۔

اگر بچے کے جہلی تھانصوں کی تکمیل نہ کی جائے اور فطری خواہشوں کو جائز طور پر پورا نہ کیا جائے تو اس کا قوی اندیشہ رہتا ہے کہ بچے غلط طریقے سے اپنی فطری خواہشوں کو پورا کریں۔

لہذا آپ بچے کے فطری تقاضوں کی تکمیل کا بھرپور اہتمام کریں۔ البتہ غیر معمولی لاف پیار سے بچے کو بگڑنے نہ دیجئے۔ زیادہ لاف پیار بھی بچے کو بگاڑ دیتا ہے۔ اس سلسلے میں توازن و اعتدال کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ ذرا سی بے اعتدالی بھی بچے کو بگاڑ سکتی ہے۔

بعض بچے ماں باپ کی جائز محبت و شفقت سے بھی محروم رہ جاتے ہیں اور یہ حروفی ان کے اندر بہت سی ذہنی و اخلاقی بیماریوں کا موجب بن جاتی ہے۔ بچہ اپنے ماں باپ سے بجا طور پر محبت و ناز برداری کی توقع رکھتا ہے اور جب اس کی توقع پوری نہیں ہو پاتی تو اس میں جھجھکاہٹ اور بیچانی کیفیت کا پیدا ہو جانا فطری بات ہے۔ ایسی صورت میں آپ اپنے بچے سے غیر مشروط محبت کیجئے، وہ آپ کی محبت کا بھوکا ہے، اپنی عملی زندگی سے اسے پیار اور محبت کا یقین دلائیے۔ یہ پیار اور محبت بہت سی خرابیوں کا کامیاب ترین علاج ہے۔

اگر بچہ آپ کے رویے یا کسی جسمانی کمزوری کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار ہو کر بگڑنے لگا ہے، تو فوراً اپنے رویے کی اصلاح کیجئے۔ کسی بات پر چڑنا، بات بات پر ٹوٹنا، تحقیر و تذلیل کا رویہ اختیار کرنا بچے کے اندر احساس کمتری کو پیدا کر دیتا ہے اور یہ احساس کمتری بہت سے نقصانوں کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

مثلاً: مانوہ از چمن کی تربیت کیسے کریں، شیخ سراج الدین ندوی، ص ۲۲۲

بچے کو ناجائز دباؤ میں نہ رکھیے

عموماً چار یا پانچ بچوں والے گھروں میں جو بچہ سب سے چھوٹا ہوتا ہے، تمام گھر والوں کی تنقید کا نشانہ بنی ہوتا ہے۔ گھر کے تمام بڑے افراد جیسا کہ یہ کہیں بڑا ہوگا ہی نہیں، ہر وقت اس کو جھڑکتے رہتے ہیں۔ اس کے نتائج بہت ہی خراب نکلتے ہیں کہ بسا اوقات ان کا بگاڑ صرف گھر کے اندر خرابی کا باعث نہیں ہوتا، بلکہ پورے معاشرے کے لئے ایک وبال بن جاتا ہے۔ چونکہ چار یا چھ افراد پر مشتمل یہ کنبہ بھی معاشرے کا حصہ ہے، اس لئے اس کے اندر ہونے والے معاملات کا معاشرے پر اثر انداز ہونا ضروری ہے۔

۱ ہر وقت ذانت ڈپٹ کے درمیان گھرا ہوا بچہ فطری ذہنی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔

۲ اس طرح کے بچے عموماً احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔

۳ ناامیدی ان میں رچ بس جاتی ہے۔

۴ کسی کو اپنی بات سمجھانے سے قاصر ہوتے ہیں۔

۵ کسی بھی تعمیری کام میں حصہ لینے سے گھبراتے ہیں۔

۶ صلاحیت ہونے کے باوجود کوئی کام نہیں کر سکتے اور گزرے ہوئے حالات کو جن میں وہ نفرت کا شکار رہے، اس کی وجہ سے اپنے سے بڑی عمر کے تمام لوگوں کو اس کا قہر دار سمجھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایسے بچے جب اپنے جذبات کو مجروح ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اپنی خواہشات کا گلا گھٹتے ہوئے دیکھتے ہیں، ان کو کوئی صحیح رہنمائی کرنے والا نہیں ملتا، ان کے جذبات و احساسات کی ترجمانی صحیح طور پر نہیں ہوتی تو ایسے بچے بچپن ہی سے غلط احساسات کا شکار ہو جاتے ہیں، احساس کمتری ان میں جنم لیتی

ہے، اب ان کی وہ صلاحیتیں جو کہ مثبت طور پر استعمال ہونی تھیں، وہ منفی رخ اختیار کر لیتی ہیں اور وہ غلط موسائے میں الجھنا بیٹھنا شروع کر دیتے ہیں، جس سے ان کی منفی سوچ کو مزید تقویت ملتی ہے۔ اس موسائے میں ان کی باتوں کو سننے والے بہت ہوتے ہیں، کیونکہ وہ سارے بھی اسی قسم کے حالات کے ستم رسیدہ ہوتے ہیں اور اسی موسائے کے دوست اس کو تباہی کے دہانے پر لے جا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔

اللہ نہ کرے، بعض اوقات ایسی صورتحال کے شکار بچے نشے کی طرف بھی راغب ہو سکتے ہیں، اور اس زہر کو اپنے اندر گھولتے رہتے ہیں، تھوڑے سے سکون کو جو کہ گھر کے اندر ان کو نصیب نہیں ہوتا، اس دھوئیں سے حاصل کرتے ہیں۔ اس بات سے بے خبر ہو کر کہ یہ دھوئیں کے بادل وقتی طور پر تو ذہن کے لئے سکون کا کام دیتے ہیں، لیکن ان سے برسنے والی بارش آب حیات نہیں بلکہ سم قاتل ہے۔

ہر مسلمان والد کے لئے ضروری ہے کہ اولاد کے ساتھ یکساں شفقت کا سلوک رکھے اور اس کا خیال رکھے کہ کسی کی دل آزاری اس طرح نہ ہو کہ بڑی اولاد کی تعریف کی، چھوٹے کو نکما، کاہل و ست اور برا کہا، بلکہ اگر کسی میں اس طرح کی کوئی بات دیکھے تو سمجھا بچھا کر پیار و محبت کے پھولوں کو مساوی طور پر تقسیم کرے۔ اس سے بچوں میں ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ آئے گا اور محبت بڑھے گی۔

بچے کو اپنی عزت کا بہت خیال ہوتا ہے۔ اور جب اس کی بے عزتی کی جاتی ہے تو اس کے نتائج بہت خراب نکلتے ہیں۔

اسی طرح یہ بھی نہ ہو کہ ایک ہی بچے سے زیادہ کام کروایا جائے، اور دوسرے کو اپنے پاس باتوں کے لئے بٹھایا جائے، یا اس لئے دوسرے سے کام نہ کروایا جائے کہ وہ بے وقوف ہے کام خراب کر دے گا، ہرگز ایسا نہ کیجیے، یاد رکھیے! بچے میں یہ حس بہت تیز ہوتی ہے، وہ اس کو بہت ہی برا محسوس کرتا ہے۔

لہذا اس کا ایک حل یہ ہے کہ آپ تمام بچوں کے ساتھ گھر میں کھانے کے لئے

بیٹھے ہوئے ہیں، اور اچانک فون کی گھنٹی بجتی ہے، آپ فوراً کسی کو حکم نہ دیں کہ "جاؤ" نہ سب فون اٹھاؤ" یا پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو "جاؤ ایوب پانی لے آؤ"، کیونکہ اس وقت سب مزہ سے باتیں کر رہے ہیں یا کوئی قصہ سن رہے ہیں، یا بھوک کی شدت کی وجہ سے بہت مزہ سے کھانا کھا رہے ہیں، اس حالت میں بار بار ایک ہی بڑی بچی کو حکم دینا، یا صرف چھوٹے بچے کو ہی کہنا نامناسب ہوگا، اس صورت میں عمومی حکم دیجیے کہ کون پہل کرتا ہے کہ پانی کا گلاس لے آئے، ماشاء اللہ شاباش دیکھو بھائی اب کون پہل کرتا ہے کہ فون اٹھائے ماشاء اللہ، ماشاء اللہ ایوب بیٹے آج تو آپ نے تین کام کر لئے، دیکھو بات یہ ہے کہ جو اپنے جسم کو خوب استعمال کرے گا دوسروں کے کام آئے گا، امی ابو بھائی بہنوں کے کاموں میں ہاتھ بٹائے گا، اس کی صحت بھی اچھی رہے گی، اس کو کام کا ڈسٹنک بھی آ جائے گا، سب اس کو دعائیں دیں گے وغیرہ۔

لہذا کسی طرح بھی اپنے دل و دماغ میں ان خیالات، جذبات کو جگہ نہ دیجیے کہ فلاں بیٹا زیادہ ہوشیار ہے، فلاں بیٹا کا بل وست ہے، فلاں بیٹی بے وقوف ہے بلکہ آپ کے نزدیک تمام بچے بچیاں برابر ہیں، سب کے ساتھ یکساں سلوک کیجیے، آپ کی زبان پر ہرگز یہ بات نہ آئے کہ تم بے وقوف ہو، غافل ہو، کاہل ہو ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، یاد رکھیے! اس طرح کہنے سے شاید والد کا غصہ تو ٹھنڈا ہو سکے گا، لیکن بچہ کی بے وقوفی کا علاج نہیں ہو سکے گا، بہت ہی زیادہ ہوشیاری و سمجھداری کے ساتھ، بہت ہی زیادہ صبر و تحمل کے ساتھ جو سست ہے اس کو چست بنانے کی جو بے وقوف ہے اس کو سمجھدار بنانے کی اس طرح کوشش کیجیے کہ وہ یہ سمجھے کہ ابا کی نظر میں میں بھی ہوشیار ہوں۔ ابا مجھے بھی چست سمجھتے ہیں، لیکن مزید ہوشیاری کے لئے سمجھا رہے ہیں۔

یاد رکھیے! یہ بہت نازک معاملہ ہوتا ہے، اس وقت والد اپنے پر قابو پاتے

ہوئے اپنے بچوں کی تربیت کر لے تو اپنے والد کے لئے دنیا بھی جنت ہے۔

ایک بات یہ ہے کہ جب بڑے بھائی، چھوٹے بھائی کو ڈانٹیں گے، اس کی تادیب کریں گے تو یہ بات کچی ہے کہ آپس میں دلوں میں بھی اتفاق پیدا ہوگا اور بڑی عمروں تک پہنچتے پر یہی کدورت اور دلوں میں چھپی ہوئی خاش، نفرت اور دوری کی صورت اختیار کر لے گی۔ اس لئے اللہ نے آپ کو جب باپ کا درجہ دے دیا ہے تو آپ اپنے بچوں کے تمام معاملات اور معاملات خود ہی طے کریں۔ اگر آپ بڑے بیٹے کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے تو اس کو البتہ یہ حق باور مجبوری اور بقدر ضرورت دیا جاسکتا ہے، ورنہ ہوتا یہ کہ اگر کسی کے چار بڑے بھائی اور تین بہنیں ہیں تو یہ سات مل کر حکمنا باپ کا درجہ لے لیتے ہیں۔ اس چھوٹے بھائی کو حکم کرنے میں یا کسی بات سے روکنے میں "آرڈر" اس طرح دیتے ہیں، جس طرح باپ ہوں۔

آپ خود ہی اندازہ لگا لیں کہ جس شخص کا حقیقی باپ تو ایک ہو اور حکم دینے والے اور رعب جمانے والے بار بار "کرکر" کرنے والے سات ہوں تو اس کا جو بھی حشر ہو، دو قرین قیاس ہے۔ لہذا اگر چھوٹے بیٹے کی طرف سے بڑے بھائی بہنوں کے متعلق شکایت آئے تو ان کے سامنے تو چھوٹے بیٹے کو سمجھائیں کہ بڑوں کا ادب کرو اور بڑوں کو اکیلے میں سمجھاویں کہ بندہ (یعنی میں)، اس کا باپ زندہ ہوں، آپ لوگ اس کو کسی حال میں بھی کچھ نہ کہیں۔ اگر یہ کوئی غلط کام کر رہا ہو تو آپ اس کو سمجھائیں، اگر سمجھتا نہیں تو دعا مانگیں کہ اے اللہ! میرے چھوٹے بھائی کو ہدایت دے، پھر دوبارہ سمجھائیں، پھر بھی نہیں سمجھتا تو مجھے اکیلے میں بتلائیں، میں سمجھاؤں گا۔ مگر ہرگز ہرگز اس پر ہاتھ نہ اٹھائیں، اس کو جھڑکیں اور ڈانٹیں نہیں۔ اس طرح کرنے سے ان شاء اللہ الرحمن بڑے بیٹوں کا اپنا بھی حق باقی رہے گا اور چھوٹے بیٹے کی اصلاح بھی ہو جائے گی اور چھوٹے، بڑوں کا ادب کرنے لگیں گے۔

بچوں کو غلطی پر ٹوکنے کا انداز

ہر مسلمان والد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت میں ایسے انداز و طریقے اختیار کرے، جو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تربیت کے لئے اختیار فرمائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، تربیتی طریقوں میں دانائی اور حکمت کو پیش نظر رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالتے اور نہ کوئی ایسی روش اختیار فرماتے، جس سے مخاطب کوئی غلط تاثر قبول کر لے، اس کے اندر بے اطمینانی کی کیفیت پیدا ہو یا وہ کسی غلط عمل کا مرتکب ہو جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا بھرپور خیال رکھتے تھے کہ اگر کسی کی کوتاہی علم میں آجائے تو اس کو اس انداز سے نہ ٹوکا جائے کہ اسے برا محسوس ہو یا اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچے، بلکہ آپ اس کے لئے کسی مناسب موقع کا انتظار فرماتے۔ انفرادی طور پر متنبہ کرنے کے بجائے کسی جمع کو خطاب کرتے ہوئے آپ اس کوتاہی کی طرف اشارہ فرمادیتے۔ غلطی کرنے والے کو خود احساس ہو جاتا اور وہ اس کو ترک کر دیتا اور اسے یہ بھی محسوس نہ ہو پاتا کہ یہ بات خاص طور سے مجھ ہی سے کہی جا رہی ہے، گویا کہ براہ راست سمجھانے کے بجائے اجتماعی طور پر سمجھانے کا طریقہ اختیار فرماتے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں نے آپ کی بتائی ہوئی عبادات کو کم سمجھ کر غلو اختیار کرنے کا حبیہ کر لیا ہے۔ ایک نے کہا کہ میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا۔ دوسرے نے عزم کیا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ جب آپ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے ان سے براہ راست گفتگو کرنے کے بجائے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”کیا بات ہے کہ کچھ لوگ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں۔ حالانکہ میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا ہوں، اور روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، اور شادی کرتا ہوں، تو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے، وہ مجھ سے نہیں۔“

جب کچھ لوگوں کی غلو والی روش اور تشدد آمیز طرز فکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی طور پر خطاب کرتے ہوئے اس غلط طرز فکر کی اصلاح فرمادی۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ عام حضرات کے سامنے بھی اسلام کا صحیح طرز فکر آگیا، لوگوں کو غلو پسندی کے بجائے اعتدال کی راہ معلوم ہوگئی۔ اور جنہوں نے غلو کیا تھا، ان کی بات دوسروں کے سامنے نہ کھل سکی، جس سے وہ شرمندہ ہونے سے بچ گئے۔

اسی طرح اگر اولاد کوئی غلطی کرتی اور باپ محسوس کر لے تو باپ کو چاہیے کہ عمومی رو کرے۔ کسی خاص بچے کا نام لے کر اور است مخاطب کر کے نہ کہے، اس طرح باقی سب بچوں کو بھی تنبیہ ہوگی، ہاں اگر انفرادی تنبیہ زیادہ بہتر ہو تو انفرادی طور پر تنبیہ کرے، لیکن مثبت انداز میں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کبھی اس کی ضرورت محسوس فرماتے کہ غلطی پر براہ راست متنبہ کر دیا جائے تو تنہائی میں نہایت دل سوزی اور محبت کے انداز میں سمجھاتے، تاکہ مخاطب کسی احساس کمتری کا شکار بھی نہ ہو اور وہ اپنی اصلاح بھی کر لے۔ ایک بار عمر ابن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ ان کا ہاتھ پلٹ میں کبھی ادھر پڑتا کبھی ادھر، چونکہ وہاں دوسرے لوگ موجود نہیں تھے اور بروقت سمجھانا بھی زیادہ بہتر تھا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الفور عمر ابن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو متنبہ کیا، مگر منفی انداز میں نہیں بلکہ نہایت پیار بھر سے لہجہ اور مثبت انداز

میں فرمایا۔ مزید یہ کہ آپ نے صرف اسی کوتاہی پر نہیں ٹوکا، بلکہ کھانے کے بنیادی آداب بیان فرمائے کہ عمر ابن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بھی محسوس نہ ہوا کہ آپ میری غلطی پر مجھے ٹوک رہے ہیں، بلکہ وہ یہ سمجھے کہ مجھے کھانے کے آداب بتا رہے ہیں۔ اس لئے آپ نے پہلے دوسرے آداب بتائے اور آخر میں یہ ادب بیان فرمایا کہ پلیٹ میں اپنی طرف سے کھانا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿يَا غُلَامُ سَمِ اللَّهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ﴾^۱

ترجمہ: ”اے بیٹے! (دب کھانا کھاؤ تو سب سے پہلے) اللہ کا نام لیا

کرو۔ اور دایب ہاتھ سے کھایا کرو اور اپنی طرف سے کھایا کرو۔“

دیکھئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس پیار بھرے انداز میں گفتگو شروع فرما رہے ہیں۔ غلطی پر مثبت انداز میں پیار و محبت کے ساتھ رہنمائی فرما رہے ہیں۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے:

﴿أَذِّنْ مِنِّي، فَسَمِ اللَّهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ﴾^۲

ترجمہ: ”میرے نزدیک ہو جاؤ، ”إلى آخره“۔“

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ اس طرح محبت بھرے انداز میں خطاب

فرمایا:

﴿أَذِّنْ يَا بُنَيَّ﴾^۳

یعنی پہلے اس یتیم بچے کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں تھا، اس کو اپنے

سے نزدیک فرمایا، کہ میرے پاس قریب آ کر بیٹھ جاؤ، پھر محبت بھرے خطاب سے

نوازا، اے میرے بیٹے!

^۱ صحیح مسلم، کتاب الاشریۃ، باب آداب الطعام والشراب واحکامہما: ج ۱ ص ۱۷۲

^۲ مختصر سنن ابوداؤد الترمذی، کتاب الاطعمۃ: رقم ۳۶۲۹

^۳ صحیح سنن الترمذی، باب ماجاء فی التسمیۃ علی الطعام، رقم: ۱۵۱۳

دکتر فضل الہی اپنی کتاب ”اللبین والرفق“ میں فرماتے ہیں:

﴿كَيْفَ كَانَ أَثَرُ هَذِهِ الدَّعْوَةِ الْمَقْرُونَةِ بِالرَّفْقِ وَاللِّطْفِ

وَالْكَرَمِ﴾

ترجمہ: ”کتنا اچھی طرح سمجھانا تھا، ایسا سمجھانا یا اس طرح دعوت دینا،

جو انتہائی نرمی اور ہمدردی و مہربانی کے اظہار کے ساتھ ہو، وہ ضرور اثر

رکھتا ہے۔“

اسی کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

﴿فَمَا زِلْتُ تَلْتُ طَعْمَتِي بَعْدُ﴾^۱

ترجمہ: ”یعنی اس کے بعد سے ہمیشہ کے لئے یہ بری عادت میں نے

چھوڑ دی، اور ان آداب کے موافق کھانا شروع کر دیا۔“

اسی طرح بعض اوقات نماز کسی کو کسی غلط عمل سے روکنا بہت مفید ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی غلطی کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لئے زبان

سے کچھ نہ کہتے، بلکہ عملاً غلطی سے روک دیتے اور غلطی کرنے والے کو اپنی غلطی کا

احساس ہو جاتا۔ بعض موقعوں پر یہ عملی قدم، زبانی ہدایت سے زیادہ مؤثر اور نصیحت

آمیز ہوتا۔ ایک بار حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سواری پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آئی، حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس

عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھنے لگی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ

دوسری طرف کر دیا۔^۲

اس موقع پر زبان سے کوئی بات کہنا مصلحت و حکمت کے خلاف تھا کہ کس

^۱ صحیح البخاری، باب التسمیۃ علی الطعام والاکل باليمين، رقم: ۵۳۷۰

^۲ بخاری، کتاب المناسک، باب وجوب الحج وفضله: ج ۱ ص ۲۰۵

انداز سے بات کہی جائے؟ دونوں میں سے کس کو مخاطب بنایا جائے؟ کن الفاظ کا استعمال کیا جائے؟ اگر نہایت احتیاط کے ساتھ الفاظ استعمال کیئے جائیں تب بھی جذبہ خود داری کو ٹھیکس لگنے کا اندیشہ تھا۔

لہذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حکیمانہ طریقہ اختیار فرمایا۔ بہت آہستہ سے حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور ان کا رخ دوسری جانب کو کر دیا۔ سمجھتے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کو سمجھ گیا۔ یقیناً حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی کمزوری کا احساس بھی ہوا ہوگا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ طریقہ توجہ کا اثر بھی پڑا ہوگا۔

کسی بھی غلطی پر سمجھاتے ہوئے بقدر غلطی اس کو نرمی سے نوکیں، لیکن اس غلطی میں جو بھلائی کا پہلو ہو، اس کی ضرور حوصلہ افزائی فرمائیں۔

بھلائی کی تھوڑی سی حوصلہ افزائی، غلطی کی ذات میں اصلاح کی قوی تاثیر پیدا کر دے گی، یعنی آئندہ کے لئے اولاد کو اس کا ضمیر اس غلطی پر متنبہ کرتا رہے گا اور اس غلطی کو دہرانا اس کے لئے مشکل ہوگا۔ دیکھئے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کا انداز مبارک بھی اس طرح کا تھا کہ غلطی میں کوئی بھلائی کا پہلو ہوتا تو پہلے اس کے ذریعہ حوصلہ افزائی فرماتے، پھر غلطی نہ دہرانے کی نصیحت فرماتے۔

ایک صحابی ابا بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں داخل ہوئے، جماعت ہو رہی تھی، لوگ رکوع میں تھے، ان صحابی نے وہیں سے نماز کی نیت باندھ لی اور رکوع میں شامل ہو گئے تاکہ رکعت نہ نکل جائے، اور پھر آہستہ آہستہ چل کر صف میں شامل ہو گئے، نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿وَأَذِّنْ لِلَّهِ جَوْضًا وَلَا تَعْدُ﴾

سُئِلَ عَنْهُ أَبُو بَكْرٍ يَوْمَ كَانَ يَوْمَ الْوُجُوهِ

تَرْجُمَةً: ”اللہ تعالیٰ تمہارے اس دینی شوق میں زیادتی فرمائے (یعنی تم کو جو رکعت پانے کی فکر تھی، جس کی وجہ سے تم نے مسجد میں داخل ہوتے ہی نیت باندھ لی، یہ تمہارے شوق کی دلیل ہے، اللہ اس میں مزید ترقی نصیب فرمائے) اور پھر فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا (یعنی آئندہ اطمینان سے مسجد میں داخل ہو کر صف میں آکر پھر نیت باندھنا) یا نماز کوٹانے کی ضرورت نہیں۔“

غور فرمائیے! کہ ہمارے زمانے میں کوئی چھوٹا بچہ بھی اس طرح کرے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی نیت باندھ لے اور پھر نماز میں چلتے ہوئے صف میں شامل ہو جائے تو اس کو کس انداز سے دھتکارا جاتا ہے۔

اب جنگلی اتنی بھی تعلیم نہیں ہے، نماز میں کبھی چلا کرتے ہیں، شرم نہیں آتی، وغیرہ.....

حالانکہ یہ بڑی عمر کے آدمی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کس طرح پیار و محبت سے سمجھا رہے ہیں۔ ہم سب والدین، خصوصاً والد اور اساتذہ حضرات یہ سنے کر لیں کہ ہم بھی اپنے بچوں اور چھوٹوں کو اسی طرح سمجھائیں گے تو ان شاء اللہ یہ ہمارا سمجھانا بھی دین بنے گا، یہ ہمارا سمجھانا اللہ کی رضا کا سبب بنے گا، یہ ہمارا سمجھانا اولاد کی اصلاح کا ذریعہ بنے گا۔

اسی طرح مسلم شریف میں یہ روایت ہے کہ حضرت معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، نماز پڑھنے کے دوران ایک آدمی کو چھینک آئی تو میں نے کہا: ”يُوحِصُكَ اللَّهُ“ تو لوگوں نے مجھے گھور کر دیکھنا شروع کیا، تو میں نے کہا کہ تم مجھے کیوں گھور کر دیکھتے ہو؟ تو انہوں نے اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مار کر اشارہ کیا کہ چپ رہو، نماز کے دوران بات نہیں کرنی چاہیے تو میں چپ ہو گیا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی تو مجھے بلایا۔

﴿فَبَابِي هُوَ وَأُمِّي. مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَلِيلًا وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ

فَوَاللَّهِ مَا قَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي﴾

(اور اتنے پیارے انداز سے سمجھایا) کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں،

میں نے اپنی پوری زندگی میں نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر تعلیم دینے والا نہیں پایا۔

اللہ کی قسم! نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھڑکا اور نہ مارا اور نہ مجھے برا بھلا کہا اور فرمایا:

﴿إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ. إِنَّمَا هُوَ

الْشَّيْخُ، وَالتَّكْبِيرُ، وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ﴾

ترجمہ: ”نماز پڑھتے ہوئے باتیں کرنا یا اسی طرح کے اور کام مناسب

نہیں، نماز تو تسبیح اور تکبیر اور تلاوت قرآن کا نام ہے۔“

ابن ابی مسلمان والد کو چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کے

طریقے کو اپنانے کی کوشش کرے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر نورانی و مبارک

طریقہ امت کے لئے مشعلِ راہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں

میں سو فیصد دونوں جہاں کی کامیابی مختصر ہے، ہم سب کو چاہیے کہ معاشرت و

معاملات کی سو فیصد سنتیں اپنے معاشرہ میں زندہ کریں اور اس بات کی کوشش کریں

کہ پورے عالم کے انسانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت زندہ ہو جائے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کی شرح میں فرماتے ہیں:

﴿وَفِيهِ بَيَانٌ مَا كَانَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ

عَظِيمِ الْخَلْقِ الَّذِي شَهِدَ اللَّهُ تَعَالَى لَهُ بِهِ، وَدَفَقَهُ بِالْجَاهِلِ وَدَأْفَتُهُ

سہ مسلم، باب تحریم الکلام فی الصلوة ونسخ ما کان من اباحہ: ج ۵ ص ۲۰۳

وَشَفَقَتُهُ عَلَيْهِ وَفِيهِ التَّخَلُّقُ بِخَلْقِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْوَفْقِ

بِالْجَاهِلِ وَخَسَنَ تَعْلِيمِهِ وَاللُّطْفُ بِهِ وَتَقَرُّبُ الصُّوَابِ إِلَيْهِ

فِيهِ

ترجمہ: ”اور اس واقعہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ جس پر رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کا رہندہ تھے، وہ ایسے عظیم اخلاق تھے کہ جس کی گواہی اللہ

تعالیٰ نے دی اور جاہل کے ساتھ نرمی اور مہربانی اور شفقت کا برتاؤ کرنا،

اور اس واقعہ میں اس بات کی تعلیم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

اخلاق اختیار کیے جائیں، جن میں جاہل کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اور

اجنبی طریقے سے تعلیم دینا اور جاہل کے ساتھ نرمی کرنا اور صحیح بات اس

کی سمجھ کے مطابق کرنا۔“

اس سنت کو زندہ کرنے کے لئے والدین اور سرپرست حضرات اساتذہ و

معلمائے کو چاہیے کہ دو باتوں کا خیال رکھیں۔

ان باتوں کے اہتمام سے ان شاء اللہ تعالیٰ غصہ پر قابو پانا، حکمت کے

ساتھ سمجھانا، غلطی کی اصلاح ہو جانا، الفت و محبت برقرار رہنا، وغیرہ تمام

امور میں سنت کی رعایت ہو جائے گی۔

① میں غلطی پر نہ ٹوکیں، ہرگز ہرگز رسکے ہاتھوں نہ پکڑیں، میں غلطی کے وقت

پچھتے سے آکر تھپڑ مار دینا، اور پھر سمجھانا، یا پھر افسوس کرنا کہ غصہ بہت آجاتا ہے، کیا

کروں، یہ نامناسب فعل ہے۔

② اپنے بچے کی کوئی غلطی سامنے آنے پر، یا باہر سے شکایت سننے پر، یا انہوں میں

سے شکایت سننے پر فوراً ہی سمجھانے یا ڈانٹنے مارنے نہ لگ جائیے، بلکہ تین نمازوں کا

انتظار کرے۔ تین نمازوں کا وقت گزر جانے کے بعد پھر سمجھائیں اور بااگر پوچھیں کہ

سہ شرح النووی: ج ۵ ص ۲۰۳

بیٹا! کیا بات ہے؟ آج آپ کی شکایت فلاں صاحب ... نے یا فلاں استاد ... نے یا فلاں چچا ... نے کی ہے۔

اگر صبح کے وقت آپ کو شکایت پہنچی ہے تو مغرب، عشاء، فجر ... کم از کم تین نمازوں کے گزرنے کے بعد پوچھیں، ان شاء اللہ الرحمن اس نصیحت پر عمل کرنے سے قلب کی راحت، دل و دماغ کا تسکین نصیب ہوگا، ٹینشن ... اور ڈپریشن ... جیسی موزی بیماریوں سے نجات ملے گی۔

اب یہاں رک کر دس مرتبہ درود شریف پڑھ کر گڑگڑا کر دعا مانگیے کہ اے اللہ! ہمیں بھی اس طرح سمجھنے کا ڈھنگ نصیب فرما، ہر جگہ بھلائی کے پہلو کو سامنے رکھ کر حوصلہ افزائی فرما، ہمدردی کی توفیق نصیب فرما، آمین۔

ایک سمجھدار والد کا قصہ ہے کہ بیٹا سائیکل لے کر گلیوں میں چلانے لگا تھا، والد نے سمجھایا، لیکن نہ مانا تو والد سائیکل کو تالا دے کر چلے گئے، بیٹے نے چوڑی سے تالا کھول لیا اور شام کو والد کے آنے سے پہلے پہلے سائیکل اسی طرح رکھ دی کہ والد کو پتہ ہی نہ چلے، جب والد صاحب کے علم میں یہ بات آئی تو بیٹے کو بلا کر شاباش دی کہ تم تو بڑے ہو کر ماشاء اللہ بڑے سائنسدان بنو گے ... ملک و ملت کی خوب خدمت کرو گے، تمہارے ذریعہ انکھوں لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ اس لئے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے عجیب ذہن دیا ہے کہ اتنے ماہر ہو کہ تالا کھول لیا، پھر اس کو اسی طرح بند بھی کر لیا کہ مجھے پتہ نہ چل سکا، پھر سائیکل اسی طرح پارک کی جس طرح صبح میں کر کے جاتا تھا۔ بیٹا تم نے بہت بڑا کمال کر دکھایا۔

پھر رات گزر جانے کے بعد صبح دوبارہ بلایا اور پھر سمجھایا بیٹا دیکھو! یہ کمال تو ہے، لیکن اگر اس کو دوسرے پہلو سے دیکھیں تو یہ چوری بھی کہانی جاسکتی ہے، آپ کو جو اللہ نے اتنا اچھا ذہن دیا ہے، اس کو آپ چوری پر استعمال کرنے کے بجائے اچھی جگہ استعمال کرو، آپ کو سائیکل چلانے سے اس لئے روکا تھا کہ آپ ہی کو کوئی چوٹ

نہ لگے، آپ ہی کے فائدے کے لئے سوچا تھا، اور پھر شام کو تو میں سائیکل کھول دیتا ہوں، لہذا آئندہ ایسا نہ کرنا۔

جوامع الکلم

ترہیت کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص حکمت یہ بھی رہی ہے کہ زیادہ لمبی بات، اکتادینے والے وعظ سے گریز فرماتے، مختصر الفاظ میں اپنے مدعا کو بیان کرنے کی کوشش فرماتے۔ تاکہ سننے والے کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح سمجھ جاسے اور اگر آدمی ازبر کرنا چاہے تو آسانی سے ازبر کر سکے۔ چنانچہ احادیث میں بہت سے جملے ایسے ملتے ہیں جو الفاظ کے اعتبار سے بہت مختصر ہیں، مگر ان میں معانی کا ایک سمندر پنہاں ہے۔ احاطہ میں اس طرح کے کلمات کو ”جوامع الکلم“ کہا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم چند ”جوامع الکلم“ یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ آپ بچوں کی تربیت اس طرح کر سکیں، اور چینیوں کے زمانے میں بچوں کے اوقات کی حفاظت کے لئے لگہ رہی میں مدرسہ اور اسکول کا ماحول بنا سکیں، مثلاً لکھنؤ میں ایک تختہ سیاہ (بلیک بورڈ) بنا کر ان احادیث مبارکہ کو لکھیں، بچے کاپیوں میں لکھیں اور زبانی یاد کر لیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

«خَيْرُ الْأَعْوَادِ عَوَازِفُهَا، شَرُّ الْعَصَى عَصَى الْقَلْبِ»

ترجمہ: ”بہترین معاملہ وہ ہے جس کا عزم کر لیا گیا ہو، سب سے برا اندھا پن، دل کا اندھا پن ہے۔“

«خَيْرُ الْعِلْمِ مَا نَفَعَكَ»

ترجمہ: ”بہترین علم وہ ہے جو نفع بخش ہو۔“

۱۔ الدر المنثور للسيوطی: ج ۵ ص ۲۵۵

۲۔ الدر المنثور للسيوطی: ج ۲ ص ۲۵۵

«الْبَدُّ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْبَدِّ السُّفْلَى»^۱

ترجمہ: ”اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔“

«شَرُّ الشَّامَةِ لِدَامَةِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ»^۲

ترجمہ: ”قیامت کے روز حق ہونے والی پشیمانی، سب سے بری پشیمانی ہوں۔“

«مَقَالٌ وَكَمْحَى خَيْرٌ مِّنْ مَّخْفَرٍ أَلْهَى»^۳

ترجمہ: ”کم اگر کافی ہے تو اس زیادہ سے بہتر ہے جو غافل کر دے۔“

«أَحْسَنُ الْهُدَى هُدَى الْأَنْبِيَاءِ ط وَخَيْرُ الْمَغْنَى غِنَى النَّفْسِ»^۴

ترجمہ: ”بہترین سیرت، انبیاء علیہم السلام کی سیرت ہے۔ بہترین مال داری، دل کی مال داری ہے۔“

«كُلُّ مَا هُوَ ابْتِغَاءٌ قَرِيبٌ»^۵

ترجمہ: ”ہر آنے والی چیز قریب ہے۔“

«الشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِنَ الْجَنَّةِ»^۶

ترجمہ: ”نوجوانی پائگل پن کا ایک دور ہے۔“

یہ چند جوامع الکلم ہیں، جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فقہ الفاظ میں بے پناہ معانی کو سمودیا ہے۔ آپ کے مواظف و نصائح بہت مختصر ہوتے تھے۔ آپ کے بارے میں احادیث میں آتا ہے:

۱۔ بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الاستغفار عن المسئلة: ج ۱ ص ۱۹۹

۲۔ الدر المنثور للسیوطی: ج ۲ ص ۲۵۵

۳۔ کنز العمال: ج ۶ ص ۱۱۰، رقم: ۱۶۱۲۰

۴۔ الدر المنثور للسیوطی: ج ۲ ص ۲۵۵

۵۔ الدر المنثور للسیوطی: ج ۲ ص ۲۵۵، ج ۲ ص ۲۲۲

۶۔ ابی حنیفہ

«إِنَّهُ إِذَا خَطَبَ لَا يَخْلُ وَلَا يُمَلُّ»

ترجمہ: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو اس میں کوئی نقص

نہ ہوتا اور نہ ہی آپ (لوگوں کو) آتاتے (لمبی بات کہہ کر)۔“

ہر وقت فصاحت کرتے رہتا آیتا بہت اور کبھی کبھی خمد کا باعث بن جاتا ہے۔

اس لئے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ بچہ جتنی باتوں کو ہضم کر سکتا ہے، اتنی ہی

باتوں کی طرف اسے توجہ دلائی جائے۔ روزانہ یا بار بار نوکھنے یا نصیحت کرنے سے

فائدہ کے بجائے بعض اوقات نقصان ہوتا ہے۔

بچوں کو سمجھانے کا طریقہ

ہر مسلمان والد کے لئے ضروری ہے کہ بچوں کے سوالات کو غور سے سنے اور

ان کا تسلی بخش جواب دے۔ اس پر ناک بھون چڑھنا کسی طرح مناسب نہیں، نہ ہی

بچوں کو جھڑکنا مناسب ہے، اس طرح وہ ڈر اور خوف کے مارے سوال کرنا چھوڑ دیں

گے، بہت سی ایسی چیزوں کے علم سے محروم ہو جائیں گے، جس کا جاننا ان کے لئے

منفید اور ضروری تھا اور اس کا ذمہ دار باپ ہی ہوگا۔ اس لئے بچوں کی بات کو خوب

غور سے سنیے اور پھر اس کا تسلی بخش جواب دیجیئے۔ اگر آپ محسوس کریں کہ زبانی

سمجھانے سے بچوں کی سمجھ میں نہیں آئے گا تو وہ کام جس کے متعلق سوال کیا ہے،

بملا بچوں کو کر کے دکھائیے، بشرطیکہ کوئی ناجائز امر نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و دانائی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر آپ محسوس

کرتے کہ زبانی بات زیادہ مؤثر یا مفید ثابت نہیں ہو سکتی یا سوال کرنے والے کا

ذہن پوری طرح مطمئن نہیں ہو سکتا تو آپ عملی طور پر کر کے دکھاتے۔

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سے نمبر پر کھڑے ہو کر امامت کی تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ نماز کو

واضح طور پر دیکھ سکیں اور پھر آپ ہی کی طرح نماز پڑھیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا: "اے لوگو! میں نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ تاکہ تم میری پیروی کرو اور دوسروں کو میری نماز سکھادو۔" ^۱

ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں ریشم لیا اور بائیں ہاتھ میں سونا لیا، پھر فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔" ^۲

اس حدیث میں آشپز صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کی حرمت واضح کرنے کے لئے لوگوں کو ریشم اور سونا اوپر اٹھا کر دکھایا، تاکہ ان کی حرمت کی وضاحت ہو جائے اور لوگوں کے دلوں میں ان سے اجتناب کی اہمیت پیئید جائے۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا:

"اے اللہ کے رسول! وضو کیسے کیا جائے؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وضو کی ترکیب اور طریقہ زبانی بتا دیتے تو سوال کا جواب مکمل ہو جاتا، مگر آپ نے زبانی بتانے کے بجائے ایک برتن میں پانی مڑگایا اور پورا وضو کر کے دکھایا، تاکہ پوچھنے والا عملی طور پر وضو کے طریقہ اور ترکیب کو دیکھ سکے اور اس کے بھول جانے یا کمی بیشی کر دینے کا کوئی خدشہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو مکمل کر کے ارشاد فرمایا:

۱۔ بخاری، کتاب الجمعة، باب الخطبة علی المنبر: ج ۱ ص ۱۴۳

۲۔ ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی الحریر للنساء: ج ۳ ص ۲۰۵

"جس شخص نے اس وضو میں ہتھ بڑھایا یا کوئی کمی کی تو اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔" ^۱

لہذا اپنے کو ہر بات واضح طور پر سمجھانے کی کوشش کریں، اشاروں کی زبان سے سمجھانا اور نہ سمجھنے پر ڈالنا مناسب نہیں۔

اس طرح بات کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے کبھی بات کو زوردار انداز میں کہے کہ بچوں کے ذہن میں اس کی اہمیت آج اگر ہو اور مضبوطی کے ساتھ اس بات کو لے لے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حکمت و دانائی کا تقاضا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بات زوردار لہجہ میں فرماتے۔ کبھی قسم لیا کر اپنی بات کی اہمیت واضح کرتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب کسی بات پر زیادہ زور دینا چاہتے تو بار بار قسم کھاتے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں، آپ سے دریافت کیا گیا: اے اللہ کے رسول! کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص، جس کا پرزوی اسی کے شریعت محفوظ نہ ہو۔" ^۲

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ضرورت محسوس کرتے اور وقت کا تقاضا ہوتا تو نہایت اثر انگیز انداز میں خطاب فرماتے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا وعظ فرمایا کہ جس سے ہماری آنکھیں بہہ پڑیں اور دل لرز اٹھے۔ ^۳

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوز و گداز کی حالت میں اس طرح خطاب فرمایا کہ جس ممبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر لیا، اللہ تعالیٰ اس کو بخشے۔ ^۴

۱۔ ابوداؤد، کتاب الطہارة، باب الوضوء لثلاثا: ج ۱ ص ۱۸

۲۔ بخاری، کتاب الادب، باب من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ: ج ۲ ص ۸۸۹

۳۔ ترمذی، کتاب العلم، باب الاحذ بالنسۃ واجتنب البدعة: ج ۲ ص ۹۶

اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے، وہ لرزے لگا۔ حتیٰ کہ ہم نے یہ سوچا کہ یہ مہر گر جائے گا۔
وعظ و نصیحت میں یہ سوز و گداز اسی وقت پیدا ہوتا ہے، جب اپنی اولاد سے بے
پناہ محبت ہو، ان کی خیر خواہی کا خیال ہو، ان کی اصلاح کے لئے بے چینی ہو، خلوص
کے جذبات کا فرما ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی تعلیم و تربیت کے لئے جو انداز اور طریقہ
اختیار فرماتے، اس میں حکمت و دانائی کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور ہوتا۔ اس لئے آپ بھی
اپنے بچوں کی حکمت و دانائی کے ساتھ اس طرح تربیت کریں، جس طرح رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تربیت فرمائی اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی
کرتے رہے کہ یا اللہ! تو میرے دل میں تربیت کے وہ بہترین طریقہ الہام فرما،
جن کی بدولت میری اور میری اولاد کی دنیا و آخرت سب سے اور یہ بچے دنیا میں تیرے
پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی طریقوں کی اشاعت کا ذریعہ بنیں اور تیرا
دین ساری دنیا میں غالب ہو جائے۔ آمین یا رب العالمین!

جذبات و احساسات کا پاس و لحاظ

انسان کے جذبات و احساسات کو تعمیری رخ دینے کا دوسرا نام تربیت ہے۔
باپ کے لئے ضروری ہے کہ اولاد کے جذبات و احساسات کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے
صحیح رخ پر ڈالے۔ اسے روکنے کی کوشش نہ کرے، نہ ہی ایسے وقت میں کوئی ایسی
بات یا عمل کرے، جس سے جذبات مزید بھڑکیں اور اولاد نافرمانی پر اتر آئے یا دل
میں باپ سے نفرت پیدا ہو۔ اگر خود اس وقت کوئی حل سمجھ نہ آئے تو خاموش رہے
اور دوسروں سے مشورہ کر کے اس کا حل نکالے۔ آپ کو بخوبی اندازہ ہوگا کہ جذبات کو
صحیح رخ پر ڈالنے سے کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخالفین

سہ ابن ماجہ، باب الذکر البعث، ص ۳۲۶

کے مزاج اور نفسیات کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ان کے جذبات کا بھی پورا پورا خیال
رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جذبات کو بھی غلط رخ اختیار نہ کرنے دیتے۔ اگر
جذبات میں سرد مہری ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکمت کے ساتھ ان میں حرارت
پیدا کرتے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جذبات میں اشتعال محسوس کرتے تو کوئی ایسی
بات زبان سے نہ نکالتے اور نہ ملّاؤں کی ایسی روش اختیار کرتے، جس سے جذبات
بے قابو ہو جائیں۔ جذبات و احساسات کی رعایت کر کے انہیں صحیح اور تعمیری رخ
دیتے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جذبات کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو روکنے
کے بجائے اس کا رخ صحیح جانب پھیر دیا۔ اس سلسلے میں ہم چند واقعات تحریر کرتے
ہیں، جن سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ جذبات کو صحیح رخ پر ڈالنے سے کتنا
فائدہ ہوتا ہے۔

غزوہ خنین میں جو مال غنیمت ملا، اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل عرب
میں تقسیم کر دیا کہ اسلام میں ان کی دل بستگی کا سامان ہو۔ اس موقع پر انصار کو کوئی
عطیہ نہیں دیا اور تمام مال دوسرے قبائل میں تقسیم کر دیا۔ انصار نے جب یہ دیکھا تو
بشری تقاضے کے تحت ان میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے اور طرح طرح کی
چمکیاں ہونے لگیں۔ انہوں نے کہا کہ مصیبت کے وقت تو ہم نے ساتھ دیا اور
اب جب مال کی تقسیم کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نظر انداز کر کے
سارے مال اپنی قوم میں تقسیم کر دیا۔ انصار کے معزز ترین فرد، حضرت سعد بن عبادہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے علم میں جب یہ بات آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوئے اور عرض کیا

«يا رسول الله إن هذا الحق من الأنصار قد وجدوا غليلك في
أنفسهم لما صنعت في هذا الفداء الذي أصبت. فست في
قومك وأعطيت عطايا عظاما في قبائل العرب ولم يكن في هذا

الحی من الانصار منها شیء

”اے اللہ کے رسول! انصار کا قبیلہ مال فنی کی تقسیم کے سلسلہ میں اس وجہ سے روٹھا ہوا ہے کہ آپ نے پورا مال اپنی قوم میں تقسیم کر دیا۔ آپ نے قبائل عرب کو بڑے بڑے عطیات عنایت کیے، مگر انصار کے حصہ میں جو کچھ بھی نہیں آیا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”سعد بن عبادہ! اس سلسلہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟“ انہوں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! میں بھی انصار کا ایک فرد ہوں۔“ آپ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اچھا، تمام انصار کو اس احاطہ میں جمع کرو، میں ان سے گفتگو کروں گا۔ جب تمام انصار جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا:

”اے انصار کے لوگو! تم کیا چیزیں چاہتے ہو؟ تمہیں کون سی بات ہموار گزری ہے؟ جب میں تمہارے پاس آیا، کیا تم گمراہ نہیں تھے؟ اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت دی۔ کیا تم غریب نہیں تھے؟ اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں مال داری عطا کی۔ کیا تم آئین میں ایک دوسرے کے دشمن نہیں تھے؟ اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا۔“

انصار نے کہا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے پناہ فضل و احسان ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: ”اے انصار کے لوگو! خاموش کیوں ہو، میری باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتے؟“

انصار نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کو کیا جواب دیں۔ حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول ہی کا فضل و احسان ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے انصار کے لوگو! اللہ کی قسم، تم اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو اور تمہاری بات صحیح ہوگی، میں بھی تمہاری تصدیق کروں گا۔ تم کہہ سکتے ہو کہ اے محمد! آپ اس حال میں ہمارے پاس آئے کہ آپ کو لوگ جھٹلا رہے تھے، ہم

نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ بے یار و مددگار آئے، ہم نے آپ کی مدد کی۔ آپ دُگوں کے دھتکارے ہوئے تھے، ہم نے آپ کو پناہ دی۔ آپ نادار تھے، ہم نے آپ کی غم خواری کی۔“

”اے انصار کے لوگو! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ کہیں اونٹ لے کر واپس جائیں اور تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھر کو واپس چلو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، جو چیز تم نے کہیں چاہے، وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جس کو لے کر یہ لوگ واپس جائیں گے۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک آدمی ہوتا۔ اگر یہ لوگ ایک وادی اور لہائی میں چلیں تو میں انصار کی وادی اور لہائی میں چلوں گا۔“

”انصار میرے قریب ترین ہیں اور دوسرے لوگ ان کے بعد۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما، ان کے بیٹوں اور بیٹوں کی اولاد پر رحم فرما۔“

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تقریر سن کر لوگ اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور انہوں نے کہا کہ ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم سے خوش ہیں۔“

غور کیجیے! جذبات نزاکت کے کس رخ پر بہہ رہے تھے۔ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جذبات کے منافی تقریر کی ہوتی یا جذبات کو نہ سمجھا ہوتا تو اس کی یہ شدت کیسا رنگ اختیار کرتی؟ مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی انصار کے جذبات کو سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ نہیں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جو سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انصار کے جذبات کی شدت کو ناخوشوار رد عمل تک پہنچا سکتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے جذبات کی ایک وقتی لہر کو نہایت حکمت

سے صحیح رخ دینے اور ان کو سمجھانے کے لئے ان سے براہ راست گفتگو کا فیصلہ فرمایا۔ جب انصار جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے پہلے انصار کے جذبات کو صحیح رخ پر ڈالنے کے لئے انہیں ان کا ماضی یاد دلایا، اور بتایا کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انہیں عظیم نعمتیں حاصل ہوئی ہیں۔ اس یاد دہانی سے انصار کے جذبات معتدل تو ہو گئے، مگر سوالیہ نشان اپنی جگہ باقی رہا اور ابھی ایک قابل وضاحت تھا۔ آپ کی تقریر کے جواب میں اگرچہ انصار خاموش ہو گئے تھے، مگر ان کے دس و دماغ کے کسی گوشہ میں یہ سوال اٹھ سکتا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہی سے نکالا ہے تو ہم نے بھی انہیں ایسے وقت میں پناہ دی جب ان کو خود ان کی قوم اپنے وطن سے بھول چکی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ابھرنے والے سوال کو خود پوری قوت و یابی کے ساتھ اس طرح بیان کیا کہ انصار کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کے جذبات کو تحلیل کر دیا۔ پھر انصار سے اپنے سیرے تعلق کو پڑھو، الفاظ میں واضح فرمایا اور ان کے دل نہ صرف یہ کہ شکوک و شبہات سے پاک ہو گئے، بلکہ محبت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔

اسی طرح آپ جانتے ہیں کہ صلح حدیبیہ اشارہ خداوندی کی بنیاد پر بظاہر نہایت وب کر کی گئی تھی۔ اس کا اندازہ آپ صلح نامہ کی اس شرط سے لگا سکتے ہیں کہ اگر مکہ مکرمہ کا کوئی شخص اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ پہنچ جائے گا تو مدینہ کے مسلمان اسے مکہ واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔ لیکن اگر مدینہ کا کوئی مسلمان مکہ مکرمہ آجائے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح کی بہت سی ناقابل فہم شہادتیں تھیں۔ ابھی شرابا اچھی طرح طے بھی نہ ہونے پائی تھیں اور عہد نامہ لکھا بھی نہ گیا تھا کہ ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آئے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا اور بتایا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا تو مکہ والوں نے

مجھ پر مظالم ڈھائے، اب ان سے نجات پا کر بھاگا چلا آ رہا ہوں، قریش کے نمائندوں نے کہا کہ یہ صلح اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تو معاہدہ لکھا بھی نہیں گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ ان کو واپس نہیں کریں گے تو آئندہ آپ سے کوئی معاہدہ نہیں کیا جائے گا۔ معاہدہ کی تکمیل کی خاطر (جس میں بہت سی مصالح پوشیدہ تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے حوالہ کر دیا۔ ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیڑیوں میں جکڑے کہہ رہے تھے: ”اے مسلمانو! میں تمہاری موجودگی میں مشرکین کی طرف واپس نہیں جا رہا ہوں۔ کیا تم میری حالت زار نہیں دیکھ رہے ہو کہ مجھے اللہ کی راہ میں کتنا ستایا گیا ہے۔“

اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جذبات کیا رہے ہوں گے؟ خاص طور پر نوجوانوں کے جذبات۔ اس کا اندازہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرمریوں سے ہوتا ہے، جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر عرض کرتے ہیں کہ یہ صلح اس قدر وب کر کیوں کی جا رہی ہے؟

کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق نہیں ہیں؟ کیا ہمارا دین حق نہیں ہے؟ کیا کفار باطل پر نہیں ہیں؟

اس عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ کی تکمیل فرماتے ہیں، تکمیل سے فراغت کے بعد کھڑے ہوتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُولُوا فَاثْبُرُوا، ثُمَّ اخْلِقُوا﴾

تربہ کرو: ”اٹھو، اپنے جانوروں کو ہمیں قربان کر دو، پھر اپنے سروں کو منڈاؤ۔“

انصار و مہاجرین سکتے میں تھے۔ وہ مدینہ سے اس عزم اور تیاری سے چلے تھے کہ ایک طویل وقفے کے بعد خانہ کعبہ کی زیارت کریں گے، منیٰ میں جا کر قربانی کریں گے، انہیں کفار نے بغیر اسلحہ بھی مکہ میں جانے کی اجازت نہ دی اور دوسری طرف غیر مساویانہ شرائط پر معاہدہ تکمیل کو پہنچا، حالانکہ یہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے کو مجبور نہیں پاتے تھے۔ یہ بے سروسامانی کے عالم میں غزوہ بدر و احزاب میں کامیابی حاصل کیئے ہوئے تھے، مگر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ پر دستخط کیئے تو سب خاموش ہو گئے۔ لیکن جذبات کا یہ خاموش سمندر دلوں سے اُبا جاتا تھا۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، فکر و تہیر کے سمندر میں غرق تھے، ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

جذبات کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر جان دینے والے اصحاب، اپنے رسول کا حکم پا کر حالت حیرانی میں بیٹھ رہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وقفہ وقفہ سے تین بار حکم دیا کہ اٹھ کر اپنے جانوروں کو قربان کر دو، اور اپنے سر منڈاؤ، مگر کوئی بھی شخص نہ ہلا، گویا کہ کسی کو ہوش نہ ہو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جذبات کی شدت کا اندازہ تھا، اس لئے خاموش ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ اس موقع پر اگر کوئی سخت بات کہی گئی تو کسی ناخوشگوار واقعہ کا سبب ہو سکتی ہے۔ ذہن میں کوئی حل نہیں آ رہا ہے، اپنے حرم میں داخل ہوتے ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پوری روداد سناتے ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مشورہ دیتی ہیں اور آپ باہم مشورے سے ایک بات طے کرتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سے واپس آتے ہیں۔ کسی سے کچھ نہیں کہتے، اپنے جانور کی قربانی کرتے ہیں۔ اپنے حجام کو

بلاتے ہیں اور اپنا سر منڈاتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کو دیکھتے ہیں اور آپ کی تقلید میں اپنے جانوروں کو قربان کر دیتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے کے سر مونڈنا شروع کر دیتے ہیں۔ غم و غصہ کا یہ عالم ہے کہ سر مونڈتے ہوئے ایک دوسرے کو زخمی کیئے دیتے ہیں۔^۱

جذبات کے امنڈتے ہوئے اس سیلاب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح قابو پایا، یہ ہر معلم و مربی باپ کے لئے قابل غور بھی ہے اور قابل تقلید بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس طرح اپنی اولاد کی اصلاح و تربیت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بچوں کی نفسیات اور جذبات و احساسات کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اگر آپ کی کسی روش سے بچوں کے احساسات و جذبات کو غمیں پہنچ جائے تو اس کی تلافی مشکل ہو جاتی ہے۔ بالغ بچے اکثر کڑے ہی اس وقت ہیں، جب ان کے جذبات و احساسات کی تحقیر و تردید کی جائے۔

اپنی باتیں ذہن نشین کرانے کے لئے محض خشک وعظ سے کام نہ لیجیے۔ اپنی بات کو شیریں اور موثر انداز میں پیش کیجیے، کبھی کبھار لطافت اور مزاح بھی خشک میں شامل کر لیجیے۔ مثالوں، اشاروں اور کہاوٹوں سے اپنی بات کو واضح کیجیے۔ ٹیٹے الفاظ، درد بھرا لب و لہجہ اثر کیے بغیر نہیں رہتے۔ اکھڑا رویہ، کھر دردی زبان، کڑوے کسیلے جملے، روکھی سوکھی باتیں کبھی اپنا اچھا اثر نہیں چھوڑتیں۔

بچے قصے کہانیوں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ انہیں نصیحت آموز کہانیاں سنائیے۔ خصوصاً رات کو گھر کے بچوں کو جمع کر لیجیے اور انہیں اپنے طور پر پائیز اور اچھے قصے سنائیے۔ سنا تے وقت بچوں سے سوال بھی کرتے رہیئے تاکہ وہ غور سے

۱۔ بخاری، کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحة مع اهل الحرب و کتابه الشروط: ج ۱ ص ۲۸۹

ستے رہیں اور آپ کا مقصد بھی پورا ہو۔^۱

بار بار ہر وقت نصیحت کرتے رہنے سے پرہیز کیجیے۔ زیادہ روکنے سے بچنے میں خد پیدا ہوتی ہے اور نافرمانی کا جذبہ جڑ پکڑتا ہے۔ مناسب موقع سے نصیحت کیجیے۔ جب آپ دیکھیں کہ بچے پر کوئی خاص تاثر قائم ہو رہا ہے تو اسی مناسبت سے نصیحت کیجیے۔ جب کسی پریشانی، الجھن یا مصروفیت میں ہو تو اس کو بالکل نصیحت نہ کیجیے۔

بچے کو عادی بنائیے کہ اگر کوئی چیز اس کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ بلا تھک پوچھ لیا کرے، سوال کرنے پر بچے کو ڈانٹنے نہیں، بلکہ اسے اطمینان بخش جواب دیجیے۔ سوال کرنے پر اس کی حوصلہ افزائی کیجیے۔ کبھی کبھار خود بھی اس سے سوال کیجیے۔ باہم سوال و جواب کا سلسلہ بھی کبھی کبھار ضروری ہے۔

پابندی کے ساتھ بچے کو اپنے اوقات میں سے کچھ وقت ضرور دیجیے۔ آپ بخش کمائی کی مشین نہیں ہیں، بلکہ بچے کے ماں باپ بھی ہیں۔ آپ کے وقت پر بھی ان کا حق ہے۔ وہ بچے عموماً آوارہ و گھٹتے ہو جاتے ہیں، جن کے والدین ان کو وقت نہیں دے پاتے۔^۲

بچے کے فیصلے کی قوت خراب نہ کیجیے

قوت فیصلہ بہت ہی بڑی نعمت ہے۔ انسان کسی پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ میں اپنے بچوں کی تربیت کے لئے بیت العلم گزرتے کے ساتھ کرام نے ایک سیریز تیار کی ہے، جس کا نام ”ذوق شوق“ ہے۔ اس میں بہت سارے واقعات جمع کیے ہیں۔ والدین اس کتاب سے پڑھ کر بچوں کو یہ قصے سنا سکتے ہیں۔ یہ سیریز ذوق شوق کے نام سے بیت العلم ٹرسٹ مکشن اقبال کراچی سے مل سکتی ہے۔ اسی طرح والدین اور ساتھ کی رہنمائی کے لئے ”تربیتی کتابیں“ بت کی گئی ہیں، وہ بھی والدین اپنے پاس رکھیں اور وقت فوقتاً بچوں کو سمجھ سکیں۔ اسی طرح ”صحابہ کے واقعات“ اور ”انجیل کے واقعات“ کے نام سے دو کتابیں تیار کی گئیں ہیں، وہ بھی اپنے پاس رکھیں۔

۱۔ ماخذ از بچوں کی تربیت کیسے کریں، ص ۱۶۸، ۱۶۹

فیصلہ پر قادر ہو اور حالات اور زمانے کے اتار چڑھاؤ سے متاثر نہ ہوتا ہو، مشورہ کے ساتھ حق بات پر قائم رہنا اور قائم رکھنا چاہتا ہو، تو یہ بہت بڑی دولت ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہ کی تجاؤں نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی اور عطائی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ذکر فرمایا:

﴿وَاتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَضَّلْنَا الْخَطَابَ﴾^۱

تو ہم نے ان کو (داؤد علیہ السلام کو) حکمت (یعنی نبوت)

اور فیصلہ کرنے والی تقریر (جو نہایت واضح اور جامع ہو) عطا فرمائی تھی۔^۲

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے بہترین قوت فیصلہ مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جملہ چکانے اور تنازعہات کا فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرمائی تھی۔ وہ بات کا فیصلہ بڑی خوبی سے کرتے، اور یوں لیتے تو نہایت فیصلہ کن تقریر ہوتی۔^۳

نور کیجیے! اتنی بڑی نعمت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ذکر فرما رہے ہیں کہ ہم نے داؤد علیہ السلام کو جملہ اور نعمتوں کے یہ بھی نعمت عطا فرمائی۔ لہذا اس نعمت کے لئے ایک تو خوب دعا مانگیئے کہ اے اللہ! میری اولاد کو یہ نعمت عطا فرما اور اس کے ساتھ ساتھ جن اسباب کی بدولت بچوں کی قوت فیصلہ معدوم ہو جاتی ہے، ان سے بچنے کا خوب اہتمام کیجیے۔

ان میں سے چند اسباب یہ ہیں کہ چھوٹے بچے پر بار بار تکت چینی کرنا، توہین آمیز کلمات سے اپنا غصہ اتار کر اس کو ذلیل کرنا، اس کے ہم عمر بچوں کی مثالیں دے

۱۔ سورہ ص ۲۰

۲۔ معارف القرآن ج ۷ ص ۴۹۷

کر اس کو طعنہ دینا، اس کی حوصلہ افزائی نہ کرنا، اس کے اچھے کاموں کی تعریف نہ کرنا، اس کے لئے دعائیں نہ کرنا وغیرہ۔

یاد رکھیے! بچہ کی قوت فیصلہ بڑے بڑے بڑے کام کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ اس میں کمی عملی طور پر کسی کام کو سہ انجام دینے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ بچہ جب کچھ سمجھدار ہو جاتا ہے اور چیزوں میں فرق کرنے لگتا ہے، تب اس سے گھر کے معمولی کام کروائے جاتے ہیں اور بازار سے یا دکان سے اشیائے خورد و نوش خریدنے میں اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں یہ چیز بچے کو ذہنی طور پر پختہ اور لوگوں سے بات کرنے اور مول تول کرنے کا ڈھنگ سکھاتی ہے، وہاں اس کے اخلاق و کردار پر بھی گہرے نقوش چھوڑتی ہے۔ لیکن جہاں باپ اور گھر کے دیگر بڑے افراد بچے سے کوئی کام کرواتے ہیں، وہاں وہ یہ بھی سوچیں کہ یہ اس بچہ کی ذہن سازی کا ایک عمل ہے۔ اس عمل میں بچے کے ذہن کی فنی صلاحیتیں سرتی ہیں۔ لہذا کبھی بھی چند چیزوں کی خاطر بچوں کی قوت فیصلہ خراب نہ کیجئے اور اس کا دل نہ توڑیئے۔

مثلاً آپ نے بچے کو دس روپے دے کر ایک چمکت زیرے والے بسکٹ منگوائے۔ اب بچہ کسی بھی وجہ سے مطلوبہ چیز نہ لایا اور کوئی دوسرے بسکٹ لے آیا تو جناب نے دیکھتے ہی شور مچا دیا، بچے کی بات سننے بغیر بولنا شروع کر دیا: ”ارے گدھے! تجھے فلاں لانے کو کہا تھا اور تو یہ کیا لایا؟“

نکلتے!۔۔۔ بات سمجھتا ہی نہیں۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو پوچھ لیا کر۔ بے وقوف اب اس کو تو ہی کھانا تو ایسا اس لئے کرتا ہے کہ آئندہ تجھ سے کوئی کام نہ کروایا جائے وغیرہ۔

اندازہ کریں ایک دس روپے کی خاطر بچے کو کیا کچھ مننا پڑا، ہو سکتا ہے اس کی کوئی غلطی بھی نہ ہو یعنی دکان والے نے کہا کہ بیٹا زیرے والے بسکٹ تو نہیں

جس، آپ یہ لے جاؤ، پسند نہ آئے تو واپس کر دینا۔ یا زیرے والے بسکٹ کا ڈبہ چند روپے کا ہوگا اور دکاندار نے دس روپے والے کوئی دوسرے بسکٹ تمہا دیئے ہوں یا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت آپ کی ذہنی مری یہ ہے کہ پہلے بچے کو شاباش دیں۔ ماشاء اللہ بیٹا لے آیا ”جزاک اللہ خیراً“ کہیں۔

پھر مطلوبہ چیز نہ ملنے کی وجہ پوچھیں۔ اب جو جواب ملے تو اس پر سمجھائیں کہ دیکھو بیٹا! دکان چھوڑنے سے پہلے چیز اور یہی اچھی طرح دیکھو اور گن لیا کرو۔ اگر ایک دکان سے کوئی چیز نہ ملے تو دوسری سے پوچھ لیا کرو، چیزوں پر لکھی قیمت پڑھنے کی کوشش لیا کرو، دکان دار سے پوچھ لیا کرو کہ اگر چیز پسند نہ آئے تو کیا واپس یا تبدیل کرنے کی اجازت ہوگی؟

اسی طرح بچے کی پسند کو ٹھکرایا نہ جائے یا اس کو دل برداشتہ نہ کیا جائے، بلکہ اس کا انتخاب صحیح ہو، اس میں اس کی مدد کی جائے۔

نادر ایک بچہ تھا۔ اس کے والد صاحب اسے اپنے ساتھ بازار لے گئے اور وہاں کچھ چیزیں خریدنے کے بعد ایک دکان پر جا کر نادر سے کہا کہ نادر! اپنے لئے ایک بنیان پسند کر لو، نادر بڑے شوق سے تمام بنیان کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا، اسے سرخ رنگ کی ایک بنیان پسند آئی، اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا اور اشارہ کیا۔ باپ نے وہ بنیان تو خرید لی، لیکن گھر آتے ہی یہ کہا کہ بیگم! ہمارا نادر تو پیٹو۔۔۔

بے وقوف۔۔۔ بھولا بھالا۔۔۔ ہے۔ اس کو انتخاب کرنا ہی نہیں آتا۔ اس کی پسند دیکھو! کتنی گٹھیا ہے۔ معصیت یہ ہے کہ یہ ضدی ہے، دوسروں سے سیکھنے کی کوشش نہیں کرتا، اسی لئے میں اس کو ساتھ لے کر نہیں جاتا، نادر نے جب یہ دیکھا اور سنا تو اس کا دل بڑی طرے ٹوٹ گیا اور شاید اب وہ ساری زندگی اپنے لئے کپڑوں کا صحیح انتخاب نہ کر سکے۔

اس واقعہ پر غور کیجئے! کیا باپ نے بیٹے کے ساتھ دشمنی نہیں کی؟

اس باپ نے شاید چھوٹے سے بیٹے کو اپنا کوئی ہم عمر دوست سمجھ لیا تھا کہ جیسے دوستوں میں علم و تہذیب اور ایک دوسرے کے انتظامات کو روکیا جاتا ہے، ویسے ہی اپنے بیٹے کے انتخاب کو برا کہا۔ ب شک اگر وہ چیز بری تھی، غیر معیاری بھی تھی، مگر اس کی اصلاح کے اور بہت طرے ملتے ہیں۔ یہ طعن و غیہ کے ذریعے اصلاح کی دشمنی تو ہمیشہ کے لئے ہکا بکا سبب بن جاتی ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ خریداری میں چیزوں کے انتخاب میں، زندگی کے چھوٹے بڑے معاملے میں، پسند ناپسند میں اپنے بچوں کو صحیح رخ پر ڈالنے کی ضرورت محسوس کریں، لیکن ہرگز اس روپے کی خاطر اپنے کی قوت فیصلہ و مجروح نہ کریں۔

بچہ کی قوت فیصلہ خراب کرنے کی ایک اہم وجہ باپ کی یہ غلطی ہوتی ہے کہ جس وقت باپ کو بچے پر غصہ آتا ہے، اس وقت باپ اس کو بچہ نہیں سمجھتا، بلکہ چھ سال کے بچے کو چھتیس سال کا جوان یا سولہ سال کے جوان کو چھیالیس سال کا مرد سمجھتا ہے۔ یعنی باپ کی جو اپنی عمر ہوتی ہے، اس عمر کے اعتبار سے جو باپ کو تجربہ ہوتا ہے، اگر بچہ اس تجربہ کے موافق کام نہیں کرتا یا مطلوبہ چیز نہیں لاتا تو باپ اس کو بے وقوف، نا اہل، ناتجربہ کے القابات سے نوازتا ہے۔

لہذا ہر مسلمان والد کو چاہیے کہ وہ اس غلطی سے توبہ کرے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا تصور قائم کرے کہ اس دن ہر لمحہ کا حساب دینا ہوگا، اور حقوق اللہ تو قویہ و استغفار سے معاف ہو جائیں گے، حقوق العباد کے بارے میں تو بہت ہی سخت پکڑ ہو سکتی ہے۔ لہذا اس گناہ کو معمولی گناہ نہ سمجھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری تھوڑی سی غفلت و کوتاہی سے اس بچے کا مستقبل خراب ہو جائے۔ یہ بچہ بڑا ہو کر پتہ نہیں دین و دنیا کے کتنے بڑے بڑے کام کرنے کی فطری اہلیت و قابلیت و صلاحیت اپنے ساتھ لایا ہو، لیکن باپ کے اس رویہ کی وجہ سے وہ قوت فیصلہ کی نعمت سے محروم ہو جائے، اور کسی بات میں فیصلہ کرتے ہوئے ہمیشہ ڈرتا رہے کہ

ٹھنڈے دل سے غور کیجیے! آنکھیں بند کر کے اپنی موت کا تصور کیجیے کہ آج اگر میری موت ہو جاتی ہے تو یہ بچہ میری موت پر ٹھنڈک کا سانس لے گا یا غم کی آواز دے گا، یہ مجھے مہذب (تہذیب سکھانے والا) سمجھے گا یا معذب (عذاب دینے والا)۔ یہ مجھے منصف سمجھے گا یا اپنا منہ اتارنے والا ظالم باپ سمجھے گا۔

اب آنکھیں کھول لیے اور دل و دماغ سے پکا فیصلہ کیجیے کہ اب آئندہ بچے کو بچہ ہی سمجھوں گا، چالیس سال کا پورا مرد نہیں سمجھوں گا۔ تیس یا چالیس سال کا آدمی سمجھ کر اس کو ہر معیار پر جانچنے کی کوشش نہیں کروں گا اور اس کے ہر فیصلہ پر اس کی حوصلہ افزائی کر کے اس کو آگے کی تسبیح رہنمائی دے کر نیک والد کا کردار ادا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اور سارے مسلمان والدین کی اس سلسلہ میں خاص مدد فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

یہ تو قلع رکھنا کہ بچے کی بری عادتیں فوراً دور ہو جائیں گی، دانش مندی کی بات نہیں ہے۔ بچہ اپنے لاشعوری تصور سے الاطم ہوتا ہے، بچہ بہر حال بچہ ہے، اس سے طفلانہ حرکتوں کا صدور لازمی ہے۔ اس سے بہت بلند توقعات باندھ لینا عقل مندی کی بات نہیں ہے۔

بچوں کو اپنے معیار پر نہ جانچیے۔ یہ نہ بھولیے کہ جب آپ بچے تھے تو آپ میں بھی خیر و شر کی اتنی تمیز نہ تھی جتنی اب ہے۔ آپ ساہا سال کے تجربوں اور آزمائشوں کے بعد جس مقام پر پہنچے ہیں، بچے کو ابھی سے اس مقام پر دیکھنا اگر اس کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟

آپ نفع و نقصان کا جو پیمانہ رکھتے ہیں، اخلاقی و غیر اخلاقی باتوں میں جو فرق کرتے ہیں، وہ بچے میں ابھی سے کس طرح پیدا ہو سکتا ہے!!

ملہ ماشاء اللہ بچوں کی تربیت ایسے کریں ص ۱۶۵

اس کے فوائد

اگر آپ کو بچوں کی ایسی نازیبا حرکات پر غصہ آ جایا کرتا ہے تو اکیلے بندے کے اس کے فوائد سوچیں کہ ”بچے کی قوت فیصلہ درست اور صحیح رکھنے کے لئے اگر میں نے برداشت کر لیا تو کیا کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔“ ان فوائد کو خوب سوچیں، ان شاء اللہ ان فوائد کے استخار سے آپ کو صبر حاصل ہو جائے گا اور عین غلطی کو تباہی کے وقت اللہ تعالیٰ صحیح راستہ سمجھا دیں گے۔

۱۱) پہلا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت زندہ ہو جائے گی۔ اس لئے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میں دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا، اس پوری مدت میں کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے کام کے بارے میں، جو میں نے کیا ہو، یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں کیا؟ اور نہ ہی کسی ایسے کام کے بارے میں، جو میں نے نہ کیا ہو، یہ فرمایا کہ ایسا کیوں نہ کیا۔“

۲) دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ بالفرض اگر یہ بچہ بھولا بھالا یا بیوقوف یا کمزور بھی ہے تو اس کا حل اور علاج یہی ہے کہ آپ اس وقت صبر کریں، جب آپ نے صبر کر لیا اور اس کے بعد اس کو سمجھایا تو اس کی بیوقوفی اور بھلا پن دور ہو جائے گا، اور روز بروز اس کی سمجھ و بصیرت میں ترقی ہوگی۔ اس سے بڑا کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا) الف تحیہ و سلام) میں ایک بیوقوف فرد کی اصلاح کا آپ ذریعہ بن گئے، ایک دکھی انسان کی خدمت کرنے کی سعادت اللہ نے آپ کو عطا فرمادی، غور فرمائیے! آپ اس کو بار بار ایسے القابات دے کر اپنا غصہ ضرور ٹھنڈا کر سکتے تھے، لیکن اگر آپ نے صبر کیا تو اس صبر کرنے پر

آپ کا یہ بچہ مستقبل میں کئی دینی و دنیوی نقصانات سے بچ سکتا ہے تو گویا آپ کی نسل کئی نقصانات سے بچ گئی۔

۳) تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ جس طرح آپ کو دو رکعت نفل پڑھنے پر اجر ملنے کی امید ہے، جس طرح صدقہ و نیک کام کے کرنے پر اجر و ثواب کی امید ہے، اسی طرح آپ اگر یہ کام بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر کریں گے تو اس کا اجر و ثواب کئی، نوافل اور کئی صدقات نافلہ سے بڑھ جائے گا، اس لئے کہ غصے کے گھونٹ کو پینے کے جتنے ثواب اور فضائل احادیث مبارکہ میں آئے ہیں، وہ سب آپ کو حاصل ہو جائیں گے اور اس سے بڑی کیا بات ہوگی کہ اس چھوٹے سے عمل سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں تو دنیا و آخرت میں مزے ہی مزے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَرَضُوا مِنْ اللَّهِ الْكِبْرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

”اور رضامندی اللہ الشکر“ ذلك هو الفوز العظيم“ یہی ہے بڑی کامیابی۔“

یعنی تمام نعمائے دنیوی و اخروی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ جنت بھی اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ رضائے الہی کا مقام ہے، حق تعالیٰ مومنین کو جنت میں ہر قسم کی جسمانی و روحانی مسرتیں عطا فرمائے گا، مگر سب سے بڑی نعمت محبوب حقیقی کی دائمی رضا ہوگی، حدیث صحیح میں ہے کہ حق تعالیٰ اہل جنت کو پکارے گا، اہل جنت ہیکل کہیں گے، دریافت فرمائے گا: اب تم خوش ہو گئے؟ جواب دیں گے، پروردگار خوش نہ ہونے کی کیا وجہ؟ جبکہ آپ نے ہم پر انتہائی انعام فرمایا ہے۔ ارشاد ہوگا: جو کچھ اب تک دیا گیا ہے، کیا اس سب سے بڑھ کر ایک چیز لینا چاہتے ہو؟ جنتی سوال کریں گے: اے پروردگار! اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی؟ اس وقت

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اپنی رضا اور خوشنودی تم پر اتارتا ہوں، جس کے بعد بھی فضلی اور تاحوشی نہ ہوگی۔^۱

چوتھا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ نے حکمت و صبر اور پیار و محبت سے سمجھایا اور بچے و عائلے بھی کہیں، اس بچے کا نام ملے کہ اللہ سے مانگا تو اللہ تعالیٰ آپ کو رضا بالقضاء کی دولت عطا فرمائیں گے، گویا آپ کے صبر اور نرم لہجے، بیشکی زبان اور خوش خلقی سے آپ کو یہ دولت عظمیٰ حاصل ہوگئی۔ یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ حدیث میں اس کے لئے دعا مانگی گئی ہے۔

اللَّهُمَّ ارْضِنِي بِقَضَائِكَ وَبَارِكْ لِي فِي مَا قَدَّرَ لِي حَتَّى لَا أُحِبَّ تَعَجُّيلَ مَا أَخَّرْتَ وَلَا تَأْخِيرَ مَا عَجَّلْتَ^۲

ترجمہ: ”اے اللہ! تو اپنے فیصلے پر مجھ کو راضی کر دے، اور جو میرے لئے مقدر ہو چکا ہے، اسی میں مجھے برکت عطا فرما، تاکہ جو چیز تو نے مؤخر فرمادی ہے، اس کی جلدی نہ کروں اور جس چیز کو تو نے فی الحال مقدر کر دیا ہے، اس کی تاخیر کی تمنا نہ کروں۔“

کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر خوشی سے راضی ہو گئے کہ اللہ نے مجھے جیسی بھی اوارادی ہے، اس پر اللہ کا شکر ہے۔ اس لئے کہ جس طرح کوئی بچہ معذور پیدا ہوا تو اس میں اس بچے کا کوئی تصور نہیں ہے، اسی طرح ایک بچہ اگر فقط دوسرے بچوں کے مقابلے میں کم ذہین ہے یا وہ اپنی زبان کا اظہار نہیں کر سکتا یا وہ اپنے عیبوں کو دوسروں کی طرح عیاری اور چالاکی سے چھپا نہیں سکتا تو بار بار اس بچے پر اعتراض گویا (نعموز باللہ) قدرت پر اعتراض ہے، فطرت پر اعتراض ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے:

۱۔ تفسیر عثمانی ج ۱ ص ۱۶۶

۲۔ الحزب المظم ص ۸۵

”كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ“ حَتَّى الْعَجُورُ وَالْكَلْبَسُ^۱
سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ یہاں تک کہ (انسان) کا نا سمجھ اور ناکارہ ہونا، ہوشیار اور قابل ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے۔

دو بچوں کو آپ نے ایک بات سمجھائی، ایک بچہ فوراً سمجھ گیا اور دوسرے نے دوبارہ سمجھانے کی درخواست کی، آپ کو قسمہ آگیا اور اس سے کہنے لگے: اردو میں تیرے کو سمجھ نہیں آتی، فارسی میں سمجھوں، دھیان سے سنتا ہی نہیں، بلکہ بوز پر لکھ کر، دلوں وغیرہ یاد دہنوں سے بچے جب کام کر کے اوٹے تو ایک صحیح سمجھ کر لے آیا اور دوسرا ناکارہ کر کے لے آیا اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے تو اب اس بچے کو یہ کہنا کہ دیکھ تو کیسا بوقوف ہے کہ ایک دس روپے کی ڈبل روٹی بھی نہیں لینا آتی، پاپ بھی صحیح نہیں خرید سکتا، دودھ پیتے بچے کو بھی اتنی سمجھ ہے، تجھے اتنی بھی سمجھ نہیں، لمبا ہونا جانتا ہے، سنے سنے شلوار کرتے پہننا جانتا ہے، اپنے مطلب کی سب باتیں سمجھتا ہے، دیکھ تیرا بی بھائی یا تیری بی بہن، حادانکہ تجھ سے چھوٹے ہیں یا تیرا بی بیچارا د بھائی تیری بی عمر ۵ ہے، لیکن تو اونٹ کی طرح لمبوستان ہو رہا ہے، چلنے کا بھی تجھے ڈھنگ نہیں، یہ سب سنتوں کے سامنے بے غتی کروائی، اور یہ تیری بی بہن! تیرا بی بھائی کیسے سلیقے قربانے سے اٹھتا بیٹھتا ہے۔

یاد رکھیے! یہ سب اس بچے پر کم اور قدرت و فطرت پر زیادہ اعتراضات ہیں۔ لہذا آقا سے سچے دل سے توبہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوق پر اعتراض نہ کریں، جس کو جس طرح رب العالمین نے بنایا اور جس طرح کا ذہن و قوت فیصلہ عطا فرمائی وہی، اس کی بہت حکمتیں جانتا ہے۔ وہ قادر مطلق اور حکیم وخبیر آپ سے یہ چاہتا ہے کہ اس کی بنائی ہوئی مخلوق کا خیال رکھیں اور جو صفات آپ اس کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں، اس کے لئے راتوں کو اٹھ کر آنسو بہا کر دعائیں مانگیں۔ مثلاً اسے

۱۔ مسلم، باب کل شیء بقدر، ج ۲ ص ۳۳۶

اللہ! اس بچے کو ہماری آنکھوں کی ٹخندک بنا اور اس کی قوت فیصلہ صحیح فرما، اس کو دنیا، آخرت و دونوں میں عزت عطا فرما، اس سے دین کا کام لے لے، ہر قسم کی بلا، مصیبت سے اس کی حفاظت فرما، اس کے لئے مرتے دم تک عافیت کا فیصلہ فرما، حلال رزق وافر مقدار میں نصیب فرما، نفل اور اسراف سے اس کی حفاظت فرما اور مجھے اور اس کو اور سارے مسلمان والدین کو رضا بالقضا (اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا) کی نعمت عظمیٰ عطا فرما۔ (آمین)

یاد رکھیے! چالاک و ذہین بچوں کی قوت فیصلہ، ان کی پڑھائی، سمجھداری، ذہانت پر تو تمام والدین خوش ہوتے ہیں، فخر کرتے ہیں، ہند کا شکر ادا کرتے ہیں۔ لیکن سلام ہے ان والدین کی عظمت کو خصوصاً والد کی بہت نوک کہ ضرور بے وقوف، بھولے بھالے بچوں پر بھی وہ شکر و صبر کریں اور ایسے بچوں کی تربیت پر بھی قوم و ملت و امت محمدیہ کے تمام افراد کی طرف سے شکر یہ کے مستحق بنیں اور مالک کی رضا حاصل کرنے والے ہوں۔ ایسے کمزور بچوں کو عربی میں "بطيء التعلم" یعنی (SLOW LEARNER) کہا جاتا ہے۔ اس کے لئے والدین کو "مثالی استاد" کتاب کا مطالعہ مفید رہے گا۔

نقصانات

اگر بچے کی قوت فیصلہ خراب کی گئی تو اس کے انفرادی و اجتماعی نقصانات کیا ہو سکتے ہیں؟

① سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہو سکتا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے، اس کی بنی بنائی دنیا بگڑ جایا کرتی ہے۔ جب کہ جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، اس کی بگڑی ہوئی دنیا بھی بنا دیتے ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے ہر والد کو چاہیئے کہ بچے کی قوت فیصلہ خراب

نہ کرے، بچے کو مایوس نہ ہونے دے۔

② دوسرے نقصان یہ ہے کہ بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ واقعہ بچے ہی کی غلطی ہے۔ نہ آپ نے بچے کو تیس سال یا چالیس سال کا آدمی سمجھا ہے، نہ آپ نے اس کے ہم عمر ذہین بچوں کے معیار پر اس کو پرکھا ہے، بلکہ ایک عام بچے کو جو سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیئے، وہ بھی یہ نہیں کر رہا تو اب یقیناً بچے ہی کی کمی یا کوتاہی یا غفلت ہے، یہ یقین ہو جانے کے باوجود اس کا علاج یا حل یہ نہیں ہے کہ اس کو گھر میں داخل ہوتے ہی مطلوبہ چیز کے نہ لانے پر یا اچھی کارکردگی نہ دکھانے پر ڈانٹ دیا جائے یا ذلیل و خوار کیا جائے، یہ تو مزید اس کے اندر اس مرض کے اضافہ کا سبب ہو سکتا ہے، گویا مین موقع پر ڈانٹ و پٹ اور ذلیل کرنا، اس کی غفلت و کوتاہی میں اضافہ کا تو سبب بن سکتا ہے، لیکن اس کی کوتاہی کا علاج نہیں ہو سکتا۔

اس کا اس سے بڑا کیا نقصان ہوگا کہ بیوقوفوں کی جماعت میں ایک اور بے وقوف کا اضافہ ہو اور وہ بھی ہمارا ہی تحت جگر ہو، ہم نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے عمل سے ایک کم بیوقوف کو زیادہ بے وقوف بنا رہے ہیں، اس کو پاگل، بے وقوف، لائق، کم سمجھ وغیرہ کے القابات سے نواز کر اور گرد آواز میں "خبردار! آئندہ ایسا نہ کرنا، ورنہ گھر سے باہر نکال دوں گا، جیسے الفاظ سے جھڑک کر اس کے مرض میں اور اضافہ کر رہے ہیں۔"

③ تیسرا نقصان یہ ہوگا کہ بعض کمزور دل بچے، اپنے لوح قلب پر یہ الفاظ نہ مننے والی سیاہی سے اس طرح لکھ لیتے ہیں کہ جن کو کبھی منایا نہ جاسکے اور ایسے بچے اپنے آپ اکیلے میں بھی سوچتے رہتے ہیں میں کیسا برا بچہ ہوں! میں کیسی بری بچی ہوں، اللہ کرے میں مر جاؤں، مجھے ایک ہی دفعہ مار کیوں نہیں دیتے، میرے اندر عقل نہیں ہے وغیرہ، ہمیشہ مجھے بیوقوف کہتے ہیں، امی بھی یہی کہتی ہیں تیرے اندر عقل نہیں، اسکول کی مس بھی ہمیشہ نکلا کہتی ہیں، بڑی بہن بھی ذہنی رہتی ہیں۔

لہذا اس خطرناک اور نازک ترین پہلو پر انتہائی دل سوزی کے ساتھ توجہ دیں اور پھر کوئی تعمیری قدم اٹھائیں۔

غور کیجئے! اس سے بڑا کیا نقصان ہو سکتا ہے کہ ہمارے غلط رویے سے ایک بچہ زندہ رہتے ہوئے بھی موت کی تمنا کرے، اس کے عزائم اور اس کی تمناؤں کا اس طرح گلا گھونٹا کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں چہ جائیکہ ایک باپ کے لئے کسی طرح مناسب ہوگا کہ وہ جیتے جی اس کو قبر کی گہرائیوں میں اتار دے۔

۱۱) چوتھا نقصان یہ ہوتا ہے کہ والدین یہ سمجھتے ہیں کہ ڈانٹ ڈپٹ، طعنہ بازی سے بچہ سدھر جائے گا، لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے۔

ان باتوں کا بچے کی شخصیت پر منفی اثر ہی پڑتا ہے۔ وہ جذباتی اور عدم تحفظ کا شکار ہو جاتا ہے، اس کے اندر منفی صلاحیتیں مختلف پہلوؤں سے اجاگر ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ تنہائی پسند ہو جاتا ہے/ ہو جاتی ہے۔ اس میں جڑ جڑ اپن پیدا ہو جاتا ہے وغیرہ۔

۱۲) پانچواں نقصان یہ ہے کہ نفسیات کے ہسپتال میں ایک مریض کا اور اضافہ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اس بیماری کا اثر دماغ کے علاوہ جسم کے اور اعضاء پر بھی پڑتا ہے اور جسم کے دوسرے اعضاء سست پڑ جاتے ہیں، جس سے علاج کے لئے دواؤں کا خرچہ، ڈاکٹر کی فیس اور وقت کا خرچ غرض مزید نگرین بڑھ جاتی ہیں۔

۱۳) چھٹا نقصان یہ ہے کہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ سخت کلمات کی بہ نسبت نرم کلمات زیادہ موثر ہوتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

«مَنْ لَانَتْ كَلِمَتَهُ وَجَبَتْ مَحَبَّتُهُ»

ترجمہ: ”جس کی باتوں میں نرمی ہوگی، اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیٹھ جائے گی۔“

بیّنہ علیہ السلام

اب اس تجربہ کی روشنی میں غور فرمائیے کہ۔

جس برتن میں آدمی کچھ ڈالنا چاہے، پہلے ہی سے اس میں سوراخ کر دے تو وہ چیز برتن میں کیسے آئے گی۔ جب بیٹے، بیٹی کے دل کو اپنی سختی اور مار پیٹ سے چھلنی کر دے گا تو اس میں خیر کی بات کس طرح ڈال سکے گا۔

یاد رکھیے! چھوٹے بچوں کے دل میں غیر ضروری رعب اور خوف کا سامنا ایسا ہی برا ہے کہ جیسا نرم و نازک پودے پر باد صحر کا تند و تیز جھونکا یا پتھلوں پر لو کا چرنا۔

اسی طرح جو والد اخلاقی برائیوں کو حسن خلق کے ذریعہ دفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا، وہ نیک والد کہلانے کا مستحق کس طرح ہو سکتا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ عام طور سے والدین کو اپنی بد اخلاقی کی طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی اور نہ اپنی اصلاح کی فکر ہوتی ہے، بزم خود اپنے آپ کو کامل سمجھتے ہیں اور ناقص جب اپنے آپ کو کامل سمجھ لے تو اس سے جو بھی فتنہ اٹھ کھڑا ہو، وہ کم ہے۔

لہذا ہم سب کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ناقص سمجھیں اور بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں، اے اللہ! میری اصلاح فرما دے۔

اور حسن اخلاق کے لئے، اپنے اخلاق سنوارنے کے لئے یہ دعا بھی اکثر مانگتے رہیں:

«اللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ

وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ»

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے اچھے اخلاق نصیب فرما، کیونکہ تیرے سوا اچھے

اخلاق کوئی نہیں نصیب نہیں کر سکتا، اور برے اخلاق مجھ سے دور کر دے

کیونکہ تیرے سوا برے اخلاق کوئی دور نہیں کر سکتا۔“

۱۴) ساتواں نقصان یہ ہے کہ بعض اوقات باپ ان معمولی چیزوں سے جو باپ کی

۱۴ الحزب الأعظم: ص ۵۴

بیّنہ علیہ السلام

نظر میں معمولی ہوتی ہیں، بچے کی قوت فیصلہ خراب کر دیتا ہے۔

مثلاً یوں مخاطب ہوتا ہے، اتنا بڑا ہو گیا اب تک اتنی بھی سمجھ نہیں۔ تو یہ باپ کی طرف سے بہت ہی خیانت اور نا انصافی ہے کہ ۱۵ سال کے بچے کو بچاس سال کا بورھا سمجھنا اور خیانت اس معنی میں کہ وہ بچے کے لئے تو ایک مشکل معاملہ ہے، جو آسانی سے حل نہیں ہوگا اور باپ کے نزدیک بائیں ہاتھ کا کھیل ہے تو باپ بچے کے لئے بھی اس کو اتنا ہی آسان سمجھ کر اس کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے، مثلاً آج سے آپ اس پر غور فرمائیے کہ تجارت میں، ملازمت میں والد سے غلطی ہو جائے تو والد کے والد یعنی بچے کے دادا اپنے بیٹے سے یوں مخاطب ہوتے ہیں: چار بچے کا باپ ہو کر بھی تجھے یہ بات سمجھ نہ آئی ... بیٹے! اب تمہیں کب ذمہ داری کا احساس ہوگا ... تمہیں کیا ہو گیا، ایسے ہی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ... ہم سے پوچھ تو لیتے ... فلاں پارٹی کو مال دے دیا، تمہیں پتہ نہیں جوتے کھس جاتے ہیں ان سے پیسے وصول کرنے میں، یہ تو برساتی مینڈک کی طرح ہیں، ان کو کبھی مال نہیں دینا چاہیے بیٹا۔ وغیرہ

ان فوائد کو حاصل کرنے اور ان نقصانات سے بچنے کے لئے خود ہی تدبیریں سوچیں اور فیصلہ کیجئے آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اپنی اہلیہ سے مشورہ کیجئے، امانتدار اور راز دار دوستوں سے مشورہ کیجئے اور نیک اور مثالی والد ہونے کا ثبوت دیجئے۔ اس کے علاوہ کچھ تدابیر لکھی جا رہی ہیں، امید ہے ان سے بھی فائدہ ہوگا۔

۱ کتاب کو بند کر کے ان نقصانات کو زبانی دہرائیے اور ان کو یاد کر کے پیڑی صاحبہ کو بھی سنائیے کہ بچوں کی قوت فیصلہ صحیح نہ ہو تو یہ یہ پریشانیاں آتی ہیں۔

۲ اپنے دوستوں کو جو بچوں کے باپ ہوں، ان کو بھی اس کی ترغیب دیجئے، اس کے فوائد بتائیں، نقصانات سے بچنے اور بچانے کی ترغیب دیجئے۔

بچوں میں مہارت فکر پیدا کرنے کی چند مفید تدابیر

۱ جب آپ خریداری کے لئے اپنے بچے کو بازار لے جائیں تو بازار میں موجود تمام چیزوں کی پہچان کروائیں، مثلاً روپے کی اہمیت، چیزوں کے اوزان وغیرہ۔

۲ بچے کے سوالات پر اس کی حوصلہ افزائی کریں اور ان سوالات کے جواب کے لئے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار رکھیے اور بچے کو یہ کہنے میں تامل نہ ہر تیں کہ تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے۔

۳ بچے کے برے عمل کے مقابلے میں اچھے عمل کو مد نظر رکھیں۔

۴ بچے کی کامیابی اور ناکامی کے اسباب کی وضاحت کریں اور اس کی کامیابی کی حوصلہ افزائی کریں۔

۵ بچے کو اس بات کا یقین دلائیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ یہ کام ضرور کر سکتے ہو اور ساتھ ہی اس کام کو کرنے کا طریقہ کار بھی وضاحت سے بتادیں۔

۶ بچے کو اپنے لئے پیشہ چننے کا اختیار دیں، اس پر اپنی مرضی زبردستی مسلط نہ کریں۔

۷ سوالات پوچھتے وقت کسی حاکم جیسا رویہ اختیار نہ کریں، بلکہ اپنے لہجے اور انداز کو نرم رکھیں تاکہ بچہ جلد از جلد سمجھ جائے۔

۸ بچے کو جواب سوچنے کا وقت دیں اور اس کو اپنے الفاظ میں وضاحت کرنے دیں۔

۹ بچے کا جواب صحیح یا غلط ہونے کی وجہ بتائیں۔

۱۰ اس بات کی اجازت دیں کہ بچے خود ہی اپنی غلطیاں تلاش کریں، بعد میں بے شک آپ اس کی اصلاح کرنے میں اس کی مدد کریں۔

غیر انسانی سرگرمیاں بھی اختیار کریں مثلاً ایک نقشہ اسکول سے گھر تک کے راستے کا بنائیں اور بچے کو راستہ سمجھائیں، تاریخی واقعات کے بارے میں ایک نقشہ بنائیں اور پھر بچے کو سمجھائیں، کوئٹہ کی کلاس ٹیس، جس میں بچے کو درجہ حرارت اور چیزوں کی مقدار کے بارے میں معلومات فراہم کریں، اس سے کسی حد تک یہ شکایت دور ہو جائے گی کہ بچہ پڑھتا نہیں۔

معلومات عامہ کی کتابیں لے کر ان سے سوالات کریں۔ پھر جوابات سمجھائیں، یہیلیاں پوچھیں، اسی طرح کی ایک کتاب (HOW WELL DO YOU KNOW) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعارف کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو مکتبہ بیت العلم کراچی سے منگوائی جاسکتی ہے۔

جذباتی و جبلی تربیت

شیخ سراج الدین ندوی اپنی کتاب ”بچوں کی تربیت کیسے کریں“ میں لکھتے ہیں کہ بچپن کی جذباتی تربیت انسان کے کردار پر بڑے مفید اور دور رس اثرات ڈالتی ہے۔ بچپن میں جذبات کی اگر صحیح تربیت ہو جائے اور بچے کی جبلتوں کو صحیح راہنمائی مل جائے تو بچے میں بہترین کردار پروان چڑھتا ہے۔ ہر بچہ جب جوان ہوتا ہے تو بہترین شہری اور عمدہ اخلاق و اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی زندگی میں بے راہ روی کے بجائے اعتدال ہوتا ہے۔ تلوں مزاجی کے بجائے صبر و استقلال پایا جاتا ہے۔

اگر بچے کی جبلتوں کو نہ سمجھا جائے، اس کے جذبات کا پاس و لحاظ نہ کیا جائے، تو بچے کی سیرت میں طرح طرح کی خامیاں اور خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ایسا بچہ بڑا ہو کر بگڑا ہوا انسان ہوتا ہے، جو گھر کے لئے ایک بوجھ، معاشرے کے لئے ایک معیبت اور ملک و ملت کے لئے بدنام دارغ ہوتا ہے۔ اس لئے بچوں کی جذباتی و جبلی

تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

جذبہ و جبلت

جذباتی و جبلی تربیت کے لئے جذبہ و جبلت کے بارے میں وافر علم کا ہونا ضروری ہے۔ دراصل جبلت اور جذبے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بچے کو بھوک لگتی ہے، وہ اپنی بھوک مٹانے کے لئے اوپر اوپر ہاتھ پیر مارتا ہے۔ ماں کے پستان تلاش کرتا ہے، اگر اسے دودھ نہ ملے تو رونے لگتا ہے تاکہ ماں رونے کی آواز سن کر اسے دودھ پلا دے۔ بھوک ایک جذبہ ہے اور اسے مٹانے کے لئے غذا تلاش کرنا انسان کی جبلت ہے۔ دراصل جبلت وہ فطری خواہش اور داعیہ ہے، جو انسان میں پیدائشی طور پر پایا جاتا ہے اور جذبہ اس شدید تاثر کو کہتے ہیں، جو انسان کے ذہن و دماغ پر اثر ڈالتا ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی خوب صورت چیز کو دیکھ کر بچہ خوش ہوتا ہے۔ اس کی طرف لپکتا ہے اور اگر کوئی دھماکا ہوتا ہے، تو وہ چونک پڑتا ہے۔ اگر آپ اس کی پسند کی چیز اس کے ہاتھ سے چھین لیں تو وہ رونے لگتا ہے اور اس طرح وہ اپنے رنج کا اظہار کرتا ہے۔ یہ سب بچے کے جذبات ہیں، خوشی، خوف اور رنج وغیرہ کا دوسرا نام ہی جذبہ ہے۔ جذبات ہر انسان کے اندر پائے جاتے ہیں۔ ان میں کمی و بیشی ہو سکتی ہے، لیکن کوئی انسان بھی دنیا میں ایسا نہیں ہے جو جذبات سے بالکل خالی ہو۔

جبلت کی خاصیتیں

ریغنا بچے کی جبلت ہے۔ جب وہ اپنے اندر ریغنے کی صلاحیت پاتا ہے تو ریغنا شروع کر دیتا ہے۔ جیسے جیسے اس کی طاقت بڑھتی جاتی ہے تو اس کے ریغنے سے کام نہیں چل سکتا، بلکہ اسے قدموں کے بل چلنا چاہیے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیتا ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ بڑی عمر والے انسان کو اگر کسی دشوار گزار

راست سے گزرنا ہو یا کسی اونچائی پر چڑھنا ہو تو وہ جہتوں کے بل چل کر یا رینگ کر اس مرحلے کو طے کرتا ہے، گویا یہ جہلی بازگشت ہوتی ہے، جو طویل وقفے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے۔

جہلت ہر انسان میں پائی جاتی ہے۔ البتہ کمی و بیشی یا شدت و خفت کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے۔ کوئی جہلت کسی انسان میں شدید ہوتی ہے، جب کہ وہی جہلت دوسرے انسان میں اتنی طاقتور نہیں ہوتی۔

ضروری نہیں کہ جہلتوں کے ظہور کی شکلیں اور صورتیں بھی یکساں ہوں۔ جہلتوں کے بروئے کار آنے کی صورتوں میں کافی اختلاف ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جہلتیں بلا ضرورت بروئے کار نہیں آتیں۔ جب کوئی محرک ہوگا تو جہلت رہے عمل آئے گی۔ کوئی خوفناک چیز سامنے آئے گی تب ہی بچہ ڈرے گا۔ آگ کو کھلوے گا۔ بچہ اسے ہاتھ میں لے گا، تو ہاتھ جل جائے گا اور پھر بچہ کبھی آگ کو ہاتھ نہ لگائے گا۔ بچہ اسی وقت حیرت میں پڑے گا جب کوئی عجوبہ اس کے سامنے آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ بچے کی جانب سے ڈر، فرار اور حیرت کا اظہار، اسی وقت ہوگا، جب کوئی محرک پایا جائے گا۔

عمر اور ماحول کے اثر سے جہلتوں کی قوت میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح تمام جہلتیں بیک وقت نمودار نہیں ہوتیں، بلکہ ضرورتوں کے تحت جہلتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ پہلے وہ جہلتیں بروئے کار آتی ہیں، جن کا تعلق بچے کی اپنی ذات سے ہوتا ہے، جس میں سب سے مقدم غذا کی تلاش ہے، حصول غذا کے بعد پکڑنے، ریگنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے کی جہتیں رو بہ عمل آتی ہیں۔ ذاتی جہلتوں کے بعد وہ جہلتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں، جن کا اجتماعیت اور سماج سے تعلق ہوتا ہے۔ اگر کسی جہلت کے ظاہر ہونے اور قوی ہونے کے وقت اس کو نظر انداز کر دیا جائے اور جہلت سے کوئی کام نہ لیا جائے تو وہ جہلت کمزور یا معدوم ہو جاتی ہے اور بچہ کج روی کا شکار

ہو جاتا ہے۔

اگر آپ بچوں کے جہلی تقاضے پورے کریں گے تو انہیں مسرت و خوشی حاصل ہوگی اور اگر بچوں کی جہلی ضرورتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو ان میں مایوسی، بے چینی اور چڑچڑاہٹ جیسی بری عاداتیں جنم لے لیں گی۔

جذبے کی خاصیتیں

جہلتوں کی طرح سب کے جذبات بھی یکساں نہیں ہوتے، بلکہ مختلف افراد کے جذبات میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ ایک شخص کی موت پر کوئی دباڑیں مار کر روتا ہے، کوئی صرف آنسو بہا کر رہ جاتا ہے، کوئی لاش کو دیکھ کر آگے بڑھ جاتا ہے اور دشمن خوشی و اطمینان حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح جذبات کے اظہار کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً: غصے میں کوئی بچہ پھول کر لیت جاتا ہے، کوئی بچہ کسی کو نوچنے لگتا ہے، کوئی بچہ اپنا سر جھٹکنے لگتا ہے اور کوئی بچہ رونے لگتا ہے۔

جذبات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ متعدی ہوتے ہیں۔ کسی کو غم زدہ دیکھ کر دوسرا بھی غم زدہ ہو جاتا ہے۔ ایک کے قہقہے سے دوسرے بھی ہنسنے لگتے ہیں، ایک فرد کے مشتعل ہو جانے پر دوسرا بھی مشتعل ہو جاتا ہے۔

جذبات کی نوعیت بڑی مختلف ہوتی ہے۔ یہ معمولی سی بات پر بھی بھڑک سکتے ہیں اور کسی اہم بات پر خاموش بھی رہ سکتے ہیں۔ ایک روپے پر جھگڑا ہو جانا، ہزاروں کے نقصان کو برداشت کر لینا، معمولی سی بات پر قتل و غارت گری کی فوجیت آ جانا، غیر معمولی بات کو ہنسی خوشی کے ساتھ برداشت کر لینا، مذاق مذاق میں زندگی بھر کے لئے تعلقات منقطع ہو جانا، لڑائی جھڑائی کے بعد بھی تعلقات قائم رہنا وغیرہ، ایسی مثالوں سے جذبات کی نوعیت کا اختلاف واضح ہو جاتا ہے۔

اگر جذبات دیر تک قائم رہیں یا بار بار طاری ہوں تو یہ عادت کے موجب

ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص پر بہت دیر تک غصے کے جذبات طاری رہیں یا اس کے غصے کو بار بار بھڑکنے کا موقع ملے، تو ایسا شخص غصیلا ہو جاتا ہے، کسی فرد کو مسلسل چھیڑا جائے، بار بار تھپڑا جائے تو وہ چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ مسلسل بار بار کسی ناکامی کے نتیجے میں انسان مایوس اور مسلسل بار بار کسی کامیابی کے نتیجے میں انسان رجائیت پسند ہو جاتا ہے۔

جہلتوں اور جذبات کی تربیت

انسان کی جہلتوں اور جذبات میں بڑی لچک رکھی گئی ہے۔ تجربہ و مشاہدہ، تعظیم و تربیت اور غور و فکر کے نتیجے میں ان میں کمی و بیشی اور تغیر و تبدل کا بھرپور امکان رہتا ہے۔ اس لئے بچوں کی تربیت و نگہداشت کے ذریعے بچوں کے جذبات کو تعمیری رخ آسانی سے دیا جاسکتا ہے۔

بچوں کی جذباتی و جبلتی تربیت میں گنگے بندھے طریقے، متعینہ اصول اور سکہ بند ہدایات سے کام نہیں چلتا، بلکہ ہر بچے کے مزاج کا تجزیہ کر کے اس کے لئے مناسب طریقہ تجویز کرنا ضروری ہے۔ گنگے بندھے طریقوں سے کبھی بھی بہتر تربیت کا کام انجام نہیں پاسکتا۔ والدین اور اساتذہ کی یہ ذمہ داری قرار پاتی ہے کہ وہ ہر بچے کا بشور انفرادی مطالعہ کریں، اس کی جذباتی بے اعتمادیوں کو سمجھیں، ان کے حقیقی اسباب کا پتہ لگائیں اور پھر حکمت سے انہیں دہر کرنے کی کوشش کریں۔

بچوں کی بے اعتدالی پر ناراض ہو کر اس کو نہ جسمانی سزا دیں اور نہ جھڑکیں، بلکہ نہایت شفقت بھرے لہجے میں اسے سمجھائیں۔ بچے کو کسی دوسرے کی موجودگی میں ہرگز نہ ڈانٹیں، اس سے بچے میں جرم کرنے کا جذبہ مزید پروان چڑھتا ہے۔

بچے کی جائز خواہشیں حتیٰ لامکان پوری کرنے کی کوشش کیجیے۔ البتہ جب آپ دیکھیں کہ خواہشیں جائز رخ اختیار کر رہی ہیں تو نہایت حکمت و تدبیر سے ان پر بند

لگانے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ محسوس کریں کہ سزا دینا ناگزیر ہو گیا ہے تو بہت سوچ سمجھ کر سزا بھی ضرور دیجیے مگر بعد میں حسن سلوک وغیرہ سے اس کی تلافی بھی کرو دیجیے۔

جذباتی و جبلتی تربیت کے لئے خوشگوار ماحول فراہم کیجیے، اچھے ہم جولی، بہترین تعلیم گاہ، کھیل اور تفریح کا ضروری سامان، متعلقین کا شفقت بھرا ہوتاؤ

بچوں کی بہتر نشوونما کے لئے ضروری ہے۔ اپنے بچے کے لئے اچھے دوستوں کا انتخاب کیجیے۔ اس کے دوستوں کی آمد پر ان کی تکریم کا اہتمام کیجیے۔ کبھی کبھی انہیں کھانے پر مدعو کیجیے۔ بہن بھائیوں کو آپس میں میل محبت سے رہنے، کھانے پینے اور کھیلنے کودنے کے مواقع فراہم کیجیے۔ کبھی کبھی بچے کو اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے یہاں اپنے ہمراہ لے جائیے۔

گھر، مدرسہ اور قرب و جوار کے ماحول کو صاف ستھرا رکھیے۔ سامان نہایت سلیقے سے ترتیب دیجیے۔ بات چیت میں شائستگی، باہمی تعلقات میں خوش گواری کا اہتمام کیجیے۔ آپس کی بد مزگی اور تعلقات کی ناخوش گواری بچے میں دشمنی و بغاوت اور نفرت و کدورت کے جذبات پروان چڑھاتی ہے۔ جذبات میں پاکیزگی و بلندی پیدا کرنے کے لئے انہیں معیاری شخصیتوں کے نصیحت آموز اور دلچسپ واقعات سنائیے، اچھے اشعار اور اصلاحی کہانیوں سے ان کے ذوق لطیف کو نکھاریے، غلط باتوں سے نفرت اور حق سے محبت کرنے کی عادت پیدا کیجیے۔

اگر آپ یہ محسوس کریں کہ بچے کی بے اعتدالی کا سبب اس کی جسمانی کمزوری یا صحت کی خرابی ہے تو فوراً اس کے معاملے کی طرف توجہ فرمائیے اور اس کی جسمانی نشوونما پر توجہ دیجیے۔ خراب صحت کی موجودگی میں آپ بچے کے اندر صحت مند و پاکیزہ جذبات کو پروان نہیں چڑھا سکتے۔

بچوں کی تربیت اپنی سعادت عظمیٰ سمجھیے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اَكْرِمُوا اَوْلَادَكُمْ وَاحْسِنُوا اَدَبَهُمْ﴾

ترجمہ: ”اپنی اولاد کو عزت دو اور ان کی اچھی تربیت کرو۔“

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

﴿عَلِّمُوا اَوْلَادَكُمْ وَاَهْلِيَكُمْ الْخَيْرَ وَاَذْبُوهُمْ﴾

ترجمہ: ”اپنے بچوں اور گھر والوں کو بھلائی کی تعلیم دو اور ان کی تربیت کرو۔“

بعض مرتبہ مشغولیت اور مشاغل کی کثرت کی وجہ سے والدین یا ان دونوں میں سے کوئی ایک یہ سمجھتا ہے کہ بچوں کی تربیت کرنا ایک مصیبت ہے یا بہت مشکل کام ہے یا میرے بس کی بات نہیں یا کوئی اور اس کام کو انجام دے دے چاہے میں اس کو پیسہ دے دوں، اس کی تنخواہ مقرر کر دوں، تنخواہ کے علاوہ کچھ الگ دے دوں، لیکن یہ بوجھ میرے سر سے ہٹ جائے..... کیوں جناب؟

اس لئے کہ میں بہت مصروف ہوں، میرے پاس وقت نہیں یا مجھے غصہ بہت جلدی آجاتا ہے، میں بچوں کو سمجھا نہیں سکتا یا مجھے مزہ ہی نہیں آتا، دل ہی نہیں لگتا، وغیرہ۔ ان سب باتوں کا حل یہ ہے کہ آپ اس کو بوجھ نہ سمجھیں، اس کو مصیبت و زحمت نہ سمجھیں، اس کو مشکل اور اپنے بس سے باہر نہ سمجھیں۔

آپ اس کو اپنی سعادت سمجھیے، اپنے لئے صدقہ جاریہ سمجھیے، اپنی دعاؤں کے قبول ہونے کا ذریعہ سمجھیے۔ بچوں کی تربیت اور ان کو بیٹھ کر اچھی طرح سمجھانا، ان کی

۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب باب بر الوالد والإحسان إلى المات: ۲۹۹

۲۔ مستدرک حاکم: ج ۲ ص ۲۹۴

تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا، اخلاق و آداب کے اعلیٰ معیار تک پہنچانے کی کوشش کرنا، دس پندرہ منٹ تک ہاتھوں کو اٹھا کر ان کا نام لے لے کر دعا میں مانگنا، اللہ تعالیٰ سے ان کو دین کی خدمت کے لئے قبول کروانا، دعاؤں کے ذریعہ دنیا و آخرت کے انعامات دلوانا، ان سب امور کو اپنی سعادت سمجھیے، اپنی ضرورت سمجھیے، اپنے لئے صدقہ جاریہ سمجھیے، معاشرہ میں ایک بہترین فرد کے آنے کا ذریعہ سمجھیے، اپنی آنے والی نسل پر احسان سمجھیے، اپنی شریک حیات کے ساتھ تعاون سمجھیے، اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ سمجھیے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایک بہترین فرد کے وجود کا ذریعہ سمجھیے۔

ان تمام فوائد کو سوچیے اور اہلیہ سے کہیے کہ ہم دونوں سوچیں کہ بچے کی تربیت سے دنیا و آخرت کے کیا کیا فوائد ہمیں حاصل ہوں گے، کتنے منافع ہمیں ملیں گے، اہلیہ سے کہیں کہ تم چار فائدے سوچ کر رکھنا اور میں بھی چار فائدے سوچوں گا۔ پھر اسی طرح اہلیہ کے ساتھ بیٹھ کر اس کے نہ کرنے کے نقصانات سوچیے، پھر اسی طرح دوستوں سے مذاکرہ کریں کہ اگر ہم نے بچے کی تربیت پر توجہ نہ دی، اس کے لئے اپنا وقت فارغ نہ کیا، اسکول و مدرسہ کے حالات کی خبر نہ رکھی، گھر سے باہر کن دوستوں اور سہیلیوں میں وہ وقت گزارتا/گزارتی ہے، کون سی کتابیں دیکھتا ہے، ٹی وی سے ہم نے اس کو نہ بچایا، برے ماحول اور برے دوستوں سے نہ بچایا اور اس کے اساتذہ کرام سے وقتاً فوقتاً حالات نہ لیے تو اس کے کیا کیا نقصانات ہوں گے۔ ان شاء اللہ جب آپ اس طرح ان فوائد کا مذاکرہ کریں گے اور ان نقصانات کو بھی سامنے لائیں گے تو آپ کو تعلیم و تربیت کا شوق پیدا ہوگا، پھر بچوں کے لئے وقت دینا، ان کو سمجھانا، ان کی دینی ذہن سازی کرنا، اللہ جل جلالہ کی عظمت و کبریائی ان کے دلوں میں بٹھانا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت ان کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کرنا، بڑوں کا ادب چھوٹوں پر شفقت سکھانا، اسکول اور مدرسہ کا

ہوم ورک کروانا، اسکول اور مدرسوں کی حاضریوں پر کڑی نگاہ رکھنا، ان تمام امور کا اہتمام کرنا آپ کو آسان و دلچسپ معلوم ہوگا۔

پھر جس طرح دوستوں کی محفل اور مجلس میں جینے میں مزہ آتا ہے، اس سے زیادہ بچوں کی تربیت میں مزہ آئے گا۔ پھر جس طرح اخبار پڑھنے میں اور فضول کہانیوں میں وقت لگانے میں سرور حاصل ہوتا ہے، اس سے زیادہ بیوی بچوں کے پاس بیٹھ کر ان کے مسائل کی گفتیاں سلجھانے میں سرور حاصل ہوگا، پھر جس طرح کاروبار میں کسی سودے کے ہونے پر طبیعت خوش ہوتی ہے، اس سے زیادہ بچوں کو عملی طور سے اخلاق پر لانے میں خوشی محسوس ہوگی، اور جس طرح ملازم کو اور ناظم نہ ملنے پر غم ہوتا ہے، یا تنخواہ کٹنے پر غم ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ بچے کی اسکول و مدرسہ کی چھٹی پر غم ہوگا اور اس کی آہ نکلی گی کہ بیٹا! آج تم نے مدرسہ کی چھٹی کیوں کر لی؟ ایک کاروباری کو جس طرح ایک آرڈر ملنے کے بعد پھر وہ آرڈر کسی وجہ سے منسوخ ہو جائے تو جس طرح غم ہوتا ہے، اس طرح بچے کے امتحان میں فیل ہونے پر غم ہوگا۔

اب میاں بیوی بیٹہ کر سوجھیں کہ ہم کس طرح اس بچے کی تربیت کریں، جب تربیت پر وقت لگانے کے فوائد و منافع سامنے آ گئے اور اس پر وقت نہ لگانے کے نقصانات بھی سامنے آ گئے تو اب ان فوائد و منافع کے حاصل کرنے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟ اور ان نقصانات سے بچنے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟ اس پر غور کریں اور اس پر بیوی سے پوچھیں، پھر خود سوچ کر ایسی راہ متعین کریں جس سے بچے کی تعلیم و تربیت کی نگرانی کی پوری ذمہ داری آپ ہی پر ہو، آپ کے علاوہ کسی اور کے سپرد نہ ہو۔ کتنا ہی شفیق و مایہ استاد ہو، کتنا ہی اچھا اور معیاری اسکول و مدرسہ کیوں نہ ہو، لیکن آپ اپنی اس ذمہ داری کو اور اس اجر و ثواب کو اور اللہ تعالیٰ کے رخصی کرنے کے ذریعہ کو ہرگز ہرگز کسی کے سپرد کر کے مطمئن نہ ہو جائیے، بلکہ خود ہی فکر کیجیے۔ ہاں وہ استاد، اور

آپ کی اہلیہ اور پرنسپل و مہتمم، آپ کے معاون ضرور ہوں گے، لیکن سر پرست کامل کی حیثیت آپ خود لپٹائیے۔ اس سے ان شاء اللہ وہ تمام شکایتیں دور ہو جائیں گی جو بہت سے والدین کو ہوتی ہیں کہ

① میری بیوی بچوں کی تعلیم و تربیت کا خیال نہیں رکھتی۔

② فلاں اسکول میں تو جا کر میرا بچہ بگڑ گیا، کوئی توجہ نہیں ہے، کوئی خیال نہیں رکھتے، اتنی فیس دے کر بھی وقت ضائع ہوا۔

③ فلاں مدرسہ میں تو میرے بچے کا صحیح طور پر حفظ بھی نہیں ہو سکا، قاری صاحب بار بار چھٹیوں پر چلے جاتے تھے، بچے کی منزل بھی کچھ روٹی، پارے بھی پکے نہ ہو سکے، حفظ بھی مکمل نہ ہو سکا، وہاں تو بہت وقت لگ گیا وغیرہ۔

یہ سب شکایات ان شاء اللہ تعالیٰ دور ہو جائیں گی، جب آپ براہ راست توجہ دیں گے، اگر آپ بہت زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں، یا آپ کو اسکول و مدرسہ کے بارے میں تفصیلی حالات کا علم نہیں ہے، لیکن آپ یہ تین کام تو کر سکتے ہیں۔

① ہر ماہ بچے کی حاضری کا ریکارڈ اسکول و مدرسہ سے منگوائیں، غیر حاضری پر بہت سختی سے ناراض ہوں، ہر قسم کی تاخیر کا روائی جو اس عمر کے بچے کے لئے مناسب ہو کریں، غیر حاضری کے نقصانات بچے کے دل و دماغ میں اتنے شدت سے پیوست کرنے کی کوشش کریں کہ وہ غیر حاضری کو ناقابل معافی جرم سمجھے، دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی غیر حاضری میں سمجھے، اور اسے مستقبل میں پشیمانی و پریشانی کا سبب سمجھے۔

② امتحانات (ٹیسٹ) وغیرہ کی رپورٹ دیکھیں، امتحانات سے چند دن پہلے بچوں کا کھیلنا وغیرہ بہت کم یا بند کروائیں، اپنے پاس بٹھا کر یاد کروائیں، امتحانات میں پاس ہونے پر انعامات دیں، کم نمبر آنے پر یا بچھلے امتحانات سے کم نمبر ہونے پر انعام و تعزیم سے کام لیں، وجہ و سبب معلوم کریں کہ بچھلے امتحان میں یہ حال تھا اب

کس وجہ سے ایسا ہوا، پھر اس کی بتائی ہوئی وجوہات پر بیوی سے مشورہ کریں، بچہ سوچیں کہ کہاں ہماری غلطیاں ہیں، کہاں بچے کی کمی کوتاہی ہے اور اس کے تدارک کی تدبیر کریں۔

۳ اس کے دوستوں کے بارے میں فکر رکھیں۔ خاص طور پر جن رشتہ داروں کے گھر وہ جاتا ہے ماموں زاد، پھوپھی زاد وغیرہ اگر کسی کے اخلاق و عادات نامناسب ہوں تو ان سے بھی تعلق کم رکھو ایسے بچے کے ماموں اور خالہ کے لڑکے بھی اگر آپ کے بچے کی تربیت میں مانع ہوں تو بیوی صاحبہ کو اعتماد میں لے کر ان سے دور رکھنے کی کوشش کریں، مثلاً آپ نے بچے کو فی دی سے دور رکھا ہے، لیکن اگر یہ خدشہ ہو کہ وہ ماموں و خالہ کے گھر جا کر اس گندی و بری عادت میں مبتلا ہو جائے گا تو اس کو وہاں جانے سے روکیں، یا آپ نے بچے کو اسکول و مدرسہ کے ہوم ورک کرنے کا پابند بنایا ہے اور خالہ و پھوپھی کے بچوں کا حال اس طرح نہیں ہے یا آپ کی بچی اسکا رف و دوپٹہ کی پابند ہے اور وہاں یہ ماحول نہیں یا آپ نے سات سال کی عمر سے نماز کا اہتمام کروایا ہے اور وہاں یہ اہتمام نہیں، آپ نے عشاء کی نماز کے فوراً بعد سونے کی عادت بنائی ہے اور وہاں دیر سے سونے کی عادت ہے اسی طرح محلہ کے بعض غیر دینداروں کے بچے جن کے پاس تربیت کا اہتمام نہیں، تو آپ اپنے بچوں کو برے ماحول سے، برے دوستوں سے ایسے ہی بچائیے جیسے سانپ اور بچھوٹ بچایا جاتا ہے۔ کیونکہ برا ماحول، برے دوست والدین کی ساری کی کرائی محنت کو ضائع کر دیتے ہیں۔

اولاد سے عام شکایت

جس اولاد کی دیکھ بھال ماں باپ نے دن رات مشغول رہ کر کی، اپنے جسم و جان کی قوتیں گھلا دیں، اگر وہ اولاد ان کی امیدوں پر پانی پھیر دے اور ان کی

توقعات کے خلاف نافرمان اور باغی بن کر اٹھے تو اندازہ کیجئے! ان والدین کا کیا حال ہوگا۔ ان کی روحانی اذیت اور دلی رنج و غم کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن اولاد کا نافرمان اور باغی بن جانا، اس میں اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو اولاد پیدا ہونے کی شکل پر باغی و نافرمان نہیں ہوتی، بلکہ بعد کے حالات و واقعات ان کی بغاوت کا سبب بن جاتے ہیں۔ بہر حال ہم چند باتیں تحریر کرتے ہیں، والدین تنہائی میں بیٹھ کر سوچیں اور دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ باتیں ہمیں سمجھا دیں۔

ماں باپ کے سوچنے کی باتیں

بے شک ماں باپ کے بس میں سب کچھ تو نہیں ہے، لیکن ماں باپ کے بس میں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے رویے کے بارے میں غور کریں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی روشنی میں اپنے عمل کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ اولاد کی تعلیم و تربیت اور پرورش کے انداز سے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں، کہیں ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی ہے؟

ان کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے آپ پر عائد کیئے ہیں، کہیں ان کے ادا کرنے میں آپ کوتاہی تو نہیں کر رہے ہیں؟ اولاد آپ کی آرزوؤں کو اسی وقت پورا کر سکتی ہے، جب آپ بھی ان کے حقوق سے غفلت نہ برتیں، اولاد کو آپ جن اخلاقی خوبیوں سے آراستہ دیکھنا چاہتے ہیں اور جس سعادت مندی، خدمت گزاری، فرماں برداری اور نیک برتاؤ کی آپ ان سے توقع رکھتے ہیں، وہ آرزوئیں اور توقعات پوری ہو سکتی ہیں، اگر آپ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور پوری تن دی اور دلی آماوگی کے ساتھ ان کو پورا کریں، اولاد کی نافرمانی اور سرکشی بے شک بڑے دکھ کی بات ہے، لیکن یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ان کی یہ پرورش ماں باپ کی کسی مجرمانہ غفلت

اور فرائض میں کوتاہی کا نتیجہ نہیں، وہ اولاد آپ کے حقوق کا احساس کیسے کر سکتی ہے، جس کو آپ نے حقوق کا احساس دلایا ہی نہیں، وہ اولاد ماں باپ کی خدمت و احترام کی بات کیسے سوچ سکتی ہے، جس کو کبھی بتایا ہی نہیں گیا کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کا ادب و احترام اولاد کا فرض ہے۔ اگر آپ نے ان کے جذبات و احساسات کا خیال نہیں رکھا ہے، تو وہ آپ کے جذبات و احساسات کا خیال رکھنا کس سے سیکھیں گے، اگر آپ نے ان سے محبت نہیں کی ہے، اور اپنے سلوک سے ان کو یہ تاثر دیا ہے کہ ان کی پرورش کی پریشانیوں کے مقابلے میں آپ کو ان سے چھٹکارا زیادہ پسند ہے، تو وہ آپ سے محبت کرنے اور آپ کی خدمت کرنے کی بات کیسے سوچیں گے، اگر آپ نے اپنے پیش و آرام کو سب کچھ سمجھا ہے اور ان کی ضرورتوں کی طرف سے غفلت برتی ہے تو وہ آپ کی ضرورتوں کا احساس کہاں سے کریں گے۔ اگر آپ معاشرے کی اصلاح اور تہذیب و تمدن کی تعمیر کے لئے کچھ خاص افکار و نظریات نہیں رکھتے ہیں تو آپ کی اولاد ان نظریات کی حامل کیسے بن سکتی ہے۔

لہذا اولاد سے وہی توقعات رکھیے، جس کے لئے آپ نے اس کو تیار کیا ہے، اور اسی طرح کے سلوک کی امید کیجیے، جس طرح کا سلوک آپ نے ان کے ساتھ کیا ہے۔

بچے کے ساتھ آپ کے سلوک کے علاوہ اس کی تربیت میں تعلیم، ماحول، ساتھی، عزیز و اقارب کا بھی دخل ہے۔ یہ سب اپنی اپنی حد تک اس کے بناؤ یا بگاڑ کے ذمہ دار ہیں۔

اسی طرح اگر آپ اپنے والدین یعنی ان کے دادا وادی، نانا تانی سے کچھ روٹی اور ترش روٹی کا معاملہ کریں گے اور بار بار بڑھاپے کا طعنہ دیں گے تو کیا وہ آپ کے ساتھ ایسا ہی سلوک نہ کریں گے.....؟

لہذا آج سے فیصلہ کر لیجیے کہ اولاد کی تعلیم و تربیت سے غفلت نہیں برتنیں گے،

اس کو اپنے لئے بوجھ نہیں سمجھیں گے۔ بچوں کی تربیت کے لئے ان تدابیر کا اہتمام کیجیے۔

① خود پانچ وقت جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کیجیے، ایک نماز بھی جماعت سے نہ چھوٹے، اور اہلیہ کو بھی پیار و محبت سے اس کا پابند کیجیے۔

② روزی کو زیادہ سے زیادہ حلال و پاکیزہ بنانے کی فکر کیجیے، نمازوں کے اوقات میں کوئی سودا کسی قسم کا لین دین نہ کریں، اذان سنتے ہی کاروبار بند کر دیں، ملازم ہوں تو نماز کے اوقات میں چھٹی لے لیجیے۔ اگر ان اوقات کی تنخواہ کئے تو ہرگز پرواہ مت کیجیے۔ اگر خدا نخواستہ جس کے ہاں ملازمت کر رہے ہیں، کسی طور پر نماز کے اوقات میں چھٹی دینے پر رضا مند نہیں تو دوسری جگہ ملازمت کی کوشش کریں۔ اگر موجودہ جگہ =/۸۰۰۰ روپے تنخواہ ہے اور دوسری جگہ =/۷۰۰۰ تو دوسری جگہ والی ملازمت کو اختیار کیجیے۔ یقین رکھیے کہ یہ =/۷۰۰۰ ہزار اتنے برکت والے ہوں گے کہ دوسروں کے =/۸۰۰۰ میں وہ مسائل حل نہیں ہوں گے اور اتنی سکون اور راحت نہ ہوگی جتنی آپ کے =/۷۰۰۰ ہزار والی ملازمت میں ہوگی۔

③ تاجر ہونے کی صورت میں جھوٹ، دھوکہ، خیانت، ملازموں پر ظلم، اللہ کے راستے میں خرچ کرنے میں بخل کرنا وغیرہ امور سے بچئیے اور ملازم ہونے کی صورت میں پوری ڈیوٹی دیجیے، اوقات مقررہ میں کمی ہو جائے تو معاف کروالیجیے یا تنخواہ میں کمی کروالیجیے، جو کام دیا جائے، اس میں اپنی طرف سے کوشش میں کمی نہ کیجیے۔ یقین رکھیے کہ پوری ڈیوٹی دے کر جو تنخواہ ملے گی، اس میں بہت ہی زیادہ برکت ہوگی۔

④ اپنے والدین کی دعائیں لیتے رہیے، والدین کے گھر خالی ہاتھ نہ جائیں، کچھ نہ کچھ ضرور خرید کر لے جائیں۔ اگر وہ اللہ کو پیادے ہو چکے ہوں تو کچھ نہ کچھ پڑھ کر نیکیاں اور بھلائیوں کے کاموں میں کچھ خرچ کر کے ان کے لئے ایصالِ ثواب ضرور

کریں۔

۱۵) بہن بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کا اہتمام کیجیے، وقتاً فوقتاً ان کی خیریت معلوم کرتے رہیے، ان کے گھر بھی خالی ہاتھ نہ جائیے، کم از کم موٹی پھل فروٹ، سردی گرمی کے کپڑے جو کچھ اپنی حیثیت سے ہو سکے، ان کو دیتے رہیے۔ ان کو بھی دیندار بنانے کی فکر کرتے رہیے، اگر والدین کا انتقال ہو چکا ہو تو والدین کی میراث سے ان کو ان کا پورا حق ضرور دیجیے۔ خصوصاً بہنوں کا حق پورا پورا ادا کیجیے۔

۱۶) اپنے حاجت مند اقرباء کی امداد اور ناپیٹاؤں اور معذوروں کی خدمت، کم حیثیت مریموں کی امداد، غریب بچوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام وغیرہ جیسے خیر کے کاموں میں خوب دلچسپی لیجیے اور جانی، عقلی، مالی، صلاحیتیں اس پر خوب خرچ کیجیے۔ اخلاق اور معاشرت اور حقوق العباد وغیرہ کی ادائیگی کا اہتمام آپ کو ایک مثالی والد بنائے گا، اور ان سب امور کے نتیجہ میں خاص طور پر ان بے سہارا لوگوں کی دعاؤں سے آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے کام لیں گے، آپ کی یہ اولاد دنیا و آخرت دونوں میں آپ کے لئے آنکھوں کی شندک بنے گی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

کرو مہربانی تم اہل زمین پر

خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

۱۷) اولاد سے مشورہ لینے کا اہتمام رکھیں، مشورہ ایک سنت عمل ہے، مومنین کی صفات حمیدہ میں سے ایک صفت یہ ہے کہ وہ ہر کام مشورہ سے کرتے ہیں۔

مشورہ آنے والی بڑی بڑی بلاؤں کو نال دیتا ہے۔

مشورہ آپس میں دلوں کو جوڑ دیتا ہے، مشورہ گھر کے ہر فرد کو ایک مقام دیتا ہے۔

مشورہ تقدیر پر یقین بڑھاتا ہے۔

مشورہ رائے دینے کا ذہنک سکھاتا ہے، مشورہ اللہ کی رضا کا ذریعہ بنتا ہے، مشورہ مدامت سے محفوظ رہنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

لہذا ہر کام میں مشورہ کا اہتمام کریں۔ آج اولاد کو عمومی طور پر یہ شکایت رہتی ہے کہ والد ہم سے مشورہ نہیں کرتے، سب جگہ اپنی مرضی سے ہی کام کرتے ہیں، پھر نقصان و پریشانی اٹھانی پڑتی ہے تو ہم بھی اس نقصان و پریشانی میں شریک ہوتے ہیں، کتنا بھی کام صحیح ہو، سو فیصد ہماری سمجھ کہے کہ یہ کام کرو پھر بھی بغیر مشورہ کیے نہ کریں، مشورہ ضرور کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترتی تھی، اللہ تعالیٰ کے سب سے آخری اور تمام نبیوں کے امام ہونے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ فرماتے تھے، اور بعض اوقات اپنی رائے چھوڑ کر کسی چھوٹے صحابی کی رائے پر فیصلہ فرمایا، اگر دنیا میں کوئی مشورہ سے مستغنی ہو سکتا تھا تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، لیکن آپ بھی مشورہ فرماتے تھے، تو ہم سب کو چاہیے کہ گھر کے ہر اہم کام میں بیوی اور اولاد سے ضرور مشورہ لیں، اور ان کی رائے کو وحیان سے سنیں، پھر اس پر سوچیں، پھر فیصلہ کریں، اگر ان کی رائے کے خلاف بھی فیصلہ کرنا ہو تو ان کو اعتماد میں ضرور لیں کہ وہ بھی اس فیصلہ کو اپنا ہی فیصلہ سمجھ لیں۔

مناسب مواقع تلاش کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا

مثالی باپ وہی ہے جو ہمیشہ مناسب موقع کی تلاش میں رہے اور ان سے فائدہ اٹھائے، ہر وقت کی وعظ و نصیحت بسا اوقات اکٹھا ہٹ کا سبب بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے، قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی، اسے قیدیوں میں اپنا بچہ نظر آیا، اس نے شدت جذبات اور فرط محبت میں اپنے بچہ کو گود میں اٹھا لیا، اسے اپنے پیٹ سے چمکایا اور اپنا دودھ پلایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا: ”اگر اس

عورت کو اختیار دے دیا جائے تو کیا یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟“ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جواب دیا: ”خدا کی قسم یہ عورت ایسا نہیں کر سکتی۔“

اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ عورت اپنے بچے پر جتنی مہربان ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے۔“

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فضا کو رقت آمیز دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی محبت، رحم و کرم کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ذہنوں میں جاگزیں کرنے کے لئے اس موقع سے کس طرح فائدہ اٹھایا اور سوال و جواب کے انداز میں اس حقیقت کو اس طرح ذہن نشین کیا کہ یہ منظر لوگ تادم آخر نہ بھول پائے ہوں گے۔ بلکہ ہر ملاقاتی اور شناسا سے اس واقعہ کو بیان کر کے اللہ جل جلالہ کے رحم و کرم کی وسعت کا تذکرہ کرتے رہے ہوں گے۔

آئیے، اس سلسلہ میں ایک دوسرے واقعہ پر غور کرتے چلیں۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گاؤں سے واپسی پر مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے۔ لوگوں نے آپ کو دونوں طرف گھیر رکھا تھا۔ وہاں چھوٹے کانوں والا ایک مردہ بکری کا بچہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے اس کے کان پکڑے اور فرمایا: ”تم میں سے کون اس مردہ بچے کو ایک درہم میں خریدنے کے لئے تیار ہے؟“ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: ”ہم کسی بھی قیمت پر اس کو خریدنا نہیں چاہتے ہیں۔ یہ ہمارے کسی کام کا نہیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تم پسند کرتے ہو کہ یہ تم کو مل جائے؟“ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی کان چھوٹے ہونے کا عیب اس میں تھا اور اب تو یہ مردہ ہے۔ اس لئے کوئی سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔“ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”خدا کی قسم! یہ بچہ تمہاری نظر میں جتنا بے وقعت ہے، دنیا اللہ کی نظر میں اس سے زیادہ بے وقعت ہے۔“

سوچیے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک بکری کا بچہ مرا ہوا پڑا ہے۔ ایسے مقام سے آدمی بہت تیزی سے گذر جاتا ہے۔ غالباً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی اس گھٹاؤ نے منظر سے بہت تیزی سے گذرنا چاہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ان جذبات کو محسوس کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیفیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور دنیا کی بے وقعتی کو اس انداز سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ذہنوں میں بٹھایا کہ پھر دنیا کی ظاہری جگہ گاہٹ ان کی نظروں کو کبھی بھی اپنی طرف نہ پھیر سکے۔

ایک مثالی والد کی یہ بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی بھی مناسب موقع پر نہ بچے، والدین اپنے بچوں کی تربیت کے لئے موقع کی تلاش میں رہیں۔ اگر کوئی بات ذہن نشین کرانے کے لئے ذرا سا بھی بہانہ مل جائے تو اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا:

﴿مَعْنَى الشَّاعَةِ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟﴾

”تو بھٹکا؟“ اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟

بظاہر یہ ایک سادہ سا سوال ہے، جو کسی کے ذہن میں بھی اٹھ سکتا ہے اور آپ سادہ انداز میں جواب دے کر بات کو ختم کر سکتے تھے، مثلاً آپ قیامت کی کچھ علامتیں اور نشانیاں بتا کر پوچھنے والے کو خاموش کر دیتے یا آپ یہ کہہ کر خاموش

ہو جاتے کہ مجھے اس کا علم نہیں یا یہ جواب دے دیتے کہ اللہ ہی کو اس کا علم ہے وغیرہ۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ اس شخص پر قیامت کی فکر غامری ہے، اور اس کے وقوع کے وقت کے بارے میں سوال کر رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے کے بجائے خود سوال کیا:

﴿مَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟﴾

ترجمہ: ”تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟“

اس سوال کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سوچ کے انداز کو ایک مثبت اور صحیح رخ دیا اور یہ بات اس کو ذہن نشین کرائی کہ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ قیامت کب آئے گی، اصل مسئلہ یہ ہے کہ قیامت کے لئے ہم نے کیا تیاری کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال نے پوچھنے والے کو اتھساہی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ اس نے اپنی پوری زندگی کا جائزہ لیا۔ اس نے خوب سوچا اور جواب دیا:

﴿حُبُّ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

ترجمہ: ”میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔“

یعنی آخرت کے لئے میں نے جو زاد راہ تیار کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ میں زندگی کے ہر معاملہ میں ان دونوں کو راضی رکھنا چاہتا ہوں۔ میری زندگی کا مقصد اور میری سرگرمیوں کا محور اللہ رب العزت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا حصول ہے، میں چاہتا ہوں کہ ہر وقت اپنے اللہ اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی رکھوں۔ آپ نے جواب میں یہ جملہ سنا تو فرط خوشی سے فرمایا:

﴿لَئِنْ لَمْ مَعْ مِنْ أَحَبِّتْ﴾

ترجمہ: ”جس سے تم نے محبت کی تم اسی کے ساتھ رہو گے۔“

۱۰ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، ج ۲، ص ۲۲۲

اگر تم اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب ہی تم کو حاصل ہوگا اور کل میدان حشر میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل ہوگی۔

ذخیرہ احادیث میں سے صرف یہ چند مثالیں پیش کی گئی ہیں، تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے اصحاب کے ذہن و فکر کی تعمیر کرتے تھے اور ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے تھے۔ اس طرح آپ سوچیں اور مواقع کی تلاش میں رہیں، جیسے ہی کوئی موقع ملے فوراً اس سے فائدہ اٹھائیے اور بچوں کو کچھ نصیحت کیجیے، مثلاً آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ چٹھیاں گزارنے کسی پر فضا مقدم پر گئے، مثلاً مری، ایوبیہ، ایبٹ آباد، موریشس وغیرہ۔ اب کسی جگہ آپ نے محسوس کیا کہ بالغ بچے جو سمجھ رکھتے ہیں، وہ قدرتی منظر سے مسحور ہو گئے ہیں، فوراً ان کو سمجھائیں کہ بیٹا رہی دیکھو! یہ کتنی خوبصورت جگہ ہے، لیکن اس سے ہزاروں گنا زیادہ خوبصورت جگہ جنت ہے، جو ایمان والوں کے لئے مخصوص ہے اور وہ نیک اعمال مثلاً نماز، تلاوت، تبلیغ پر ملتی ہے۔ اس طرح کی نصیحت کے ساتھ دعا بھی کیجیے کہ یا اللہ! میری بات کچھ بھی نہیں، بات میں اثر ڈالنے والی آپ ہی کی ذات ہے، دلوں کو پھرنے والی آپ ہی کی ذات ہے، میری ان باتوں کو پر اثر بنائیے اور ان کے دلوں کو اپنے دین اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی طریقوں کی طرف پھیر دیجئے۔ اس طرح کرنے سے ان شاء اللہ بچوں پر بہت اچھا اثر پڑے گا اور آپ کی یہ نصیحت انہیں موت تک یاد رہے گی، بلکہ اپنی اولاد کو بھی وہ یہ نصیحتیں کریں گے۔

قصص و واقعات کے ذریعہ تربیت

ذہن سازی میں قصوں کو بڑا دخل ہے۔ انسان کہانی کی زبان میں جو کچھ سنتا

ہے، اس سے اثر لیتا ہے۔ اس لئے والد کو چاہیے کہ رات کو یا کسی بھی مناسب وقت پر بچوں کو لے کر بیٹھ جائے اور انہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ و تابعین و تابعین اور دیگر بزرگوں کے سبق آموز قصے سنائے اور ان سے جو سبق ملتا ہے، وہ بھی انہیں بتائے، اس طرح اپنے بچوں کے اندر احیاء دین اور مسلمانوں کے حالات کو سدھارنے کا درو پیدا کرے، انہیں بتائے کس طرح ان بزرگوں نے اللہ کے دین کے لئے اللہ کے راستے میں تکلیفیں اٹھائیں، اپنا جان، مال اور اپنا وقت اللہ کی راہ میں صرف کیا اور اسلام کے درخت کی آبیاری کی اور کتنی تکلیفیں اٹھانے کے بعد یہ دین ہم تک پہنچا۔

لہذا ہمیں بھی اس کی قدر کرنی چاہیے اور اس محنت کو آگے بڑھانے کی سعی کرنی چاہیے۔

حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کے تین آدمی تھے۔ ان میں ایک کوڑھی تھا، دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے امتحان کے لئے ایک فرشتہ کو انسانی شکل میں بھیجا۔ وہ فرشتہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: ”تمہیں کیا چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟“

کوڑھی نے کہا: ”میری تمنا ہے کہ میرا کوڑھ پن دور ہو جائے، جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں، اس کے بجائے عمدہ رنگت اور خوب صورت کھال مل جائے۔“ فرشتہ نے اس کے پودے جسم پر ایک مرتبہ ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے اس کی طلب کردہ چیزیں مل گئیں، یعنی خوب صورت رنگت، خوب صورت جلد، اور کوڑھ پن بھی دور ہو گیا۔ پھر اس فرشتہ نے پوچھا: ”تمہیں کونسا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟“ تو اس نے کہا: ”اُونٹنی۔“ چنانچہ اس فرشتہ نے اسے ایک دس مہینے کی حاملہ اُونٹنی دے دی۔ اور کہا اللہ تعالیٰ تمہارے اس مال میں برکت دے۔

پھر وہ فرشتہ گنجنے کے پاس آیا اور اس سے بھی وہی سوال کیا جو وہ کوڑھی سے

کر چکا تھا۔ گنجنے نے جواب دیا: میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میرا گنجا پن دور ہو جائے اور مجھے خوبصورت بال مل جائیں، تاکہ لوگ مجھ سے نفرت کرنے کے بجائے مجھ سے محبت کریں۔“ چنانچہ فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا گنجا پن اسی وقت دور ہو گیا اور اس کے بال خوب صورت ہو گئے۔ اس کے بعد فرشتہ نے پوچھا: ”تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟“ اس نے جواب دیا: ”گائے۔“ چنانچہ فرشتہ نے اسے ایک گائے بھی دے دی اور خیر و برکت کی دعا دیتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

آخر میں وہ اندھے کے پاس پہنچا اور اس نے وہی سوال کیا جو اس نے کوڑھی اور گنجنے سے کیا تھا۔ اس نے کہا: ”میری ولی تمنا ہے کہ مجھے بینائی عطا کر دی جائے تاکہ میں دنیا کی رعنائیاں دیکھ سکوں۔“ فرشتے نے ایک مرتبہ اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بینائی لوٹ آئی۔ پھر اس فرشتہ نے سوال کیا: ”تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟“ اس نے جواب دیا: ”بکری۔“ چنانچہ فرشتہ نے اسے ایک عمدہ بکری دے دی اور اسے دعائیں دیتے کے بعد واپس چلا گیا۔

تینوں خوش و خرم زندگی گزارنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں خوب برکت دی، یہاں تک کہ تینوں کے پاس اپنے اپنے جانوروں کے ریوڑ ہو گئے۔ تینوں کے یہاں مال و دولت کی فراوانی ہو گئی۔

چند سال بعد حکم خداوندی سے وہی فرشتہ اپنی پہلی شکل و صورت میں آیا۔ وہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس پہنچا اور اس سے کہا: ”میں ایک مسافر ہوں۔ میرا زادراہ ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے اللہ کے واسطے مجھے ایک اونٹ دے دو، جس نے تمہیں یہ حسین رنگ، یہ خوب صورت جلد اور بے پناہ دولت دی ہے، تاکہ میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکوں۔“ مگر اس نے مسافر کو دھتکار دیا اور کہا کہ ”یہ سب کچھ تو مجھے وراثت میں ملا ہے، میرے دست و بازو کی کمائی ہے۔“ مسافر فرشتہ نے کہا:

”کیا تم کوڑھی اور بد رنگ نہ تھے کہ لوگ تم سے نفرت کرتے تھے؟ کیا تم فقیر نہ تھے اور اللہ نے تم کو اپنی نعمتوں سے نوازا؟ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تمہیں پہلی والی حالت پر دوبارہ لوٹا دے۔“ چنانچہ اللہ نے اس کو پھر ویسا ہی کر دیا جیسا وہ پہلے تھا۔

پھر وہ فرشتہ گھجے کے پاس پہنچا اور اس سے بھی وہی کہا جو اس نے کوڑھی سے کہا تھا۔ گھجے نے بھی اس کو وہی جواب دیا جو کوڑھی نے دیا تھا اور نتیجہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی نعمتیں چھین لیں۔

پھر وہ فرشتہ بصورت مسافر اندھے کے پاس پہنچا اور اس سے بھی وہی سوال کیا۔ جوابا اندھے نے کہا: ”شکر ہے اس اللہ کا، جس نے مجھے میری بینائی لوٹا دی اور مجھے دولت عطا فرمائی۔ تم جتنا چاہو لے لو، سب کچھ اپنا ہی سمجھو، اگر میں اپنے بینائی کے کام نہ آؤں گا تو کس کے کام آؤں گا۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے اور دے گا۔ اس پر مسافر نے کہا: ”اَمْسِكْ مَا لَكَ فَاِنَّمَا ابْتَغَيْتُمْ فَقَدْ رَضِيَ عَنْكَ مَوْسِطُ عَلِيٍّ صَاحِبُكَ“۔ ”مجھے کچھ نہیں چاہیے، میں تو صرف تم تینوں کا امتحان لینے آیا تھا۔ تم اس میں کامیاب رہے اور تمہارے دونوں ساتھیوں کو اللہ نے پھر اسی حالت میں پہنچا دیا، جس میں وہ پہلے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے بجائے اللہ کا شکر ادا کرنے کے احسان فراموشی کی اور اسے بھول گئے، جس نے انہیں اتنی نعمتیں عطا کیں۔ اللہ تعالیٰ تم سے خوش رہے اور تمہارے مال میں برکت عطا کرے۔“ پھر وہ دعائیں دیتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور وہ شخص اپنے اللہ کے حضور سجدے میں گر گیا اور اس کا شکر ادا کیا۔

اس واقعے سے اس طرح سمجھائیں کہ دیکھو بیٹا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا کتنی بڑی بات ہے۔ اندھے نے شکر ادا کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کا مال باقی رکھا اور باقی دونوں نے ناشکری کی، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی پرانی حالت پر لوٹا دیا۔ اسی بات کو تو اللہ نے

قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاۤ اَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيۤ لَشَدِيدٌۭ﴾ ۱۰۰

ترجمہ: ”اگر تم شکر کرو گے تو تم کو اپنی نعمتیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقیناً جانو! میرا عذاب بہت سخت ہے۔“

شکر کی حقیقت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی ہر فرامانی اور حرام و ناجائز کاموں میں خرچ نہ کرے اور زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اپنے افعال و اعمال کو بھی اس کی مرضی کے مطابق بنائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگی، وہ کبھی نعمتوں میں برکت اور زیادتی سے محروم نہ ہوگا۔

ناشکری کا حاصل یہی ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی اور ناجائز کاموں میں صرف کرے یا اس کے فرائض و اجبات کی ادائیگی میں سستی کرے، اور کفرانِ نعمت کا عذاب شدید دنیا میں بھی یہ ہو سکتا ہے کہ یہ نعمت سلب ہو جائے، یا ایسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے کہ نعمت کا فائدہ نہ اٹھا سکے، اور آخرت میں بھی عذاب میں گرفتار ہو۔

حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک سائل آیا، آپ نے ایک کھجور عنایت فرمائی، اس نے نہ لی یا پھینک دی۔ پھر دوسرا سائل آیا، اس کو بھی ایک کھجور دی۔ وہ بولا: ”لَسْبَحَانَ اللّٰهُ تَصْرُةَ مَنْ رَزَاہُ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم“۔ یعنی رسول اللہ کا تبرک ہے۔ آپ نے جاریہ کو حکم دیا کہ ام سلمہ کے پاس جو چالیس درہم رکھے ہیں، وہ اس (شکر گزار) سائل کو دلوادے۔

۱۰۰ سورۃ ابراہیم آیت ۷

۱۰۱ مظہری: ج ۵ ص ۲۵۶

۱۰۲ معارف القرآن: ج ۵ ص ۲۲۲

۱۰۳ تفسیر عثمانی: ص ۳۲۹

اس لئے ہمیں ہر وقت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

ایک اور واقعہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے بنی اسرائیل ہی کے ایک دوسرے آدمی سے ایک ہزار دینار کا قرض طلب کیا۔

قرض دینے والا: ”کوئی گواہ لے کر آؤ، جنہیں میں گواہ بنا سکوں۔“

قرض طلب کرنے والا: ”كُفَيْ بِاللّٰهِ شَهِيدًا۔“ (گواہی کے لئے اللہ کافی

ہے)۔

قرض دینے والا: ”کسی ضمانتی کو لے آؤ۔“

قرض طلب کرنے والا: ”كُفَيْ بِاللّٰهِ وَبِكَيْلَا۔“ (ضمانت کیلئے اللہ کافی ہے)

قرض دینے والا: ”تم نے سچ کہا۔“

یہ کہہ کر اس نے ایک مقررہ مدت کے لئے اس کو قرض دے دیا۔ وہ شخص قرض

لے کر سمندر پار پہنچ گیا اور اپنی ضرورت پوری کر لی۔ جب ادائیگی کا وقت قریب آیا تو اس نے قرض خواہ تک پہنچنے کے لئے کشتی تلاش کی، مگر اسے کوئی کشتی وغیرہ نہ ملی۔

اب اس نے ایک لکڑی لی اور سوراخ کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ساتھ ہی قرض خواہ کے نام ایک خط بھی رکھ دیا، پھر سوراخ بند کر کے لکڑی کو لے کر سمندر کے پاس آیا اور کہا:

”اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار لئے تھے۔

اس نے مجھ سے ضمانتی طلب کیا تھا تو میں نے کہہ دیا تھا کہ ضمانت کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ چنانچہ وہ تیری ضمانت پر راضی ہو گیا تھا۔ اس نے جب مجھ سے گواہ مانگا تو میں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ گواہی کے لئے کافی ہے تو وہ تیری گواہی پر راضی ہو گیا تھا۔ میں نے بھرپور کوشش کی کہ مجھے کشتی وغیرہ مل جائے تاکہ میں اس تک اس کا حق پہنچا دوں، لیکن میں ایسا نہ کر سکا۔ اب میں اس کی یہ رقم تیری امانت میں دیتا ہوں۔“

یہ کہہ کر اس نے وہ لکڑی سمندر میں ڈال دی۔ جب لکڑی سمندر میں داخل ہوئی تو وہ لوٹ آیا اور پھر کشتی کی تلاش شروع کر دی تاکہ قرض خواہ کے پاس پہنچ سکے۔ دوسری طرف قرض خواہ یہ دیکھنے کے لئے سمندر کی طرف نکل آیا کہ شاید کشتی سے اس کی رقم آ رہی ہو (کیونکہ قرض کی ادائیگی کا یہی دن طے ہوا تھا)، کیا ایک اس کی نظر ایک لکڑی پر گئی۔ اس نے اس لکڑی کو اٹھا لیا تاکہ گھر میں اپنے من کا کام دے۔ چنانچہ اس نے لکڑی کو چیرا تو اس میں رقم اور خط موجود تھا۔

کچھ دنوں کے بعد مقرض بھی ایک ہزار روپے لئے کر آ گیا۔

مقرض: اللہ کی قسم، میں کشتی کی تلاش میں سرگرداں رہا کہ میں آپ تک آپ کی رقم پہنچا دوں۔ مگر جس کشتی سے میں آیا ہوں، اس سے پہلے مجھے کوئی کشتی نہ مل سکی۔

قرض خواہ: کیا تم نے مجھے کوئی چیز بھیجی تھی؟

مقرض: میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ جس کشتی سے میں آیا ہوں، اس سے پہلے مجھے کشتی نہ مل سکی۔

قرض خواہ: اللہ تعالیٰ آپ کی جانب سے وہ رقم پہنچا چکا ہے، جو آپ نے لکڑی کے ذریعہ بھیجی تھی۔ اس لئے اب آپ ایک ہزار کی رقم لے جائیں۔

اس واقعہ سے ہمیں سمجھائیں کہ دیکھو بیٹا! سچائی اختیار کرنے اور وعدے پر پختہ رہنے کا کتنا بڑا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا وہ مال، جو سمندر کے حوالے کیا تھا، اس کے قرض خواہ تک پہنچا دیا، اگر ہم سچائی اختیار کریں گے اور وعدے کا پاس رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری تمام پریشائیاں بھی اپنی قدرت سے دور فرما دیں گے۔

قصہ کے ذریعہ آدمی جو بات کہنا چاہتا ہے، اسے سننے والا زیادہ دلچسپی سے سنتا ہے اور اس سے زیادہ اثر لیتا ہے۔ اس لئے حسب موقع اچھے واقعات اور نوٹ

کہا نیوں سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ بچوں اور کم عمر طالب علموں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں قصوں سے بڑی مدد حاصل کی جاسکتی ہے اور اخلاقی قدرا کی اہمیت واضح کی جاسکتی ہے۔ اس لئے اس طریقے سے بھرپور فائدہ اٹھائیے اور اپنے بچوں کی خوب اچھی تربیت کیجیے۔ قصص اور واقعات کیلئے ہم آپ کیلئے کتابوں کے نام لکھتے ہیں، ان کا آپ مطالعہ فرمائیں، اس میں سے قصہ مطالعہ کر کے بچوں کو سنائیں۔

❶ قصص الاحادیث ... مرتبہ محمد زکریا اقبال۔ دارالاشاعت کراچی۔ یہ ایک اچھی اور مستند کتاب ہے۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کے قصے اور واقعات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

❷ تالعیین کے واقعات (صور من حیاۃ التالعیین کا ترجمہ) مکتبہ دارالہدی، کراچی سے منگوالیں۔ اس کتاب میں تالعیین کے واقعات دلچسپ اور دلنشین انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ درمیانی عمر کے بچے خود بھی مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اور والدین بھی اسے پڑھ کر خلاصہ سمجھا سکتے ہیں۔

مربی کے اوصاف

تعلیم و تربیت اور اصلاح و ترقی کے سلسلہ میں مربی کا چند اوصاف سے متعارف ہونا ضروری ہے، ذیل میں ایسے ہی چند اوصاف کی جانب نشاندہی کی جارہی ہے۔

❶ اخلاص:

اخلاص ایک بنیادی وصف ہے، جس کے بغیر کوئی بھی عمل نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ مربی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تربیت و اصلاح کے سلسلہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھے۔ نہ اپنی کسی منفعت کا حصول اس کے سامنے ہو، نہ کسی مادی غرض کی تکمیل، بلکہ ہر معاملہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے جذبہ سے سرشار ہو۔ وہ تربیت کے لئے کوئی بھی قدم اٹھائے، اس میں خلوص و لہجیت کی جھلک نظر

آئی چاہیے۔ وہ نصیحت و موعظت کرے یا زبردستی سے کام لے، اس کا لہجہ نرم ہو یا سخت، وہ پیار و محبت سے سمجھائے یا سختی سے تنبیہ کرے، ہر عمل اور اقدام میں اخلاص کی کارفرمائی ضروری ہے۔ بغیر اخلاص و لہجیت کے جو کام بھی کیا جاتا ہے، اگرچہ بظاہر وہ اچھا معلوم ہوتا ہے مگر نتائج کے اعتبار سے مؤثر نہیں ہوتا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ اپنے بچوں یا اپنے زیر اثر افراد کی تربیت کے سلسلہ میں بہت سی تدابیر اختیار کرتے ہیں، تمام نفسیاتی پہلوؤں کا خیال رکھتے ہیں، بہت سے حکیمانہ طریقے استعمال کرتے ہیں، مگر ان کی کاوشوں کے نتائج ان کے اندازے کے بالکل برعکس نکلتے ہیں۔ اس طرح کے واقعات کے اثرات و نتائج پر اگر آپ گہرائی سے غور کریں تو اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ تربیت کرتے وقت مربی کے یہاں اخلاص کا فقدان رہا ہے۔

اخلاص میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسان دوسروں کی تربیت کرتے ہوئے اپنی ذات سے غافل نہ رہے۔ اپنے کو دوسروں سے بالا تر نہ سمجھے۔ اپنے بارے میں کبھی اس خوش فہمی کا شکار نہ ہو کہ میری تربیت تو ہو چکی ہے اور اب میں دوسروں کی تربیت کرنے کے منصب پر فائز ہوں۔ یہ انداز فکر، اصلاح و تربیت کے بجائے بگاڑ اور فساد کا سبب بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے زیر تربیت افراد کے لئے بھی انسان مخلص ہو، ان سے دلی محبت و ہمدردی ہو، اسے ان کی نجات کی فکر ہر وقت دامن گیر ہو، یہ خیر خواہی اس درجہ اور اتنی واضح ہو کہ اس کے سینے اس کی ہر بات اور نصیحت کو، خواہ وہ کتنے ہی سخت لب و لہجہ میں کہی جائے، اپنے لئے باعث خیر سمجھیں اور انہیں یقین کامل ہو کہ ان کو نصیحت و فہمائش کرنے والا شخص ان کا خیر خواہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے "قد رخص اور خیر خواہ تھے کہ ہر صحابی یہ سمجھتا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، نہ صرف اپنے اصحاب اور اہل ایمان کی اصلاح و تربیت کی فکر آپ کو ہر وقت دامن گیر رہتی تھی، بلکہ آپ اپنے دشمنوں کی ہدایت کے لئے بھی بے چین رہتے تھے۔

اصلاح و تربیت کے فرائض انجام دیتے ہوئے جہاں انسان اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہو، وہیں پر وہ اپنے بچوں کے لئے سراپا نصیحت و خیر خواہی بن جائے۔ اس ہر قول اور ہر عمل، درد و سوز میں ڈوبا ہوا ہو۔ ہر نصیحت کرتے وقت یہ سوچے کہ اے اللہ! آپ مجھ سے اور میری اولاد سے راضی ہو جائیے۔

اے اللہ! میری اس نصیحت کو اولاد کی ہدایت کا ذریعہ بنا دیجئے، اے اللہ! ہدایت دینے والے آپ ہی ہیں۔ آپ ہی کے ہاتھ میں اس بچے اور اس بچی کا دل ہے۔ اے اللہ! آپ ہی ان کا دل ہدایت کی طرف موز دیجئے۔

۲۵۷ علم:

نئی نسل کی تربیت کی ذمہ داری جن حضرات پر حائد ہوتی ہے، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کریں۔ تربیت کے قواعد اور حکیمانہ اصول کا مطالعہ کریں۔ یہ معلومات حاصل کریں کہ مربی کے لئے کن اوصاف کا اختیار کرنا ضروری ہے اور کن امور سے اجتناب لازمی ہے۔ اسی کے ساتھ حالات و جذبات اور مزاج و نفسیات کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ اگر ممکن ہو تو تعلیم و تربیت کے موضوع پر جو علمی کام ہوا ہے، اس کا بھی مطالعہ کریں تاکہ جدید نظریات و تجربات کا جامع مواد لے کر اس سے بھی فائدہ حاصل کیا جاسکے اور اس کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل کتابوں کا خصوصاً مطالعہ کریں، اور کبھی ان کتابوں کو کسی اور سے پڑھوائیں اور خود سنیں کہ بعض اوقات خود مطالعہ کے بجائے سننے سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

* تفسیر معارف القرآن ... حضرت مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ

* معارف الحدیث ... حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

بیعت الصلح بیت

* جواہر الحدیث

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

* حیا و الصنہ

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

* فضائل اعمال

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

* فضائل صدقات

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

* تاریخ دعوت و عمریت

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ

* اسقام و تربیت اولاد

(ترجمہ) حضرت مولانا حبیب اللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ

* اسلام و تربیت اولاد

حضرت مولانا مفتی عبدالسلام صاحب دامت برکاتہم

* اسلامی خطبات

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

* مظاہر حق جدید

حضرت علامہ نواب محمد قطب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ

* تہذیب و لب

(پسند فرمودہ) مفتی نظام الدین صاحب شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

* طریقہ و صیت

علماء مدرسہ بیت العلم

* تعلیم الاسلام

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ

* اپنی نمازیں درست کیجئے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

* پرانے چراغ

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ

* آپ جی

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ

* حیات طیبہ

مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ

* مولانا محمد الیاس اور ان

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ

* فی دینی و دُعا

مولانا عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ تعالیٰ

* معرفت الہیہ

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

* اور ان کا مزاج و مذاق

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

* رحمۃ اللعالمین

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

* اور ان کا مزاج و مذاق

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

* اور ان کا مزاج و مذاق

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

* اور ان کا مزاج و مذاق

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

* اور ان کا مزاج و مذاق

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

* اور ان کا مزاج و مذاق

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

✽ احکام میت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ

✽ اسوۂ رسول اکرم ﷺ ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ

✽ سیرت سید احمد شہید مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ

✽ سیرت مولانا محمد علی موکیری سید محمد ثانی حسنی

✽ بیس بڑے مسلمان مولانا عبدالرشید ارشد

✽ مخزن اخلاق مولانا رحمت اللہ سبحانی

بچوں کے لئے لائبریری

✽ ذوق شوق (کہانی کہانی میں) مکتبہ بیت العلم کٹشن اقبال کراچی

✽ ذوق شوق (علم و عمل) مکتبہ بیت العلم کٹشن اقبال کراچی

✽ ذوق شوق (پڑھتے پڑھتے) مکتبہ بیت العلم کٹشن اقبال کراچی

✽ ذوق شوق (سنو سنو) مکتبہ بیت العلم کٹشن اقبال کراچی

✽ ذوق شوق (بلا عنوان) مکتبہ بیت العلم کٹشن اقبال کراچی

✽ تابعین کے واقعات مکتبہ دارالہدیٰ کراچی

✽ نبیوں کی چچی کہانیاں ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

✽ درسی سیرت مکتبہ بیت العلم کٹشن اقبال کراچی

✽ صحابہ کی زندگی مکتبہ دارالہدیٰ کراچی

✽ تعارف صحابہ مکتبہ دارالہدیٰ کراچی

✽ آسان دینیات مکتبہ بیت العلم کٹشن اقبال کراچی

✽ تراشے مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

✽ مثالی بچپن

✽ صبح و شام کی مستند دعائیں مکتبہ بیت العلم کٹشن اقبال کراچی

✽ ہماری بادشاہی

✽ بچوں کے لئے اچھی باتیں حکیم شرافت حسین، مجلس نشریات کراچی

✽ تعلیم الاسلام زم زم پبلشرز

✽ ہمارا ایمان

✽ علیکم بستی ادارۃ المعارف کراچی

✽ اللہ کی نعمتیں مولانا عبدالعزیز صاحب، زم زم پبلشرز

✽ کہانیوں کی دنیا مولانا محمد سعد صاحب، مکتبہ دارالہدیٰ کراچی

✽ کہانی آباد مولانا محمد سعد صاحب، مکتبہ دارالہدیٰ کراچی

✽ کہانی نگر مولانا محمد سعد صاحب، مکتبہ دارالہدیٰ کراچی

✽ Story time مکتبہ بیت العلم کراچی

✽ Saeed readers مکتبہ بیت العلم کراچی

✽ How well do you know sahaba مکتبہ بیت العلم کراچی

✽ Easy Deeniyat مکتبہ بیت العلم کراچی

✽ صبر و تحمل

مشائی والد کا ایک بنیادی وصف، صبر و تحمل بھی ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص بھی تربیت جیسے نازک فریضہ کی ادائیگی نہیں کر سکتا۔ اصلاح اور تربیت کا عظیم کام کرنے والوں کو اپنے اندر بے پناہ صبر و تحمل کی روح پیدا کرنا چاہیئے۔

صبر و تحمل کا مفہوم یہ ہے کہ انسان بات بات پر غصہ نہ ہو، بلکہ معمولی معمولی باتوں کو نظر انداز کر دے۔ اسی طرح سے صبر و تحمل کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انسان اپنے جذبات کو مشتعل نہ ہونے دے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مومنین کی صفات کا بیان فرماتے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے:

”اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں (کی تقصیرات) سے درگزر کرنے والے اور اللہ کے ایسے نیکو کاروں کو (جن میں یہ خصال ہوں، بوجہ اُکمل) محبوب رکھتا ہے۔“^۱

اسی طرح آدمی جلد بازی نہ کرے، بلکہ ہر کام کو سکون اور غمخوارانہ کے ساتھ انجام دے۔ اگر اس کی کاوشوں کے نتائج فوراً ظاہر نہ ہوں تو قلق و اضطراب کا اظہار نہ کرے اور نہ ہی مایوسی کا شکار ہو، بلکہ حوصلہ رکھے اور مسلسل محنت کرتا رہے۔ دینا گیا ہے کہ بہت سے لوگ جب دوسروں کی تربیت کرتے ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھتے تو بد دل ہو کر ان کی تربیت کرنا چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ تربیت کے نتائج بہت دیر سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے اس سلسلہ میں جلد بازی کرنا اور فوری نتائج کی امید رکھنا صحیح نہیں ہے۔ بری عادتیں آہستہ آہستہ چھوٹی جاتی ہیں اور اچھی عادتیں تدریجاً پروان چڑھتی ہیں۔ اس لئے مایوسی کا شکار کبھی نہ ہوں، بلکہ صبر و تحمل سے کام لے لیجئے۔ قرآن شریف میں مذکور ہے:

﴿وَلَنَنْصَبَنَّ صَبْرًا وَعَفْوًا إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾^۲

ترجمہ ”اور جو شخص (دوسرے کے ظلم پر) صبر کرے اور معاف کر دے، یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی ایسا کرنا بہتر ہے اولیٰ العزمی کا تقاضا ہے)۔“^۳

تربیت ایک صبر آزما کام ہے۔ اس اہم فریضہ کو ادا کرتے ہوئے انسان کو بلند ہمتی سے کام لینا چاہیئے۔ دوام و تسلسل کے ساتھ اپنی کوشش کو جاری رکھنا چاہیئے، مشغول ہو کر کوئی غلط قدم نہیں اٹھانا چاہیئے۔ اپنے مزاج کے خلاف باتوں کو

^۱ سورہ آل عمران آیت ۱۳۳، معارف القرآن: ج ۲ ص ۱۸۴

^۲ سورہ شوریٰ آیت ۴۳

^۳ معارف القرآن: ج ۲ ص ۷۰۳، ۷۰۴

برداشت کرنا چاہیئے۔ مسلسل ناکامیوں کے باوجود بھی ہمت نہیں ہارنا چاہیئے۔ تربیت کے سلسلہ میں بڑے سخت مراحل آتے ہیں، ان سخت مراحل میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا عمل بہادری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے

﴿لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ. إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ﴾^۱

ترجمہ ”کشتی میں پھچانے والا طاقتور نہیں ہے۔ اصل طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔“

ہر مربی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے زیر تربیت افراد کی خوبیاں اور خامیاں نہایت باریک بینی سے نوٹ کرے۔ خوبیوں پر ہمت افزائی کرتے ہوئے انہیں یہ دان چڑھائے اور خامیوں کو دور کرنے کے لئے حکمت و تدبیر کے ساتھ کوشاں رہے۔ اگر کسی خامی یا کمی پر قابو پانے میں اسے دشواری محسوس ہو تو بد دل یا مایوس نہ ہو، بلکہ عزم و حوصلہ کے ساتھ اپنی کوشش جاری رکھے۔

تربیت ایک بڑی صبر آزما ذمہ داری ہے۔ اس لئے ہر مربی کو صبر و عزمیت کا پہاڑ بن کر تربیت کے فرائض انجام دینا چاہئیں۔ جلد بازی یا مایوسی، غلط اثرات و نتائج کا موجب ہو سکتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کو سامنے رکھیئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی شدید اور پرخطر حالات میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تربیت کے فرائض انجام دیئے۔ آپ سخت سے سخت حالات میں بھی کسی مایوسی کا شکار نہیں ہوئے اور نہ ہی جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔

ہر والد اور استاد کو چاہیئے کہ ظفر شاہ دہلوی کا یہ شعر یاد کرے اور اپنے کمرے کی دیوار پر لگا کر رکھے کہ بار بار اس پر نگاہ پڑتی رہے۔

^۱ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب المحتدر من الغضب: ج ۲ ص ۹۰۳

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا، خواہ ہو کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا
حسن گفتار:

انسان کی زبان، لب و لہجہ، اندازِ خطاب و طرزِ گفتگو کا اثر اس کے بچوں پر پڑتا
ہے۔ اگر آواز شیریں، خوش گوار اور میٹھی ہو تو بچوں پر کوئی اکثابت طاری نہیں ہوتی
اور وہ دل کی گہرائی سے اس کا اثر قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن آواز اگر کڑخت، بھدنی،
چیخ والی ہو تو بچوں کے کانوں پر گراں گزرتی ہے، ان کے ذوق و سماعت پر بار محسوس
ہوتا ہے اور پھر بچے ایسے شخص کی باتوں سے نہ صرف یہ کہ کوئی اثر نہیں دیتے، بلکہ اس
کی باتوں سے متنفر ہونے لگتے ہیں۔ مری اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہ بہت بلند
ہوتی تھی نہ پست، بلکہ درمیانی ہوتی تھی اور اس قدر شیریں کہ سننے والا بغیر اثر لگنے نہ
رہتا تھا۔ ہند بن ابی ہالہ نے کس قدر جامع الفاظ میں آپ کے طرزِ تعظم کو بیان کیا
ہے:

«بِتَكَلُّمٍ بِجَمَاعِ الْكَلِمِ كَلَامُهُ فَضْلٌ لَا فَضُولٌ وَلَا نَقْصِيرٌ»
ترجمہ: الفاظ نہ ضرورت سے زیادہ، نہ ضرورت سے کم۔ نہ کوتاہی،
نہ طویل گوئی۔

فضول باتوں اور ابا یعنی گفتگو سے اجتناب کیجیے۔ بغیر ضرورت گفتگو کرنے سے
انسانی شخصیت مجروح ہوتی ہے اور اس کی بہت سی کمزوریاں ظاہر ہوتی ہیں، بہت
سے مسائل خواہ مخواہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ طویل گفتگو سے بچ کر آگیا جاتا ہے اور اصل
مدعا کو محفوظ رکھنا اس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ضرورت سے کم گفتگو
کرنے پر بچہ مدعا کو نہیں سمجھ پاتا نہ ہی وہ مطمئن ہو پاتا ہے، تعلیم و تربیت، دعوت و
تبلیغ کے سلسلہ میں انسان کو گفتگو بہتر سے بہتر ذہننگ سے کرنی چاہیے، ایک طرف

۱۶۰ شرح شامل ترمذی ص

طوالت سے اجتناب کرنا چاہیے دوسری طرف گوئیے بن کر نہیں رہنا چاہیے، بلکہ
حسب ضرورت گفتگو کرنی چاہیے۔ آئیے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن گفتار کا
ملاحظہ کر کے اس کو اختیار کرنے کی کوشش کریں۔

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاغ و درت گفتگو نہ فرماتے، ابتدا سے انتہا تک آپ نہ
بہرے نہ بولتے (یہ نہیں کہ آدھی بات اندر ہی رہ جائے)۔ آپ کی بات فیصلہ کن ہوا
کرتی تھی۔ اہل مجلس کی گفتگو میں نہ متعلق موضوع نہ چھیڑتے، بلکہ جو سلسلہ کا ام
چل رہا ہوتا اسی میں شریک ہو جاتے۔ اگر کسی موضوع سے صحابہ کو اکتایا ہوا محسوس
کرتے تو اس کو بدل دیتے، گفتگو کے دوران ہر فرد مجلس پر توجہ فرماتے تاکہ کوئی یہ
محسوس نہ کر سکے کہ آپ نے اس پر کسی دوسرے کو فوقیت دی ہے۔ گفتگو کرنے والے
کی جانب سے اس وقت تک نہ نہ پھیرتے، جب تک وہ منہ نہ پھیر لیتا۔ کسی کی
بات کو کبھی نہ کاٹتے۔ سوائے اس کے کہ کوئی بات خلاف حق ہو۔ کڑے کڑے کسی
اہم موضوع پر گفتگو کرنے کو ناپسند فرماتے۔ گفتگو کے دوران صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
اجتماعی کے ساتھ جتے بھی اور دلچسپی کا اظہار بھی فرماتے۔ آپ نہ کسی کی برائی میں
زبان کھولتے، نہ عیب بینی کرتے اور نہ کسی کے راز کو جاننے کی کوشش کرتے۔ جب
کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے۔ زبان پر کوئی گندی بات نہ
لائے۔ نہ چیخ کر بولتے۔ یعنی باتوں سے پرہیز کرتے اور دوسروں کو بھی روکتے۔
کلام سے پہلے سلام کا اہتمام فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں حسب
ضرورت اتنا چڑھاؤ ہوتا کہ گفتگو میں کسی طرح کا تصنع اور تکلف نہ ہوتا۔ بلکہ سادگی
اور سیرانگہی ہوتی۔ گفتگو میں تمہم کی آمیزش رہتی تھی۔ گفتگو کے دوران کسی بات پر
زور دینا ہوتا تو غلج سے اٹھ کر سیدھے ہو کر بیٹھتے۔ خاص باتوں کو بار بار دہراتے۔
اپنی بات کی وضاحت کے لئے ہاتھوں اور اظہار کے اشاروں سے مدد لیتے۔ تعجب
کے موقعوں پر تھیلی کو اٹھ دیتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز فکر کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسلمان کو کوشش کرنا چاہیے کہ وہ آپ کی پیروی میں حسن گفتار کی عظمت سے متاثر ہو۔ غور کیجیے! نبوت کا بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے، مسائل کے حصار میں گھرے ہوئے، طرح طرح کی افیتوں اور پریشانیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو میں کس قدر اعتدال و دلکشی پائی جاتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں فوری اثر کرتی تھیں۔ ورنہ پہلے درپے مشکلات و مصائب، انسان کے لب و لہجہ میں کڑھائی اور چیز چڑا ہین پیدا کر دیتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو میں قسم، مسکراہٹ کی علامت نکلی ہوئی ہوتی اور ہر موضوع پر بلا تلافی گفتگو فرماتے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”جب ہم دیوبی امور کے بارے میں گفتگو کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں حصہ لیتے جب ہم آخرت پر گفتگو کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس موضوع پر تلخ فرماتے اور جب ہم کھانے پینے کی کوئی بات چھیڑتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شامل رہتے۔“

لہذا ہمیں اپنے بچوں کی تربیت کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ تکلم کی خصوصیات کو اپنانا ضروری ہے تاکہ پاکیزہ پیغام، پاکیزہ زبان میں اپنے بچوں اور دوسرے لوگوں تک پہنچایا جاسکے۔

⑤ حسن کردار:

مثالی والد کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ وہ بچوں کی تربیت سے پہلے اپنی تربیت کرے، بچوں کو اچھائی کا عادی بنانے سے پہلے خود اچھائیوں کا عادی بن جائے۔ بچوں کو بری عادتوں سے چھٹکارا دلانے سے پہلے خود بری عادتوں سے کنارہ کش ہو جائے۔ کیا ہم لوگ اس حقیقت سے آگاہ نہیں Action Speaks louder

۱۲۷۷ھ شوال ۱۴۱۸ھ

(فعل کی آواز زیادہ بلند ہوتی ہے)۔ انسان کا اپنا کردار دوسروں کے لئے باعثِ کشش ہوتا ہے اور ان پر ایک گہرا اثر ڈالتا ہے۔ کردار ایک خاموش مبلغ یا مربی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مربی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی جو مثالی تربیت کی تھی، اس میں سب سے اہم کردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کردار نے ادا کیا تھا۔

مربی کے قول و فعل میں اگر تضاد ہو تو اس کی تمام کوششیں رائیگاں جاسکتی ہیں۔ لیکن اگر مربی کے قول و فعل میں یکسانیت ہو، وہ کردار کی عظمت لئے ہوئے ہو تو اس کی معمولی کوشش بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑے بڑے نتائج ظاہر کرتی ہے۔ غور کر لیجیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ظلمتِ کدۃ عالم میں تنہا دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تربیت کے کام کا آغاز کرتے ہیں اور ۲۳ سال کی قلیل مدت میں پورا عرب مفتوح ہو جاتا ہے اور عجم میں آپ کے چرچے ہونے لگتے ہیں۔ اس تہذیب کو یہ ہمہ گیری کس چیز نے عطا کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کردار اور متقیانہ زندگی نے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کردار سے متاثر ہوتے اور اپنے آپ کو بھی اسی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش میں لگ جاتے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کرنے کے لئے آتے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار سے متاثر ہو کر آپ کے حلقہ میں شامل ہو کر آپ کے دین کے سچے داعی بن جاتے۔ تعاقب کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان نامہ لکھواتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار اٹھانے والے آپ کا دفاع کرنے والوں میں شامل ہو جاتے۔ زانی و بدکار آپ کی بلند کرداری سے متاثر ہو کر عفت و حیا کا پیکر بن جاتے۔ فساد اور قتل و غارت گری کے عادی انسانیت کے محافظ بن جاتے۔ جب آپ کے دشمن دیکھتے کہ گالی سن کر آپ دعائیں دے رہے ہیں، پتھر کھا کر آپ پھول برسا رہے ہیں اور اذیتیں سہہ کر ان کے حق میں کلماتِ خیر کہہ رہے ہیں تو وہ آپ کے کردار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں

رہتے تھے۔

اصلاح و تربیت کا کام کرنے والوں کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تقویٰ اور خدا ترسی کی زندگی گزاریں۔ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور گناہوں سے مکمل اجتناب کریں، اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق بھی ادا کریں۔ اسلامی آداب و عادات کو اختیار کریں، پوری زندگی ایک صالح بندہ کی حیثیت سے گزاریں تو ان کی کوششیں یقیناً بار آور ہوں گی۔

کبھی بھی بچوں کے سامنے سُریت / انوار / پان / چھالیہ استعمال نہ کریں۔

بچہ فطرتاً ہر چیز میں دوسروں کی تقلید کرتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر آپ کا بھائی آپ کو بھائی جان کہہ کر پکارتا ہے تو آپ کا بچہ جب بولنا شروع کرے گا تو وہ بھی آپ کو بھائی جان کہنے لگے گا۔ بچہ تمام معاشرتی عادات و اخلاق اپنے گھر والوں ہی سے سیکھتا ہے۔ آپ اگر جھوٹ بولتے ہیں تو آپ کا بچہ سچ بولنے کا مادی نہیں ہو سکتا۔ بچہ والدین کے اخلاق و عادات کو بہترین نمونہ سمجھتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات رہتی رہی ہوتی ہے کہ میرے والدین دنیا کے ہر انسان سے بہتر ہیں۔ اب آپ سوچیے کہ آپ کے کسی ملنے والے نے دروازے پر دستک دی، آپ ملاقات کے موڑ میں نہیں ہیں، آپ نے بچے کو اپنے پاس بلایا اور چپکے سے کہا کہ: ”جاؤ جا کر کہہ دو کہ ابو گھر پر نہیں ہیں۔“ بچے نے یہ بات دستک دینے والے سے کہہ دی اور آپ نے بھی اسے کوئی اہمیت نہ دی، مگر آپ کے بچے کا ذہن جھنجھٹا اٹھا، وہ سمجھ نہیں پایا کہ ابو گھر میں ہیں، مگر پھر بھی انہوں نے کیوں پہلویا کہ ابو گھر پر نہیں ہیں؟ کہیں سے بچے میں جھوٹ بولنے کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ جھوٹ بول کر ہر آدمی اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ کہیں سے جرم کرنے کی ابتدا ہوتی ہے اور بغاوت کا بیج بویا جاتا ہے۔ اس لئے والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے معاشرتی فرائض کو بہتر طور پر انجام دیں تاکہ بچہ بھی معاشرتی فرائض کی ادائیگی سے واقف ہو

سکے۔ احباب اور مہمانوں کی مدارات، رشتے دار اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، گفتگو و مجلس کے آداب، کھانے پینے کے اسلامی طور طریقے، آپ کی دیکھا دیکھی بچے از خود اختیار کر لیتے ہیں۔

گھر کے ماحول کو نہایت صاف ستھرا اور خوش گوادر رکھیے۔ میاں بیوی کی باہمی رنجش، ساس بہو کے جھگڑے سے بچے کی اجتماعی زندگی پر نہایت غلط اثر پڑ سکتا ہے۔ اور اس کی معاشرتی نااہلی میں اضافے کا شدید خطرہ ہو سکتا ہے۔

بچے کی جذباتی ضرورتوں کو سمجھیے اور انہیں مناسب طور پر پورا کرنے کی کوشش کیجیے۔ بچے کی عمر کے ادوار کے لحاظ سے اس کے فطری تقاضوں کو سمجھیے اور مختلف ادوار میں اسے ایسے کام سونپیے، جو اس کی جسمانی اور ذہنی سطح کے مطابق ہوں تاکہ بچے میں اپنے معاشرتی فرض اور مقام کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہو سکے اور متوازن بالغ زندگی گزارنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر سکے۔

بچوں کو دوسروں کے حقوق بتائیے، مثلاً: والدین کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، رشتے داروں کے حقوق، بڑوں کے حقوق، استاد کے حقوق وغیرہ اور ان حقوق کی ادائیگی کی طرف انہیں رغبت دلائیے اور ان کی نگرانی کرتے رہیے کہ وہ کسی کی حق تلفی تو نہیں کر رہے ہیں۔

بچوں کو کامیاب زندگی گزارنے کے گُر بتائیے۔ ملاقات کے آداب، چلنے بچنے کے آداب، مجلس کے آداب وغیرہ سکھائیے تاکہ بچے معاشرتی طور پر مہذب بن سکیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق تربیت کی روشنی میں ہمیں اپنے اور اپنے متعلقین کی تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس سلسلہ میں ہماری کوتاہیوں کو نظر انداز فرمائے، اور ہماری حقیر کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

مثالوں سے تربیت

باپ کو چاہیے کہ اپنی بات بچوں کو ذہنی نشین کرانے اور موثر بنانے کے لئے کبھی ایسی مثالیں پیش کرے، جو بچوں کے مشاہدہ میں ہوں تاکہ باپ کی بات زیادہ واضح ہو جائے اور بچوں کے دل و دماغ تک اتر جائے اور وہ اسے ہمیشہ کے لئے یاد ہو کر اس کے لئے نافع ہو۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی اسی مقصد کے لئے کہ بات زیادہ واضح ہو اور اچھی طرح سمجھ میں آئے، مثالوں سے سمجھاتے۔ مثلاً ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور برے دوست کی حالت سمجھانے کے لئے مثال دیتے ہوئے فرمایا:

”نیک اور بد دوست کی مثال ایسی ہے، جیسے مشک والا اور بھیڑی جھونکنے والا۔ پس مشک والا یا تو کچھ ہدیہ کر دے گا اور یا تو اس سے خرید لے گا۔ ورنہ خوشبو تو تجھے پہنچتی ہی رہے گی اور بھیڑی جھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا۔ ورنہ تجھے بدبو تو پہنچتی ہی رہے گی۔“

دیکھئے! اس مثال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس خوبصورتی کے ساتھ دونوں ساتھیوں کی حالت واضح کر دی کہ ہر انسان خواہ شہری ہو یا دیہاتی، پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھا اس مثال کو سمجھ سکتا ہے۔

کسی بزرگ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی نے اپنے بیٹے سے کہا کہ صاحبزادے! دن بھر جو کام کیا کرو، شام کو مجھے اس کا حساب دیا کرو۔ اس بچارے کو بڑی دقت ہوئی۔ اول تو ہر کام کو سوچ بچار کر کے کرتا، پھر اس کو یاد رکھتا، پھر ابا جان کے سامنے ہر کام کی وجہ اور اس کی ضرورت بیان کرتا۔ کئی روز اسی طرح پریشانی میں گزرے۔ ایک روز اس نے کہا: ابا! اس سے کیا فائدہ ہے؟ جو کچھ آپ کو نصیحت کرنا

۱۔ مشکوٰۃ، باب الحب فی اللہ وبن اللہ، ج ۲ ص ۲۶۶

ہو، ویسے ہی کر دیا کریں۔ انہوں نے جواب فرمایا کہ بیٹے اس میں حکمت یہ ہے کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ جب میں ایک بوز شے باپ کے سامنے حساب نہیں دے سکتا تو حق تعالیٰ جو عالم الغیب اور قادر مطلق ہے، اس کے سامنے کیسے حساب دوں گا۔ جان اللہ اور کیسے کتنی بہترین مثال اور طریقے سے بیٹے کو سمجھایا کہ یہ سمجھایا ہوا موت تک بھول نہیں سکتا۔

اسی طرح ایک بزرگ نے اپنے بیٹے کی بہت اچھے انداز میں تربیت کی۔ جب وہ بڑا ہوا تو چند برے لڑکوں سے دوستی کر لی۔ باپ نے سمجھایا اور ان لڑکوں سے دوستی ختم کرنے کے لئے کہا۔ بیٹے نے جواب دیا: ابا جان آپ بے فکر ہو جائیں۔ ان کی کوئی برائی مجھ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ باپ نے مزید کچھ نہیں کہا، بلکہ سیب کی ایک چٹنی منگوائی۔ اس میں ایک خراب سیب تھا، بیٹا اس کو بیچ میں سے نکال کر انگ کرنے لگا تو باپ نے فرمایا: نہیں بیٹا معمولی خراب ہے۔ رستے دو پیچ لکھ لیں گے۔ پھر وہ چٹنی بند کر کے رکھ دی۔ ایک ہفتہ بعد جب دیکھا تو اس خراب سیب کے چاروں طرف بہت سارے سیب اس سیب کی وجہ سے خراب ہو گئے تھے۔ باپ نے بیٹے کو مخاطب کر کے کہا:

”یا بُنِیٰ اَرَأَیْتَ اِنَّ الْفَاحِشَةَ الْفَاسِدَةَ کَیْفَ فَسَدَتْ مَا جَاوَرَهَا؟“

”ہکذا الْجَلِیْسُ السُّوْءُ یُفْسِدُ مِنْ یُخَالِطُهَا۔“

”جتنی چٹنی خراب سیب نے کہ ایک خراب سیب نے پاس والے اچھے سیبوں کو کس طرح بیکار کر دیا؟ اسی طرح جو شخص بڑوں کی صحبت اختیار کرتا ہے تو اسے وہی ملتا ہے، جو ان سیبوں کو اس بیکار اور خراب سیب سے ملا۔“

اس طرح کی اور مثالوں سے بچے کو سمجھائیے۔ اس طرح نصیحت بچے پر بوجھ بنی نہیں بیٹے کی اور اچھی طرح سمجھ بھی آ جائے گی۔ اس طرح کی مثالوں کے لئے

اکابر علماء کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ خصوصاً مواظظ اور مشغولات حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا خاص طور پر مطالعہ کریں اور اکابر کی مجالس میں ٹلھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

کھلائیں سونے کا نوالہ، نگاہ رکھیں شیر کی

بچوں کو اس بات سے بے نیاز اور بے پرواہ نہ ہونے دیجیے کہ کچھ بھی کرو۔ باپ تو کچھ کہتا ہی نہیں۔ بلکہ پیار و محبت اور لاف اٹھانے کے ساتھ ساتھ کبھی کسی واقعی غلطی پر ضرور بالضرورت سختی سے تنبیہ بھی کرنی چاہیے۔ بلکہ حدود میں رہتے ہوئے کوئی تادیبی کارروائی بھی کی جاسکتی ہے اور اس کی اجازت بھی ہے۔ اور کبھی یہ مستحسن بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن نیت اصلاح ہی کی ہونی ضروری ہے۔ ہرگز غصہ کی حالت میں کوئی عمل نہ کیا جائے، کیونکہ اکثر اوقات غصہ میں انسان جائز و ناجائز کی تمیز بھول جاتا ہے۔ اس کے لئے طریقہ علماء کرام نے لکھا ہے کہ:

”جب بچے کے کسی عمل پر شدید غصہ آ رہا ہو، اس وقت بچے سے بات بھی نہ کرے۔ اپنی ہیئت تبدیل کر لے، پانی پیئے، دو رکعت نماز پڑھ کر بچے کی اسطلاح کی دعا کرے۔ پھر کسی دوسرے وقت میں مصنوعی غصہ پیدا کر کے بچے کو تنبیہ کرے۔ اس وقت ہوش و حواس قابو میں ہوں گے لہذا کوئی ناجائز عمل سرزد نہ ہو سکے گا۔

بس اسی طریقے کو اپنائیے اور بچوں کی حرکات و سکنات پر خوب توجہ دیں کہ بڑا بیٹا کیا کر رہا ہے؟ آیا اس کی پانچوں نمازیں پابندی کے ساتھ مسجد میں باجماعت ادا ہو رہی ہیں..... اس کے دوستوں کے کردار و اقوال کا کیا حال ہے۔ بڑی بیٹی کے شرعی پردے میں کسی قسم کی کمی تو واقع نہیں ہو رہی۔ اس کی تہذیبوں میں کوئی برے خاندان سے، بری سوسائٹی سے متعلق تو نہیں ہے۔ گھر میں رومانوی افسانے نہ

ڈانچنوں کی آمد تو نہیں ہے۔ درمیانہ یا مثیلا پینا آرٹ کے شوق میں نماز کی چھٹی تو نہیں کر رہا۔ اسکول میں اس کی دوستی ایسے لڑکوں سے تو نہیں جن سے والدین اپنے بچوں کی تربیت سے غافل ہیں۔ مثیلا بیٹی اپنی کھلی کے لہر میں بہانے سے جا کرنی وی تو نہیں دیکھتی۔ چھوٹا بیٹا ویڈیو گیم کی لعنت میں مبتلا تو نہیں..... سبق یاد نہ کرنے کی وجہ سے قاری صاحب سے مار تو نہیں کھا رہا۔

ایسے ماحول میں سب سے اہم ذمہ داری باپ کی ہوتی ہے کہ وہ دعا سے، اچھی کتابوں سے، پیار و محبت سے سمجھانے سے، جائز تادیبی کارروائیوں سے، اچھے ماحول میں لیجانے سے اور بزرگوں اور علماء کے بیانات میں لے جانے سے اپنی اولاد کو جہنم کا ایندھن بننے سے بچائے اور اپنی پوری صلاحیتیں اس پر خرچ کرے۔ اس کے لئے بچوں پر شرع ہی سے ایسی نظر رکھیں کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ باپ کو تو کچھ پتہ ہی نہیں اور اگر بچہ بھی چل گیا تو زیادہ سے زیادہ سمجھائیں گے یا چار باتیں سنیں گے، بلکہ انہیں یہ باور کروایا جائے کہ اگر کوئی ایسا غلط عمل مسلسل رہا تو اس پر نہایت سخت کارروائی بھی کی جاسکتی ہے۔

اور اپنے بچوں کی پارسائی پر مکمل اور اندھا اعتماد نہ کریں۔ دھوکہ دہیں ہوتا ہے جناب اندھا اعتماد ہو۔ بچوں کی خفیہ نگرانی بھی کبھی کبھی ضرور کرنی چاہیے اور بچوں کو اس کا احساس بھی رہے کہ آپ ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔

لہذا کبھی آپ اپنے مقررہ وقت سے پہلے گھر آ جائیے، کبھی اسکول و مدرسہ چلے جائیے، کبھی فون کر کے معلوم کر لیں۔ کیونکہ محض اس اندیشہ سے کہ کہیں ہمارا کوئی بڑا ہمیں دیکھ نہ لے، بچے غلط کاموں سے رک جاتے ہیں۔ لیکن بچوں پر یہ ظاہر کریں کہ آپ ان کو بڑا ٹیک اور پارسائی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ والدین کی نگاہوں میں گر جانے سے ان کے اعتماد کو نہیں پہنچے گی اور ان کو دکھ پہنچے گا بھی اندیشہ ہے۔

بچوں کو ٹی وی سے بچائیے

ٹی وی کے نقصان اور فساد پر دلائل دینے کی ضرورت تو نہیں ہے، سب کے سامنے ظاہر ہے۔ بربان حال ایک معصوم بچہ اپنے والد کو درخواست کرتا ہے۔ والد اور بچے کا یہ مکالمہ ہم آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ مکالمہ عبدالرزاق حسن صاحب نے تیار کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے۔ اس کا مطالعہ ہدایت کی نیت سے کیجیے اور حکمت کے ساتھ بزرگوں کے مشورے سے ٹی وی کو گھر سے نکال دیجیے۔

ابو: مٹا! بوش سے کام لو، یہ کس کو بغیر اطلاع کے اندر لارے ہوا؟ گھر میں تمہاری بہنیں موجود ہیں، تمہاری ماں موجود ہے، اتنی بری حرکت کہ ایک اجنبی شخص کو منہ اٹھائے اندر لے آئے۔ گیٹ کے ساتھ جی گھنٹی کا بٹن ہے، اسے دبانے کی بھی تمہیں توفیق نہ ہوئی۔

منا: (ہڑی معصومیت کے ساتھ) ابو! اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

ابو: اواحق! اگر کسی غیر آدمی کو گھر لانا ہو تو عورتوں سے کہتے ہیں کہ دوسرے کمرے میں چلی جائیں یا پردہ کر لیں۔

منا: ابو! بچا فرمایا آپ نے کہ کسی غیر محرم نوجوان کو ایوں گھر لے آنا بہت ہی نازیبا حرکت ہے۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ جس نے مجھے یہ تدبیر سکھائی۔ ابو! رات کو آپ دفتر سے آتے ہی ٹی وی آن کرتے ہیں تو اچانک کوئی نہ کوئی غیر محرم نوجوان پتلون شرٹ پہنے، باقاعدہ میک اپ کئے ہوئے ٹی وی سکرین پر نمودار ہو کر ہمارے گھر آ جاتا ہے۔ ابو! اس وقت بھی گھر میں میری ماں اور بہنیں موجود ہوتی ہیں، اس وقت بھی آپ ضرور فرما دیا کریں کہ دوسرے کمرے میں چلی جائیں یا پردہ کر لیں۔ وہ بھی تو اطلاع کے بغیر آ جاتا ہے۔

ابو: مٹا! یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کرنا شروع کر دیں تم نے، اس میں اطلاع کی کوئی بات ہے یا پردے کی کیا ضرورت ہے، ٹی وی والے کن سامنے دیکھ رہے ہوتے ہیں؟

منا: ابو! آپ ناراض نہ ہوں تو صرف سمجھنے کی غرض سے پوچھ رہا ہوں کہ میری امی اور بہنیں تو اسے دیکھ رہی ہوتی ہیں۔

ابو: مٹا! اس کی ماں اس کے والد کے ساتھ مل کر "مبالغہ" کی تقریر، ہزار دفعہ تمہیں تاکید کی ہے کہ اس کا احسان رکھا کرو، یہ صبح نماز پڑھنے جاتا ہے اور دن چڑھے واپس آتا ہے، تم چپکے سے کہہ دیتی ہو: "درس سننے بیٹھ گیا ہوگا۔" اب دو جواب اس "مذہبی جونی" کے سوال کا۔ باپ سے بات کرنے کا سلیقہ آتا نہیں اور بٹن چلا ہے "ننھا تبلیغی۔" بے ادب کہیں کا۔

منا: ابو! اللہ نہ کرے میری زندگی میں وہ دن آئے کہ میں آپ کے ساتھ بے ادبی سے پیش آؤں، میں آپ سے یونہی بحث مباحثہ نہیں کر رہا اور نہ ہی مجھ میں اتنی جرأت ہے، پھر مجھے وہ حدیث بھی اچھی طرح یاد ہے کہ "جس کا باپ ناراض، اس کا رب ناراض۔" ابو! اللہ کی قسم میں تو روزانہ پانچ وقت نماز میں دعا کرتا ہوں:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدِي﴾

ترجمہ: "اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو۔"

اور اکثر رو کر یہ دعا بھی کرتا ہوں:

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا﴾

ترجمہ: "پروردگار میری ماں اور میرے باپ پر رحم فرما، جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا۔"

اے اللہ! ان دونوں نے میرے ساتھ بچپن سے لے کر اب تک بڑی شفقت برتی ہے، آج تو بھی ان پر شفقت فرما اور اے میرے اللہ! مجھے اپنے والدین کا فرمانبرداری بنا کر جنت کا حقدار کر دے۔ ابو! یہ میں کوئی حسان نہیں جتا رہا، بلکہ اولاد پر حق ہی یہی ہے۔

تو بات ہو رہی تھی کہ فی وی والے کون سا ہمیں دیکھتے ہیں، جب کہ میرا مؤقف یہ تھا کہ امی اور بہنیں انہیں دیکھتی ہیں۔ ابو! آپ شاید مجھے سمجھ کر میری بات رد کر دیں، مگر میں آپ کو ان کی بات سنا تا ہوں کہ جن کی بات کو دنیا کی کوئی طاقت جھٹلا نہیں سکتی۔ اگر رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حق میں فیصلہ فرما دیں، تو پھر کس میں ہمت ہے کہ وہ تکرار کرے۔ ابو! ایک دن درس کے دوران عبداللہ صاحب فرما رہے تھے اور اسی دن سے یہ بات میرے ذہن میں نقش ہے کہ تمام مومنوں کی ماں "حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ناہینا سہی) تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں اس سے پردہ کرو۔ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو اندھے ہیں، نہ ہم کو دیکھتے ہیں، نہ پہچانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَفْعَمُوا وَاِنْ اَنْتُمْ اَلْسِنُمْ تَبْصُرُوْا﴾

تو جھکنا: "کیا تم دونوں بھی اندھے ہو؟ کیا تم دونوں اس کو نہیں دیکھتی ہو؟"

ابا جان! اب آپ ہی انصاف فرما دیجیئے، اگر فی وی والے ہمیں نہیں دیکھتے تو ہماری مائیں اور بہنیں تو انہیں دیکھ رہی ہوتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شیطان! وہ

بڑا دعوے باز! یہ بات ہمارے ذہن میں آنے نہیں دیتا۔ وہ یہی کہتا ہے ٹھیک ہے۔ یہ فلم انتہا درجے کی گندی ہے، تو اس سے پورا لطف اٹھا اور یہ پاس بیٹھی تیری ماں، بہن، بہو اور بیٹی، یہ تو گوئی، بہری اور اندھی ہیں۔ ان کو اس سے سمجھ سروکار نہیں کہ سامنے سکرین پر کیسے کیسے غلط اور کدے مناظر چل رہے ہیں۔ ابو! میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ یہ سب شیطان مردود کا چلایا ہوا چکر ہے اور یہ شیطان کا ایک بہت بڑا فریب ہے۔

ابو! شروع میں جب اس فی وی کے منہوس قدم ہمارے گھر پرے تو مجھے اتنی طرح یاد ہے اور یقیناً آپ کو بھی یاد ہوگا کہ اس کے گھر تشریف لاتے ہی آپ نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ خیرنامہ اور زیادہ سے زیادہ پاکستانی ڈرامہ اس سے زیادہ دیکھنے کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی۔ رہا اندین فی وی، وہ آپ کے ہوتے ہوئے دیکھنے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ اگر کسی بچے سے اچانک کوئی دوسرا بہن دب جاتا تو سارے گھر میں شور برپا ہو جاتا کہ بند کرو بند کرو، کہیں ابو نہ آجائیں۔ مجھے یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ شام ہوتے ہی پورا محلہ ہمارے گھر جمع ہوتا اس لئے کہ اس کام کی ابتداء ہمارے گھر سے ہوئی اور اب پورے محلے میں پھیلے ہوئے اس گناہ میں ہمارا اچھا خاصہ حصہ بنتا ہے۔

ابا جان! جب آپ گھر نہیں ہوتے تھے تو سب بیٹے کر اندین فلم دیکھتے تھے۔ جوں ہی آپ کی آنٹی گھنٹی کے بٹن کو چھوتی، فوراً جینل تبدیل کر دیا جاتا۔ اتنا خوف اور دبدبہ تھا کہ کہیں آپ کو پتہ نہ چل جائے۔ مگر ابو! آج کیا ہو گیا ہے؟ اب تو ہماری چست پر اتنی بڑی ڈش لگی ہوئی ہے اور گھر میں ہر روز نئی فلم آتی ہے۔ لیکن آج امی، بھابھی، بہنیں اور بھائی سب ہی آپ کی موجودگی میں پہلے سے ہزار گنا زیادہ گندی فلمیں دیکھتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ اب کہاں گیا آپ کا وہ فرمان کہ صرف خبر نامہ اور پاکستانی ڈرامہ؟ کہاں گیا وہ رعب اور دبدبہ؟ ابو! ہم سب کدھر بہکائے جا

رہے ہیں اور یہ بھی شیطان کا ایک بہت بڑا فریب ہے۔

ابا جان! جب سب گھر والے رات کو بیٹھ کر انڈین فلم یا سٹیج ڈرامہ دیکھ رہے ہوتے ہیں اور میں ساتھ والے کمرے میں بیٹھا پڑھ رہا ہوتا ہوں تو اکثر کڑھتا رہتا ہوں۔ اللہ کی قسم! کانے بجانے اور سب کے قوتوں کی آوازیں سن کر کیفیت یہ ہوتی ہے، جیسے کوئی میرے دماغ پر ہتھوڑے سے شدید ضربیں لگا رہا ہو اور جب سونے لگتا ہوں تو مجھے نیند نہیں آتی اور ساری رات اسی سوچ و فکر میں گزار دیتا ہوں۔

ابا جان! پھر ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت بہت سے مقدس رشتوں کی تذلیل کی جا رہی ہے۔ ایک فلم یا ڈرامے میں ایک عورت کسی کی ماں ہوتی ہے تو دوسری جگہ وہی عورت اس کی بیوی ہوتی ہے، کبھی بہن ہوتی ہے اور کبھی محبوبہ، کیا یہ انسانیت ہے؟ بہن اور بھائی ایک دوسرے کو "یار" کہہ کر پکارتے ہیں۔ ابوالیقین کریں ان پاکیزہ رشتوں سے تقدس کو پامال کیا جا رہا ہے اور پھر نہایت ذہنائی کے ساتھ اس سارے لچر پین کو ثقافت کا نام دے کر فخر کیا جا رہا ہے۔ ابوالا اگر یہی ثقافت ہے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ انتہائی مکروہ، غلیظ اور مذہب الہی کو دعوت دینے والی ثقافت ہے۔ لعنت ہو ایسی ثقافت پر، ایسی ثقافت پر کوئی بدکردار ہی فخر کر سکتا ہے۔ "الحمد للہ" ہماری ثقافت وہ ہے، جو چودہ سو برس قبل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں رواج دی تھی۔ جس میں عورت کی عزت اور حرمت کی حفاظت تھی۔ بے حرمتی اور بدکاری نہ تھی۔ عورت کو شرم و حیا حاصل تھی، لیکن آج کسی بیوی کی عزت محفوظ نہیں، غصمت درمی کے واقعات اتنے عام ہو چکے ہیں کہ اخبار پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔

ابو! رہی یہ بات کہ بچے دوسروں کے گھر دیکھنے جاتے تھے، اس لئے آپ فی وی خرید کر گھر لے آئے، کم از کم میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ یہ تو بہت کمزور دلیل ہے۔ ابو! پورے ملک میں آپ کسی سے پوچھ لیں کہ بھائی! آپ اپنی اولاد کے

روئے سے اتنے تنگ ہیں اور جانتے بھی ہیں کہ ان ڈراموں اور فلموں نے بچوں کے اخلاق کو تباہ کر دیا ہے، پھر اس "ٹی بی" کو گھر کیوں لائے؟ تو ہر ایک کے پاس ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ بچے دوسروں کے گھر جاتے تھے، مجبوراً ہی گھر پر لانا پڑا۔ ابوالا رتا ہوں کہیں مجھ سے کوئی سٹافی نہ ہو جائے، میری اس بات پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں، آپ فرماتے ہیں کہ بچے باہر دیکھنے جاتے تھے، اس لئے میں ٹی وی گھر لے آیا۔ ابوالا شاید آپ کو معلوم ہو کہ بڑے بھیا گھر میں نہیں مگر باہر سگریٹ پیٹے ہیں، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے سگریٹ کے پینک الماری میں رکھ دیئے ہوں کہ لو بیٹا! تم باہر پیٹے ہو، میں نے تمہارے لئے گھر میں ہی سگریٹوں کا بندوبست کر دیا ہے۔ کوئی باپ ایسا نہیں کرتا، صرف اس لئے کہ سگریٹ سے اولاد کی صحت کا نقصان ہوتا ہے۔ کتنا فکر ہے اولاد کی صحت کا اور جس چیز سے اولاد کا ایمان خراب ہو جائے، اس کے اخلاق تباہ ہو جائیں، اس کی ہمیں پرواہ تک نہیں۔ الٹا ایسی خطرناک چیز کو صحت سے کٹائی ہوئی دولت سے خرید کر اپنے اپنے گھروں کو جنم بنایا ہوا ہے۔ بلکہ عبد اللہ صاحب فرما رہے تھے کہ عنقریب دُش سے زیادہ خطرناک ایک بیماری عام ہونے والی ہے۔ جس کا نام "کیبل" ہوگا اور جس کے عام ہونے سے معاشرے میں غیرت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ ابو! جب یہ سوچتا ہوں تو اللہ کے خوف سے کانپ اٹھتا ہوں کہ کل اللہ پوچھنے کا ورنہ ضرور پوچھنے کا کہ بتاؤ میری وی ہوئی دولت کہاں کہاں خرچ کی تو ہم میں سے کس کو جرأت ہوگی کہ اللہ کے سامنے بتائے کہ اتنی مالیت کا ٹی وی، اتنی مالیت کا وی سی آر اور ڈش وغیرہ خریدے۔ کتنی ذلت اٹھانی پڑے گی اس وقت؟ افسوس! نیکیاں مفت ملتی ہیں، کوئی لینے کو تیار نہیں اور برائی کے لئے کتنی بھاری رقم ادا کر رہے ہیں۔

ابو! سنئے! یار تمہاری باتیں کچھ کچھ میری سمجھ میں آرہی ہیں۔ کہتے تو تم ٹھیک ہو، مگر تمہارے دوسرے بہن بھائیوں کا کیا کروں؟ ٹی وی تو جیسے ان کی رگوں میں

رج بس کیا ہے۔

منا: ابواب تو واقعی کچھ مشکل پیش آئے گی، مگر ایک وقت تھا کہ اگر اس وقت بچوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی جاتی کہ یہ بہت خطرناک چیز ہے اور اس کے قریب نہ جانا تو مجھے سو فیصد امید ہے کہ کوئی بچہ اس کے قریب نہ پہنچتا۔ ابواب ویاہیں ناں ایک سمجھدار بچہ بھی کی تار یا سوچ بورڈ کے قریب جانے سے ڈرتا ہے، حالانکہ اسے کبھی کمرٹ لگنے کا تجربہ نہیں ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ شروع دن سے جب بھی ادھر جانے لگا، ماں باپ نے چیخ کر کہا: بیٹا! ادھر نہ جاتا، اس میں کمرٹ ہے۔ اس سے آدمی مر جاتا ہے۔ نتیجتاً آج بھی بچہ اس کے قریب جانے سے ڈرتا ہے۔ اسی طرح اگر والدین فی وی کو اپنے بچے کے لئے نقصان دہ کھانے اور شروع دن سے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دیتے کہ بیٹا! اس کے قریب نہ جانا تو بچہ بجلی کی تار سے بچنے کی طرح فی وی سے بھی ویسا ہی خطرہ محسوس کرتا اور آج والدین کو بچچہ ہانا نہ پڑتا۔

ابو! اچھا! تو تم سارا قصہ والدین کا ثابت کرنا چاہتے ہو؟

منا: اللہ کی پناہ! ابواب میں کون ہوتا ہوں ماں باپ تو قصہ مار خیرانے والا! لیکن دیکھیں ناں! ایک بچہ پیدا ہوا مسلمان گھرانے میں، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ پورے گھر میں کسی کو اذان کہنا نہیں آتی۔ امام صاحب کو مسجد سے بلا کر بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت دہائی جاتی ہے۔ اس کے دائیں اور بائیں کان میں پکارا جاتا ہے کہ آؤ نماز کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف۔ ابواب آواز تو یہ محلے کے امام صاحب کی تھی، لیکن درحقیقت یہ اللہ کی پکار تھی، جو اس بچے کے دنیا میں آنے کے چند لمحے بعد اس کے کانوں تک پہنچائی گئی۔ ابواب بچے نے خود تو نہیں کہا کہ میرے کانوں میں اذان کہو، یہ تو اس کے والدین نے اس پر احسان کیا۔ لیکن اس دن سے لے کر مرتے دم تک اس کے کان جو سنتے ہیں، وہ اسی قافی دنیا کے

بارے میں ہوتا ہے۔ ہمارے گھر والے اس میں آخرت کے تذکرے ہوتے ہی نہیں ہیں۔ ابواب ماں باپ نے یہ تو بڑا احسان کیا کہ بچے کے کنبے بغیر ہی اذان دینے والے کا بندوبست کر دیا، مگر بعد میں یہ ایک، فی وی، وی سی آر اور ڈش، یہ کس کا احسان ہے؟ ابواب یہ بھی شیطان کا ایک بہت بڑا فریب ہے۔

ابواب شاید میں اپنی بات صحیح طریقے سے واضح نہ کر سکوں، لہذا دیکھتے ہیں کہ امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

ابو! ایک اور بات! آپ اکثر بڑی باتیں کہتے ہیں کہ کمرے میں جاتے رہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ باقی کے کمرے میں اداکاروں کی کتنی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ آپ نے کبھی پوچھا کہ یہ سب کیا ہو گئی ہے؟ ابواب میں اکثر سوچتا ہوں کہ آج اگر کسی کی بہن یا بیٹی کے اسکول ٹیک یا مینڈ پرس سے محلے کے کسی لڑکے کی تصویر نکل آئے تو فساد برپا ہو جاتا ہے، قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ لیکن ابواب حیرانی ہوتی ہے کہ آج تقریباً ہر کسی کی بہن یا بیٹی کے کمروں میں، بلکہ ان کی کتابوں اور ڈائریوں میں، اخباری میگزین میں، ہندو ایکٹروں اور کھلاڑیوں کی تصویریں ہوتی ہیں، اس پر کسی کی غیبت نہیں جاتی کیا ہو کیا ہے ہماری عقلوں کو؟ ابواب یہ بھی شیطان کا ایک بہت بڑا فریب ہے۔

ابواب درحقیقت ہم لوگ اپنا مرنا بھول چکے ہیں۔ رب کعب کی قسم! اگر ہمیں اللہ کے سامنے پیش ہونے کا خوف ہوتا اور جنت کے حصول کی ترپ ہوتی تو آج اپنی جیبوں کی ایسی تربیت نہ کرتے۔ ابواب ایک دن درس کے دوران حدیث پاک سنی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سنة ثانیة فی ۲۸

سے ارشاد فرمایا: ”میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ اسے جہنم میں جاسے گا۔“
 خاتمہ دے دیا گیا۔ اس شخص کی ٹیک پٹیاں اس سے چمٹ گئیں، روئے اور شور مچا کر
 گئیں اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کیا، اے اللہ! ہمارے باپ نے دنیا بہت کم پر بڑا احسان
 کیا اور ہماری تربیت میں بہت مشقت اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر رحم فرما کر
 بخش دیا۔

ابو! کاش یہ بات پوری دنیا کے والدین تک پہنچا سکوں۔ میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی کے باپ کو چیخ چیخ کر کہتا ہوں کہ اللہ کے واسطے! آج مائتہ تہ، آج میری بات پر تھوڑا سا غور کر لو، ورنہ بچپتاؤ گے، بہت بچپتاؤ گے۔ سنو! اس شخص کو جہنم میں جانے کا حکم ہوا اور اس کی نیک بچیاں اس کو جنت میں لے گئیں۔ پھر سنو! یہ نہ ہو کہ ہمیں جنت میں جانے کا حکم ہو اور اللہ نہ کرے کہ ہماری بچیاں بھی ہمارے پاؤں سے چھٹ جائیں اور جھگڑا کریں کہ پروردگار! اس باپ کے خریدے ہوئے شیطانی آلات سے ہم نے بے پردگی سیکھی، آوارگی سیکھی، ہمارے باپ کو ہماری بے راہ روی کا علم تھا، مگر اس نے ہماری عمر ہمیں کبھی کسی بیری حرکت سے منع نہیں کیا اور نہ ہی اس گھر کو ان نحوستوں سے پاک کرنے کی کوشش کی۔ اے اللہ! یہ ہمارا باپ شاہی میزہ کے موقع پر ہم سے منہ پینوں اور جوتوں کے متعلق تو پوچھا کرتا تھا، مگر ہم نماز نہیں پڑھتی تھیں، کبھی نہیں پوچھا۔ ہم قرآن نہیں پڑھتی تھیں، کبھی نہیں کہا۔ ہم پردہ نہیں کرتی تھیں، کبھی نہیں روکا۔ اے اللہ! آج ہم نے اپنے باپ کو جنت میں نہیں جانے دینا۔ ابو! کیا حشر ہوگا اس باپ کا؟ آج ہے کوئی باپ، جو اس انجام سے ڈر جائے؟ آج ہے کوئی جنت میں جانے کا خواہش مند باپ، جو میری اس بات پر غور کرے؟ اگر نہیں تو یہ بھی شیطان کا ایک بہت بڑا فریب ہے۔

ابو: منے! دیکھیے اللہ کی قدرت! کہ کیسی ہے وہ ذات، دعاؤں کو سننے والی؟ تم

نماز میں میرے لئے دعا کرتے تھے اور میرے اللہ نے جلد ہی تمہاری دعا قبول فرما دی۔ جیسا اللہ کو گواہ بنا کہ تمہارے ساتھ وعدہ کرتے ہوں کہ یہ ٹیکہ، لی وی، وی سی آر اور ڈش، بہت جلد اس گھر کو اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے ان بڑے بڑے شیطانی آفات سے پاک کر دیں گا اور اللہ نے چاہا تو تمہارا یہ پیغام ملک کے کونے کونے تک پہنچانے کی کوشش کروں گا اور ان شاء اللہ ہر نماز کے بعد یہ دعا بھی کروں گا کہ پروردگار اے مسلمان مرد اور عورت کو اس عریانی، فحاشی، بے حیائی اور بدکاری کے سیلاب سے محفوظ فرما اور اس شیطانی ثقافت کی یاخار سے بچا کر صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

منّا البوا! میں بھی دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرح ہر مسلمان کو توفیق دے کہ وہ اپنے گمراہوں کو ان نحوستوں سے پاک رکھیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ آخر میں وہی بات کہتے ہوں، جو شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہی:

إِنْ أَرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَحَقْتُ ط وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ط
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ط

تجربہ کیا: ”میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں، جہاں تک مجھے میں استطاعت ہے اور نہری توفیق (کا انحصار) اللہ پر ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔“

آوارگی

شیخ سراج الدین ندوی لکھتے ہیں کہ بعض بچوں میں آوارہ گردی کی لبت ہوتی
ہے۔ لہٰذا چہ بچوں کو آوارہ گردی وراثت میں ملتی ہے۔ خانہ بدوش، تارک الوطن

اور سیانی والدین کے بچوں میں آوارہ گردی ان کی فطری جبلت محسوس ہوتی ہے۔ وہ دن کا بیشتر حصہ بیابان، جنگل، دریا کے کنارے، باغ کے سامنے میں یا بازاروں کی چہل پہل میں گزار کر اپنی زندگی میں محسوس ہونے والے خلا کو پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے بچوں کی آوارہ گردی پر قابو پانے کے لئے انہیں قید و بند کی سزائیں دینا، ان کے جذبات کو مزید آوارہ گردی کے لئے بھڑکانے کے مترادف ہے۔

گھر اور اسکول سے بھاگ جانا بھی بعض بچوں کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ مدرسے اور اسکول سے فرار ہو جانے کی یہ عادت، مستقبل میں جرائم پیشگی کی راہ ہموار کرتی ہے۔ آوارہ گرد بچے کی نفسیات کا مطالعہ کر کے اصل محرکات کا پتہ لگانا چاہیئے۔ کوئی بھی تعزیری کارروائی، آوارہ گردی کو ختم کرنے کے بجائے اس میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے۔ آوارہ گردی کے محرکات متعدد اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔ بہت سے داخلی اور خارجی عناصر طرح طرح سے مل کر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ایسے بچے کے محرکات و اسباب کا تدارک کیا جائے۔

بچہ فطری طور پر گھومنے پھرنے کا شیدائی ہوتا ہے۔ یہ دواہ اس کے دل میں باہر جوش مارتا ہے کہ وہ اپنے مخصوص ماحول اور گرد و پیش سے نکل کر باہر کی دنیا کو دیکھے کہ آخر وہ کیسی ہے؟ بچے میں ایک مبہم سی امنگ، خطرناک مہموں کو سر کرنے کے لئے اسے ہر وقت آمادہ رکھتی ہے۔ وہ بچہ اپنے مانوس ماحول سے بہت کرغیر مانوس ماحول کی طرف بے مقصد سفر کے لئے عجیب و غریب تصورات کے ساتھ بے چین رہتا ہے۔ یہی اضطراب اور بے چینی، بچے کے بھگواہ پن اور آوارہ گردی کا سبب بنتی ہے۔

اچھے اور کامیاب والدین وہ ہیں، جو بچے میں بھگواہ پن کی عادت ہی سے پہلے اس کے ذوق کی تکمیل کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ چہل قدمی کے لئے اپنے

سامان لے جاتے ہیں۔ قدرتی مناظر اور تاریخی مقامات کی سیر و تفریح کا بندوبست کرتے ہیں۔ سامان کی خرید و فروخت کے لئے اس کو اپنے ہمراہ بازار لے جاتے ہیں۔ بچہ بچہ منہ و قیمت کے باوجود اپنے بچوں کے فطری شوق کی تکمیل کے لئے وقت اور پیسے کی قربانی دیتے ہیں۔ ان کے کاموں میں زیادہ دخل اندازی نہیں کرتے، اس کے ساتھ بلاوجہ روک ٹوک روا نہیں رکھتے، گھریلو ماحول کو نہایت فرحت انگیز بناتے رکھتے ہیں۔ اس کے لئے مختلف دلچسپ مشاغل فراہم کرتے ہیں۔ بیت بازی، چٹکے، پھیلیاں، قصے کہانیاں اور تعلیمی کھیل وغیرہ سے بچے کی دلچسپیوں کو برقرار رکھتے ہیں۔ کبھی بھی اکتا دینے والا ماحول پیدا نہیں ہونے دیتے۔

گھر سے بھاگ نکلنے کی عادت کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔ گھر کی بے کیف اور سخت تر زندگی، گھریلو جھگڑوں سے پیدا شدہ باہمی رنجش و کدورت، دکانوں سے طرح طرح کی چیزیں خرید کر کھانے کی چاٹ، کھیل کے میدانوں، دریا کے کناروں، پر رونق بازاروں، سرسبز کھیتوں اور پھل سے لدے ہوئے باغوں میں گھومنے کی امنگ بچے کو گھر سے بھاگنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اگر ابتدا ہی میں اس فطری ناک رنجان پر بند نہ لگایا جائے تو بچے کے آوارہ گرد اور مجرم بن جانے کا سخت اندیشہ رہتا ہے۔

ایک بچہ جملی ثقافت کے تحت یہ و تفریح کے لئے گھر سے بھاگتا ہے۔ ایک بچہ گھریلو الجھن یا ذہنی اضطراب سے تنگ آکر گھر سے بھاگتا ہے۔ اگرچہ دونوں کا مل بال ایک ہی ہے، مگر نوعیت میں بڑا فرق ہے۔ اس لئے بھاگنے کے حقیقی رجحانات اور دلچسپی و ظاہری محرکات کا گہرائی سے مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

مجلس گھرانے کا بچہ خوش حال اور مسرت انگیز ماحول کی تلاش میں اپنے گھر سے بھاگ نکلتا ہے۔ اسی طرح دیہات کی بے رنگ و کیف زندگی سے اکتایا ہوا بچہ شہر کے پر اطف ہنگاموں کی طرف بھاگتا ہے۔ اس طرح کے بچے دلچسپ ماحول کی

تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ وہ مثنوی ماحول کی رٹینیوں سے محفوظ ہونے کے لئے ادھر ادھر بٹکتے رہتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو محض مفلس گھرانے کا مفہوم ماحول اور دیہات کی بے کیف زندگی بھاگنے کا سبب نہیں، بلکہ اصل سبب بچے کا یہ احساس ہے کہ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ ایک بے وقعت انسان ہے اور دنیا کی چہل چہل میں اس کا کوئی حصہ نہیں، اگر والدین گھریلو زندگی کے رویہ سے بچے میں یہ احساس پیدا نہ ہونے دیں تو وہ بھاگنے پر مجبور نہ ہوں۔ میں (یعنی شاہنشاہ الدین) ایسے کئی نوجوانوں کو قریب سے جانتا ہوں، جو صرف اس لئے اپنے گھر سے بھاگنے پر مجبور ہوئے کہ ان کے والدین نے انہیں وہ باغرات ذریعہ معاش اختیار نہیں کرنے دیا، جسے وہ اختیار کر کے معاشرہ میں "اچھے انسان" کی طرح رہنا چاہتے تھے۔

بعض بچوں میں بھاگنے کی یہ عادت اسکول سے شروع ہوتی ہے۔ اسکول سے وہ کوئی بھی بہانہ کر کے اور چھٹی لے کر گھر پر آ جاتے ہیں۔ گھر والوں کے پوچھنے پر کہہ دیتے ہیں کہ آج جلدی چھٹی ہوگئی کیونکہ اسکول میں مٹی ہو رہا ہے۔ یا فلاں ماسٹر صاحب کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ بعض بچے گھر سے ہست لے کر کسی تفریح کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور جب چھٹی کا وقت ہوتا ہے تو ہست لے کر نہایت مصحمانہ انداز سے گھر واپس آ جاتے ہیں اور گھر والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا لافلا چڑھ کر آ گیا ہے۔

مدرسے سے بھاگنے کے بھی متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ نصاب کا عمر یا ذہنی استعداد سے اونچا ہونا، ایسی صورت میں بچے کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور وہ تعلیم سے اکتا کر راہ فرار اختیار کرنے میں عافیت سمجھتا ہے۔ نا تجربہ کار معلم کی سخت گیری بھی اسے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ کسی وجہ سے استاد کا غیر مشفقانہ رویہ اور ہم جولیوں کا مذاق اور لہجہ طعن بھی بھاگنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے اسے فوری راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ بچے کو عمر اور ذہنی استعداد سے بالا درجے

میں بھی نہ داخل کرائیے۔ اپنے بچے کے لئے بہترین تعلیم کا وہ انتخاب کیجیے، جہاں کا نصاب تعلیم بھی موزوں نہ ہو اور ماحول بھی دلچسپ، جہاں اساتذہ شہادت سے تعلیم دیتے ہوں اور کمزور بچوں کو مختلف دلچسپ طریقوں سے دوسرے طلبہ کے معیار پر لانے کے لئے مسلسل کوشش کرتے ہوں، جن بچوں کے گھریلو ماحول کی بے کیفی یا دہرائی شخص کی وجہ سے احساس کتہ کی کا اندازہ ہو، ان کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہوں۔ انہیں احساس کتہ کی دلدل سے نکالنے کے لئے حکیمانہ طریقے اختیار کرتے ہوں۔ اس طرح کی تعلیم کا ہوں سے آپ کا بچہ کبھی راہ فرار اختیار نہ کرے گا۔

بسا اوقات اسکول سے بھاگ نکلنے کی پہلی حرکت محض اتفاق سے ہوتی ہے۔ پھر جب اسکول پہنچا تو دیر ہو چکی تھی اور اسے استاد کی سزا کا خوف لاحق تھا کہ راستے میں ایک منچا ساتھ لی مل گیا۔ اب یہ دونوں کسی پرکشش مقام کی طرف چل دیئے، وہاں مشرکشتی میں اس قدر لطف آیا کہ بار بار یہ حرکت کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ ان کی یہ عادت پختہ ہو جاتی ہے، ایسے بچوں کو ابتدائی میں سمجھا بچھا کر درست کر دیا جائے۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسکول سے بچے کی رپورٹ لے کر اس کا بغور مطالعہ نہ کر رہے ہیں۔

آج کل بچے بازاروں پر یا پھر بازاروں پر قائم منی سینما گھروں اور ویڈیو سینروں میں وقت گزار کر چھٹی کے وقت گھر واپس آ جاتے ہیں۔ لاہور، قصور، چٹوکی، فیصل آباد، کراچی، حیدر آباد، راولپنڈی اور اسلام آباد اس وبا کے خاص طور پر شکار ہو چکے ہیں۔ ایسی جگہیں خاص طور پر مجرم ساز فیکٹریوں کا روپ دھار چکی ہیں۔

ایسے بچے بھی پائے جاتے ہیں، جو مدرسہ میں داخل ہونے ہی سے انکار کر دیتے ہیں۔ یا تو اس لئے کہ بچہ گھر میں من پسند زندگی کو چھوڑ کر مدرسے کے جنونی ماحول میں جانا پسند نہیں کرتا یا اس لئے کہ اس کے ذہن میں مدرسہ کے بارے

میں غلط تصور بنھا دیا گیا ہے۔ ایسے بچوں کو ان کی مرضی کے خلاف مدرسے میں داخل نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ وہ یا تو پڑھنے میں دلچسپی نہیں لے گا یا مدرسے سے بھاگنا شروع کر دے گا اور اگر آپ گھر پر سختی کریں گے تو وہ گھر سے بھی بھاگنا شروع کر دے گا اور اسے آوارہ گردی کی عادت ہو جائے گی۔ ایسے بچوں کو آپ کبھی کبھی اپنے ہمراہ مدرسے لے جائیں تاکہ وہ مدرسے کے ماحول سے مانوس ہو جائے اور اسے یہ محسوس ہو کہ مدرسے کا ماحول گھر کے ماحول سے کم دلچسپ نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ بھگوڑے پن اور آوارہ گردی پر بغیر سوچے سمجھے سزا نہ دیں۔ اس طرح آوارہ گردی کی جڑیں کمزور ہونے کے بجائے مزید مضبوط ہو جائیں گی۔ آوارہ گرد بچوں کی اصلاح کے لئے ان کے جذبات، احساسات، رجحانات، میلانات، ذہانت و استعداد، صحبت و اخلاق، محکمہ و اسکول کے ماحول، اس کے ہم جولیوں کے اخلاقی معیار، گھر اور مدرسے کے نظم و نسق کی نوعیت کی تہہ تک پہنچنا ضروری ہے۔ انہیں دل کش، حوصلہ فرامیہ کیجئے۔ حتیٰ النوع اختیار آزادی دیجئے تاکہ وہ اپنی اختراعی قوتوں کو روبہ عمل لائیں۔ مختلف کھیلوں، تفریحی پروگراموں، اور بامقصد سیر و تفریح سے ان کے لذت پسند تقاضوں کی تسکین دور کیجئے، تاکہ وہ آوارہ گردی کی طرف رخ ہی نہ سرکیں۔

نکما پن

درجے میں پیچھے رہ جانے والے بچے کو عموماً ”نکما بچہ“ کہا جاتا ہے۔ ہر کلاس میں کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں، جو ذہنی طور پر ایک دو مضمون میں سست روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ صورت حال فطری ہے، اس پر زیادہ تشویش کی ضرورت نہیں۔ معمولی توجہ سے یہ کمی جلد یا بدیر دور ہو سکتی ہے۔ البتہ وہ طلبہ جو مستقل، اکثر یا تمام ہی مضامین میں درجے کے ساتھیوں سے پیچھے رہتے ہیں، خاص توجہ کے مستحق ہیں۔

نکما پن کے اسباب بے شمار اور مختلف ہوتے ہیں۔ اسباب کا گہرائی سے مطالعہ کر کے نکتے بچوں کی طرف غیر معمولی توجہ دینا چاہیئے، ورنہ ان کا مستقبل تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

بعض بچے غمی اور کند ذہن ہونے کی وجہ سے نکتے رہ جاتے ہیں۔ ایسے بچوں کو ان کی اپنی رفتار سے چلانا چاہیئے اور گہری زندگی اور مدرسے کے تعلیمی نظام میں رہایت دینا چاہیئے۔ اسکول میں ان پر خصوصی توجہ دینی چاہیئے۔ اگر مناسب ہو تو کمزور ذہن کے طلبہ کے لئے الگ سے کلاس کا اہتمام کیا جائے، ان سے ان کی استعداد و صلاحیت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔

نکما پن کا ایک بڑا سبب، پابندی سے اسکول نہ جانا یا اکثر و بیشتر دیر سے جانا ہے۔ درجے سے غیر حاضری بچوں کو لازمی طور پر نکما بنا دیتی ہے۔ کیونکہ اس سے بہت اسباق چھوٹ جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ اگلے اسباق سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ اگر بچے میں نکما پن غیر حاضری کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے تو غیر حاضری کے اسباب کا پتہ لگا کر بچے کو وقت پر پابندی سے اسکول بھیجئے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

اساتذہ کا ظالمانہ رویہ بھی نکتے پن کا محرک ہوتا ہے۔ بہت سے معلم نہایت خشک انداز سے پڑھاتے ہیں۔ بات بات پر ”کان پکڑی“ اور ڈنڈے کا استعمال کرتے ہیں۔ طلبہ کی نفسیات اور رجحانات کا مطالعہ کیئے بغیر سب کو ایک ہی لٹھی سے ہانکا جاتا ہے۔ سبق کسی کے پٹے پڑے یا نہ پڑے، یہ دقیانوسی معلم پڑھانے پٹے جاتے ہیں۔ بولنے پر آمادہ ہوتے ہیں تو رکنے کا نام نہیں لیتے اور خاموش ہونے پر آتے ہیں تو کسی طالب علم کو اپنی الجھن بخش کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ وہ اپنے کو ”مختل کل“ سمجھتے ہیں اور کسی بھی نئے طریقے سے استفادہ کو اپنے علم کی توہین تصور کرتے ہیں۔

اگر آپ کا بچہ اس قسم کے معلمین کے حوالے ہو گیا ہے تو ان کے چہنل سے

نجات دے کر اپنے بچے کو ان مشفق اساتذہ کی آغوش تربیت میں منتقل کر دیجیے، جو تعلیم و تدریس کے فن سے دلچسپی رکھتے ہوں، بچوں کی انسیات کی روشنی میں مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ جو ذہن کی بجائے شفقت سے تعلیم و تدریس کے اصول پر عمل پیرا ہوں، جو گونا گوں دلچسپیوں سے اسکول کی زندگی کو اس قدر لطیف اندوز کر دیتے ہوں کہ بچہ کسی بھی صورت تنفر و اکٹاہٹ کا شکار نہ ہونے پائے اور کم کم بچے کو جملنے پھولنے کا موقع مل سکے۔

اسکول اور مدرسہ کا غیر موزوں ماحول بھی نکما پن کا سبب ہوتا ہے۔ اگر تعلیمی ادارے کا محل وقوع غیر مناسب ہے۔ اس کے کمرے تنگ و تاریک ہیں۔ اساتذہ و ذمہ دار غیر تجربہ کار ہیں، ادارے کی قیادت کے پاس گندگی کے ڈھیر پڑے رہتے ہیں۔ دیواروں پر کڑواؤ وغبار اور چھت پر گھڑی کے جالے تنے ہوئے ہیں تو بچے کی طبیعت پڑھنے سے خود بخود اکٹا جائے گی۔ وہ ایسے گھٹے ہوئے ماحول سے بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ اپنے بچے کے لئے ایسی تعلیم گاہ کا انتخاب کیجیے، جو جیل خانے کی بجائے تفریح گاہ معلوم ہو۔ جس کی عمارت سادہ ہی ہو، مگر صاف ستھری ہو۔ نشست کا بہتر نظام ہو۔ تعلیمی و توشیحی نقشے، چارٹ وغیرہ وافر مقدار میں ہوں۔ انصافی کتب کے علاوہ دوسرے دلچسپ مشاغل مثلاً آرٹ، سرافٹ، جابز کھیل کود کے سامان بھی موجود ہوں۔

نکما پن کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ بچے پر عمر اور ذہنی صلاحیت سے زیادہ بار لا دیا جاتا ہے۔ آدمی اپنے اوپر قیاس کر کے بچے سے اپنی جیسی توقعات وابستہ کر لیتا ہے۔ بچے کی بساط اور استعداد سے اونچے درجے میں اسے داخل کرا دیا جاتا ہے۔ کسی مضمون کو وقت سے پہلے یا کافی دیر سے شروع کرنا اور ترقی دینے میں بہت جلدی یا بہت تاخیر کرنا بھی بچے کو نکما بنانے کا سبب ہو سکتا ہے۔

بچے کو اس کی عمر اور صلاحیت کے اعتبار سے موزوں درجے میں داخلہ دلائیے۔

فطری رفتار سے اسے آگے بڑھنے دیجیے۔ ایک سال میں دو درجے کا انصاب پڑھانے کی کوشش نہ کیجیے۔ بچے پر دوسرے کورس کا بار کبھی نہ ڈالیں۔ عموماً والدین بچے سے ایک ساتھ دو دو امتحان دلانے کی کوشش کرتے ہیں، اگر بچہ عربی مدرسے میں پڑھتا ہے تو والدین سرکاری مضامین پر انیویٹ طور سے پڑھا کر سرکاری امتحان بھی دلانا چاہتے ہیں اور اگر بچہ سرکاری اسکول پڑھتا ہے تو بہت سے والدین اسے ادیب، منشی اور مولوی وغیرہ کے امتحانات دلانے کے لئے الگ سے اس پر بار ڈالتے ہیں۔ اس سے بچہ مایوسی کا شکار ہو سکتا ہے۔ اگر بچہ غیر معمولی ذہانت یا قوت حافظہ کا مالک ہے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن متوسط ذہن رکھنے والے طلبہ کے ساتھ ایسا کرنا مناسب نہیں اور کثرت ذہن طلبہ کے ساتھ ایسا کرنا تو ظلم عظیم اور ان کی شخصیت کے قتل کے مترادف ہے۔

بچے کو نکما بنانے میں گھر کے ماحول کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ گھر کی زبوں حالی، والدین کی بیماری یا بے روزگاری کے سبب بچہ پابندی سے اسکول نہیں جاتا اور اچھا خاصا ذہین بچہ بھی نکما ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہماری معاشرتی ارتقا میں غربت و افلاس ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ ملک کے سنجیدہ لوگوں کو ایسے نظام معیشت کے مسئلے میں گہرائی سے سوچنا چاہیے، جو غربتی و امیری کی روز بروز بڑھتی ہوئی خلیج کو پالت سکے۔ تقریباً نصف آبادی جو خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہی ہے، اسے خوش حال بنا سکے۔ مجموعی طور پر ملک کی معاشی حالت درست کر سکے اور ملک کا کوئی باشندہ بے روزگار نہ رہ سکے۔ اگر اسلامی اصول معیشت کی روشنی میں ملک کی خوشحالی کے لئے پروگرام بنایا جائے اور معاشرہ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہو چکا ہو تو یقیناً ملک کا ہر باشندہ خوش حال ہو جائے۔ سود اور رشوت ستانی کے تمام بت ٹوٹ کر رہ جائیں گے۔ آسنے والی نسلوں کی بھلائی کے لئے بہر حال ایک عظیم انقلاب کی ضرورت ہے۔

خوش حال گھرانوں میں بھی والدین کا سلوک، ان کی غیر ذمہ دارانہ روش، لیکن

دین میں بے اصولی اور ان کی خباثت و بدویاتی سے بچے بحرمانہ حرکتوں کا شکار ہو کر اسکول کے کاموں میں دلچسپی کم لینے لگتا ہے۔ نتیجہ وہ اپنے ساتھیوں سے کافی پیچھے رہ جاتا ہے۔ ایسی صورت حال میں والدین کو نہایت ایمان داری سے اپنا احتساب کرنا چاہیے اور بچے کے مستقبل کی خاطر اپنی روش میں نمایاں تبدیلی لانا چاہیے۔

گرو و پیش اور محلے کا مخرّب اخلاق ماحول بھی بچے کو کھانا بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بچہ اسکول سے جو تھوڑا بہت سیکھ کر آتا ہے، وہ گلی کے آوارہ لڑکوں کی صحبت میں بھول بیٹھتا ہے، وہ آوارہ گردی اور ہنگوڑے پن کے قصے سن کر گمان کرنے لگتا ہے کہ تعلیم مغربی (مغربی) کرنا محض فحول ہے۔ اگر اس کے والدین اس کو مدرسے بھیج دیتے ہیں تو اس کا ذہن اپنے محلے کے ان دوستوں میں محو ہوتا ہے، جو نہایت آزادی و بے باکی سے اپنے حوصلے کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔

ہمارے گرو و پیش ایسے آوارہ گرد بچوں کی تعداد میں تشویش ناک حد تک اضافہ ہو رہا ہے، جو شیطانی حرکتوں میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔ جن کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے اور نہ اپنے مستقبل کی کوئی فکر۔ ایسے ماحول کو بدلنے کی سنجیدگی سے کوشش کیجیے۔ طلبہ اور نوجوانوں کو اکٹھا کر کے انہیں دسوزی سے سمجھائیے۔ ان کا حقیقی مقام انہیں یاد دلایئے۔ ان کے والدین کو اس صورت حال کی طرف متوجہ کیجیئے۔ ان کے فرائض و واجبات کی یاد دہانی کرائیئے۔ جب تک آپ ماحول کو نہ بدل سکیں، اس مخرّب اخلاق اور فحش ماحول سے اپنے بچوں کو دور رکھیں۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ محلے کے اچھے بچوں کو منتخب کر کے ان کی ایک انجمن بنادجیئے تاکہ وہ آپس میں شریک ہو کر منفر صحت مشاغل اور مخرّب اخلاق ماحول سے محفوظ ہو سکیں۔ وہ اپنی انجمن میں بیت بازی، الفاظ سازی، تعلیمی تاش، (کسی بڑے کی نگرانی میں) نشانہ بازی، غلطی لطائف اور نظم خوبی وغیرہ تعمیر مشاغل میں اپنی اضافی صلاحیتیں لگائیں۔ اگر نکلے بچوں کو بھی ایسا ماحول فراہم کر دیا جائے تو امید ہے کہ ان کا کھانا بن

بھی دور ہو جائے۔

نکما پن کا ایک اہم سبب اسکول (مدرسے) اور گھر کے مابین ہم آہنگی اور تعاون کا فقدان ہے۔ اگر گھر اور مدرسہ باہمی تعاون سے بچے کی تربیت و نگہداشت کریں تو نکما پن کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ اگر والدین اور معلم کے مابین رابطہ قائم رہے۔ دونوں مل کر بچے کی خوبیوں کو پروان چڑھانے اور اس کے نقائص کو دور کرنے کی حکیمانہ تدبیر کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بچے کے بگاڑ کے امکانات تقریباً ختم ہو جائیں۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ اگر معلم نکلے بچے کی شکایت اس کے والدین سے کر دے تو والدین اصلاح کی بجائے یا تو بچے پر برس پڑتے ہیں یا معلم ہی سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلے اور آوارہ بچے مستقبل میں ماں باپ اور ملک و سماج کے لئے مستقبل درومر بن جاتے ہیں۔

بہر حال نکلے بچے ہماری توجہ کے بہت زیادہ مستحق ہیں۔ انہیں نکلے پن اور مایوسی سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش ہمارا فرض ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی بچہ یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ اس کے نکلے پن کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔

تربیت بھی، مشغولیت بھی

کبھی بچوں کے فارغ اوقات کو قیمتی بنانے کے لئے ان میں سوال و جواب کا مقابلہ کروائیں اور اس مقابلے کے لئے ایک خاص موضوع دے دیں۔ اگر ممکن ہو تو رشتہ دار بچوں اور اڑوس پڑوس کے بچوں کو بھی اس مقابلہ میں شریک کر لیں، مثلاً مقابلہ سے ایک ہفتہ پہلے بچوں میں فضائل نماز، نماز کی کتاب، میری نماز وغیرہ کتابیں تقسیم کر دیں اور تیاری کے لئے ایک ہفتہ دے دیں، پھر چھٹی والے دن بچوں کو اکٹھا کر کے اس ترتیب سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع کریں کہ سب سے

پہلے ایک ایک بچے کو بلا کر نماز پڑھنے کے فضائل و فوائد بیان کروائیں اور خود انہیں ۳۳ میں سے نمبر دیں، پھر دوسرے دور میں نماز نہ پڑھنے، جماعت چھوڑنے، تکبیر اولیٰ ضائع کرنے کے نقصانات اور عذاب بیان کروائیں اور ۳۳ میں سے نمبر دیں، پھر آخری دور میں نماز کے مسائل، جماعت میں ملنے کا طریقہ، نماز فجر کی جماعت ضائع نہ ہونے کی تدابیر بیان کروائیں اور ۳۳ میں سے نمبر دیں۔ اس کا مجموعہ ۹۹ ہوئے ایک نمبر صاف کہئے اور ناخن و بال وغیرہ کی صفائی کا رکھیں۔ آخر میں جو بچے اول آئے اس کو انعام میں کوئی دینی یا معلوماتی کتاب یا کوئی دوسری اچھی چیز بھی دیں تاکہ سب بچوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا شوق پیدا ہو اور اس کے ذریعے سے ان کی دینی معلومات میں سے اضافہ ہو۔ یاد رکھیں! اس ترتیب سے آپ نے جس عمل کا مذاکرہ کروایا، بچے نہ صرف اس عمل کے متعلق معلومات کے حامل ہوں گے، بلکہ اس عمل کو عملی طور پر کرنے بھی لگ جائیں گے۔

اس طرح کے انعامی مقابلوں کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ جو وقت بچے ویڈیو گیم کھیلنے، گلی کوچوں میں کرکٹ کھیل کر شوٹے توڑنے، آپس میں لڑائی جھگڑا کرنے میں صرف کرتے ہیں، وہ وقت صحیح استعمال ہوگا اور تعمیری کاموں پر اور دینی کاموں پر لگے گا، ساتھ ہی ایسی معلومات حاصل ہوں گی جو ان کے معمولات میں آئیں گی اور ایک بھر پور اسلامی و عملی معاشرہ وجود میں آئے گا اور اس طرح ہر بچے کی اصلاح ہوگی، بھلا کیا اس کی زندگی میں زندہ ہوں گی، برائیاں اس کی زندگی سے ختم ہوں گی اور وہ اپنے علم کی تبلیغ بھی کرنے کے قابل ہو جائے گا جو اسلامی تربیت کا مزان ہے۔

بچے سے غلطی پر صلوٰۃ التوبہ پڑھوائیے

اگر بچپن ہی سے یہ عادت پڑ جائے کہ جیسے ہی کوئی غلطی یا کوئی نا فرمانی، کوئی

نقصان ہو، فوراً وضو کر کے دو رکعت صلوٰۃ التوبہ پڑھے اور دعا مانگے اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے نام ہو تو اس صفت کا کیا کہنا۔ آج اگر یہ صفت ہمارے اندر پیدا ہو جائے تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ ذیل میں ہم اس کے فوائد لکھتے ہیں۔

پہلا فائدہ تو یہ ہوگا کہ بچپن ہی سے اچھے اور برے کی، غلط اور صحیح کی، جائز اور ناجائز کی، حلال اور حرام کی تمیز ہو سکے گی یعنی دینی فہم پیدا ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ہر عمل کو کرنے کے بعد حسین اللہ تعالیٰ کی طرف جائے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ میرے اس عمل سے خوش ہوئے یا ناراض۔ اگر خوش ہوئے تو شکر ادا کروں اور ناراض ہوئے تو نماز پڑھ کر معافی مانگوں۔ یعنی روزمرہ کی زندگی میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کا استحضار رہے گا جو کہ غلط عمل میں نکلنے سے رکاوٹ کا سبب ہوگا۔ ساتھ ہی توبہ کرنے کے بعد دوبارہ اس عمل میں لگنا بہت مشکل ہوگا، بلکہ دوسروں کو بھی اس سے بچانے کی کوشش کرے گا۔

مثلاً آپ نے دیکھا کہ بڑے بیٹے نے چھوٹے بیٹے سے کھانے کی کوئی چیز چھین کر فوراً منہ میں ڈال لی اور پیٹ جھپکتے میں اٹھ گیا، اب آپ سب سے پہلے چھوٹے بچے کو جو منہ بسور رہا ہے یا رو رہا ہے، اس کو سنبھال لیتے اور دلاس دے کر کہتے کہ جیسا کوئی بات نہیں، آپ کا بڑا بھائی ہی تو ہے، آج کچھ لے لے بھی لیا تو کیا ہوا! اکثر تمہارا خیال بھی تو رکھتا ہے اور تمہیں چیزیں بھی تو دیتا ہے۔ تم اس چیز کا غم مت کرو اور یہ تو بھائی ہے، اگر کوئی تمہارا دوست کوئی چیز لے لے تو کیا تم خوشدلی سے نہیں دو گے؟ اس کا تو زیادہ حق ہے۔ جب یہ چپ اور مطمئن ہو جائے تو بڑے بیٹے کو علیحدگی میں پیار سے سمجھائیے کہ بیٹا یہ کیا حرکت ہے؟ اگر اتنی ہی طلب تھی تو مجھ سے مانگ لیتے، بازار سے جا کر خرید لاتے۔ لیکن جیسے ہی کیا ضرورت تھی اور چھینا چھینی کرنا کوئی اچھی بات تھی ہی ہے، یہ تو جانوروں کا کام ہے۔ بیٹے! میں آپ کو پیسے دیتا ہوں، آپ وہی چیز خرید کر اپنے ہاتھوں سے چھوٹے بھائی کو دو اور اس سے معذرت

کرنے میں عار نہ سمجھو۔ اس طرح سمجھانے سے یہ بات بھی اس کے ذہن میں ٹپکتے گی کہ حق والے کا حق ادا کیے بغیر چارہ نہیں اور یہ بات آگے چل کر اسے عملی زندگی میں بہت امانت دار اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی کرنے والا بنائے گی۔ پھر آخر میں اس سے کہیے کہ بیٹا! اب وضو کر کے دو رکعت صلوٰۃ التوبہ پڑھو اور اللہ تعالیٰ سے اپنے کیئے کی معافی مانگو، آئندہ ایسی حرکت نہ کرنے کا پکا ارادہ کرو۔ اللہ تعالیٰ بہت رحیم و کریم ہیں۔ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں، ان شاء اللہ تمہارے بھائی کا دل بھی تمہاری طرف سے صاف ہو جائے گا۔

بچوار، میں ایثار کا جذبہ پیدا کیجیے

گھر میں چھوٹے بڑے بچے ہوتے ہیں اور ان میں آپس میں چھین مونی جھڑپ ہوتی جاتی ہے اور پھر صلح بھی ہو جاتی ہے لیکن اگر بچپن ہی سے بچوں میں آپس میں جوڑ، محبت و الفت کو پیدا کر دیا جائے تو یہ جوانی، بلکہ بڑے ماپ تک انہیں جوڑے رکھتا ہے۔ آپس میں جوڑ کیسے رہے؟ اس کے لئے سب سے ضروری چیز جذبہ ایثار کا ہونا ہے۔ یعنی میرا پیٹ چاہے خالی رہے، بھائی کا پیٹ بھر جائے۔ مجھے چاہے پتلا کھل ملے، بھائی موٹے کھل میں آرام سے سوئے۔ یہ باتیں کیسے پیدا ہوں؟ اس کے لئے سختی میں ایک بار سارے بچوں کو بٹھا کر اس کا مذاکرہ کروائیں اور بچے کو یہ باتیں یاد کرا کر بلاؤں تاکہ ان کے دل میں ایثار کا جذبہ بیدار ہو۔

جب تک ہم میں جوڑ رہا، ہم عروج پر رہے۔ آج بھی اس بات کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ خیر میں ختم ہوں اور محبت و الفت پیدا ہو، ابتدا گھر ہی سے کیجیے۔ اگر تمام گھروں میں اخوت و بھائی چارگی کی فضا ہو تو پورے معاشرے میں جوڑ پیدا ہوگا، جب سب کے لئے سب کے دلوں میں ایثار ہوگا تو سب کو سب

کی ہمدردی حاصل ہوگی۔ اسی طرح بڑے، چھوٹوں کے تمام حقوق دا کریں اور چھوٹے، بڑوں سے ہر کام میں مشورہ کر کے چلیں۔ جب ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرنے پر راضی ہو جائے گا تو ہر ایک کو اس کا حق مل جائے گا، اور اس کے نتیجے میں ملنے والے ثمرات کا مشاہدہ دنیا ہی میں ہوگا۔

جذبہ ایثار سے مراد کسی شخص کے دل میں اس بات کا پیدا ہونا ہے کہ میری خواہشات تو درکنار میری جائز ضرورتیں پوری ہوں یا نہ ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کی جائز خواہشات اور ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر لڑائیاں اس وجہ سے ہوتی ہے کہ کوئی چیز کسی ایک کی خواہش یا ضرورت کو پورا کر سکتی ہے اور وہ کسی دوسرے کو ملے تو جنہیں نہیں ملی، وہ حسد اور بغض جیسے امراض میں مبتلا ہو کر اس چیز کو حاصل کرنے کے لئے جائز و ناجائز سارے راستے استعمال کرتے ہیں اور جسے چیز ملی ہوئی ہے، وہ بھی اپنی چیز سے دستبردار ہونا نہیں چاہتا اور اس کی مخالفت کے لئے سارے غلط اور صحیح طریقے استعمال کرتا ہے۔ اگر حامل میں دینے کا اور غیر حامل میں نہ لینے کا جذبہ ہو تو آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ توڑ کی ابتدا بھی نہیں ہو سکتی۔

بچپن ہی سے اپنے بچوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی خاطر اپنا حق چھوڑنے کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کیجیے۔ فردا فردا اپنے بچوں کو خوب سمجھائیے اور فضائل سنا سنا کر اس بات پر تیار کیجیے اور دعا بھی خوب مانگیے۔ ان شاء اللہ اگر یہ بات ان کے دلوں میں بیٹھ گئی تو بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے تک ان میں خوب بھائی چارگی رہے گی اور شادیوں کے بعد بھی جائیداد اور وراثت وغیرہ جھگڑوں سے آپ کا خاندان محفوظ رہے گا۔ اس کے لئے ایثار کے واقعات بچوں کو بچپن ہی سے یاد کروائیے اور ان کو یہ واقعات کاپی میں لکھوائیے۔ ہم یہاں چند واقعات مثال کے لئے لکھتے ہیں۔

۱۱ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے گھر رات کو نوئی مہمان آ لیا۔ ان کے پاس صرف اتنا کھانا تھا کہ وہ خود یا ان کے بچے کھا سکیں۔ انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچوں کو تو کسی طرح سلا دو، اور کھانا چرائی کھل کر دو، پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر برابر میں ہم بھی بیٹھ جائیں کہ مہمان سمجھیں کہ ہم بھی کھا رہے ہیں، مگر ہم نہ کھائیں تاکہ مہمان کھانا کھا سکے۔^۱

۱۲ امام قسیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک بزرگ کو کسی شخص نے ایک بکری کی سری بطور جزیہ پیش کی۔ اس بزرگ نے خیال کیا کہ ہمارا فلاں بھائی اور اس کے اہل و عیال ہم سے زیادہ ضرورت مند ہیں اور یہ سری ان کے پاس بھیج دی تو اسی طرح انہوں نے تیسرے اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیج دی۔ یہاں تک کہ سات گھروں میں پھر نے کے بعد پھر پہلے بزرگ کے پاس آئی۔^۲

۱۳ مؤطا امام مالک میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مسکین نے ان سے سوال کیا۔ ان کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی اور ان کا اس دن روزہ تھا۔ آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ یہ روٹی اس کو دے دو، خادمہ نے کہا کہ اگر یہ دے دی گئی تو شام کو آپ کے افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہ رہے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: پھر بھی دے دو۔^۳

۱۴ حدیث عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جنگ یتھوک میں اپنے چچا زبیر بھائی کو شہداء کی لاشوں میں تلاش کرنے کے لئے نکلا اور کچھ پانی ساتھ لیا کہ اگر ان میں کچھ جان ہوئی تو پانی پلا دوں گا۔ ان کے پاس پہنچا تو کچھ رقی زندگی کی باقی

۱۔ الترمذی، المصنوع، ج ۳، ص ۲۵۰

۲۔ مأخذہ الثمیر القرطبی، ج ۱۸، ص ۲۱

۳۔ مأخذہ الثمیر القرطبی، ج ۱۸، ص ۲۱

تھی۔ میں نے کہا کہ کیا آپ کو پانی پلاؤں؟ اشارہ سے کہا کہ ہاں۔ مگر فوراً ہی قریب سے ایک دوسرے شہید کی آواز ”آؤ آؤ“ کی آئی تو میرے بھائی نے کہا کہ یہ پانی ان کو دے دو۔ ان کے پاس پہنچا اور پانی دینا چاہا تو تیسرے آدمی کی آواز ان کے کان میں آئی اور انہوں نے تیسرے کو دینے کے لئے کہہ دیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سات شہیدوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا۔ جب ساتویں شہید کے پاس پہنچا تو وہ دستور چکے تھے۔ یہاں سے اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔^۱

اپنی نسل کے لئے منصب امامت طلب کرنا

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منصب امامت دینے کی بشارت دی تو انہوں نے اس سعادت کو اپنی نسل کے لئے بھی طلب کیا۔

قرآن مجید میں اس بات کو بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے:

﴿وَاِذْ اٰتٰنَا اِبْرٰهٖمَ رُبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاتَمَّھُنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ط قَالَ لَا یَنَالُ عٰھِدِیْ الظَّالِمِیْنَ ﴿۱۲۵﴾﴾^۲

ترجمہ: ”اور جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے کئی ایک باتوں سے آزمایا، اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا تو (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: ”میں تمہیں لوگوں کا امام بنادوں گا۔“ انہوں نے عرض کی: ”اور میری اولاد میں سے (بھی)۔“ فرمایا: ”میرا وعدہ ظالموں سے نہیں۔“

شیخ محمد عدوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

۱۔ التفسیر القرطبی، ج ۱۸، ص ۲۳، تلخیص المعارف القرآن، ج ۲، ص ۳۷۵ تا ۳۷۷

۲۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۲۵

لوگوں کے امام، اور ان کے لئے قدمہ صالح بنائے جانے پر قناعت نہ کی، اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ ان کی نسل میں سے بھی لوگوں کے امام بنائے جائیں۔^۱

شیخ سید محمد رشید رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں لکھا ہے، ”حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا (انسانی) فطرت کے عین مطابق ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اس کی اولاد کی بقا میں اس کی اپنی بقا ہے، اسی لئے وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد اسی بہترین حالت میں رہے، جس میں وہ خود ہے تاکہ جسمانی اور روحانی بقا میں اس کا حصہ رہے۔“^۲

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ”جب حضرات ابراہیم علیہ السلام کو یہ قابل رشک مقام عطا کیا گیا تو انہوں نے اس (اعزاز) کو اپنی نسل کے لئے بھی طلب کیا تاکہ (اس طرح) ان کا درجہ اور ان کی نسل کا درجہ مزید بلند ہو جائے۔“^۳

دعائے خلیل الرحمن علیہ السلام کی قبولیت

اللہ رب العالمین نے اپنے خلیل علیہ السلام کی اس دعا کو پورا فرمایا۔ ان کے بعد آنے والا ہر نبی ان کی نسل میں سے تھا، اور نازل ہونے والی ہر کتاب ان ہی کی اولاد پر نازل ہوئی۔

اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ﴾^۴

ترجمہ: ”اور ہم نے نبوت اور کتاب کو اس کی اولاد میں کروایا۔“

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے:

۱۔ سورۃ الرسل: ص ۴۴

۲۔ تفسیر المنار ج ۱ ص ۵۶

۳۔ تفسیر السعدی: ص ۵۰

۴۔ سورۃ احکامات آیت ۵۷

﴿فَقُلْ يَا بَنِي آدَمَ بَعْدَ نَبِيِّ إِبْرَاهِيمَ فَإِنَّمَا اتَّخَذُ الْبَنِي آدَمَ مَوَاطِنَ لِلْغِيظِ﴾^۱ وَلَا تَزُولُ بَيْنَهُمْ إِلَّا عَلَىٰ ذُرِّيَّتِهِ، حَتَّىٰ خُتِمُوا بِابْنِهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغُلِبَهُمْ أَجْمَعِينَ.

وَهَذَا مِنْ أَكْثَرِ الْمَسَاقِبِ وَالْمَسَاقِرِ أَنْ تَكُونَ مَوَاطِنَ الْهِدَايَةِ وَالرَّحْمَةِ وَالسَّعَادَةِ وَالْفَلَاحِ وَالْفَوْزِ فِي ذُرِّيَّتِهِ، وَعَلَىٰ أَيْدِيهِمْ اخْتَدَى الْمُتَهْتَدُونَ، وَآمَنَ الْمُؤْمِنُونَ، وَصَلَحَ الضَّالُّونَ.^۲

ترجمہ: ”ان کے بعد ہر آنے والا نبی ان کی نسل سے آیا تھا، اور ہر نازل ہونے والی کتاب انہی کی نسل (کے نبی) پر نازل ہوئی، یہاں تک کہ سلسلہ نبوت ان کے بیٹے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔

اور یہ انتہائی عظمت و منقبت اور قابل فخر باتوں میں سے ہے کہ ہدایت و رحمت، سعادت و فلاح اور کامیابی و کامرانی کا منبع، ان کی نسل میں ہو، اور انہی کے ہاتھوں پر ہدایت پانے والے ہدایت حاصل کریں، اہل ایمان ایمان لائیں، اور نیک لوگ نیکی کی راہ پر آئیں۔“

علم و عمل اور دعوت دین میں بلند مقام رکھنے والے والدین کو چاہیے کہ وہ اولاد نبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے اپنی اولادوں کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اسی مقام پر پہنچا دے، جس پر اس نے ان کو پہنچایا ہے۔ ”اِنَّهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“۔

علامہ ابن قس رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مذکورہ بالا دعا سے استنباط کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

﴿يَتَوَخَّذُ مِنْ هَذَا بِإِسْحَاقَ السَّعْيِ فِي مَنَافِعِ الذَّرِّيَّةِ وَالنِّزَابَةِ، وَسُؤَالِ

۱۔ تفسیر السعدی ص ۲۸۶ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۵۲

ذَلِكَ مِنْ بَيْدِهِ ذَالِكُ ۝

تَرْجُمَہ: ”اس سے اولاد اور اقارب کی منفعت کی خاطر کوشش کرنے اور اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں سوال کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔“

بچوں کو فرشتوں کے اعلانات یاد کروائیے

کچھ عمر میں جو تربیت کی جاسکتی ہے، وہ کسی اور عمر میں ممکن نہیں۔ بچپن میں جو باتیں بچے کے دماغ میں ڈال دی جائیں، وہ اس کی آئندہ شخصیت سازی میں معاون بنتی ہیں۔ یہاں فرشتوں کے چند اعلانات لکھتے جاتے ہیں، جو بعض اسکولوں اور مدارس میں بچوں کو سکھائے گئے، جن سے بچوں کو بہت فائدہ ہوا۔

لہذا ہر والد کو چاہیے کہ وہ یہ اعلانات بچوں کو یاد کروائے۔

① جو شخص فرض نماز جماعت سے پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد اسی جگہ بیٹھا رہے تو فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں کہ ”اے اللہ! اس کو معاف فرما اور اس پر رحم فرما۔“ اکثر دیکھا گیا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد فوراً بچے اٹھ کر باہر صحن میں بھاگ جاتے ہیں اور اپنے ہم عمروں سے بات چیت کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ پھر سنن و نوافل بھی بعض اوقات خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔

لہذا جب اپنے بچے کو مسجد میں لے کر جائیں تو بار بار یہ بات اس کے ذہن میں ڈالیں کہ دیکھو بیٹا! سلام پھیرنے کے بعد تھوڑی دیر تک اسی جگہ بیٹھے رہو اور چھ اذکار وغیرہ بتادیں کہ یہ کر لو، پھر طہیّتان سے اٹھ کر جگہ بدل کر سنن و نوافل پڑھو، پھر کسی دوسری چیز میں مشغول ہو اور دھیان کرو کہ جب تک میں صف میں بیٹھا رہوں گا، فرشتے میرے لئے دعائے مغفرت و رحمت کرتے رہیں گے۔

سہ الا تکلیل فی استباط التذکیر: ص ۳۱

سہ ماخذ و ابراہیم بنیہ السنۃ و السلام: باب فی اہل البیت ص ۸۰

① جب میں نے کوئی کام سے باہر بھیجنا نہ دیا تو اس کو یاد دلا دیا کہ اس کے لئے اللہ سے نکل رہا ہو تو منجملہ اور فرشتوں کے جو اللہ کے فرستے ہوئے ہیں، یہ بھی بتائیں کہ بیٹا! دروازے سے باہر جاؤ تو یہ دعا پڑھو:

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ۝

اور ایک روایت جو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، اس میں دعا کے درج ذیل الفاظ ہیں، نیز اس روایت میں آسمان کی طرف منہ اٹھا کر یہ دعا پڑھنے کا بھی ذکر ہے:

اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبُكَ نَ اُحْضِلْ اَوْ اُحْضِلْ اَوْ اُزِلْ اَوْ اُزِلْ اَوْ اُظْلِمْ اَوْ اُظْلِمْ اَوْ اُجْهَلَ اَوْ یُجْهَلَ عَلَیَّ ۝

پھر اس بات کا یقین رکھو کہ جیسے ہی تم نے یہ دعا پڑھی تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ ”اس کو ہدایت دی گئی، اس کی کفایت کی گئی، اسی کی حفاظت کی گئی، اور شیطان کو اس سے دور کر دیا گیا۔“

② اکثر ایسا کریں کہ بچے کے ہاتھ سے کوئی چیز صدقہ کروائیں۔ اس سے بچوں میں دوسروں کو دینے کا جذبہ پیدا ہوگا اور اس کے ساتھ یہ اعلان یاد کروائیں کہ جب کوئی شخص اللہ کی رضا کے لئے صدقہ دیتا ہے تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے: ”اے اللہ! اس کو عطا کرنے والے کو اس کا بہترین بدل عطا فرما۔“ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ بچے کے ذہن میں یہ بات پیدا ہوگی کہ دینے سے مال یا چیز کم نہیں ہوتی، بلکہ اس سے بہتر اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دینے والا ہاتھ، لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ ۝

سہ ترمذی، ابواب الدعوات، باب ما یقول اذا خرج من بیتہ: ص ۱۸۰

سہ ابوداؤد، کتاب الادب، باب ما یقول الزوجل اذا خرج من بیتہ: ص ۳۳۹

سہ بخاری، باب الاستغفار عن المسئلة: ص ۱۹۹

لہذا ہمیں ہمیشہ دینے والا بننا چاہیے۔

۴۱ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”اے اللہ! ہر نماز کا وقت تو اتنا ہے تو ایسے فرشتے اعلان کرتے ہیں کہ اے آدمی! اللہ کے رسول نے نماز کی آیت لے لی ہے۔ (ان دنوں کی بدولت) اپنے اوپر جو ندامت آئی ہے، جس پر پشیمانی ہوئی ہے، اچھے ہیں، وضو کرتے ہیں اور نماز کی نماز پڑھتے ہیں، ان کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان دنوں کی (نہر سے ظہر تک) مغفرت کرنی ہوتی ہے۔ اسی طرح پھر عصر کے وقت، پھر مغرب کے وقت، پھر عشاء کے وقت (غرض ہر نماز کے وقت یہی صورت ہوتی ہے)۔“

یہ اعلان بچوں کو یاد رکھائیں اور جب بھی ان کا بوقت نماز بچوں کو یاد رکھیں اور پوچھیں کہ اس وقت فرشتے کیا اعلان کر رہے ہیں؟ پھر بچے کے جواب دینے پر کہیں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ تو بچہ ان شاء اللہ کہے گا کہ اب جو اب ہمیں نماز پڑھنے کی تیاری کرنی چاہیے اور اپنے تمام کاموں کو مؤخر کرنا چاہیے۔

۴۲ اپنے بچوں کو اکثر اس بات کی ترغیب دیں کہ وہ اپنے بھائیوں، بہنوں، ماں باپ، رشتہ داروں، چچا، بھائیوں، دوستوں، سہیلیوں کے لئے، مائیں کریں۔ جس انجی چیز کی طلب ہو، وہ وہ دوسروں کے لئے بھی اور اپنے لئے بھی مانگیں۔ اسی کے ذیل میں فرشتے کا یہ اعلان یاد رکھائیں کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے کوئی دعا کرتا ہے تو ایک فرشتہ اس کی ہر دعا پر ”لکھ لکھ“ کہتا ہے۔ یعنی ”اے اللہ اس کو بھی عطا فرما“ اور اللہ تعالیٰ وہ چیز اس شخص کو بھی عطا فرماتا ہے۔ چاہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو عطا نہ کریں، جس کے لئے دعا مانگی گئی ہے۔

۴۳ جب صبح ہوتی ہے تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ ”اے ابی آدم! آج وہ دن

سے طبرانی ج ۱۰ ص ۲۴۸

سے ابوداؤد باب الدعاء بظہر الغیب ج ۱ ص ۲۱۴

جس کی زندگی میں پھر دوبارہ نہیں آئے گا۔ جتنی نیکیاں کر سکتا ہے، کر لے۔“

اس اعلان کے ذریعہ وقت کی اہمیت، وقت کی قدر و قیمت بچے کے ذہن میں آجائے اور وقت کی حفاظت کے طریقے اس کو بتائیے۔

۴۴ کسی کا انتقال ہوتا ہے تو دنیا والے کہتے ہیں، کیا مال چھوڑ کر گیا ہے؟ اور فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اعمال سے گزرا یا ہے؟

اس اعلان کے ذریعہ اعمال کی حفاظت اور اعمال کی قدر و منزلت بچے کے دل و دماغ میں بٹھانے کی کوشش کیجیے۔

۴۵ جس وقت سورج ٹھکاتا ہے تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ ”آج جو بھی گھر بنے گا، وہ ضرور گرے گا، اور جو بھی بچہ پیدا ہوگا، وہ ضرور مرے گا۔“

اس سے دنیا کا فانی ہونا، مٹی اور گارے سے بنے ہوئے گھر وں کا ٹوٹنا، اور قیمت کا قائم ہونا، اور آخرت کا باقی رہنا، اولاد کے دل و دماغ میں بٹھانے کی کوشش کیجیے۔

۴۶ ہر صبح ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ ”اے اللہ! نیکی کے کاموں پر خرچ کرنے والے لوگوں کا بدلہ خیر فرما، اور روک کر رکھنے والے کو براہ فرما۔“

اس سے بچوں میں خرچ کرنے کا جذبہ بڑھائے، اگر دو کھونے ہیں تو ایک کھلو، چچا زاد، چچو بھی زاد کو دلائیے۔ اگر جوتے کے دو سنے جوڑے ہیں تو ایک مٹی کی بوتلی اور ڈرائیور کے بچوں کو دلائیے، اسی طرح اپنی ضرورت سے زائد چیزوں کو روک کر رکھنے سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کیجیے اور اپنی اولاد کو بھی بٹھانے کی کوشش بھی کیجیے۔

یہ احکامات بچوں کو یاد بھی کر لیں اور ان سے لگاتار لگاتار پوچھتے بھی رہیں کہ اس اعلان سے کیا نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے؟ وہ بتائیں۔ اس اعلان کی وجہ سے ہماری زندگی میں کیا تبدیلی ہونی چاہیے، یہ بھی سکھائیں۔ ان شاء اللہ اس طرح کر لے سے

بچوں کی ذاتی تربیت ہوگی اور یہ باتیں ان کے ذہن میں پختہ ہوتی ہیں جائیں گی اور اپنی عمر کے آخری حصے تک وہ ان ہی باتوں کو بغیر بنا کر زندگی گزاریں گے۔

سورہ یسین حفظ کروائیے

گزشتہ مضامین میں یہ بات سامنے آچکی ہے کہ بچوں کو قرآن حکیم حفظ کرانے میں، نبوی اور انہوی فوائد ہیں۔ یہاں ان حضرات کے لئے چند کذا و شات ہیں جو کسی وجہ سے اپنے بچے کو حفظ نہ کرانے کے اور اب شدید خواندہ کے باوجود کسی بھی وجہ سے حفظ کرانے میں کسی قسم کی پریشانی یا دشواری محسوس کرتے ہیں۔

قرآن حکیم سارا ہی اللہ کا کلام ہے، ہر ہم بلاش سورہ میں فضائل کی وجہ سے ایک دوسرے پر فوقیت رکھتی ہیں۔ احادیث میں ان کی ترقیب اور فضائل وارد ہیں۔ مثلاً "سورہ یسین، سورہ ملک، سورہ سجدہ اور سورہ واقعہ" وغیرہ۔

لہذا مناسب ہوگا کہ ان سورہ میں آجھ تو بچوں کو یاد کرا دی جائیں۔ ان سورہوں کے یاد کرنے میں کوئی خاص وقت استعمال ہوگا اور نہ ہی دوسرے کاموں کا حرج ہوگا اور آپ کے لئے بھی آخرت کا ذخیرہ بن جائے گا۔

ہر ہم ایک بات قابل لحاظ ہے اور وہ یہ ہے کہ بچوں کو یہ سورہ میں حفظ کرانے سے پہلے ان میں شوق پیدا کرنا ضروری ہے جس کے باعث وہ دلچسپی سے مسلسل یاد کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے۔ مثلاً فو قہ اس شوق کو ابھارتے بھی رہیں گے۔ اس کے لئے بچوں کو قرآن پڑھتے اور ان سورہوں کے جو فوائد احادیث میں وارد ہوئے ہیں، ان کے جان سکتے ہیں۔ یہاں مختصر سورہ یسین کے فضائل کا ذکر کرنا مفید معلوم ہوتا ہے۔

لے یہ تفصیل کے لئے جانف الحدیث (مورخہ منظور اللہ) ترقیب و ترمیم انیس کا ترجمہ "الشیر والحدیث" مورخہ محمد بن مانی (استادہ رحمہ) نے کیا ہے) کہ ان میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

فضائل یسین شریف

۱) جو شخص سورہ یسین پڑھتا ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کے لئے دس قرآن پڑھنے کا ثواب لکھتے ہیں۔

۲) ایک روایت میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے سورہ یسین کو آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے پہلے پڑھا۔ فرشتوں نے جب سنا تو عرض کیا کہ خوشحالی ہے اس امت کے لئے، جن پر یہ قرآن اتارا جائے گا اور خوشحالی ہے ان لوگوں کے لئے، جو اس کو انصاف کریں گے۔

۳) ایک حدیث میں آتا ہے جو شخص سورہ یسین دن کے شروع میں پڑھے، اس کی دن کی تمام ضروریات اللہ تعالیٰ پوری فرما دیتے ہیں۔

۴) جو شخص سورہ یسین صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھتا ہے، اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

۵) سورہ یسین اپنے پڑھنے والے کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیوں پر مشتمل ہے اور دنیا و آخرت کی مصیبت کو دور کرتی ہے اور آخرت کے بول کو دور کرتی ہے۔

ان تمام فضائل کے علاوہ ایک اور زبردست فضیلت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرا دل چاہتا ہے کہ سورہ یسین میرے ہر ہر وقتی کے دل میں ہو۔" یعنی ربانی یاد دہی آپ سوچیں کہ اگر آپ کا کوئی محبوب یہ کہہ دے کہ فلاں محل

لے منظومہ باب فضائل القرآن ج ۱ ص ۱۸۵

لے منظومہ باب فضائل القرآن ج ۱ ص ۱۸۵

لے منظومہ باب فضائل القرآن ج ۱ ص ۱۸۵

لے منظومہ باب فضائل القرآن ج ۱ ص ۱۸۵

فی من الذی ج ۲ ص ۲۰۹

لے فضائل اعمال ص ۲۱۳

”کیا (دکایا) بعد میں نے کے (سوئے کے) اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“

اس دعا کے وقت یہ سمجھائیں کہ دیکھو بیٹا! نیند بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، جب تم رات کو سونے کے بعد صبح اٹھتے ہو تو گزرے ہوئے دن کی ساری تفصیلات دہرا جاتی ہے اور تم تازہ دم ہو جاتے ہو تو جس اللہ تعالیٰ نے ہمیں نیند دی اور پھر ہمیں صحت مند اور تندرست کر کے اٹھایا (دکایا) اب اسی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فجر کی نماز پڑھو۔

لہذا سب سے پہلے مسواک اور وضو سے فارغ ہو کر نماز پڑھنے کی فکر کرنی چاہیے اور مسجد میں جا کر تہنیت اہلی کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر صحیح معنوں میں ادا ہو سکے، ساتھ ہی اس نئے دن کو نیک کام کرتے ہوئے گزارنے کا عزم کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اچھے کام کرنے کا مزید موقع مل گیا۔

بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا

”غفرلک ع الغض للہ الذی اذهب عنی الادی و عافانی“
ترجمہ: ”اے اللہ! تیری پوری مغفرت کا طالب و سائل ہوں۔ تمام کی تمام تعزیریں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے گندگی دور فرمائی اور مجھے عافیت بخشی۔“

کیسی عجیب اور زبردست دعا ہے۔ اگر بچوں کو اس کے مطالب و معانی سمجھائے جائیں تو عمر بھر ان کے کردار کو سنوارے رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اس دعا میں سکھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس کی تعریف کرو کہ کیسا بہترین اللہ بنایا کہ کیا کچھ دکھایا، کیسے پیسہ میں کیا، کس طرح بھنم ہوا، کیسے جزو بدن بنا، کیسے

حاکمیت ملی، اور کسی حالت میں خارج ہوا۔ اگر کچھ میرٹک یہ فیصلہ مایوسہ بہ نہ لگے تو حقیقی تکلیف ہوگی، لہذا ”غفرلک“ یعنی بخشش پانا، اس بات کا سبق دیتا ہے کہ جس طرح یہ گندگی ظاہری ہوتی ہے اور اس سے بچنا، اسی طرح باطنی گندگی یعنی حسد، جھوٹ، غیبت، بے ادبی وغیرہ سے بچنا اور حاصل کرنا بھی نہایت ضروری ہے اور اس میں دیر نہ کرنا چاہیے خدا نخواستہ اگر کوئی گنہگار ہو ہی جائے تو فوراً توبہ و استغفار کر کے اسے معاف کرا لینا چاہیے اور گناہوں کے بارے میں بے یقین رہنا چاہیے کہ اللہ نہ کرے کہ کوئی ایسا عمل ہو جائے جس کے باعث ہمیں دنیا اور آخرت میں کوئی تکلیف پہنچے۔ جس طرح بیت الخلاء سے فارغ ہو کر اطمینان کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح نیک لوگوں کو گناہوں سے بے حافی مانگ کر اطمینان کا احساس ہوتا ہے۔

لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اسی جماعت میں شامل ہوں۔

جب رات کو سونے کے لئے لیٹے تو یہ دعا پڑھے

”اللہم باسمک اُفوت و اُخیا“^۱

ترجمہ: ”اے میرے اللہ! آپ کے نام سے مرنا (سوتا) اور جیتا (جاگتا) ہوں۔“

بچے کو یہ سمجھائیں کہ بیٹا! جب سونے کے لئے لیٹو تو یہ دعا پڑھو اور اس کے معانی پر غور کرو۔ پھر یہ سمجھائیں کہ سوچو آج کا دن کیسا گزرا، اس پر غور کرو کہ کیا کیا کام کیے، کتنے اچھے کاموں کو کُل پر نالہ، کتنے غلط کام کیے، کتنوں کو تکلیف پہنچائی، کسی کا دل دکھایا، کس کی بے ادبی کی وغیرہ۔

پہلے تو اللہ کا شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کتنے اچھے کاموں کی توفیق دی اور پھر

جو علیہ کام ہوئے ان ان پر معافی مانگو۔ مثلاً ماں باپ، بھائی بہن، دادا دادی، نانا نانی وغیرہ کو کس طرح نکل گیا تو ان سے جا کر معافی مانگو، اب یہ سوچو کہ عشاء کی نماز پڑھ لی کہ نہیں پڑھی کیونکہ جس اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ سورہا ہو اس کا ہر ایک عمر پورا کرنا ضروری ہے، اگر نہیں پڑھی تو فوراً اٹھ کر وضو کر، پھر نماز پڑھ کر بیٹو۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ جو شخص یہ دعا پڑھے رات کو سونے سے پہلے
 اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ
 اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَالْجَنَاحَ ظَنِيْرِيْ اِلَيْكَ وَغِيْرَهُ اِلَيْكَ لَا مَلْجَا وَلَا
 مَنَاجَا مَنَّا اِلَّا اِلَيْكَ اَمْنٌ بِكَتَبِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَمَسْكٌ اَلَدِيْ
 اَوْسَلْتُ

اور اسی رات میں مر جائے تو وہ دین اسلام پر مرے گا۔

ایک صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی دعا بتائیے جس میں اپنے بستر پر آؤں تو اسے پڑھ لیا کروں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورہ قل یا ایہا الکفارون پڑھا اور اس لئے کہ یہ سورہ مشرک سے براءۃ کا اعلان ہے۔

(قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ فَلَقِ) اور (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْاَوَّلِ الْاٰخِرِ) میں سے ایک ایک مرتبہ پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم یا جائے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ سر، چہرے، سامنے کے جسم اور جسم کے جتنے حصے تک ہاتھ پہنچیں پیچھے لیتے جائیں۔ یہ مثل تین مرتبہ کیا جائے۔ آخرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

۱۔ بخاری، کتاب الدعوات، باب ما یقول اذا نام ص ۴۴۴

۲۔ سنن ترمذی، ابواب الدعوات، باب ما جاء فی الدعاء اذا اوی الی فراشه ص ۴۴۴

۳۔ سنن ترمذی، ابواب الدعوات، باب ما جاء فی الدعاء اذا اوی الی فراشه ص ۴۴۴

ہم نے مختصر چند دعائیں اور تشریحات لکھی ہیں، آپ اس سلسلے میں مستند مجموعہ مفت "تالیف اساتذہ مدرسہ بیت العلم" "مسنون دعائیں" حصہ دوم اور حصہ سوم مرتبہ بیت العلم فرسٹ سے بچوں کو دعائیں یاد کروائیں اور مطلب و معنی سمجھائیں۔

سونے سے پہلے دانتوں کی صفائی

بعض بچے والدہ کی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، اس لئے والدہ کو چاہئے کہ وہ بچہ ہی سے بچوں کو دانتوں کی صفائی کی اہمیت سمجھائیں۔

دانت نکل آنے کے بعد ان کی صفائی کا بھرپور خیال رکھا جائے۔ کچے دانتوں کی صفائی کا اہتمام بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ کچے دانتوں کی صفائی کا۔ اگر کچے دانتوں میں کوئی بیماری ہو تو اس کا تین امکان ہے کہ کچے دانتوں میں بھی وہی بیماری لگ جائے۔ اس لئے کچے دانتوں کی حفاظت اور صفائی بہت ضروری ہے۔

شہر کے استعمولی فجن کے ذریعہ روزانہ منہ دھلاتے وقت بچے کے دانت بھی صاف کیجئے اور جب وہ خود اس قابل بن جائے تو اپنے منہ سے ترفیب دے کر اس کا منہ دھائی بنایا جائے۔ کھانا کھانے سے پہلے بھی دانتوں کو صاف کر لینا چاہئے تاکہ منہ کی رطوبت میں موٹ دانت صاف ہو جائیں۔ اسی طرح کھانا کھانے کے بعد بھی دانتوں کی صفائی کا اہتمام ضروری ہے، کیونکہ غذا کے اجزاء کا دانتوں کی جڑوں میں رگ جانا اور اس کے ریشموں کا ان کی جڑوں میں سر جانا نہایت خطرناک ہے۔

اس کے لئے اگر مسنون طریقہ پر عمل کر سکتے ہوئے بچوں کو مسواک کا عادی بنایا جائے تو یہ ان کی صحت اور دانتوں کی مضبوطی کے لئے بہت بہتر ہوگا۔

ابن عثیمہ رحمہ اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

السواک مطہرۃ للضم مرصۃ للزب

لہ ۱۔ سنن ترمذی، ابواب السواک ص ۴۴۴

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسواک منہ کی پائینگی کا سبب ہے اور پروردگار کی خوشنودی (رضہ مندی) کا باعث بھی۔"

عن شریح بن ہانی قال: سألت عائشة ما می شئ من مکان بندو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا دخل بیتہ قالت:

بالتعمیر

اسی طرح سیدنا شریح بن ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے گھر تشریف لاتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے؟" انہوں نے جواب دیا: "مسواک۔"

یاد رکھیں! کہ ایک تو مسواک سنت ہے اور سنت میں برکت ہی برکت ہوتی ہے۔ مسواک میں یہ خاصیت بھی ہے کہ اس میں موزوں کمیٹیز اور فوہر اینڈ جراثیم کو قتل کر دیتے ہیں اور روزانہ جب تازہ مسواک صاف کر کے کی جائے تو دانت ہر قسم کی بیماری سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ دوسرا اچھی صحت کا تقاضا بھی مسواک ہے۔

بعض والدین یہ تصور کرتے ہیں کہ بچپن کے کچھ دانت جنہیں "دودھ کے دانت" کہا جاتا ہے، چونکہ آٹھ دس سال کی عمر تک ایک ایک کر کے سب نکل جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے دانت نکل آتے ہیں، اس لئے ان کے دانتوں کی صفائی ضروری نہیں ہے، جب کہ دانت نکل آئیں گے تو بچوں کے دانتوں کی صفائی کا اہتمام کرایا جائے گا۔ اسی فرضی خیالی سے دو نقصان ہیں، ایک تو یہ کہ منہ کی جگہ ہوتے رہنے سے مختلف قسم کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مسوڑھے کمزور ہو جاتے ہیں اور کچے دانت بھی ماقبل کی گندگی سے متاثر ہو کر جلدی ہی خراب ہو جاتے ہیں۔

۱۰۰ مشورہ، ص ۸۸

دوسرے یہ کہ آٹھ دس سال کا ہو جانے کے بعد بہت مشکل سے بچہ دانتوں کی صفائی کا عادی ہو پاتا ہے۔ دانتوں کی صفائی کی عادت بچپن میں پڑ جائے تو یہ عادت بہت پختہ اور پائیدار ہوتی ہے۔

ناخن کی صفائی

دانتوں کی صفائی کی طرح ناخنوں کی صفائی بھی بہت ضروری ہے۔ اگر ناخن کاٹے نہ جائیں تو ناخنوں کی جڑ میں میل جمع ہوتا رہتا ہے اور یہ میل زہریلے مادے سے کم نہیں ہوتا۔ غذا میں شامل ہو کر معدے میں پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مختلف بیماریوں کا سبب بن جاتا ہے۔ زہر کی آمیزش سے حفاظت کے لئے ناخنوں کی صفائی از حد ضروری ہے۔ ناخن جیسے ہی کچھ بوئیں انہیں کاٹ دیا جائے اور ان کی جڑوں کو میل سے بالکل صاف رکھا جائے۔ بچے کی شیر خوارگی کی عمر ہی سے اس کا اہتمام کیا جائے تاکہ بچہ اس کا عادی بن جائے۔ شیر خوارگی میں بھی بچے کے ناخن نہ بڑھنے دیئے جائیں، کیونکہ بچے ان بڑھتے ہوئے ناخن سے اپنے یا دوسروں کے جسم کے کسی بھی حصے کو مندوش کر سکتے ہیں۔ دانتوں کی طرح ناخن صاف نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے بھی بچے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

لباس کی صفائی

جسم کی صفائی کے ساتھ لباس کی صفائی کے بغیر جسم کی صفائی کا تصور ناممکن ہے۔ اگر انسان نہادھو کر گندے کپڑے پہن لے تو اس کا نہانا نہ نہانے کے برابر ہے، کیونکہ میلے کپڑوں کے جراثیم اس کے جسم کو اسی وقت متاثر کر دیں گے اور کپڑوں کے میل سے اس کے جسم کے وہ مسامات پھر بند ہو جائیں گے، جو نہانے کے بعد کھلے تھے اور جن کا کھلے رہنا ضروری ہے تاکہ جسم کے اندر کی گندگی ان کے ذریعے باہر آ سکے، اس لئے لباس کی صفائی کا نھرپور اہتمام کرنا چاہیے، چونکہ بچے

عموماً اپنے کپڑے جلد گندے کر دیتے ہیں۔ اس لئے ان کے لباس بدلنے اور ان کو
بھونے دھونے کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ بچے جب اسکول جانا شروع
کروں تو بچوں کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ وہ اسکول سے واپسی پر سب سے
پہلے اسکول کا لباس (یونیفارم) اتار لیں۔ صاف ستھرا یونیفارم پہنانے کا اہتمام
کروائیں، اسکول، مدرسہ جانے سے پہلے روزانہ غسل کروانے کا عادی بنائیں تاکہ
بچے اس سے چاق و چوبند ہو سکیں۔ تازگی اور خوشی کے ساتھ وہ تعلیمی ادارہ میں
قدم رکھتا ہے، مرتھائے ہوئے چہرے، سستی اور غم غنڈہی حالت میں مدرسہ جانے
سے بہتر ہے کہ تازہ دم ہو کر غسل کر کے جائے، تاکہ دھیان و استخار کے ساتھ علم
حاصل کر سکے۔

تعلیم و تعالیم کے اسلامی آداب

باپ کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی کہ اپنی اولاد کو ضروری دینی مسائل سے روشناس
کرائے اور کم از کم اتنا علم ضرور دلائے کہ وہ حلال اور حرام کی تمیز کر سکے اور اللہ تعالیٰ
کی عبادت اور جو اسلام کے بنیادی ارکان ہیں، ان کو صحیح طریقہ سے ادا کر سکے۔

اسلام کی فکر میں علم کی جو غیر معمولی اہمیت اور اعلیٰ قدر و منزلت ہے، اس کا
کچھ اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق حضرت
آدم علیہ السلام کو جس وعظ کی بنا پر مانگہ وغیرہ کے مقابلہ میں خلافت ارضی کا اہل
اور مستحق منتخب فرمایا گیا اور نوع انسان کو زمین میں موجود دیگر انواع مخلوقات پر جو برتری
اور شان عکرائی دی گئی، وہ وعظ، علم کا وعظ تھا۔ جس سے خود اللہ تعالیٰ نے حضرت
آدم علیہ السلام کو آراستہ فرمایا۔

سورۃ اہلق کی ابتدائی پانچ آیات میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق
سے پڑھنے اور قلم کے ذریعے تعلیم کا ایسا اسلوب سے ذکر اور بیان ہے کہ گویا انسان

کو قلم سے پیدا کرنے اور پڑھنے اور پڑھانے کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور
رب کریم کا یہ عطا ہے کہ انسان پڑھے اور علم حاصل کرے۔

غرض یہ کہ قرآن و حدیث میں بکثرت ایسی خصوصیات ہیں، جن میں حصول علم
کے لئے تعلیم و تعالیم کی ضرورت، اہمیت اور فضیلت کا بیان اور مسلمانوں کے لئے یہ
ہدایت اور تائید ہے کہ وہ تعلیم و تعالیم کے ذریعے دینی و دنیوی ہر قسم کے علوم حاصل
کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور ان میں کوئی غفلت و کوتاہی نہ برتیں کیونکہ ایسا کرنا
ان کی دنیوی اور اخروی فلاح و بہبود کے لئے نہایت ضروری ہے۔

لہذا اپنے بچوں کو بھی دینی تعلیم ضرور دلائیے، تعلیم کی پوری نگرانی رکھیے۔ اسی
طرح وہ مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے بھی فخر مند رہیے، جو بھی اللہ تعالیٰ نے
آپ و مسیحیت و ظاہریاتی ہے، نئی نسل کی کامیابی کے لئے اس کو خرچ کیجیے، اپنے
غریب و محتاج، رشتہ داروں کے وہ بچے جو پیر نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم حاصل
نہیں کر سکتے ان کی مدد کیجیے، اسی طرح بچوں کو تعلیم کے آداب سکھاتے رہیے تاکہ
وہ علم میں ترقی کر سکیں کہ باادب و بااحسان ہو جائے۔ اسی طرح اپنے لڑکوں کی
تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دیں، مصروف یہ نہیں کہ معمولی تعلیم کے بعد اپنے ساتھ
بچوں پر بٹھا دیا یا ملازمت پر لگا دیا، نہیں بلکہ کوشش کریں کہ تعلیم کے میدان میں
جہاں تک پہنچ سکے پہنچیں دیں۔

اسی طرح اگر بچے کی سلسلہ کو دینی سامنے آ رہی ہو تو ہرگز مایوس ہو کر اس کو
اسکول، مدرسہ سے نکال دیں کہ اس کا دماغ پڑھائی کی طرف چلتا، نہیں بلکہ
ماہرین تعلیم مدرسہ، اسکول کے پرنسپل سے مشورہ کر کے پوری کوشش کریں۔

بالغ لڑکوں کو اس طرح سمجھائیں کہ بیٹا جب لڑکے کا رشتہ نہیں جاتا ہے تو لڑکی
کا رشتہ نہ معلوم کہاں ہے کہ کتنا پڑھا ہوا ہے؟

اسی طرح آپ کہیں بھی ملازمت کے لئے جاؤ گے یا تہہ بوندے کی صورت

میں بھی یہ دن مانگ ویز وغیرہ کے لئے مارک شیٹ، سٹینڈرڈ ڈکشنری، لہذا
کوشش کرو کہ مارک شیٹ میں کم نمبروں کا یا فیل ہونے کا وجہ نہ ہو جائے۔

چنانچہ تعلیم میں اعلیٰ معیار حاصل کرنے کی کوشش کرو گے تو مزاج اعلیٰ معیار
ہو جائے گا، پھر ہر کام اعلیٰ معیار والا ہوگا، اس وقت مسلمانوں کو ماہرین تعلیم کی
ضرورت ہے، اپنی تعلیم ہو یا دینی لیکن اپنی تعلیم میں ماہر ہو، کچھ علم حاصل نہ
استعداد والے لوگ تو بہت ہیں، تمہیں اپنی استعداد کو اچھی بنانی ہے۔

دیکھو بیٹا! اصول ہے "من حذو رجبہ" جو محنت کرتا ہے ضرور پاتا ہے، اللہ
تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں فرماتے، آج تم تعلیم پر محنت کرو گے، اور نیت یہ رکھو
گے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور میرے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ ہو تو اللہ
تعالیٰ تم سے ضرور کام لیں گے۔

کوشش کرو عربی آپ کو بولی آجائے، لکھنی آجائے، اسی طرح انگریزی پر محنت
کرو کہ دنیا میں تمہارا کہیں بھی جانا ہو تو انگریزی یا فرنچ یا رشین زبان میں ان کو اسلام
کی دعوت دے سکو۔

لہذا کوشش اور دعاؤں سے اپنے اور تمام مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم کے اعلیٰ
معیار تک پہنچانے کی کوشش فرمائیں، مسلمان بچوں کے لئے تعلیم و تربیت کے میدان
میں آپ جو کچھ کر سکتے ہیں، ضرور کیجیے، یہ بھی اتفاق فی سبیل اللہ میں شمار ہوگا۔ آپ
بچوں کے لئے اچھا اسکول، اچھا مدرسہ بنا سکتے ہیں تو ضرور بنائیے۔ یہ آپ کے لئے
صدقہ جاریہ ہوگا۔ جب تک اس اسکول، مدرسہ میں تعلیم و تربیت جاری رہے گی،
آپ کو ثواب ملتا رہے گا۔

آپ اچھے استاد کا کردار ادا کرتے ہوئے مسلمان بچوں میں علم کا شوق اور
مطالعہ کا ذوق پیدا کر سکتے ہیں تو اس کے لئے کوشش کیجیے۔ آپ کی محنت سے کچھ
علماء، ماہرین مراخنین فی العلم پیدا ہوئے تو یہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

اسی طرح والد کو چاہیے کہ تعلیم کے آداب بچوں کو یاد کرائے اور وقتاً فوقتاً ان
سے پوچھے۔ مدرسہ اور اسکول جاتے وقت ان آداب کی یاد دہانی کرائے۔

① شاکر کے دل میں اپنے معلم اور استاد کا بے حد احترام رہنا چاہیے۔ بیوش
محسوس و محبت سے پیش آئے اور تعلیم و تکریم میں بھی کوئی کوتاہی نہ کرے۔

② پڑھتے وقت اور سمجھتے نہ دیکھتے اور اپنی پوری توجہ استاد کی طرف مبذول رکھے
اور خوب غور کے ساتھ استاد کے ارشادات سنے اور سمجھے اور پھر جواب دے۔

③ استاد کے سامنے خوب کے ساتھ چلیں اٹھیں اور نظر جھکا کر نہ دیکھیں بلکہ اپنے من
بات کرے۔ کوئی بات پوچھنی ہو تو شائستگی کے ساتھ پوچھے اور اس کا پورا خیال رکھے
کہ اس کی کوئی بات اور حرمت استاد کی ناراضگی کا باعث نہ بنے۔

④ پوچھنے میں ہلکا نہ فرمائے، نہ قہقہہ۔

⑤ کبھی کوئی ایسا سوال اور اعتراض نہ کرے، جو استاد کے لئے پریشانی کا سبب
بن سکتا ہو۔

⑥ استاد کو اگر کسی جائز مالی خدمت کی ضرورت ہو تو اخلاص سے لیا جائے، لہذا
میرپست کے مشورہ سے بچائے اور اس کو استاد پر احسان کے بجائے خود پر احسان
کھجائے۔ اس نے خدمت کا موقع فراہم کیا ہے، جو میرپست کے باعث خدمت ہے۔
حاجب علم کا اپنے استاد سے جتنا اچھا تعلقی تعلق ہوتا ہے، اتنا ہی اس کی تعلیم سے فائدہ
میں پہنچتا ہے اور وہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

⑦ استاد کے ساتھ بے تکلفی ہو کر نہ ہو۔

⑧ قرآن و حدیث اور فقہ کی دینی تعلیم حاصل کرنے کے ذریعہ اس سے بیوش باطنی
رہنا چاہیے۔

⑨ جمہور، نصیبت اور بدگوئی سے بچنا چاہیے، کیونکہ ان سے حافظہ خراب ہوتا ہے
اور علم ضائع ہو جاتا ہے۔ تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کا مقصد صرف اللہ کی

رضا جوئی اور خوشنودی کا حصول ہوتا چاہیئے تعلیم سے فراغت کے بعد سارے مام
کے انسانوں کو دین پر لانے کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں خرچ کرنے کی نیت ہو۔
والد کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے ایسے تجربہ کار استاد کو
انتخاب کرے، جو تعلیم اور اسلوب تعلیم کو جانتا ہو اور اس پر عمل کرنے کی چوری کوشش
کرتا ہو، تاکہ تعلیم کے اثرات اور برکات صحیح طور پر سامنے آئیں۔ جو پڑھا رہا ہے۔
اس میں اس کو کامل دسترس حاصل ہو۔ وہ تعلیم و تدریس کے مختلف اسلوبوں اور
طریقوں سے واقف اور باخبر ہو۔

وہ اپنے دل میں اپنے شاگردوں کی چکی بھائی و خیم خواہی کا جذبہ رکھتا ہو، اس
کا اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسا سلوک رہتا ہو، جیسا ایک شفیق باپ کا اپنے بچوں
سے ہوتا ہے۔ وہ بہت زیادہ حسیم الطبع اور قلیل مزاج ہو۔ طلباء کے ساتھ اس کا رویہ
خصوصاً بچوں کے ساتھ نرمی اور پیار و محبت کا ہو، سختی اور دشمنی کا نہ ہو۔ معمولی اور چھوٹی
غلطیوں، کوتاہیوں اور شرارتوں پر طلباء خصوصاً چھوٹے طلباء کو سخت ذانت نہ کرتا
اور مارتا دیکھتا نہ ہو، بلکہ ان کو نرمی اور وقار کے ساتھ وقتے الفاظ سے سمجھاتا ہو۔ غلطی اور
کوتاہی پر طالب علم کو سختی کے ساتھ تھپڑ کھٹے، برا بھلا کہنے اور مارنے سے کو قہر اور
فوری پر کچھ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن رد عمل کے طور پر اس کے دل و دماغ پر جو
منفی اثرات پڑتے ہیں، وہ اس کی شخصیت اور آئندہ کی زندگی کو بڑی طرح متاثر
کرتے اور ہلکا کر دیتے ہیں۔ تا تجر بہ کار مست، محترم کے ایسے رویے اور طرز عمل
سے بعض مرتبہ بعض افراد علم سے ہی محروم ہو جاتے ہیں اور پھر اپنی اس محرومی کا سبب
استاد کے سخت رویے کو گردانتے اور لوگوں کے سامنے دیکھ کے ساتھ بیان کرتے
ہیں۔ اپنا قصصاً، فی تعلیم کے ایک معلم کو اس کا بہت زیادہ خیال رہنا چاہیئے کہ اس
کے سخت رویے سے یہ برائی پیدا نہ ہو۔ والد کو چاہیئے کہ اپنے خالق و باریہ کو جانے
والے ساتھ وہ عقیدت و کتاب "مثالی استاد" (مکتبہ بیت احکم کراچی) کو تحریف

کردار کے اندر ان کو اس کے پانچنے کی قریب ہے۔ اس کتاب میں قرآن کریم و
حدیث نبویہ اور بزرگوں کے واقعات و مشاہدات سے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ
استاد کی صفات کیا ہونی چاہیئے۔

سورۃ الضحیٰ کے آخر سے پہلے کی وہ آیات میں بعض مفسرین کی تفسیر کے مطابق
ان کے اندر بیان شدہ قوم کی ممانعت کا تحقق معلم کے سخت رویے سے بھی ہے۔
انہوں نے لکھا ہے کہ عربی کے ایک شعری روئے وہ طالب علم بھی یتیم ہے، جو معلم
"ب سے محروم ہو۔ لہذا آیت "فاما الیتیم فلا تغیر" میں یتیم پر سختی اور جبر کرنے
کی جو ممانعت ہے، وہ جس طرح اس یتیم سے متعلق ہے جس کا باپ مر گیا ہو، اس
طرح علم سے محروم طالب علم کے متعلق بھی ہے، اسی طرح دوسری آیت "واما
السائل فلا تغیر" میں مانگنے والے کو جھڑکنے کی جو ممانعت ہے، اس کا متعلق طالب
علم سے بھی ہے جو علم مانگتا ہے۔ تو گویا ان آیات میں معلم کے لئے بھی یہ ہدایت
ہے کہ وہ اپنے شاگرد پر بجا سختی اور جبر نہ کرے اور نہ اس کو جھڑکے، نہ برا بھلا
کہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: تعلیم دو اور اس میں سختی نہ رہو، یاد رکھو کہ نرمی کے ساتھ تعلیم دینے والا بہتر
ہے سختی کرنے والے سے۔

اسی طرح معلم اور معلم دونوں کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
ارشاد ہے:

وَتَوَاضَعُوا لِمَنْ تَعَلَّمُوا مِنَ الْعِلْمِ وَتَوَاضَعُوا لِمَنْ عَلَّمْتُمْوَهُ
تَكُونُوا مِنْ جِنَاةِ بَرَةِ الْعُلَمَاءِ

ماخذہ روح المعانی ج ۳ ص ۲۹۳ تا ۲۹۵

ماخذہ روح المعانی ج ۱ ص ۱۰۹ تا ۱۱۰ ج ۲ ص ۱۱۱ تا ۱۱۲

”تواضع یعنی انکساری کا اظہار کرنا اس کے لئے جس نے تمہیں تعلیم دی اور اس کے لئے جس کو تم تعلیم دے رہے ہو اور نہ ہو جاؤ تم جبر کرنے والے سخت گیر علماء میں سے۔“ مطلب یہ کہ ہم حال ضروری ہے کہ استاد اور شاگرد دونوں کا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا ہو۔^{۱۷}

بچوں کے اساتذہ کی خدمت کیجیے

بچے جب قرآن پڑھنے میں ماہر ہو جاتے اور اس کا استعداد بہ حصہ صحیح تلفظ و مخارج کے ساتھ بڑھ لیتے تو اس وقت اسلاف کے زمانے میں حفاظت و مہارت پر خوش مقامی جاتی تھی۔ اہل ثروت اس موقع پر بچوں کی ہمت افزائی کرتے تھے اور ان کے معلموں اور موقوفوں کو اعزاز و اکرام سے نوازتے تھے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حماد جب سورۃ فاتحہ پڑھنے لگے تو امام صاحب نے ان کے معلم کو پانچ سو درہم بطور انعام دیا۔

حنظلہ حسن بصری کے بھتیجے یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ جب میں قرآن پڑھنے میں حاذق و ماہر ہو گیا تو چچا سے کہا کہ معلم کچھ چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کے معلم ایسا نہیں کرتے تھے۔ پھر کہا کہ اس کو پانچ درہم دے دو۔ اور میرے استاد پر کہا کہ اچھا اس درہم دے دو۔

خانقاہ و امراء اور اعیان اس موقع پر بڑا اہتمام کرتے تھے، خلیفہ مہدی کے چچا اور انہیم نے پانچ سائے عمر میں ”لَا اَقْسَمُ بِحِلَا الْبَلَد“ پڑھنا شروع کیا تو اس کی بظرف سے خلیفہ مہدی نے ایک لاکھ درہم صدقہ کیا اور پانچ سو غلام آزاد کیے۔ موی البہادی نے اپنے بھائی کی حفاظت کے وقت، جب کہ اس کی عمر سات سال کی تھی، اس کو ایک لاکھ درہم انعام دیئے۔

۱۷۔ ماخذہ غیر القرون کی درسا ہیں: ص ۱۳۹

عبیدہ بن عیاد خدام غوی خلیفہ باریون رشید کے صاحبزادے محمد کے معلم و مددگار تھے۔ محمد نے ”سورۃ الحديد“ پڑھی تو باریون رشید نے عبیدہ بن عیاد کو ستر ہزار درہم انعام دینے کا حکم دیا، اس کے چند دن بعد عبیدہ بن عیاد انتقال کر گئے۔ خلیفہ معتز نے اپنے نژد کے کی حفاظت میں عظیم الشان شہنشاہی جشن منایا اور بے پناہ دولت خرچ کی۔ اس کی تفصیل ”الذخائر والنفیس“ میں موجود ہے۔^{۱۸}

لہذا والد کو چاہیے کہ اپنی حیثیت و استعداد کے موافق اپنے بچے کے اساتذہ کرام، معلمات و پرنسپل، مہتمم کی خدمت کرتا رہے۔

بچوں کی تعلیم کب سے شروع کی جائے

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی باپ نے اپنی اولاد کو جو کچھ دیا ہے، اس میں کوئی تحفہ یا عطیہ، اس کی اچھی میراث اور حسن ادب سے بہتر نہیں۔^{۱۹}

اللہ تعالیٰ کے تمام برگزیدہ انبیاء کی اور خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم و ہدایت ہے کہ صاحب اولاد پر اولاد کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے بچوں کے بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی دینی تعلیم و تربیت کی فکر کریں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی اور غفلت نہ کریں۔ اسی لئے ارشاد ہے:

”إِحْقِ الْوَلَدَ عَلَى وَالِدِهِ أَنْ يُعَلِّمَهُ الْكِتَابَ وَالسَّابِقَ وَالزَّمَانَةَ وَأَنْ لَا يُوَرِّقَهُ إِلَّا ظَنًّا“^{۲۰}

ترجمہ: ”بچے کا باپ پر حق ہے کہ وہ اسے خط، تہ کی اور تہ اندازی سکھائے اور اسے حلال ہی کھلائے۔“

۱۸۔ ماخذہ غیر القرون کی درسا ہیں: ص ۳۳۹

۱۹۔ ترمذی ج ۲ ص ۱۶

۲۰۔ کنز العمال ج ۱۶ ص ۱۸۲، رقم: ۵۵۳۳۲

اب رہا یہ مسئلہ کہ بچوں کی باقاعدہ تعلیم کب سے شروع کرائی جائے؟ تو اس مسئلہ میں اگرچہ ماحول، عادت اور خاندان اور صحت کے اعتبار سے بچے مختلف عمر میں جان کر تعلیم شروع کرنے کے قابل ہوتے ہیں، لیکن کوشش کی جائے کہ سات سال سے پہلے خلیفہ کیسے ہی تعلیم شروع کرا دی جائے کہ اس عمر سے پہلے لازمی تعلیم ہو جو بچے کے لئے بچے کی صحت اور جسمانی نشوونما پر برا اثر پڑتا ہے۔

بچوں کو کم از کم ابتدائی دینی تعلیم ضروری ہے کہ جب بچہ آٹھ نو سال کا ہوتا ہے مشہور انجیل، متہم، اصولہ والسلام کے نام اور ان کے مختلف حالات اور حالات فحشوں کے نام، آسمانی کتابوں کے نام اور جن تغیرات پر یہ کتابیں نازل ہوئیں، ان پیغمبروں کے نام، زندگی اور موت، قبر میں جانا، عذاب قبر، آخرت، قیامت، حساب کتاب، جنت و دوزخ کے بارے میں ضروری اور اجمالی معلومات حاصل ہوں۔ اسی طرح اس کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت بھی کریں، اس کے لئے ”حیات الصحابہ“، ”تالیف حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور صحابہ کے واقعات“، ”تالیفین کے واقعات“، ان تینوں کتابوں سے مطالعہ کر کے اس سے بچوں کو اپنے الفاظ میں واقعات سنائیے اور کبھی ان کو موقع کر کے ان کے سامنے یہ کتابیں پڑھیے اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دیجیے۔

بچے کو حافظ بنانے کا ارادہ ہو تو کوشش کریں کہ پہلے ناظر و قرآن کریم انجیل طرح پڑھ لے، کم از کم پانچ پارے انجیل طرح تجوید کے ساتھ ناظر و پڑھ لے پھر حفظ شروع کروائیں، ناظر و کے ساتھ ساتھ نہ صرف ہر دو تو اسکول پڑھواتے ہیں ایسے اسکول کا انتخاب کریں جہاں اسلامی ماحول ہو اور حسب پہلی یا دوسری جماعت پڑھ لے پھر حفظ شروع کروائیں، یہ کہ لکھتے اور قلم استعمال کرنے کی بنیاد پہلے سے بن چکی ہو، پھر حفظ کے بعد کسی اسلامی اسکول میں (نہ صرف ہوتو) میٹرک کرائیے

کے بعد کوشش و دعا کریں کہ عالم دین بنے، لیکن عالم دین بننے پر راضی نہیں تو زور قیامت کیجیے، راضی کرنے کی پوری کوشش کریں، کم از کم ایک سال کے لئے راضی کرنے، کہ ایک سال کر کے دیکھو اور اس دوران دعا کرتا رہے۔ ہاں کوشش کیجیے کہ اس شعبہ میں بھی جائے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کرتے ہوئے جائے، ان کو راضی رکھنے کی فکر رکھئے۔

اسی طرح موقع محل کی مستوں و مائیں بچوں کو یاد کروائیے اور پھر اس حال اور عمل کے وقت، جس کی یہ دعا ہے، ان سے پڑھوائیں۔ یعنی پوچھا کر لے: ”یہنا“ آج باتو، ہم میں دعا پڑھ کر گئے تھے؟ لاشعہ کے وقت پوچھ لے کہ آج رات کو مومنے سے پہلے کس نے دعائیں پڑھی تھیں؟ تاکہ ان کی عادت بھی بن جائے اور یاد بھی رہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اولاد کو دین کا داعی اور سچا مسلمان بنائے آمین۔

اپنے بچوں کے لئے گھر میں تعلیمی نظام بنائیے

اولاد کی دینی تعلیم و تربیت، والدین کی ایک نہایت اہم ذمہ داری ہے۔ اسے کو حق اور کرنے میں دوسرے افراد اور ادارے اچھے معاون تو بن سکتے ہیں، لیکن نہ والدین کا نعم البدل بن سکتے ہیں اور نہ ہی بچے والدین سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ایک کامیاب مربی میں ہمدردی، بے غرضی، محبت و شفقت اور صبر و تحمل و فیہ و جیسے اوصاف تہید و کاپا جانا ناگزیر ہے اور یہ صفات والدین میں ہی کامل طریقہ سے پائی جاتی ہیں۔

آپ کے ذمہ لازم ہے کہ آپ اپنے بچوں کے لئے گھر کے اندر بھی ایک ایسا نظام تعلیم ترتیب دیں، جس سے ان کے اسکول و مدرسہ کی تعلیم میں بھی ترقی ہو اور ان کے دل میں علم سیکھنے کا شوق اور وقت کی حفاظت کرنے کی اہمیت پیدا ہو۔ اسی حال اور جذبہ کے تحت ہم آپ کی آسمانی کے لئے یہاں ایک طریقہ تعلیم لکھتے

ہیں۔ آپ اپنے گھر میں اپنے بچوں کے لئے جاری فرمائیں اور اگر اس سے وہی بہتر صورت آپ کے ذہن میں ہو تو ہمیں بھی مطلع فرمائیں۔ اس نظام کو ہم پانچ عنوانات میں تقسیم کرتے ہیں۔

نظم

یعنی اپنے بچوں کے لئے گھر میں بھی ایسا ہی ایک نظم قائم کیجئے، جیسا کہ کسی اچھے اسکول اور مدرسہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً عمر کی مناسبت سے درجہ بندی، ہفتہ کی اور اوقات کی پابندی، متعین نصاب، ماہانہ اور سالانہ امتحانات وغیرہ۔ اس کے لئے ان بچوں کی والدہ کو پیار و محبت کے ساتھ ان پر گہراں مقرر کر دینیئے اور خود بھی ان پر نگرانی رکھیں۔ تعلیم کے لئے دو گھنٹے مخصوص کر لیجئے، پھر اس اوقات درس میں آپ وہاں یعنی آپ اور آپ کی بیوی، معلم و معلمہ کے فرائض ادا کیجئے۔ اگر آپ کو کسی دینی یا دنیویہ معاش کے لئے سفر پر جانا پڑ جائے تو بیوی کو تاکید کیجئے کہ وہ آپ کی مدد موجودگی میں بحیثیت ایک نائب کے آپ کے فرائض بھی انجام دے۔

ایک اہم بات تاکید کے ساتھ

کہ بچہ کوئی کام اور اورانہ چھوڑے۔ کاموں کی تکمیل لازمی ہے اور محنت حسب کام ہے۔ انون کے لئے جیسے کوئی عادی فتح کرنی مشکل ہے، ویسے ہی کسی عادی کو خالی کرنی بھی مشکل ہے۔ انون کو واپس لانے یا کسی محصور عادی سے نکالنے کے لئے عرق ریزی سے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔

اچھے اسکولوں اور مدارس میں کھیلوں میں حصہ لینے والوں کو تربیت دی جاتی ہے کہ کھیل کے انتظام تک ہمت اور کوشش سے کام لیتے رہیں۔ ۱۰۰ میٹر دوڑنے والے کو یہی تربیت دی جاتی ہے کہ ۱۰۰ میٹر نہیں، بلکہ ۱۱۰ میٹر دوڑنا ہے۔

تربیت یافتہ مزدور چھٹی کے وقت کم از کم دس منٹ دن بھر کے کام کو سمجھتا ہے

کہاتے ہیں، اوزاروں کو صاف کرتے ہیں، انہیں لٹکانے پر کہتے ہیں، اپنے آپ کو صاف کرتے ہیں، پھر آٹھلی سے چھٹی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس غیر تربیت یافتہ مزدور کارخانہ چھٹی ہوتے ہی گیلیا سینٹ، سڑک پر چھوڑ جاتے ہیں۔ اوزار جہاں پاؤں پھینک دیتے ہیں۔ کیا زمانے میں پینے کی پانی باتیں ہیں؟

دو راجہ کرکٹ کھیلتا ہے اور جب دل بھر جاتا ہے تو عدم تربیت کی وجہ سے لینڈ، بلا دیں پھینک آتا ہے، جو خوب بارش وغیرہ میں خراب ہوتا رہتا ہے۔ دوبارہ جب کھیلنے کو دل کرتا ہے تو کھیل کے سامان کی تلاش شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح جب کھیلوں ملتے ہیں تو فوراً ہی ناکارہ کر کے پھینک دیتا ہے۔ اسکول جاتے وقت جوتے ڈھونڈتا ہے۔ اس وقت ادب انضام (ہوم ورک) کی بھی فکر ہوتی ہے۔ اسی نقصان دو عادات بچپن میں ہی اپنے ذہن میں راسخ ہوتی ہیں۔

والد کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کو مناسب طریقے سے حکمت سے کام لیتے ہوئے سمجھائے۔ بچے کو بتائے کہ:

”بچو! اگر کھیلنے کے بعد کھیل کے سامان ہاں کی مقررہ جگہ پر رکھو گے تو جب دوبارہ تمہیں کھیلنے کی ضرورت پڑے گی تو تلاش نہیں کرنا پڑے گا، بلکہ فوراً ہی مل جائے گا، ورنہ پھر تلاش کرتے رہو گے۔“

اسی طرح اپنے استعمال کی دوسری چیزیں مثلاً جوتے، اسکول کا سامان، وغیرہ منہجاً کر رکھو گے تو اسکول جاتے وقت پریشانی نہیں ہوگی۔ اگر رات کو ہی ہوم ورک مکمل کر لیا تو اگلے دن جب اسکول جاؤ گے تو استادوں سے ڈانٹ نہیں پڑے گی اور استاد اور دوست سب تم سے خوش ہوں گے۔ اگر ہوم ورک کئے بغیر جاؤ گے یا بغیر مطالعہ و تکرار کے جاؤ گے تو سب کے سامنے ڈانٹ ڈپٹ پڑے گی اور خوب شرمندگی ہوگی۔“

اس طریقے سے بچے کو سمجھایا جائے۔ اگر والد خود بھی اپنی تمام ذمہ داری چیزوں کو

ترتیب سے ان کی مقرر جگہوں پر رکھتے گا تو یہ بچوں کے لئے ایک عمدہ مثال ہوگی اور ان کے لئے ترقیب کا باعث ہوں۔ ہر والد کو چاہیئے کہ اپنے استعمال کی چیزیں، قلم، دائری، چابیوں اور اس طرح کی دوسری چیزوں کو ان کی ملے شدہ جگہ پر رکھتے تاکہ ضرورت پڑتے ہی فوراً مل جائیں۔

بچوں کی بری عادات کو معمولی نہ سمجھا جائے اور ان سے صرف نظر نہ کیا جائے۔ اگر بچوں کی بری عادات کو نظر انداز کر دیا گیا اور ان کی صحیح تربیت پر توجہ نہ دی گئی تو مستقبل میں بچے کو اس کا خمیازہ جھٹلنا پڑ سکتا ہے۔

۴) نصاب

ہر بچے کے لئے اس کی عمر اور استعداد کے لحاظ سے الگ ماہانہ تعلیمی نصاب تیار کیجئے، یعنی اعتدال کے ساتھ مختلف کتابوں کے کچھ صفحات یا اسباق متعین کر لیجئے۔ اس ایک ماہ میں ان کو یہ پڑھانے ہیں، پھر آپ دونوں مل کر پوری کوشش کریں۔ مہینہ ختم ہونے تک کسی طرح یہ نصاب مکمل ہو جائے۔ اس کے لئے رفتار تھوڑی اور انداز دیکھئے اور اسی حساب سے نصاب مقرر کیجئے۔ ہر ماہ اسی طرح کیجئے۔

۵) تعلیم کے طریقے

تعلیم کے لئے تین طریقوں کو اختیار کیجئے، (۱) سنتی (۲) زبانی (۳) عملی۔ قرآن کریم اور اردو وغیرہ تو بچوں کو کتاب ہی میں پڑھائیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، مسنون دعاؤں اور اخلاقی کہانیاں زبانی سنائیے اور یاد کرائیے اور منہ نماز وغیرہ کی عملی تربیت دیکھئے۔ اسی طرح نماز کے مسائل سیکھنے کے جب وہ لائق ہو جائیں تو بچوں کو "بہشتی زیور" اور بچوں کو "تعلیم الاسلام" پڑھائیے، لیکن کتابی تعلیم میں زیادہ پڑھانے کے بجائے تھوڑا تھوڑا پڑھا کر سب ذہن نشین کرائیے۔ اسی طرح زبانی تعلیم میں دعاؤں کے ایک ایک وہ لفظ یاد کرائیے اور جب وہ پوری یاد ہو

جائیں تو اسے روزانہ اوقات مقررہ میں پڑھنے کی عادت ڈالو ایسے اور اس کے لئے ان کو یاد بھی دلائیں اور خود ان کے سامنے نقل کریں۔ مثالاً بات سوتے وقت جب بیٹے بستر پر چلے جائیں تو ان کے سامنے ہند آواز سے صرف "اللھم" کہہ دیجئے، ان شاء اللہ تعالیٰ بچے خود پوری دعا پڑھ لیں گے اور عملی طور سے سورو فاتحہ، چار نقل پڑھ کر اپنے جسم پر ہاتھ بھیسے گئے تو یہ بچوں کے لئے عملی تعلیم ہوگی، اسی طرح سوتے سے پہلے خود اذیت صاف کیجئے تو وہ بھی اس عمل میں شریک ہوں گے، اسی طرح صبح، یہاں تک کہ وقت پہلے انہیں سام کیجئے، پھر "الحمد للہ" کہیئے تو بچے خود پوری دعا پڑھ لیں گے۔ تمام مواقع پر اس طرح کیجئے۔

۶) کتابت (لکھونا)

جب بچے تھوڑا بہت لکھ لکھیں تو پہلے زبانی قلم و لکھو میں۔ جو سبق مدرسہ میں ملے، اس کو گھر پر اپنی کاپی میں لکھیں۔ پھر فارسی ہو جائیں تو روزانہ قرآن کریم کی ایک آیت بعد ترجمہ کے معارف القرآن سے خوش خط لکھوائیے۔ اسی طرح ایک طرف تو قرآن کریم سے ان کو انجیلی حاصل ہوگی اور دوسری طرف حفظ کرنا ان کے لئے آسان ہو جائے گا اور عربی، اردو لکھنا بھی آئے گا اور پھر حسب استعداد اردو آئیں، تین آئیں لکھو ایسے اور اس کے لئے بچوں کے کمرہ میں بورڈ ضرور لگوائیے۔

۷) کارگزاری

بچوں پر لازم کریں کہ جو کچھ سیکھتے ہیں، وہ روزانہ اپنی تعلیمی کارگزاری میں لکھ لکھیں۔ وہ زبانی سنائیں اور خود آپ اور آپ کی اہلیہ بھی اس کی پابندی کریں اور اس سے تعلیم میں ہویں محسوس ہو، اس کی تلافی کریں۔ آج کل تقریباً سالانہ امتحانات ماہ اسکولوں میں پڑھائی ہوتی ہے، اگر والدین بچوں کے ہفتہ پانچ ماہ کی حفاظت کر لیں، تو بچوں کے علم میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ نئی نسل میں وقت کی

خفاقت کرنے والے لوگ پیدا ہوں گے، مثلاً بعض دستکوبوں میں ہر ہفتہ دو دن بھٹی ہوئی ہے ان دو دنوں کو لا رہا بنایا جائے، ہر سال کی تمین ماہ کی چھٹیوں کو کا آمد بنایا جائے، مثلاً اس سال سے کیا جائے کہ ہر پچھ سوہ بیسین تجویہ کے ساتھ یاد کر لے، پھر آئندہ سال چھٹیوں میں سوہ کوفہ، سوہ رتم، سوہ ملک، سوہ ترجمہ کے یاد کران پر وگرام میں شامل کریں۔

بچوں کے کمرے میں تین سیاہ (بلیک بورڈ) بھی لگائیں۔ ہر بچے کی ایک ایک میز رکھیں، اس میں ترتیب سے وہ اپنی کتابیں، پینسل، قلم وغیرہ محفوظ رکھے۔ ہر دو یا پندرہ سال کی اولاد کو تو انہیں اکابر کا، کی سیرت کی کتابیں لے کر دیں، اس کا خلاصہ ان سے لکھوائیں، تمین ماہ بعد متا بل کر وائیں کہ اس کتاب کا خلاصہ کون بیان کرے گا؟ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر کون دس صفحات لکھ کر لائے گا؟ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بارے میں کون آدھا گھنٹہ تقریر کرے گا؟ امام اقبال کے چالیس اشعار کون سنائے گا؟

سعید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کون دو صفحے لکھ کر لائے گا؟ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خلافت کے وہ واقعہ کون سنائے گا؟ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی علمی زندگی پر کون ۱۵ منٹ بولے گا؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تصانیف، ان کی دینی خدمات کے بارے میں کون بتائے گا؟ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار میں سے دس شعر کون سنائے گا؟ وغیرہ ان تمام موضوعات پر بچوں میں مقابلہ کروائیں۔ اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ ان میں علمی ذوق پیدا ہوگا، مطالعہ کا شوق پیدا ہوگا، اسلاف کی میرت و ساری کا پتہ چلے گا، محنت کرنے والوں کے واقعات سامنے آئیں گے تو خود بھی محنت کا شوق پیدا ہوگا، فضول وقت کو ضائع کرنے سے بچے گا۔

۶۱ امتحان و انعامات

میتے میں کم از کم ایک مرتبہ بچوں کا زبانی اور تحریری امتحان لیں اور کامیابی کی صورت میں ترغیبی حوصلہ افزائی والے انعامات بھی دیں۔

بچے کی قابلیت میں اضافہ ممکن ہے

والدین کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ ان کا بچہ سب سے زیادہ قابل اور ذہین ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ بچوں کی ابتدائی عمر ہی سے ان کی بہترین تربیت شروع کر دی جائے۔ بچوں کی ذہنی نشو و نما کے لئے وہ جو کچھ کر سکتے ہیں، کریں۔ اس وقت سے انہیں کہانیاں اور قصے سناتا شروع کر دیں، جب وہ بہت چھوٹے ہوں۔ انہیں تعلیمی سرگرمیوں میں مددگار رنگ برنگے ڈھیروں کھلونے اپنی استطاعت کے مطابق خرید کر دے دیے جائیں اور جب ذرا بڑے ہوں تو انہیں قرہی کتب خانے لے جائیں اس تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اب وہ اسکول میں باہل نمیک شاہک پر حاضری کریں گے اور انہیں اپنی تعلیم سے مشکل مراحل طے کرنے میں کوئی دقت نہیں پیش آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس محنت اور کوشش کا اجر و ثواب دنیا و آخرت دونوں میں آپ کو ملے گا۔

پھر بچہ خود سے تجربات کر کے اپنی ذہانت کو بڑھاتا ہے اور ارد گرد کی دنیا کے بارے میں جاننے کا شوق رکھتا ہے۔ ہر بچے کی خواہش ہوتی ہے کہ چھپے ہوئے افسانوں اور خزانوں کی تلاش کی جائے۔

اسی طرح غور کریں، کیا آپ نے اپنے بچے کو محنت کرنے کی عادت ڈالی ہے؟ کام کو کسی شخص کے بغیر کرنا، صرف اور صرف اللہ کی قدرت ہے۔ انسان تو خطا کا پتلا ہے، اس کا کام بھی نقص سے بھرا ہوا ہے۔ اس بنیادی حقیقت کے باوجود انسان کو چاہیے جو کام کرے، اچھی طرح کرے۔ ایسے کہ اس کا حق ادا ہو۔ اس کی تکمیل

احسن طریقہ سے کرے اور وہ کام یا مقصد بھی ہونا چاہیے۔

اس کے برعکس جو کام مارے یا نہ ملے کیا جائے، دیکھو اس کے لئے کیا جائے، نکلنے کے انداز میں کیا جائے، وہ ناقص ہوگا، اوسور ہوگا، اور ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کی نمائش ہو۔ اپنی کوتاہیوں کی تشبیہ کون کرتا ہے؟ یہ کام پھیلایا جائے گا۔ اس سے پہلو تہی کی جائے گی، بلکہ دوسروں کے سر تھوپا جائے گا۔

ایسی کافی کا ایک مفتی پہلو یہ بھی ہے کہ جب کام مل گیا کرنا یا جانے تو لوگوں کی حق تلفی ہوئی۔ آپ مزدور سے کوئی کام اجرت پر ملے کرتے ہیں، وہ اس کام میں خیانت کرتا ہے، کیا آپ خوش ہوں گے، اسے انعام دیں گے؟ دفتر میں آپ کا جائز کام نہیں ہوتا، کچھ سے پر بھیجے لکوائے جاتے ہیں، غافل ہی گم کر دی جاتی ہے یا سب تک اہمہ اہمات الیادینے جاتے ہیں، آپ کا خون نہیں کھولے گا تو اور کیا ہوگا؟ اس سبب راہ روی سے سفارش اور رشوت کا بازار گرم ہوگا جو باوجود خرافات، تہذیب، لاقانونیت کو جنم دے گا۔

بچوں کو سمجھائیں کہ کام اچھی طرح کرنا ہے، غلطیوں سے کرنا ہے، محنت سے کرنا ہے اور اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے لینا ہے۔ اگر ایسا کرو گے تو تم "احسان" کرتے والے یعنی "محسن" بن جاؤ گے۔ پھر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ دنیا تم سے محبت کرے گی۔ کامیابی ہی کامیابی ہے۔

احسان کی تعلیم و تربیت، پیچیدہ ہی میں بہتر اور مؤثر انداز میں کی جاسکتی ہے۔ بناؤ اور بگاڑ کا یہی وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت بچے کے دل میں پیدا نہ کی جائے تو وہ گناہوں والے کاموں کی طرف راغب ہوگا۔ گناہ والی زندگی میں لذت ہے۔ اس سے اجتناب دینی کر سکتا ہے، جو اللہ سے محبت کرے یا اس سے ڈرے۔

دنیاوی کاموں میں بچے کو تربیت دی جائے کہ معمولی سے معمولی کام بھی توجہ

اور محنت سے کرے۔ کسی نے پانی بھی ملا تو خوش دلی سے یہ خدمت بہترین انداز میں سر انجام دے۔ اسکول کا کام بھی شوق سے کرے۔ اپنے ہوتے خود صاف کرے۔ اپنا ستر ٹھیک حالت میں رکھے۔ اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال کرے۔

آپ کو یہ شوق (بروزی بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ فطری طور پر یہ خود بڑھتا ہے۔ حتیٰ کہ بچہ اس وقت بھی دنیا کی نت نئی باتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے، جب وہ جھولے میں لیٹا ہوتا ہے، اس کی نظر مختلف چیزوں پر ہوتی ہیں۔ چھوٹی عمر کے بچوں میں بے چارہ تجسس ہوتا ہے، جس کی تسکین کے لئے وہ چیزوں کو چھو کر، بچھ کر یا چیزوں کو پکڑ کر محسوس کرتے ہیں۔ والدین اس تجسس میں اس کی مدد کر سکتے ہیں، کوئی بھی مصلوہ اٹھا کر اسے پیسے کے ہاتھوں میں پکڑائیں، پھر جو ذرا سمجھدار بچے ہیں ان کو اس کے متعلق بتائیں، بچوں کے ساتھ تھوڑی دیر بچہ بن جانے میں کوئی حرج نہیں۔ ابتدائی عمر سے بچوں کو اہل مختلف اشیاء، رنگ اور شکلوں کی پہچان کروائی جائے تو بچے آئندہ چل کر بہت آسانی محسوس کرتے ہیں اور یہ پہچان اور معلومات ان کی علمی قابلیت میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔

ضروری نہیں کہ آپ کی توجہ اور نگہداشت آپ کے بچے کو عالم اور مفتی، ڈاکٹر اور انجینئر بنا دے، لیکن یہ کوشش اس کی ذہانت کے لئے، اس کی اصلاحات اور ہدایت کے لئے ریزہ کی بڑی کام کر سکتی ہے اور آگے چل کر وہ ایک کامیاب انسان بن سکتا ہے۔

اسی طرح بچے کے سہولیت، اور مارک ٹیٹ پر ضرور توجہ دیں۔ بچپن سے ایسی ہمش کریں کہ رپورٹ کی بچے کو مستقل فکر ہو کہ ایک پرپے میں بھی فیل ہو گیا تو اب بہت ناراض ہوں گے۔ پہلی کلاس سے رپورٹ کی فوٹو کاپی اپنی میز پر رکھیں اور بچے کی میز پر بھی لگا کر رکھیں کہ پہلی کلاس میں یہ نتیجہ تھا، اب دوسری میں اس سے بہتر ہونا چاہیے۔ اس طرح پچھلے ایک ماہ میں تم نے ایک پارہ یاد کیا، اس ماہ کوشش کرو

کہ زیادہ ہو۔

اسی طرح بی کام، گریجویت کے سرٹیفکیٹ، مارک شیٹ کی بھی اہمیت ہے کہ ضرور بتلائیں کہ یہ مارک شیٹ نظامی اسباب کے تحت اچھے مستقبل کی علامت ہے۔ جہاں تمہارا رشتہ جائے گا تو لڑکی کا والد ضرور پوچھے گا۔ اس کی تعلیم کیا ہے؟ کہیں ملازمت کے لئے جاوے گا تو بھی پوچھا جائے گا۔ تھوڑی سی محنت کر لو تو باقی راحت ہے۔ اگرچہ رشتہ و ملازمت کو سامنے نہ بھی رکھو تو بھی جینا اچھے نمبروں سے پاس ہونا انسان کی سعادت مندی کی دلیل ہے۔

اسی طرح ہر بچے کی ایک فائل بنائیں۔ جس میں اسکول، مدرسہ کی رپورٹ سرٹیفکیٹ، انعامی اسناد، میڈنل رپورٹس، بلڈ گروپ، آنکھوں کے ٹیسٹ کی رپورٹ..... تاریخ پیدائش..... وغیرہ محفوظ ہوں۔

مثلاً کس دن سے یہ بچہ مدرسہ میں داخل ہوا؟

کس دن سے اسکول میں داخل ہوا؟

کب حفظ شروع کیا اور کب ختم ہوا؟

میزنر کب کیا؟

عالم بننے کب سے ہیٹھا، کب فارغ ہوا؟

بچپن میں کون کونسی بیماریوں کے انکیشن لگ گئے ہیں؟ کب لگے ہیں؟

اسی طرح بالغ بچہ یا بچی کب صاحب نصاب بنے؟ یعنی کب اتنی مقدار کے مالک ہو گئے کہ اب ان پر سال کے گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، وہ تاریخ ضرور محفوظ رکھیں جس تاریخ کو وہ صاحب نصاب بنے ہیں، مثلاً جس دن معاش ہوئی، اس دن لڑکا یا لڑکی ۵۲ ½ تولہ چاندی کی قیمت (جو آج کل ۶۰۰۰ تک ہے) کے مالک بن گئے یا عید کے دن یا کسی بھی خوشی کے موقع پر یا کسی بھی طریقے سے وہ اتنے روپے یا سونے کا نصاب ۵۲ ½ تولہ ۸۷۹ گرام (اس شخص کے لئے ہے جس

کے پاس صرف سونا ہو، چاندی، مال تجارت اور نقدی میں سے کچھ بھی نہ ہو)۔ یا چاندی کا نصاب ۵۲ ½ تولہ = ۶۱۳.۳۵ گرام (اس صورت میں ہے کہ صرف چاندی ہو، سونا مال تجارت اور نقدی باطل نہ ہو)۔ (یا سونے یا چاندی کے ساتھ کوئی دوسرے مال زکوٰۃ کا مالک بن جائے، سب کی مالیت ۶۱۳.۳۵ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے یہ بالغ بچہ یا بچی صاحب نصاب بن گئے، اگلے سال اسی تاریخ پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی اور حج کا بھی حساب ہوگا۔ اسی طرح قربانی کا بھی حساب ہوگا۔

نصاب زکوٰۃ کا نظام۔ یہ ہے سونا ۵۲ ½ تولہ = ۸۷۹ گرام یا چاندی ۵۲ ½ تولہ = ۶۱۳.۳۵ گرام، یا مال تجارت یا نقدی یا ان چاروں اشیاء یا ان میں سے بعض کا مجموعہ چاندی کے وزن مذکور کی قیمت کے برابر ہو تو یہ صاحب نصاب ہو گیا۔ اب یہ تاریخ محفوظ رکھی جائے قمری اعتبار سے اور آئندہ سال اسی قمری تاریخ کو حساب لگایا جائے کہ اب اس بیٹے یا بیٹی کی ملکیت میں کتنا مال ہے اور جو مال قرض وغیرہ کی ادائیگی سے بچ جائے، اس کی زکوٰۃ نکالی جائے۔

مال تجارت سے وہ چیز مراد ہے، جو تجارت کی نیت سے خریدی ہو اور یہی نیت باقی ہو، اگر بوقت خرید تجارت کی نیت نہ تھی یا بعد میں تجارت کی نیت نہ رہی یا خریدنے کی بجائے کسی دوسرے ذریعہ سے کوئی چیز ملی، اگرچہ لیتے وقت تجارت کی نیت ہو، تو ان سب صورتوں میں زکوٰۃ نہیں۔

دو بیٹھے بول

ہمیشہ بچے کو یہ احساس دلانے کہ تم بہت اچھے بچہ ہو۔ اس سے ان شاء اللہ وہ اپنے اندر اچھی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے گا اور اللہ کرے، اگر است بار بار ملے مآخذ احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۶۲

یہ کہا جائے کہ تم بہت سب کا ر اور تھے ہو بہت غراب بچے ہو۔ تمہارا تو کوئی گھر
 و حشک کا نہیں، تم انتہائی ضدی اور نالائق ہو تو وہ واقعی اس طرح بننے کی کوشش کرے
 گا کہ جب میرے کسی کام کی تعریف نہیں اور کچھ دے لے یا ہڈی مجھے برا سمجھ رہے
 ہیں تو کیوں نہ پھر میں وہی لکچر کروں، جو میرا دل چاہے اور وہی سب کچھ کر
 ہے، جو اس کے دل میں آتا ہے۔ اس لئے بچے کے اچھے کاموں پر اس کی تعریف
 کیجیے۔ اس سلسلے میں ہم ایک استاد و شاگرد کا سچا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ استاد کے
 پیٹھے بالوں سے بچے نے کتنی ترقی کر لی۔

ماسٹر شیر محمد اور ننھے سلمان کا ایک دور۔۔۔ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ انہوں نے تو
 ایک دوسرے کو دیکھا تک نہ تھا۔ دیکھتے بھی کیسے؟ جب ننھا سلمان پیدا ہوا تو ماسٹر
 شیر محمد کو فوت ہوئے کئی برس گزر چکے تھے۔ لیکن میرے واسطے سے ان دونوں کے
 درمیان غیر محسوس سا تعلق ضرور تھا۔ وہ اس طرح کہ ماسٹر شیر محمد مرحوم آج سے بچپن
 (۲۵) سال پہلے چوتھی جماعت میں میرے استاد تھے۔ چند سال بعد جب میں تعلیم
 سے فارغ ہو کر خود استاد بن گیا اور ایک مقامی اسکول میں دوسری جماعت کو پڑھانے
 لگا تو ننھا سلمان اسی جماعت میں میرا شاگرد رہا۔ کچھ کو تو ماسٹر شیر محمد میرے استاد
 تھے اور ننھا سلمان میرا شاگرد، لیکن اس استاد کی اور شاگردی کے درمیان کئی سالوں
 کے طویل فاصلے کے باوجود میں نے ان دونوں سے جو سبق سیکھا، وہ زندگی بھر مجھے
 یاد رہے گا۔

ننھا سلمان ایک کھاتے پیتے کھانے کا گولی منول صحت مند بچہ تھا، نہایت
 چست چالاک اور بے حد شریہ۔ شروع شروع میں اس کی شرارتیں بالکل مقصودانہ اور
 بے ضرر ہوتی تھیں، لیکن آہستہ آہستہ یہ بڑھتی گئیں اور بعض اوقات دوسروں کے
 لئے قدرے تکلیف کا باعث بننے لگیں۔ یہاں تک کہ سلمان کا وہ یہ میرے لئے
 ایک مسئلہ بن گیا۔ میری بار بار کی جھڑکیاں اور نصیحتیں سب اس پر بے اثر ثابت

ہوئیں۔ پھر بھی میں کسی نہ کسی طرح برداشت کرتا رہا۔ لیکن اس دن تو سلمان نے حد
 توڑ دی، اس نے پھولوں کا ایک کلمہ جان بوجھ کر توڑ دیا۔ چار پرکھی ہوئی ایک
 تصویر کو ایک تجزی کے ساتھ نیچے کر دیا۔ جب تفریح کی تھئی تھی اور لڑکے کا اس موسم
 سے باہر جانے لگے تو اس نے ایک کمرے کا دروازہ اس زور سے بند کیا کہ اس
 کے ایک ہم جماعت قبیل کی اگلی اس میں چلی گئی اور وہ دروازے کے پیچھے لگا۔
 سلمان کی یہ حرکتیں میری برداشت سے باہر تھیں۔ میں نے اس کو پتہ کر زور سے
 جھنجھوڑا اور مارج کر کہا۔

”سلمان! تم بہت بڑے لڑکے ہو۔ آج سارا دن تم بری حرکتیں کرتے
 رہے ہو۔“

سلمان پہلے بھی کئی بار مجھ سے جھڑکیاں کھینچا تھا، لیکن اس نے مجھے اس قدر
 غصہ ناک کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اس نے میری طرف دیکھا۔ وہ
 سخت خوف زدہ تھا۔ اس کی ٹیلی آنکھیں حیرت کے مارے تھیں گئی تھیں۔ کیا ایک
 اس کا ننھا جسم کا پتے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس نے اپنے ننھے
 ننھے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے اور سسکیاں بھرتے ہوئے بولا:

”جناب میں جانتا ہوں کہ میں بہت برا ہوں، لیکن کبھی کبھی میں اچھے
 کام بھی تو کرتا ہوں۔ اس وقت کوئی آنکس نہیں دیکھتا۔“

اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ دوسرے سب
 لڑکے جا چکے تھے۔ کسی نے اس کا انتظار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ کوئی بھی تو ننھے سلمان کا
 دوست نہیں تھا۔

سلمان کے رد عمل نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر
 جڑ لیا اور اپنی نگاہ پر بیٹھ کر کھوی سوچ میں غرق ہو گیا۔ میرے ذہن میں بار بار یہ
 سوال اٹھتا تھا کہ کیا سلمان کے ساتھ میرا وہ دوست ہے؟ تب میری یادوں کے

ورے بچے کھل گئے اور مجھے وہ دن یاد آیا، جب میں اپنے آبائی شہر میں سرٹ انڈوس سے سینہ دوسے اسکول میں چوتھی جماعت کا طالب علم تھا۔ اس دن میرے ساتھی طلباء چھٹی کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے، لیکن میں کا اس روم میں اپنے ڈیسک پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے بڑے استاد، مسٹر شیر محمد بھی میرے قریب ہی بیٹھے تھے۔ میرا دل بڑی طرح حرکت رہا تھا، کیونکہ اس دن صبح کو میں نے نہایت بڑی حرارت کی تھی۔ تفریح کے وقت مسٹر شیر محمد نے کھیل کے میدان میں ایک روپے کا نوٹ پڑ پایا۔ جس وقت یہ نوٹ انہوں نے زمین سے اٹھایا، میں ان کے قریب گواہ تھا۔ اس سے پہلے کہ دوسرے لڑکوں کو اس کا علم ہوتا، میں نے چھپ کر کہا:

”جناب! یہ نوٹ میرا ہے۔“

میں نے ایسا کیوں کیا؟ شاید اس لئے کہ میرے ماں باپ بہت غریب تھے اور مجھے جیب خرچ کے لئے کچھ نہیں دے سکتے تھے۔ ہر روز میں دوسرے لڑکوں کو بڑی حسرت سے اسکول کی دکان سے آنسکریم اور ٹافیاں خریدتے اور کھاتے دیکھتا تھا، لیکن اپنی جیب کو خالی پا کر منہ دوسری طرف پھیر لیتا تھا۔ ہاں تو استاد جی نے یہ نوٹ مجھے دے دیا، جسے میں نے جلدی سے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

لیکن مجھے یوں محسوس ہوا کہ نوٹ اچھل کر میری جیب سے باہر آ رہا ہے اور ہمارے پکار پکار کر کہہ رہا ہے: ”تم نے جھوٹ بولا۔ تم نے جھوٹ بولا۔“

میں تمہارا نہیں ہوں، میں تمہارا نہیں ہوں۔“

میرا بچہ چاہا کہ نوٹ کو جیب سے نکال کر باہر پھینک دوں اور استاد جی سے صاف صاف کہہ دوں کہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ لیکن دوسرے لڑکوں کے سامنے شرمندہ ہونے کا حوصلہ نہ پڑا۔ تفریح کے بعد کلاس میں شروع ہوئیں تو میں سارا وقت اکھڑا کھڑا رہا اور سہارا رہا۔ چھٹی کی گھنٹی بجی اور لڑکے اسکول سے جانے لگے تو استاد جی نے مجھے رک جانے کا اشارہ کیا۔ میں اپنے ڈیسک پر ہی بیٹھا رہا اور سب لڑکے

چلے گئے۔ اب استاد جی نے میری طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں محبت اور شفقت کا نور تھا۔ انہوں نے بڑی نرمی سے پوچھا:

”کیوں بیٹے کیا بات ہے؟ تم بہت پریشان دکھائی دے رہے ہو۔“

اب میرے غلط کاموں کا ذکر کیا۔ میری آنکھوں سے پپ پپ آنسو گرنے لگے اور میں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

”جناب وہ نوٹ میرا نہیں تھا۔ میں نے جھوٹ بول کر آپ سے لے لیا تھا۔ معلوم نہیں کیوں؟ شاید اس لئے کہ میں ایک برا لڑکا ہوں، بہت برا۔“

استاد جی نے بڑی محبت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا:

”بچے! تم نے یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ تم ایک برے لڑکے ہو؟ جو کچھ تم نے کیا، ٹھیک نہ تھا۔ تمہیں آئندہ ایسا نہیں کرنا چاہیے، لیکن تم ایک دیانت دار اور قابل استاد لڑکے ہو۔ برے ہرگز نہیں ہو۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھو۔“

ماسٹر شیر محمد کو اللہ بخشے، ان کے اس مشفقانہ رویے نے میری زندگی کا رخ متعین کر دیا۔ انہوں نے اس واقعہ کا ذکر نہ میرے والدین سے کیا اور نہ کسی اور سے، البتہ وہ مجھ پر پہلے سے بڑھ کر توجہ دینے لگے۔ جب بھی میں اچھے نمبر لیتا یا کوئی اور اچھا کام کرتا وہ مجھے شاباش دیتے، میری ہمت بندھاتے اور دوتا فوتا مجھے نقد انعام بھی دیتے۔ میں نے پھر کبھی بھی کوئی ایسی حرکت نہ کی، بلکہ خوب دل لگا کر پڑھا اور ہمیشہ درس گاہ میں اچھی پوزیشن حاصل کی۔ اس دن اگر استاد جی شیر محمد مجھے سزا دیتے اور بددیانت اور چور کہہ کر پکارتے تو شاید میں واقعی ایک برا لڑکا بن جاتا۔ اور پھر نہ ہی سوچوں کا دھارا اچھے انسان کی طرف پلٹ گیا۔ اس کا سہا ہوا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ آج یہ معصوم بچہ تو دو چٹھے بابوں کا بھوکا ہے۔

اگرچہ اس سے پہلے میں نے بھی اسے برا تو نہیں کہا تھا، لیکن علی بار دوم۔۔۔ انہوں
کے سامنے اس کو بھڑکا تو تھا۔ اس کو ذلیل کیا تھا، اس نے ٹھیک ہی تو کہا کہ اس نے
کسی اچھے کام پر کسی نے کبھی اس کو شاباش نہیں دی۔ ابھی جھپٹلے ہفتے ہی کا ذکر ہے
کہ وہ بلی کے ایک خوف زدہ بچے کو سینے سے لگائے گا اس روم میں آگیا تھا۔ جب
میں نے جیم لہجے میں اس سے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ تو اس نے ڈرتے ڈرتے
کہا: یہ سب چارہ مرگ پر ادھر ادھر دوزخ باقیہ میں ڈرا کہ اسے کوئی کار کچل نہ ڈالے
اس لئے اسے اٹھالایا ہوں۔

اس وقت ننھا سلمان بلی کے بارے میں بہت پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ یہ
اس کی ٹیکہ دہی تھی جو شاباش کی مستحق تھی، لیکن میں نے کیا کیا؟

اسے ڈانٹ کر کہا، جاؤ بلی کے بچے کو اسکول کے دفتر میں چھوڑ آؤ، اپنے ہاتھ
صاف کر کے کلاس میں واپس آؤ۔ میں نے دو تین مرتبہ سلمان کو کمرے میں داخل
ہونے سے پہلے اپنے جوتوں سے کچھ صاف کرتے بھی دیکھا۔ ایک دن میرے
سامنے اس نے ایک اچھا بھیک منگنے کو اپنی جیب خرچ کی ساری رقم دے دی۔ میں
نے کئی بار اس کو کمرے کا دروازہ بڑی آہستگی سے بند کرتے دیکھا تھا۔ کیا ایسے کسی
بھی موقع پر میں نے اس کو شاباش دی تھی؟ اس کی تعریف میں دو منٹے بول منہ سے
نکلے تھے؟

جواب نفی میں تھا۔

دوسرے دن تفریح کے وقت میں نے ننھے سلمان کو اپنے پاس بلایا۔ اس کی

پٹھ پر تھپکی دی اور کہا:

”سلمان! کل میں نے تمہیں ایک برا لڑکا کہا تھا۔ بھئی معاف کرنا! یہ

ٹھیک نہ تھا۔ تم بڑے لڑکے نہیں ہو، اگرچہ بعض مرتبہ تم اچھی حرکتیں نہیں

کرتے، لیکن میں نے تم کو اچھے کام کرتے بھی دیکھا ہے۔ مثلاً تمہارا

تھونا بھائی اس دن مانی کے لئے بھڑو رہا تھا تو تم نے چھوٹے بھائی کو
پوری مانی دے دی، اسی طرح جھپٹلے سال تمہارا مقصد اچھا تھا، اسی طرح
اگست میں پورے مہینے میں تمہاری کوئی غیر حاضری نہیں تھی۔ یعنی سچا تو
یہ ہے کہ تم حقیقتاً ایک بہت سی اچھے لڑکے ہو، شاباش ایسے اچھے اچھے
کام ضرور کرتے رہو۔ لیکن کل جو تم سے غلطی ہوئی، تھیل سے اس کی
معافی بھی مانگ لو۔ دیکھو یاد رکھو! ہماری شریعت میں شرک کے بعد
سب سے بڑا گناہ کسی کو سنا ہے، کسی کی آویٹنا ہے۔ ہرگز ایسا مذاق نہ
کرو جس سے کسی کو تکلیف پہنچے۔“

میری باتیں سن کر سلمان کا چہرہ چمک اٹھا اور اس کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ
آ گئے:

”جناب میں ہمیشہ اچھے کام کرنے کی کوشش کروں گا۔“

اس کے بعد میں نے سلمان کو اگلے اچھے کام کرتے ہی دیکھا۔ کبھی کبھار دو کوئی
شارت کر بیٹھتا تو اس کے ساتھ ہی مجھے ماسٹر فریڈرک یاد آ جاتے اور میں اسے علیحدگی
میں بلا کر پیار سے سمجھا دیتا۔ ہاں اب میں اسے جب بھی کوئی اچھا کام کرتے دیکھتا،
شاباش ضرور دیتا۔ کبھی ”دو تینچے بول“ بول کر، کبھی ٹکلی مسکراہٹ سے اور کبھی ہاتھ بالا
جدا کر۔ اور میرا یہ رویہ سلمان میں حیرت انگیز تبدیلی لے آیا۔ اس نے آہستہ آہستہ
ایسی شہرتیں بالکل چھوڑ دیں، جو دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث ہوں۔

اور پھر چند ہی سالوں میں سلمان اسکول میں ایک نہایت مخلص اور شریف
طالب علم کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا، جو ایک بہت اچھا کھلاڑی بھی تھا۔ جس
دن اس نے میٹرک کا امتحان دے کر بورڈ میں اول پوزیشن حاصل کی، میری خوشی کا
کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ آخر ”وو“ مجھے بولنا استاد کی دعاؤں کے ساتھ لگے لے ہی آئے
تھے۔

اندھیروں میں روشنی کی کرن ”مسکراہٹ“

مسکراہٹ زندگی کی نشانی ہے۔ مسکراہٹ اندھیروں میں روشنی کی کرن کی مانند نمودار ہوتی ہے۔ مسکراہٹ ایک خوبصورت نقطہ ہے، جو زندگی سے آشنا کرتی ہے۔ مسکراہٹ بظاہر ایک چھوٹا سا نقطہ ہے، لیکن اگر اسے پرکھا جائے تو بیش بہا خزانہ باہر آتا ہے۔ مسکراہٹ ایک ایسا جھن ہے، جو زندگی کی خوبصورتی کو بڑھاتا ہے اور لوگوں کو خوش کن بناتا ہے۔ مسکراہٹ کدورتوں کو دور کرتی ہے اور ان کی جگہ محبت بھرتی ہے۔ مسکراہٹ ہر قسم کے غم یا دکھ کو پروہ فراہم کرتی ہے اور اپنے پیچھے چھپاتی ہے۔ انسانی زندگی کے اتار چڑھاؤ کو ظاہر نہیں کرتی۔ مسکراہٹ زندگی کے اداس لحظات میں خوشی کا پیغام لاتی ہے۔ گویا مایوسی میں کرن ہی کرشمہ اور ہوتی ہے۔

مسکراہٹ انسان کو زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ مسکرانے کے لئے کسی نذرانے یا رقم کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ یہ ہر لالچ سے مبرا ہوتی ہے اور یہ نذرانہ غریب اور امیر شخص دونوں بغیر کسی تفریق کے دے سکتے ہیں۔ سچی مسکراہٹ ایک بے لوث دوست عطا کرتی ہے۔ مسکراہٹ ایسے جہن کی مانند ہے، جو ہر چیز پر خوبصورت نگاہ اور چہرے کا وقار بڑھائے۔ آج کل کے دور میں جب انسان ہر کسی کے سامنے زندگی کے شیبہ، فراز بیان نہیں کر سکتا اور زندگی کے دکھوں سے آشنا نہیں کر سکتا تو مسکراہٹ چہرے پر پروہ ڈال کر چہرے کے تمام اتار چڑھاؤ کو اپنے اندر جذب کر کے چہرے کو پرسکون بنا دیتی ہے۔

مسکراہٹ سے کی گئی بات کا اثر دیر تک قائم رہتا ہے۔ مسکراہٹ سے لوگوں کو فتح کیا جاسکتا ہے اور مسکراہٹ سے کسی بھی چیز کو جیتنا ممکن ہے۔ مسکراہٹ سخت سے سخت دل کو بھی موم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ واقعات و حادثات کو ہمارے لئے سازگار بناتی ہے۔ یہ اس چہول کی مانند ہے، جو دیر تک انسان کو معطر رکھتا ہے۔

مسکراہٹ چہرے کو چاند بناتی ہے اور دل کی پائنتگی کی گواہی دیتی ہے۔

مسکراہٹ اس اصول حقیقی کی مانند ہے جو زندگی کو چمکاتا ہے۔ مسکراہٹ انسان کے دکھ، تکلیف کے لحاظ میں ساقی کا کام دیتی ہے۔ مسکراہٹ امید عطا کرتی ہے اور زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ مسکراہٹ اس ستارے کی مانند ہے، جو اندھیری راتوں میں بھی عمل کر رہا ہے۔ لئے روشنی مہیا کرتے اور درست سمت کے انتخاب کے لئے ہماری مدد کرتے۔

مسکراہٹ کو اگر پرکھا جائے تو ہمیشہ بیش بہا خزانہ مل سکتا ہے۔ آج کے ہر ذہن معاشرے میں مسکراہٹ سے کام لے کر محبت کے جذبات کو فروغ دیا جاسکتا ہے اور معاشرے سے کدورت و ناگوار من و تاشی کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔

مہترم محمد طاہر نقاش صاحب اپنی کتاب ”بچوں کی تربیت کیسے کریں“ میں لکھتے ہیں کہ انسان کی صحت پر ذہنی و دماغی کیفیات کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ رنج و غم، فکر و الم انسان کی صحت کو دیر تک کی طرح پھٹ جاتے ہیں۔ جلد بوزخا ہو جانا، خودکشی کر لینا، پاگل ہو جانا جیسے امراض، ذہنی تشویش، دماغی دباؤ اور تقریرات کی کثرت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس فرحت و انبساط، خوشی و شادمانی، مسرت و لطف مزاجی انسان کی صحت پر اچھے اثرات ڈالتے ہیں۔

تفکرات اور رنج و غم انسانی صحت ہی پر برا اثر نہیں ڈالتے، بلکہ اخلاق و کردار میں بھی متعدد کمزوریوں کا باعث ہوتے ہیں۔ جہڑا پان، مغلوب الغضب، مایوسی و ہمدلی جیسے عیوب، رنجیدہ و طول رہنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب کہ شادمان و فرح حال، سب سے اعتدال و توازن، اہمیت و شجاعت، جرأت و خود اعتمادی ایسے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نوٹ، انواع مسائل کے ہجوم میں گھرے رہتے، اندام کی وجہ سے صحت مراحل سے نبرد آزما ہوتے، کبھی ایسوں کی نوازشیں بھی

غیروں کی سازشیں، مکر و خفایت مزاحمت اور خوش طبعی آپ سے کبھی جدا نہ ہوتی۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو سب اور توکل۔ وہ ایسے اخلاقی اوصاف عطا کئے ہیں کہ مؤمنین سخت سے سخت مہربانی میں بھی بدول اور شکست خاطر نہیں ہوسکتا۔ سب توکل مؤمن کے اندر ایسی جرأت و ہمت پیدا کرتے ہیں کہ سازگار حالات میں بھی ان کی چہرہ ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتی۔ قرآن نے تو مایوسی کو کھتر قرار دیا ہے۔

مست و شادمانی، لذت و انبساط کو اپنی زندگی کا شیعہ بنائیے۔ خود بھی خوش رہیے اور بچوں کو بھی خوش رکھیے۔ گھر کا ماحول ایسا بنائیے کہ کوئی بھی فرد کبیدہ خاطر نہ ہونے پائے۔ لڑائی جھگڑے کشمکش اور چپقلش سے گھر کے ماحول کو پاک صاف رکھیے۔ پریشانیوں کو خندہ پریشانی سے سمیٹیں۔ کھیل کود۔ سیر و تفریح مستطربست تعلیم و تربیت سے ماحول کو پر کیف اور مسرت آئینہ بنائے۔

کیا آپ نے نیت کر لی کہ اب گھر میں اور گھر سے باہر مسکراتے ہوں؟

جی ہاں کئی نیت اور پکاراؤ۔ ہم آپ کے ساتھ مسکرا کر ملنے۔

کیا آپ اس کا ثواب جاننے کی کوشش کریں گے؟

تو سن لیجئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لَا تَحْقِرُونَ مِنَ الصَّغِيرَاتِ شَيْئًا وَلَوْ أَنَّ ثَلَاثًا أَخْلَاكَ بَوَّحِيهٖ طَلِقَ كَرَامًا

ترجمہ: ”کسی بھی نیک کام کو حقیر اور کمتر مت سمجھو، اگرچہ کسی مسلمان بھائی کے ساتھ ہنس مکھ چہرے کے ساتھ ملنا ہی کیوں نہ ہو۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کے ساتھ ہنس مکھ چہرے کے ساتھ ملنا بھی نیکی ہے۔ اس کو حقیر اور کمتر نہ سمجھیں۔

لفظ مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء: ج ۳ ص ۵۰

اپنا مقام پہچانیے

آپ کو اللہ تعالیٰ نے دلدہا دیا ہے۔ یہ اللہ کا آپ کا بڑا احسان ہے۔ اس کا حق یہ ہے کہ آپ اپنے کی ایسی تربیت کریں کہ بیٹے و جو بھی ضرورت پیش آئے، پریشانی میں مبتلا ہو تو آپ اس کی مدد کریں، اسے تسلی دیں، اس کا یقین اللہ تعالیٰ سے بخاریں اور اس کی ذخائر بندھائیں۔ اسے اس بات کا احساس دلائیں کہ وہ عظیم نہیں۔ اس کا باپ اس کی سرپرستی کے لئے موجود ہے۔ بچے کو اس کی پریشانی کے وقت یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرائیں کہ پیسے سے کچھ نہیں ہوتا، تمام مسائل اللہ تعالیٰ کے حل کرنے سے حل ہوتے ہیں۔

لہذا اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں مانگو۔ صرف بیویوں سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے، اس بات کو خوب یاد رکھیے! اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیے کہ آپ کا اور بچے کا یہ یقین بن جائے کہ مسائل اللہ تعالیٰ ہی حل کرتے ہیں، پریشانیوں اللہ تعالیٰ ہی دور کرتے ہیں، بیماری کو شفا سے اللہ تعالیٰ ہی تیدیل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا نامہ جو ہے، وہ جب چاہے، جیسے چاہے، جس طرح چاہے، جس سے چاہے، جہاں سے چاہے وہ مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ہی مسائل کا حل کرنے والے ختم ہوں، مشکل کو آسان بنانے والے ہی ہیں، ناممکن کو ممکن بنانے والے ہی ہیں تو آپ کے ذمے باپ ہوتے ہوئے کیا حکم ہے؟

آئیے ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ (لیکن آگے پڑھنے سے پہلے دعا کر لیجیے اور سوئے تہا یہاں تک پڑھ کر کتاب بند کر دیں اور اچھی طرح غصہ کر کے دو رکعت نفل پڑھیں اور اللہ سے دعا مانگیے۔ ”اے اللہ! مجھے دین کی سبھی نصیب فرما، مجھے بحیثیت باپ کے بچے کی تربیت کا صحیح خود سے حق ادا کرنے والا بن اور مجھے حسن الخلق کی نصیب فرما۔“ یاد رکھیے کہ بیٹے کی زندگی کو بنانے کے لئے والد کو بہت ہی

صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔

اگر بچے کی کسی بھی حرکت سے باپ کو پشیمانی ہو تو تکلیف ہو تو عورتوں کی طرف فوراً آپ سے باہر نہ نکلیں، جذبات پر قابو رکھیں، اپنی ذمہ داری کو محسوس کیجیے، انبیاء علیہم السلام کا علم اور برداشت کے قلم نمونے سے بچہ کو ان کو سہ پنے، مستحقین امت کے محبت، ہمدردی، دل سوزی و لاجونی کے ساتھ لوگوں کی اصلاح کی فکر میں رہتے تھے۔

کوئی انبیاء و اہل بیت کے تربیت انسان کو کس جلد پر عمل سے گزارتی ہے؟ اگر کمائی پونے کچھ کر دیا میں سب سے مشکل کام کون سا ہے؟ تو اس کا جواب ہوگا تربیت کا کام۔ اس لئے کہ تربیت و مانع نچڑنے اور بڑیاں جلانے اور بڑیوں کا گودا کھلانے کا نام ہے۔ تربیت کے اجزائے تربیتی میں ضبط نفس، راتوں کی تہجد کے بعد آنسوؤں والی دعائیں، فرائض جو سبکی، صبر و شہادت، قوت برداشت، سماجی ذہن و فکر اور بچہ سوزی کے ساتھ مستکراہت شامل ہیں۔ تربیت اپنی آغوش میں ہمدردی و خیر خواہی، نصیحت و برداشت اور محبت کو پروار میں دیتی ہے۔

مرتبہ بھی کم نظر نہیں ہوتا۔

مرتبہ سب حوصلہ نہیں ہوتا۔

مرتبہ چڑچڑ نہیں ہوتا۔

مرتبہ بدخواہ نہیں ہوتا۔

مرتبہ کم نگو نہیں ہوتا۔

مرتبہ ظالم نہیں ہوتا۔

مرتبہ کو زندگی کا ہر لمحہ پل صراط پر سے گزر کر بسر کرنا ہوتا ہے۔ ذرا سا انحراف اور معمولی سی تغیر پل صراط کو غیر متوازن بنا کر اپنے مطلب اور مقصد سے بہت دور لے

جاتی ہیں۔ باپ کو ہر فرد کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ وسوسہ دہرا مندی اور ٹیہ خواہی کے جذبات سے محفوظ اور تلخ نگاہی اور سخت بیانی سے اتکا ہی دور اور تصور ہونا چاہیے جتنا مشرق و مغرب سے، کیونکہ مثالی باپ اپنی منزل آبشاروں سے ہو کر نہیں، کانٹوں اور پتھروں سے گزر کر حاصل کرتا ہے۔

مثالی باپ کسی سخت سے سخت منزل پر بھی کسی چٹان سے نہ نہیں پھوڑتا۔ جوئے رواں کی طرح اپنا رخ موڑتا اور راستہ بناتا ہے۔

یاد رکھیے! لائق اولاد کو لائق بنانے کے لئے جھکنا نہیں جاتا۔ جھڑکا نہیں جاتا۔ اسے بار بار، نوکا نہیں جاتا۔ اسے فٹیل نہیں کیا جاتا۔ اس کے دوم سے بھی نہیں بنوں کے سامنے رسوا نہیں کیا جاتا۔ اس کی حوصلہ شکنی نہیں کی جاتی۔ اس پر جھلے نہیں کئے جاتے۔ معاشروں میں اس کی ٹیہ نہیں کی جاتی بلکہ اسے دلیل اور چار کے ساتھ سمجھایا جاتا ہے۔ برائی کی نفرت اس کے دل و دماغ میں بٹھائی جاتی ہے۔ حکمت و محبت سے موقع تلاش کر کے اس کی ذہنی بازی کی جاتی ہے۔ راتوں کو اٹھ کر رو کر اس کی اصلاح کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ فرض نمازوں کے بعد اس کے لئے دعائیں کی جاتی ہیں۔ اس کے دوستوں کے ذریعہ اس کو سمجھایا جاتا ہے۔ بچپن سے اس کو اچھے دوستوں اور صحبتوں میں بٹھایا جاتا ہے۔ بری صحبت سے اس کو ایسے ہی بچایا جاتا ہے، جیسے شیر اور سانپ سے بچایا جاتا ہے۔ اس کی روحانی تربیت کے لئے ایسی ہی فکر کی جاتی ہے، جیسے جسمانی صحت کے لئے۔ اس کے اوقات کی ایسی ہی حفاظت کی جاتی ہے، جس طرح اپنی محنت سے کمائے ہوئے پیسوں کی۔ اس کے فارغ اوقات کی گڑی نگہ رانی کی جاتی ہے۔

یاد رکھیے! مثالی باپ کو قیامت کے روز اس کا اجر تو ضرور ملے گا کہ اس نے اپنے حسن کلام، ذاتی ایثار، اچھے کردار، قول حسن، قول لین (نرم

احساس ہوگا اور آپ کی باتوں سے اس کی فطرت اور شرمندگی دور ہوگی اور آپ کو وہ سب سے زیادہ اپنا محسن سمجھے گا۔

والہ ایسے موقع پر تصور کریں کہ اس وقت میں اپنا غصہ دباؤں کا تو اللہ تعالیٰ مجھے کتنے اجر دیں گے؟ میری جنت کتنی بڑی ہوگی؟ آخرت میں میرا مقام کتنا اونچا ہوگا؟

اس وقت شیطان اور نفس مجھے دھوکہ دے دیں تو گھر میں کتنا بڑا جھگڑا ہو سکتا ہے، بیٹے سے الگ، جھگڑا، بیٹے کی سسرال سے الگ، جھگڑا، اپنی اہلیہ اگر بیٹے کا ساتھ دے دیتی ہے تو مزید گھر میں پریشانیوں۔

لہذا دعا مانگیے کہ اللہ تعالیٰ میری شیطان اور نفس سے حفاظت فرمائے اور بیٹے سے کبھی کوئی فکر کی بات نہیں، صبح کا بھولا شام گھر واپس آ گیا تو وہ بھولا نہیں کہلا جا، بیٹا یہ پچاس ہزار یا پچاس لاکھ کا نقصان ہو گیا فکر نہیں کرو، ہمارے مقدر میں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ دوبارہ دے دے گا۔ یہ شکر کرو جان پر کوئی بلا نہ آئی، اپنا بیوی بچوں کو بھی تسلی دو، جو کچھ ہوا اس میں خیر ہوگی۔ اس طرح کہنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ نہ صرف بیٹا، بلکہ بہو، اور بیٹے کی سسرال یا بیٹے کے دوست، سب ہی آپ کے گرویدہ بن جائیں گے۔ آپ کی موت کے بعد بھی آپ کی یہ نیکیاں ان کی پیشانیوں پر ہمیشہ لکھی رہیں گی اور وہ ہمیشہ آپ کے لئے دعا میں کرتے رہیں گے۔

اسی طرح بیٹے بیٹیوں کے رشتوں میں کسی حد تک پابندی ضرور کریں، لیکن اس میں بھی آمریت نہ ہو، بلکہ کسی کا رشتہ جہاں بھی کرنا مطلوب ہو، پہلے بیٹا بیٹی اور ان کے بھائیوں بہنوں سے رائے ضرور لیں۔ اگر چہ چند یہی عسوس کریں تو وجہ پوچھوائیں، اگر کوئی معقول وجہ سامنے آئے، تو پھر خند نہ کریں۔ اگر کوئی معقول بات نہ ہو تو انہیں حکمت و لہجہ سے سمجھائیں، انہیں سوچنے کا موقع دیں، ان کو چند رشتوں میں چٹاؤ کا اختیار دیں، اس کے بعد کوئی قدم اٹھائیں اور اگر بار بار

اس کے بار بار نہ مانے اور اپنی مرضی سے کچھ کر لیں اور کچھ مرنے بعد کوئی خطرناک صورت حال کا سامنا ہو، مرنے بیٹی دلاؤ سے ناراض ہو کر گھر آئیے، بیٹا اپنی بیوی کو گھر سے نکال کر نیکے تھوڑے آگے تو ہمت اور صبر سے کام لیتے ہوئے معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کریں۔ یہ نہیں کہ باتیں سنائی شروع کر دیں۔

کر لی اپنی مرضی، اب جھگڑو۔ اگر میرا بتایا ہوا رشتہ قبول کر لیتے تو آج یہ من نہ دیکھتے۔ ہمیشہ سے سمجھا تا رہا تھا کہ باپ کی بات مان لو، کبھی بھی تم نے میری نہ مانی۔ تم بھی ایسے اور تمہاری ماں بھی ایسی۔ یہ تمہاری ماں نے تو تم کو بگاڑا ہے۔ میری موت پر پانی بھیر دیا، خاندان میں تم لوگوں نے مجھے بدنام کر دیا، وغیرہ۔

اسی طرح کے جملے نوٹنے ہوئے دلوں کو مزید تولا سکتے ہیں، بھوکونی پریشانی کو بڑی پریشانی بنا سکتے ہیں، بیٹے اور بیٹی کی سوچتی کبھی بیوی پریشانی ختم کرنے کی تدبیر کو مایا میت کر سکتے ہیں، اولاد اور اہلیہ کی ضیعت مزید خراب کر سکتے ہیں۔ سوچئے! ایک آئی ہوئی مصیبت کو ختم کرنے کے بجائے آپ دوسری مصیبت پیدا کر رہے ہیں۔

ایسے وقت میں اپنی پوری کوشش کریں کہ یہ بندھن نہ ٹوٹنے پائے۔ اگر بیٹا ہے تو اس کے سسرال والوں سے، اگر بیٹی ہے تو اس کے سسرال والوں سے خضوع و ادب میں مذاکرات کریں۔ فریقین کو اپنی فطرتی احساس وائیں اور صلح کی تدابیر بتائیں اور سب سے بڑھ کر راتوں کو انھیں کریم الرحماء اور کریم انکرماء کی بارگاہ میں گزرا کر دعائیں مانگیں کہ اللہ تعالیٰ اس رشتہ کو جوڑے رکھے اور ان کی نسلوں کو خوشنواں ماحول میں پروان چڑھنے والا بنادے۔

آخر میں ایک گزارش یہ کہ بچپن ہی سے گھر میں ایسا ماحول بنائیں، جب بچے بڑھتے ہوں، اس وقت اگر کسی بچے سے باوجود بار بار کھانے کے اگر کوئی غلطی ہو جائے مثلاً بار بار منع کرنے کے باوجود سانگل چلانے سے باز نہیں آ رہا اور بے

چارہ لکھ گیا اور چوتھی۔ اب جناب کی زبان فوراً چلنے لگی۔ دیکھ لیا ہمارا مانی کا نتیجہ اور پلاؤ سناٹا۔ اب خبردار جو روئے وغیرہ اب میرے پاس تمہاری دواؤں کے پیچھے نہیں ہیں۔ یا لہذا سے کوئی مشعل خریدتی ہوگی، یا معصوم بچے نے سر میں تیل زیادہ ڈال دیا، یا بالائی میں لٹکی زیادہ ڈال دی تو والد کا یہ کہنا: اسے تیل مفت آ رہا ہے یا چینی فری آتی ہے؟ میرے باپ کے فوٹوں کی پر لیس چل رہی ہے؟

توپ۔ توپ۔ ہرگز والد کے لئے یہ الفاظ مناسب نہیں، یہ گندے الفاظ ہیں، یہ بدبو والے الفاظ ہیں، یہ برے الفاظ ہیں۔ ہرگز والد محترم کی زبان پر یہ نہ آئیں۔ ایسی باتیں ایک مسلمان باپ کو زیب نہیں دیتیں۔ دیکھئے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تھے تو حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک اسٹ کے کچلے ہوئے رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی کہ دیکھ لیا، کفار نے میری بات نہ مانی، اب جھکتیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو معاف کر دیا اور اعلان فرما دیا: "لَا تَقْرِبُ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ" آج کے دن تم پر کوئی سختی نہیں۔

باپ بھی ایسا ہی شفیق ہو اور سمجھانے کے باوجود غلطی کرنے پر طعنہ نہ دے۔ بلکہ پیار و محبت سے سمجھائے تاکہ والد کی محبت اولاد کے دلوں میں رچ بس جائے۔ غور فرمائیے! آپ اور ہم کس نبی کے امتی ہیں؟ ہمارے نبی تو رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ہم اور آپ کم از کم "رَحْمَةُ الْاَوْلَادِ" تو بن جائیں۔ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ والوں نے اتنی تکلیفیں پہنچی تھیں، جب وہی نبی فاتح بن کر آتا ہے تو کسی نے آواز لگائی: "الْیَوْمَ یَوْمَ الْمُلْحَمَةِ"۔

آج تو گوشت کا دن ہے یعنی کفار مکہ کے خون بہنے کا دن ہے تو ہمارے نبی

۱۔ حیاۃ الصحابہ (عربی): ج ۱ ص ۱۸۰ ویرت الہی: ج ۱ ص ۳۰۰
۲۔ سیرۃ النبی: ج ۱ ص ۲۹۷

علیہ السلام نے آواز لگائی: "الْیَوْمَ یَوْمَ الْمُلْحَمَةِ" آج تو رحمت کا دن ہے۔" اور فرمایا: جیسے میرے بھائی یوسف نے اپنے سب بھائیوں کو معاف کر دیا تھا یہاں جو اس کے کہ بھائیوں نے تنوں میں پھینک دیا تھا، اور کبریٰ کے خون سے کرتا رنگین کر کے والد کو کہا کہ یوسف کو بھینسے نے لکھا یا ہے۔ جب یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ بنے تو بھائیوں کو فرمایا:

لَا تَقْرِبُ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ بِیْغُورِ اللّٰهِ لَکُمْ د وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ

تم کبھی اور مت، اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اسی طرح آج میں بھی اپنی سب تکلیفیں بھلا کر معاف کرتا ہوں۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانی دشمنوں کے لئے اعلان فرمایا: "مَنْ اَغْلَقَ بَابَهُ فِیْہِمْ اَمِنْ وَمَنْ اَفْتَقَى بِسَلَامَتِہِمْ فِیْہِمْ اَمِنْ وَمَنْ دَخَلَ دَارَ اٰہِیْ سَفِیْانٍ فِیْہِمْ اَمِنْ"۔

جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، وہ امن میں ہے۔ جو اپنا اسمہ پھینک دے، وہ امن میں ہے۔ جو اوسیان کے گھر میں داخل ہو جائے، وہ امن میں ہے۔ ہم اور آپ ایسے شفیق اور مہربان نبی کے امتی ہیں۔

لہذا حوصلہ بڑھائیے، ہمت رکھیے۔ اولاد کو بڑی سے بڑی غلطی پر ندامت ہو جائے تو معاف کر دیجیے۔ سمجھائیے ضرور، لیکن سمجھانے میں غصہ استہزاء نہ ہو۔ ذلیل کرنا نہ ہو۔ تسلی دینے سے گریز نہ کریں۔ اور خود اپنی غلطی کا بھی احساس کیجیے کہ ہم خود اتنی غلط کرتے ہیں کہ جب پانی سر سے اوپر چڑھ جاتا ہے پھر غصہ کرتے ہیں۔ اور

۱۔ سورۃ یوسف آیت ۹۲
۲۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب فتح مکہ، ج ۲ ص ۱۰۲

روزانہ سو مرتبہ ورد شریف کی و شام ہتھم سے پڑھیکے، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کا دل نرم ہو جائے گا۔

مثالی باپ بننے کے لئے نبوتِ محمدی ہے کہ آپ کو اولاد کی طرف سے ملنے والی تکالیف پر، ان کی دانستہ یا غیر دانستہ نامناسب حرکات پر، ان کی چھوٹی معنی شراوتوں پر، ان کی جفائی پر صبر کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور اولاد کے لئے رحم و مہلت مانگنی ہوگی اور غم نہ ہوگا کہ اللہ پر حسب بھی اولاد کی طرف سے کوئی تکلیف درپیش ہو تو چار کام کریں۔

① سب سے پہلے تو انہیں دل سے معاف کر دیں اور زبان سے اس کا اظہار بھی مناسب ہو تو کر دیں، کیونکہ باپ کو تلافی دے کر تو انہوں نے خود کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق بنا ہی لیا، اگر آپ نے انہیں معاف نہ کیا تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں معاف نہیں کرے گا اور ان سے ناخوش رہے گا۔ پھر ظاہر ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو، اس سے دنیا و آخرت میں کیا جہاد کی ضرورت ہوتی ہے؟ لہذا اس کی دنیا و آخرت دونوں برباد نہ ہوں، اس لئے آپ اسے فوراً دل سے معاف کر دیں۔

② اس کے بعد اپنی اولاد کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں یعنی صرف یہ نہیں کہ ان کی دینی تکالیف پر صبر کیا، ان کی خطاؤں کا ان سے انتقام نہ لیا، ان کی ایذاؤں پر بھی ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ رکھا اور ان کو معاف کر دیا۔ بلکہ ان کی خیمہ خواہی بھی نہ چھوڑیں اور اپنے دل میں ان کے دین و دنیا کی درستگی کی فکر رکھیں اور چونکہ سب سے بڑی خیمہ خواہی ان کی آخرت کی درستگی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لئے ان کی بخشش کی دعا بھی مانگیں۔

③ پھر آخر میں اولاد کی عملی تامل و تفتیش کے لئے آمید و بھی ان سے مشورہ کرنے کا اہتمام کیجیے۔ یعنی ان کی اس غلطی کرنے سے پہلے جیسے آپ چھوٹے بڑے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے، اب بھی وہی سلسلہ جاری رکھیں تاکہ ان کے

ذہن میں یہ بات بندھ جائے کہ ہمارے والد اور ہمارے مرنے کے قبل میں ہماری طرف سے مکمل ناکامی ضرور بھی نہیں ہے۔ اب بھی ان کے دل میں ہماری خیر خواہی کا جذبہ تازہ ہے، جتنا پہلے تھا۔

④ امید رکھیے! مایوس بھی نہ ہوئیے، والد کی محنت اور دعا بعض اوقات برسہا برس میں اولاد کی ہدایت کا سبب بن جاتی ہے۔ بعض اوقات والد کے اچھال کے بعد اولاد ہدایت کا راستہ اختیار کر لیتی ہے۔ والد کی دعا ضرور رنگ لاتی ہے، اللہ تعالیٰ سب کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ بچوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے ان کو تعلیم یافتہ اور ماہر، سمجھدار، فرمانبردار بنانے کے لئے والد کی محنت اور دعا ضرور رنگ لاتی ہے، چاہے دیر سے ہو۔

نیک والد کی اپنے بیٹے کو وصیت

یوں تو ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہیے کہ اپنی وصیت ضرور لکھ کر رکھے، انسان کی موت کا کوئی بھروسہ نہیں، پتہ نہیں کس وقت باروا آجائے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کے حقوق رہ گئے ہوں، کسی کا قرض رہ گیا ہو، اور موت آجائے اور ان کا قرض بڑے باقی رہے۔

وصیت کرنا ایسا مبارک عمل ہے کہ اکثر نامرمان اولاد بھی باپ کے انتقال کے بعد اس کی وصیت پر ضرور عمل کرتی ہے۔ وصیت کرنے کی احادیث مبارکہ میں تاکید آئی ہے۔ حدیث شریف میں اس کی فضیلت کے متعلق فرمایا:

”جو شخص وصیت کر کے دنیا سے گیا، وہ سیدھے راستے پر اور سنت والے راستے پر دنیا سے گیا اور تفتیش اور شہادت پر مبرا اور مغفرت کی حالت میں دنیا سے گیا۔“

وہیت لکھنے کا تفصیلی طریقہ

① احکام و ہیئت - تالیف حضرت ڈاکٹر عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

② طریقہ و ہیئت - مؤلفہ علامہ بدرہہ ہیئت العلم کاشن اقبال کراچی۔

ان دونوں کتابوں میں مذکور ہے۔ ان کو پڑھ کر اپنی وصیت لکھی جاسکتی ہے۔ اب (The will) کے نام سے اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس میں مردوں، عورتوں، علماء، عوام سب کے لئے تفصیلی طریقہ وصیت لکھا ہوا ہے، لیکن کچھ ہمتیں، انجمنوں کی شکل میں ہوتی ہیں، وہ بھی لکھ کے ذمہ دار والد، والدہ، تایا، ماموں، وغیرہ کو اپنے چھوٹوں کو کرنی چاہئیں۔

لہذا مندرجہ ذیل شخصیتیں غور سے پڑھیں اور بچوں کو بھی کر سائیں اور چھوٹے بچوں کو زبانی یاد کروائیں۔ ایک بزرگ نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: اے پیارے بیٹے! میری وصیت کو یاد رکھنا، سعادت مندانہ زندگی پائے گا اور شہادت کی موت پائے گا۔ اے بیٹے! جو شخص اپنی قسمت پر قناعت کرتا ہے، وہ بے نیاز رہتا ہے اور جو دوسروں کی ملکیت کی جانب آنکھ اٹھاتا ہے، وہ حالت فقر میں مرتا ہے اور جو اس چیز پر راضی نہیں ہوتا جو اللہ نے اس کی قسمت میں رکھ دی ہے تو کوئی وہ نقصان دہی کو متحمل کرتا ہے اور جو شخص اپنے قصور کو کم سمجھتا ہے، اس کو دوسروں کے قصور بڑے نظر آتے ہیں اور جو شخص اپنے قصور کو بڑا سمجھتا ہے، اس کو تیرہ دن کے قصور معمولی نظر آتے ہیں۔ جو شخص دوسروں کی پردہ دری کرتا ہے، اس کے گھر کے پردے کھل جاتے ہیں اور جو شخص بغاوت کی تلوار سونپتا ہے، وہ اسی تلوار سے قتل ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کے لئے کٹواں کھوتا ہے، وہ خود اس میں کھرتا ہے۔ جو شخص بے وقوفوں سے ملتا ہے، وہ بے وقعت ہو جاتا ہے اور جو اہل حق علماء کی صحبت میں رہتا ہے، وہ با وقعت ہو جاتا ہے۔ جو شخص برائی کے مواقع پر جاتا ہے، وہ متہم ہو جاتا ہے۔ اے میرے بیٹے! ہمیشہ حق کو خواہ تمہارے موافق ہو یا مخالف۔ اپنے

کو چھل خوری سے دور رکھو، اس لئے کہ چھل خوری لوگوں کے دلوں میں بغض و عداوت پیدا کرتی ہے۔

حضرت عقبہ بن نافع قرظی صحابی ہیں، جو افریقہ میں شہید ہوئے۔ انہوں نے اپنے لڑکوں کو آخری وقت میں تین باتوں کی وصیت کی تھی:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صرف شد آدی سے قبول کرو۔

② قرضہ نہ لینا، اگرچہ کمبل پوشی کرنی پڑے۔

③ تم میں سے کوئی شخص اشعار نہ کہے، جو قرآن سے غافل کر دیں۔

حکم ربانی کو بیٹے کی محبت پر ترجیح دینا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات حدیث میں یہ بات واضح ہے کہ انہیں اپنی اولاد سے بہت پیار تھا، لیکن اولاد سے ان کی محبت، اللہ تعالیٰ کی محبت پر غالب نہ تھی کہ احکام الہیہ کی تعمیل میں رکاوٹ بن جائے۔

درج ذیل دو واقعات پڑھیے:

①..... شیر خوار لخت جگر کو بچر اور ویران وادی میں چھوڑنا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام و فرزند حسان فرمایا، پھر انہیں حکم دیا کہ اپنے اور اس کی والدہ کو ایسی وادی میں چھوڑ آئیں، جہاں نہ کھیتی تھی، نہ پانی اور نہ ہی کوئی انسان۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اولاد سے شدید تعلق اور پیار کے باوجود اپنے رب تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل بلا پیوں، چراغ کی۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لَمَّا جَاءَ بَيْنَا اِبْرَاهِيمَ وَبَيْنَا اِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَهِيَ

سُحُورُ الْفَرْدِ کی دس گاہیں ص ۲۳۳

تَوَضَّعَ حَتَّى وَضَعَهَا عِنْدَ أَلْتِ عِنْدَ دُوحَةٍ لُفُوقِ إِمْرُؤَ قَيْسٍ
أَعْلَى الْمَسْجِدِ، وَلَيْسَ بِسَجَّةٍ يُؤْمِنُ أَحَدٌ، وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ
فَوَضَعَهَا ذَلِكَ، وَوَضَعَ عِنْدَهَا جِرَافًا فِيهِ قَنْزٌ وَسَقَاءٌ فِيهِ مَاءٌ
ثُمَّ قَفَى إِبْرَاهِيمَ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَمَطْلَقًا

فَسَعَدَ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَقَالَتْ: يَا إِبْرَاهِيمُ! أَيْسَ
نَدَّهْبٌ وَلَمْ تُرَكِّبْ بَيْنَهُ الْوَادِي الَّذِي لَيْسَ فِيهِ أَيْسٌ وَلَا شَيْءٌ؟
فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ مَرَارًا، وَحَعَلْ لَا يَلْنُهَا إِلَيْهَا، فَقَالَتْ لَهُ:
"إِنَّ اللَّهَ أَمَرَكَ بِهَذَا"

قَالَ: "نَعَمْ"

قَالَتْ: "إِذَنْ لَا يَضِيقُنَا

ثُمَّ رَجَعَتْ"

تو چھڑا: "پھر ابراہیم علیہ السلام اس (ام اسماعیل) کو اور اس کے بیٹے
اسماعیل علیہما السلام کو لے آئے، اور وہ (ان دونوں) انہیں دودھ پلا رہی
تھی، اور ان دونوں کو بیت اللہ کے پاس ایک بڑے درخت کے نیچے
بٹھا دیا، (اور) وہ جگہ (اب) مسجد کے بالائی حصہ میں زمزم کے اوپر
ہے، اور جب مکہ میں کوئی نہ تھا، اور نہ ہی وہاں پانی تھا، انہوں نے ان
دونوں کو اسی مقام پر چھوڑا اور ان کے پاس کھجوروں کا ایک تھینا اور ایک
پانی کا مشکیزہ چھوڑا اور خود واپس کا رخ کیا۔

ام اسماعیل علیہما السلام ان کے پیچھے چلیں۔ اور کہنے لگیں: اسے
ابراہیم علیہ السلام! "آپ ہمیں اس وادی میں کہ اس میں نہ تو کوئی اُس
رکھنے والا ہے اور نہ ہی کوئی اور چیز، چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟"

انہوں نے یہ بات (پکار پکار کر) متعدد مرتبہ دہرائی، لیکن ابراہیم
علیہ السلام نے ان کی طرف دیکھا تک نہیں۔ آخر انہوں نے آپ (علیہ السلام)
الذی علی نے آپ، ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

انہوں نے جواب میں فرمایا: "ہاں۔"

انہوں نے کہا: "پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔"

پھر وہ واپس لوٹ گئیں۔

ایسے حالات میں حکم الہی کی تعمیل کچھ آسان بات نہ تھی۔ انہوں نے انہیں اور شہر
مرتبہ تھا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جیسے کہ پیار پر اپنے مالک اللہ رب
العزت کے حکم کو ترجیح دی۔

سب جانتے ہیں کہ سہمی کے عالم میں ملنے والے نور چشم سے بڑے والد کا
بلاؤ کس قدر ہوتا ہے۔

(الف) حضرت اسماعیل علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اول تھے،
اور والد کے پہلے ہی بچوں کی محبت کی باتوں پر گرفت سے خوب آگاہ ہیں۔

(ب) حکم الہی صرف یہ نہ تھا کہ نور نظر کو اپنی نگاہوں سے دور کر دے، گوشت جگر سے
جدائی اختیار کر دے، اور نہ ہی اسی حکم کی تعمیل سینے میں باپ کا دل رکھنے والے کے لئے
آسان نہیں، لیکن حکم تو یہ تھا کہ مرد نظر اور راحت جان کو ایسی جگہ پر چھوڑ کر آؤ
جہاں نہ کھیتی ہے، نہ پانی، نہ انسان، اور نہ ہی کوئی اور چیز۔

(ج) فرزند کو ایسے مقام پر چھوڑنے کا حکم بننے کی قوت، طاقت اور جوانی کے
لحائے میں نہ تھا، بلکہ وہ ان کی کمزوری کا زمانہ تھا کہ تب وہ شیر خوار بچے تھے، اور
اسی حالت میں ننھے ننھے پیارے اور نازک بچوں کو ویران اور بے آب و گیاہ وادی
میں چھوڑنے کا تصور، والدین کے جسموں پر کچلیں طاری کرنے کے لئے کافی
تھا۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زوجہ محترمہ اسمائیل علیہا السلام کے ہمراہ بار بار گھرانے کے باوجود ان کی طرف اور اپنے نور اللہ کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ انہیں ایسا نہ ہو کہ شفقت چڑی میں غفاری آئے اور وہ عمر الہی کی تعمیل میں رکاوٹ بن جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔^۱

بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے مستعد ہونا:

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام اس عمر کو پہنچے کہ کام کاج میں اپنے بوز سے والد ماجد حضرت ابراہیم کا ہاتھ دیا سکیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انہیں ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت خلیل علیہ السلام شفقت چڑی کو بلائے ملحق رکھتے ہوئے عمر ربانی کی تعمیل کے لئے فوراً آمادہ ہوئے۔ ان کی اس عظیم اور بے مثال قربانی کا ذکر درج ذیل آیات کریمہ میں اللہ رب العالمین نے فرمایا ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَسَىٰ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ
فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمِرُ ۚ سَمِعْتُكَ إِذْ شَاءَ
اللَّهُ مِنَ النَّصُورِ ۚ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۚ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ
يَا بُرَاهِيمُ ۚ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَفَّلُكَ نَجْرَى الْمُنْحَسِرِينَ
ۚ إِنَّ هَذَا لَبَوَّاءُ النَّسِينِ ۚ وَفَدَيْنَاهُ بِذَنْبِ عَظِيمٍ ۚ
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۚ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۚ كَذَلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۚ
ترجمہ: ”جب وہ (بچہ) اس کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو
اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا: ”اے میرے چھوٹے بیٹے! میں

۱۔ ماخذہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بحیثیت والد: ص ۹۱

۲۔ سہ ماہی: آیت ۱۱۱

خواب میں تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، اب تو بتا کہ تیری رائے کیا ہے؟“ اس نے جواب دیا: ”اے میرے باپ! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو بجالائیں۔ ان شاء اللہ آپ مجھے ہم کرنے والوں میں پائیں گے۔“

جب وہ دونوں مطیع ہو گئے (یعنی عمر الہی کی تعمیل کے لئے مستعد ہو گئے) اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل چھوا دیا تو ہم نے اس کو آواز دی: ”اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ بے شک ہم تنگی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔“

درحقیقت یہ بہت بڑی آزمائش تھی اور ہم نے اس (اسماعیل علیہ السلام) کے بدلے میں بہت بڑی قربانی دے دی۔ اور تمام آنے والے لوگوں میں اس (عظیم اللہ) کا ذکر باقی رکھا۔ ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہو۔ ہم اسی طرح تنگی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھا۔“

آیت کریمہ میں ایک قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کام کاج کی صلاحیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾

ترجمہ: ”یعنی وہ اپنے باپ کے ساتھ ویش کرنے کے قابل ہو گیا۔“
اور اس پر اکتفا نہیں کیا کہ:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ السَّعْيَ﴾

ترجمہ: ”وہ کوشش کرنے کے لائق ہو گیا۔“

علامہ ربیع بن خثعمی نے اس اضافے کی حکمت بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے ساتھ وہ سب کام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ شفقت کرنے

اور میں جاننا ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے بیٹے کو اسی وقت اپنے ساتھ کام پر لے گیا کہ جب اس میں کام کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوگی۔ وہ اسے لوگوں کا عالم پر بھی نظر نہ کرے گا۔ کام لینا ہی ہوگا ہے، کام کرنے والے میں خود استعداد اور استعداد کا دل دیا ناقص۔

اور یہ بات تو معلوم ہے کہ استعداد اور استعداد والے اپنے میں باپ کی رفعت اور اس کے لئے محبت عام طور پر دیگر چوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں رقم فرمایا ہے: یعنی اس عمل کو پہنچ گیا کہ اسی اور خوشی کے قریب ہو گیا، اور اس امر کا پلہ عالم والدین کو بہت پیارا ہوتا ہے۔ کیونکہ اب اس کے باوجود اپنے کارنامہ ختم ہو جاتا ہے اور والدین کے بوجہ اٹھانے کا اور شروع ہوتا ہے۔

اس فرزند جلیل میں اللہ تعالیٰ نے دیگر اوصاف کے ساتھ ایک ایسی خوبی و رحمت کر دی تھی، جو بڑے باپ کے ساتھ اس کے تحقق اور محبت کو وہ پسند کر دیتی ہے، اس خوبی کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں ہے:

﴿فَبَشِّرْهُ بِذُرِّيَّتٍ حَلِيمٍ﴾

تَرْجُمہ: ”تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔“

اور بڑے باپ میں بردبار بیٹے کی قدر و منزلت، اس نعمت سے محروم ہونے والے میں خوب ہائے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبح کرنے کے لئے بیٹے کو پیشانی کے بل بچھاڑنے کے بعد بیٹے نے یہ تجویز پیش کی کہ ان کی قمیص اتار لی جائے تاکہ انہیں

ملہ الکشاف: ج ۳ ص ۳۲۷

ملہ ملاحظہ ہو تفسیر السعدی: ص ۷۷

ملہ سورہ صافات آیت ۱۰۱

درست حدیث

اس میں اتار دیا جائے، کیونکہ قمیص اتارنے کے لئے وہاں اور وہی کپڑا موجود نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے قمیص اتارنے کے لئے لپکے۔

اللہ اکبر! یہ مرحلہ کتنا کٹھن اور دشوار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿إِنَّ هَذَا لَيَوْمَ الْبَلَاءِ الْمُبِينِ﴾

تَرْجُمہ: ”اور حقیقت یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔“

اور حضرت علیل الرحمن علیہ السلام اس میں صبر و استقامت کا پہاڑ ثابت ہوئے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامَ لَمَّا أُمِرَ بِالسَّنَائِلِ عَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ

عِنْدَ الْمَسْعَى، فَمَسَاغُهُ، فَسَقَهُ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، ثُمَّ ذَهَبَ بِهِ

جَبْرِائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى جَسْرَةِ الْعَقْبَةِ، فَعَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ، فَرَمَاهُ

سَبْعَ حَصْبَاتٍ، وَنَمَّ ثَلَاثًا لِلْحَيِّنِ، وَعَلَى إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

قَمِيصٌ أَبْيَضٌ وَقَالَ: يَا أَبَتُ! إِنَّهُ لَيْسَ لِي نَزَبٌ تَكْفُنُنِي فِيهِ

غَيْرُهُ، فَاخْلَعْنِي حَتَّى تَكْفُنَنِي فِيهِ“ فَعَالَجَهُ لِيُخْلَعَهُ، فَوَدَّى مِنْ

خَلْفِهِ: إِنَّ يَابْنَ إِبْرَاهِيمَ! قَدْ صَدَقْتَ الرُّؤْيَا.

فَأَلْفَمْتُ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِذَا هُوَ بِكُمِشٍ أَبْيَضٍ أَقْوَنَ

أَعْيُنَ

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: ”لَقَدْ رَأَيْتَا بَيْعَ هَذَا

التَّصَرُّفِ مِنَ الْعِبَادَةِ“

ملہ سورہ صافات: آیت ۱۰۵

ملہ المسند رقم: ۲۷۰۷، ج ۳ ص ۲۳۸

درست حدیث

تو بھگت: ”جب ابراہیم علیہ السلام کو منہ رک (جج) کا قہقہہ دیا گیا تو سہمی کی جگہ میں شیطان ان کے سامنے آیا، اور اس نے ان کے ساتھ دوز لٹائی، لیکن ابراہیم علیہ السلام اس پر بہتت لے گئے۔ پھر جہنم علیہ السلام انہیں ہمہ متبہ کے پاس لے گئے۔ تو شیطان (بچہ) ان کے سامنے آیا۔ انہوں نے اس کو سات کنکریاں ماریں اور وہ چٹا کیا (بچہ) جہنم وسطیٰ پر ان کے سامنے آیا تو انہوں نے اس کو سات کنکریاں ماریں اور اس مقام پر انہوں نے اس (اپنے بیٹے) کو پیشانی کے بل پھینکا دیا۔ (تب) اسماعیل علیہ السلام نے سفید قمیص (پہن رکھی تھی، انہوں نے عرض کی: ”اے میرے باپ! آپ کے مجھے گفتا نے کے لئے میرے پاس اس قمیص کے سوا اور کوئی چیز نہیں، آپ اس کو اتار لیجئے تاکہ آپ مجھے اسی میں گفتا سکیں۔“

دو قمیص اتارنے کے لئے تیار ہوئے اور انہیں پیچھے سے آواز دی گئی: ”اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔“

ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو وہاں ایک سفید رنگ کا سیلوں اور موٹی آنکھ والا مینڈھا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ”یقیناً ہم نے اپنے آپ کو دیکھ کر ہم اسی قسم کے مینڈھے خریدتے ہیں۔“

بچے کے دل میں اللہ کے ذکر کی اہمیت بٹھائیے

ابوالعباس بن مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں میں تھا۔ وہاں میں نے ایک ماہی گیم کو دیکھا کہ وہ دریا کے ساحل پر بیٹھا مچھلیاں پکڑ رہا ہے اور اس کے ایک طرف اس کی چھوٹی لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ جب

بھی وہ مچھلی پکڑ کر زمین پر ڈالتا ہے تو اس کی لڑکی اس کو پکڑ کر اپنے باپ کی بے خبری میں دریا میں ڈال دیتی ہے۔ جب اس ماہی گیم نے پیچھے مڑ کر یہ دیکھنا چاہا کہ کتنی مچھلیاں روئیں! تو دیکھا کہ تھیلہ بالکل خالی ہے۔ اس نے لڑکی سے پوچھا کہ بیٹی وہ مچھلیاں کہاں گئیں؟ بچی نے جواب دیا کہ ابا جان! میں نے آپ کو ہی کہتے ہوئے سنا تھا کہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

”مچھلی جال میں جب ہی پھنستی ہے کہ جب وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو۔“ لہذا مجھ کو یہ اچھا معلوم نہیں ہوا کہ ایسی چیز کو کھاؤں، جو اللہ کے ذکر سے غافل ہو۔ لڑکی کا جواب سن کر باپ رو پڑا اور جال کو پھینک دیا۔

یہ ہے ہمارے اسلاف و آباء کی تربیت، کہ اولاد کے دل میں ذکر اللہ کی اس قدر اہمیت بنیادی تھی کہ مچھلی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حلال غذا ہے، اس کو بھی اپنے معصومانہ ذہن کی وجہ سے کھانا اس لئے برداشت نہیں کہ اس کے خیال میں یہ اللہ کے ذکر سے غافل ہیں۔ جو اللہ کے ذکر سے غافل ہو، اس سے مسلمان کا کیا جواز؟ آج ہم بھی نیت کر کے کوشش شروع کر دیں تو ہم اپنی زندگی ہی میں اس کا اثر دیکھ سکتے ہیں۔ زندگی ہی میں یہ بچے ہماری آنکھوں کے لئے چمکتا ہوا نور اور ہمارے دلوں کے لئے اسباب راحت و سکون بن جائیں، اور اس طرح تربیت کرنا بہت ہی آسان ہے۔ بچے کو بچپن سے اللہ کے ذکر پر لگا دیجیئے، اس کے ذہن میں یہ بٹھانے کی کوشش کیجیئے کہ مسلمان جب ذکر کرتا ہے تو شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور جب ذکر سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا شروع کر دیتا ہے۔ ”مسنون دنا میں“ کتاب میں سے بچے سے دعا میں کھوایئے اور یاد کروائیئے۔

فضائل ذکر کا رسالہ گھر میں پڑھیئے، اس رسالہ میں شیخ الحدیث صاحب رحمہ

اللہ علیہ نے صفحہ ۵۹ پر ذکر کے سو فوائد لکھے ہیں۔ ان فضائل میں سے ایک ایک اپنے کو مناسب موقع پر اس طرح سمجھائیں کہ اس کے ذہن نشین ہو جائے۔ آپ بوسے بچوں اور بچیوں کو وہ سو فوائد کاپی میں لکھوا دیئے اور پھر آپس میں مقابلہ کروا کر امتحان لیں، جیتنے پر انعام، اس کے سس کو ذکر کے اور نماز کے فضائل زیادہ یاد ہیں۔ خواہ بھی اس کے سامنے ذکر کرتے رہتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے کہ اے اللہ! میرے بیٹے کو ذکر و شکر بنا، میری بیٹی کو ذکر و شکر بنا، اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص کو یہ مل جائیں اس کو دین و دنیا کی بھلائی مل جائے، ایک وہ زبان جو ذکر میں مشغول رہنے والی ہو، دوسرے وہ دل جو شکر میں مشغول رہتا ہو، تیسرے وہ بدن جو مشقت برداشت کرنے والا ہو، چوتھے وہ دھڑی جو اپنے نفس اور خاندان کے مال میں خیانت نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہماری آنے والی نسلوں کو یہ چاروں نعمتیں عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

نماز کی اہمیت و فرضیت

نماز فرض اسلام میں سب سے اہم فریضہ اور اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے:

① اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد

اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

② نماز قائم کرنا۔

③ زکوٰۃ ادا کرنا۔

④ صوم (ترغیب، الترغیب، الترغیب فی الشکاح، مباحثات اللہ، الولود، ج ۱، ص ۶۸)

④ حج کرنا۔

⑤ رمضان کے روزے رکھنا۔

ایک نماز کا بھی جان بوجھ کر ترک کرنا گناہ کبیرہ اور گمراہی کا باعث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”بندہ مسلم اور کفر کے مابین (فرق) نماز کو چھوڑ دینا ہے (یعنی نماز کا

بھی جان بوجھ کر ترک کر دینا انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے)۔“

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”ہمارے اور ان (کافروں) کے درمیان فرق نماز کا عہدہ ہے۔ تو جس

نے نماز کو چھوڑ دیا، اس نے کفر (کا کام) کیا۔“

حضرت عبداللہ بن شقیق تابعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ نماز کے علاوہ کسی عمل کے ترک کو

کفر نہیں سمجھتے تھے۔ (یعنی سب کے زمانہ میں کافری نماز ترک کرنا

تھا)۔“

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

”میرے دوست (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے نصیحت فرمائی

کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھیرانا، اگرچہ تمہیں فکر نہ کر دیا

جائے اور چھوڑ دیا جائے۔ اور کوئی فرض نماز جان بوجھ کر نہ چھوڑنا کیونکہ

جس نے جان بوجھ کر کوئی نماز چھوڑ دی تو اس سے اللہ کا نامہ بری

① مقلوۃ، کتاب الایمان، ج ۱، ص ۱۲

② مرقۃ، ج ۲، ص ۱۱۳

③ مرقۃ، ج ۲، ص ۱۱۶

④ مرقۃ، ج ۲، ص ۱۱۹

ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی مملکت کے تمام عمال (افسران و کارکنان) کے نام فرمان جاری کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

”میرے نزدیک تمہارے تمام کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے۔

جس نے نماز کا خیال رکھا اور اس کی پوری حفاظت کرتا رہا، وہ اپنے (باقی) دین کی بھی حفاظت کرے گا اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا، وہ دین کی باقی چیزوں کو اور زیادہ ضائع کرے گا۔“

گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ پانچوں نمازوں کی پابندی ایک بندہ مسلم کا وظیفہ اور ایمان کی علامت ہے اور اس میں جان بوجھ کر کوتاہی کرنا کفر اور فساد کی علامت ہے۔ نمازوں کی مجموعی اہمیت و فضیلت کے علاوہ ہر نماز کی بعض اپنی خصوصیات بھی ہیں، جو اسے باقی نمازوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ ذیل میں نماز فجر سے متعلق بعض خصوصیات اور کچھ فضائل احادیث کی روشنی میں ذکر کیئے جاتے ہیں۔ جس سے نماز فجر کی اہمیت کچھ اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

نماز فجر ادا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی

ذمہ داری میں آجاتا ہے

”حضرت جندب قرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے صبح کی نماز پڑھ لی تو وہ اللہ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے اور ہرگز اللہ تعالیٰ اس سے اپنی ذمہ داری کا مطالبہ نہ کرے گا۔ کیونکہ اللہ جس سے اپنے ذمہ کا مطالبہ کرے گا، اللہ اسے پکڑ لے گا، پھر اسے منہ کے بل جہنم میں

۱۱۹ ص ۲۶ ج ۲

۱۲۶ ص ۲ ج ۲

داخل کرے گا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص فجر کی نماز اپنے وقت پر پڑھتا ہے اور اگر یقیناً ہے، وہ اپنی ذمہ داری پوری کر کے اللہ تعالیٰ کی امان اور اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے۔ اب غماز ہے کہ جو شخص اللہ کی امان میں آجائے، اس کی تباہی و بربادی کا کیا سوال؟ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص فجر کی نماز ادا نہیں کرتے تو اس نے اپنی ذمہ داری کا خیال نہیں رکھا اور اس کے ذمہ جو فریضہ عائد تھا، وہ ادا نہیں کیا۔ جب اس شخص نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور اس کی حفاظت سے بھی محروم رہے گا۔ بلکہ ایسا شخص مجرم ہے اور اللہ تعالیٰ اس شخص سے اپنے حق کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے اسے معاف نہ کر دیں تو اس کی سزا جہنم ہے۔ ”انقلبنا اللہ من ذلك“ (اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے)۔

مذکورہ بالا روایت صحیح مسلم کی روایت تھی، مگر یہی روایت ترمذی شریف میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے:

”جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی تو وہ اللہ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تم سے اپنے ذمہ کا کوئی مطالبہ نہ کرے۔“ (یعنی اگر تم صبح کی نماز ادا کرو گے تو تم اللہ کی ذمہ داری میں آ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرمائیں گے)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو ”ابواب القنن“ میں ذکر کیا ہے، جہاں فتنوں سے متعلق احادیث جمع کر کے ذکر کی گئی ہیں۔ اس مذکورہ حدیث میں اگرچہ کسی فتنہ کا ذکر نہیں، لیکن امام ترمذی نے ابواب القنن میں اس حدیث کو ذکر

۱۳۳ ص ۲ ج ۲

۱۳۶ ص ۲ ج ۲

شہرہ فرمایا ہے کہ جو شخص یا جو قوم صبح کی نماز کی ادائیگی کا اہتمام کرتی ہے وہ فتنوں سے محفوظ رہتی ہے۔

لہذا موجودہ فتنوں سے حفاظت کا اہم ترین طریقہ یہی ہے کہ سب مل کر صبح کی نماز باجماعت کا اہتمام کریں تاکہ سب اللہ کی عطا میں آجائیں۔ اللہ کے غضب سے نجات ہو اور سب ملک فتنوں سے محفوظ رہیں۔ ”وقضی اللہ تعالیٰ لذلک“ (اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بخشنے)

فرض نماز عیند سے بہتر ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے یہ سنت متواتر آج بھی چلی آ رہی ہے کہ ہر مؤذن صبح کی اذان میں ”حی علی الصلاة“ اور ”حی علی الفلاح“ کے بعد دوم تہ پکار کر اس حقیقت کا بیانیہ اعلان کرتا ہے کہ:

﴿الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ﴾

ترجمہ: ”(فرض) نماز عیند سے بہتر ہے۔“

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صبح کی نماز عیند میں مؤذن کا یہ اعلان ہر مسلمان صاحب ایمان کے لئے انتہائی توجہ کا حامل ہے۔

عام طور پر شیطان یہ بات دل میں ڈالتا ہے کہ اگر تم فرض نماز کے لئے اٹھ گئے تو تمہاری عیند میں کمی ہو جائے گی، محنت خراب ہو جائے گی، بعد میں سونے کا موقع نہیں ملے گا وغیرہ۔ اس قسم کے کام دھوسے واہام کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرمایا اور صاف اعلان کر دیا کہ فرض نماز عیند سے بہتر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے اعتبار سے بھی اور دنیا کے اعتبار سے بھی روحانی پاکیزگی کے اعتبار سے بھی اور جسمانی صحت کے اعتبار سے بھی فرض نماز کا

وہ عیند سے زیادہ ہے۔

ہاں اگر طبیعت کے مطابق عیند پوری نہ ہوئی ہو (جس کی عمومی حد چھ گھنٹہ سے کم نہ ہو اور آٹھ گھنٹہ سے زیادہ نہ ہو) تو سورج کے طلوع ہونے کے بعد یا دوپہر کی قیاد کی سنت ادا کرنے کے وقت اس عیند کو پورا کر لیا جائے اور سب سے بہتر بات یہ ہے کہ رات کو بعد مونس کی حالت ڈالی جائے، جسے ان شاء اللہ ہم آگے بھی ذکر کریں گے۔

عشاء اور صبح کی نماز باجماعت پڑھنے والے کو رات بھر کی عبادت کا ثواب مل جاتا ہے۔

”حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عشاء کی نماز باجماعت سے پڑھی، تو گویا اس نے آدھی رات عبادت کی اور جس نے صبح کی نماز باجماعت سے پڑھی تو گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی ہے۔“

مغرب کی نماز کے بعد چاروں طرف تاریکی پھیل جاتی ہے اور ان بھرا کا تھکا تھوڑا آدمی گھر واپس آتا ہے تو تاریکی، تھکن اور بیہوشی کی مشغولیت کے سبب صبح کی نماز باجماعت مسجد میں جا کر ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر بہت کم عشاء کی نماز باجماعت ادا کرنا آدھی رات کی عبادت کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ سو جاننے کے بعد فجر کے لئے بیدار ہونا اور مشکل معلوم ہوتا ہے۔

فجر کے وقت نیم صبح غافل انسان کو اور زیادہ سوتا ہے۔ ایسے وقت میں صحت کے اچھے خراب ہونا مسلمان کو پوری رات کی عبادت کے ثواب کا مستحق بناتا ہے اور کسی شخص کا عشاء کی نماز باجماعت اور نماز فجر باجماعت ادا کر لینا ایسا ہے، جیسا کہ ساری رات اس شخص نے تہجد کی نماز ادا کی ہے۔ اب ذرا سی بات سے کام

لے کر والدین یہ حکیم اثنان ثواب پر آسانی اپنے لئے اور کھد مالوں کے لئے حاسم کر سکتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ نکتہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز بہت عت و تہی شخص اور کرے گا، جو شروع رات سے باجماعت نماز فجر ادا کرنے کی نیت کرے گا اور ایسا شخص غافل اور ہر مست بن کر نہیں سوتا، بلکہ اس کی نیند چوٹی ہوتی ہے اور ہر مرتبہ آنکھ کھلنے پر وہ نماز فجر کے نفل جانے کے وقت کا جائزہ لیتا رہے گا۔ ایسا شخص گویا ساری رات نماز کے انتظار میں رہا۔ جو شخص نماز کے انتظار میں رہتا ہے، اسے مسلسل نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یعنی تم میں سے ہر آدمی جب تک نماز کا انتظار کرتا رہے، نماز ہی میں ہوتا ہے۔“

فجر کی نماز میں دن رات کے فرشتوں

کا اجتماع ہوتا ہے

اللہ جل شانہ نے قرآن حکیم میں نماز فجر اور اس میں پڑھے جانے والے قرآن کا بطور خاص ذکر کیا اور فرمایا:

﴿إِنَّ فِرَانَ الْقَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾

ترجمہ ”بے شک فجر کے وقت قرآن میں فرشتے (بجور خاص) حاضر ہوتے ہیں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

”مراۃ: ج ۲ ص ۱۶۷

”سورۃ اسراء آیت ۷۸

”فجر کی نماز فرشتوں کے جمع ہونے کا وقت ہے اور اس وقت میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

”تم انسانوں میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے کیلئے جگہ مقرر ہے یہ ملتے رہتے ہیں اور نماز فجر اور نماز عصر میں یہ سب فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر جن فرشتوں نے تمہارے درمیان رات گزاری ہوئی ہے، وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں، تو ان سے ان کا پروردگار پوچھتا ہے، حالانکہ اسے ان سب کا علم ہے، کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا۔ تو وہ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم نے جب انہیں چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کے وقت چونکہ رات ختم ہو رہی ہوتی ہے اور دن شروع ہو رہا ہوتا ہے اور عصر کے وقت دن ختم ہوتا ہے اور رات کا آغاز ہونے والا ہوتا ہے، ان دو وقتوں میں دن رات کے فرشتوں کا خاص اجتماع ہوتا ہے۔ ان دونوں نمازوں میں فرشتوں کے اس نورانی اجتماع کی برکات سے اپنے آپ کو محروم نہ بنائیں۔ افسوس اور تادیب کی بات ہے۔ اس لئے عصر اور فجر کی نمازوں کا خاص اہتمام کرنا اور مردوں کے لئے باجماعت نماز ادا کرنا خاص توجہ کی بات ہے اور اس کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان، صف اول اور گرمی میں فجر کی نماز کی فضیلت کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

”اگر لوگوں کو عشاء اور صبح کی نماز کے ثواب کا علم ہو جائے تو لوگ ان

”مراۃ: ج ۲ ص ۱۶۷

”سورۃ اسراء آیت ۷۸

”مومن نمازوں میں ضرور شریک ہوں خواہ انہیں گھسٹ گھسٹ کر رہوں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مناشتین پر کوئی نماز فجر اور نماز عشاء سے زیادہ بخاری نہیں اور اگر انہیں ان دونوں نمازوں کے ثواب کا علم ہو جائے تو وہ ضرور آئیں خواہ گھسٹ کر آنا پڑے۔“

ساری رات کی عبادت سے فجر کی

نماز باجماعت بہتر ہے

”ابوبکر بن سلیمان راوی ہیں کہ ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی نماز میں (میرے والد) حضرت سلیمان بن ابی حمزہ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار تشریف لے گئے۔ راستہ میں حضرت سلیمان کا مکان تھا۔ وہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت سلیمان کی والدہ حضرت شفاہ پر گزر ہوا، تو ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے، صبح کی نماز میں سلیمان موجود نہ تھا؟ انہوں نے کہا کہ سلیمان ساری رات نماز پڑھتے رہے، اس لئے صبح کے وقت آنکھ لگ گئی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ساری رات نماز پڑھنے کے مقابلہ میں فجر کی نماز باجماعت کو زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔“

اس روایت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

① حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلیمان کی کئی نماز میں محسوس کی جس

۱۴۵۸ھ: ج ۲ ص ۱۴۵

۱۴۵۹ھ: ج ۲ ص ۱۴۵

۱۴۶۰ھ: ج ۲ ص ۱۴۵

سے معلوم ہوا کہ بڑے حضرات کو اپنے پیچھاؤں کے اخلاق و کردار پر نظر رکھنی چاہیے، جس میں سے سب سے مقدم نماز ہے۔

② صحابہ کے زمانہ میں نماز باجماعت کا اتنا اہتمام تھا کہ اگر کوئی مسلمان باجماعت نماز میں حاضر نہ ہوتا تو یہ پریشانی اور تشویش کی بات لگتی جاتی تھی۔

③ ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے صبح کی نماز قضا کر دینے یا باجماعت نماز ترک کرنے سے بہتر یہ ہے کہ آدھی رات کو سو جائے اور صبح کو نماز فجر باجماعت داکرے، اس لئے کہ فجر کی نماز فرض ہے۔ اس کا عطا چھوڑنا گناہ و بیہودہ ہے جب کہ رات بھر نماز پڑھنا کوئی ضروری نہیں، نہ فائز ہے اور باعث ثواب ہے۔ مزید یہ کہ اگر کوئی شخص فجر کی نماز باجماعت داکرے تو اسے ساری رات کی عبادت کا فوہ بخود ثواب مل جاتا ہے۔

ابن ماجہ نقل مندی کا قصہ بنا بھی نہیں ہے کہ صبح کی نماز باجماعت میں ہر قیمت پر شرکت کی جائے (مگر یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو) اور ساری رات جاگنے سے پرہیز کیا جائے۔ جب نماز فجر فوت ہونے کا مناسب گمان ہو تو ایسی صورت میں رات کو عبادت کرنا درست نہیں تو جائے کر باتیں کرنا اور فضولیات میں جانے کی شرمناک سیہ اجازت دینی! اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کے بعد فضول گفتگو کو ناپسند فرمایا ہے کہ کہیں صبح کی نماز قضا نہ ہو جائے۔

عشاء کے بعد فضول گفتگو کرنا مکروہ ہے

حدیث میں ہے کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد فضول باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔“

ابن ماجہ اگر کوئی دینی بات ہو یا مسافر حالت سفر میں جاگتے رہنے کی وجہ سے

۱۴۵۸ھ: ج ۲ ص ۱۴۹

بات کرنا چاہتے یا میاں بوی کی آپس میں گفتگو کریں یا عالم و روح اسبہ علم و علم و بین میں مصروف ہوں تو اس کی اجازت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ قول ہے:

”رات کو تھوڑی دیر علم کا مشغلہ ساری رات کی عبادت سے افضل ہے۔“

لیکن یہ اجازت بھی اس وقت ہے جب کہ صبح کی فرض نماز قضا نہ ہو۔ کیونکہ فرض تہیور کر نفل اختیار کرنے میں کوئی ثواب نہیں۔ لیکن طالب علم کے لئے بھی بہت یہی ہے کہ عشاء کے بعد جلدی ہو جائے اور صبح جلدی اٹھ کر اس وقت یاد کرنے کا مطالعہ کرے۔ کیونکہ صبح کے وقت تھوڑا سا پڑھ لینا جسم و دماغ کے لئے بہت نفع دہن سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں فرائض و واجبات کو اپنے اپنے وقت میں یاد کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔

فرائض و واجبات، نوافل پر بہر حال مقدم ہیں

شریعت میں فرائض و واجبات، ضمن مومنین و مومنین کی جو ترتیب رکھی گئی ہے، اس کا خیال رکھنا ہر مسلمان اور دیندار آدمی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ ورنہ دیندار آدمی کی طرح کی عملی اور اعتقادی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ شریعت کے احکام میں فرائض و واجبات کا درجہ سب سے مقدم ہے۔ نوافل کا درجہ اور مرتبہ فرائض و واجبات سے بہت کم ہے۔ اگر کوئی شخص نوافل و مستحبات پر عمل کرے، مگر فرائض و واجبات کو ترک کر دے تو یہ اس کی بڑی فحاشی ہوگی اور دین سے ناواقفیت کی دلیل ہوگی۔ علو و ازیں اللہ تعالیٰ کا جو قرب فرائض و واجبات کی اولیٰ گئی سے نصیب

ماتا ہے۔ نوافل سے اس درجہ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”اعمال مقربہ، یعنی وہ عمل جن سے درگاہ الہی میں قرب حاصل ہوتا ہے، فرض ہیں یا نفل۔ مگر فرائض کے مقابلہ میں نفلوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ فرائض میں سے ایک فرض کا ادا کرنا، دوسرے نفلوں کے ادا کرنے سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ نفل خالص میت سے ادا کیے جائیں۔“

ایک اور مکتوب میں نماز فجر باجماعت کی تاکید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”نماز صبح کی دو (فرض) جماعتیں جماعت کے ساتھ ادا کرنا، جو سنتوں میں سے ایک سنت ہے، کئی درجے اس سے بہتر ہے کہ تمام رات نفل نماز میں قیام کریں اور صبح کی نماز بے جماعت ادا کریں۔“

صبح کے وقت سونا پسندیدہ نہیں

صبح کے وقت کی اہمیت کی وجہ سے اکثر سلف صالحین عام حالات میں نماز فجر کے بعد بھی سونے کو پسند نہیں کرتے تھے مگر یہ کہ ضعف اور بیماری وغیرہ کا عذر ہو۔

انہ اسناد ال حضرت عبداللہ بن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے ہے:

”عن عبد اللہ بن عمرو اللہ مر علی رجل بعد صلاة الصبح وهو نائم فحرقه برجله حتى استيقظ فقال: اما علمت ان الله تعالى طالع في هذه الساعة التي حرقك فيذخل ثلثة منهم الجنة“

بو ختمیدہ

لے ارشادات مجدد الف ثانی ص ۲۶

لے مکتوب نمبر ۵۵ ارشادات مجدد الف ثانی ص ۳۳

لے مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸

تَرْجَمَهُ: "حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر کے بعد ایک آدمی کے پاس سے گزرے، جو سو رہا تھا تو انہوں نے اس آدمی کو پاؤں سے بلایا یہاں تک کہ وہ بیدار ہو گیا تو آپ نے اس سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت میں اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ایک بڑی جماعت کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرماتے ہیں۔"

قرآن حکیم میں یہ بھی بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ رات، سکون و آرام سے لئے ہے اور دن، معاش کی سرگرمیوں کے لئے۔ فرمایا:

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۖ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۚ

تَرْجَمَهُ: "ہم نے رات کو لباس بنایا اور دن کو معاش کا وقت بنایا ہے۔"

ایک اور روایت میں ارشاد ہے:

إِنَّمَا رِزْقُكَ يَأْتِي فِي الْوُزُقِ ۚ

تَرْجَمَهُ: "کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کا سونا، رزق کا رونا ہے۔"

صبح کے وقت میں برکت ہے

یہ بات تو انی حدیث میں مروی ہے کہ صبح کا وقت مبارک ہوتا ہے اور اس وقت میں دین یا دنیا کا کوئی جائز کام کیا جائے، اس میں برکت ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بی روایت میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح فرمائی ہے۔

اللَّهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا ۖ

تَرْجَمَهُ: "اے اللہ! میری امت کے صبح کے کاموں میں برکت دے۔"

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

تَحَنَّنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَعْدَاهَا

أَوَّلَ النَّهَارِ وَقَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا ۖ

تَرْجَمَهُ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی لشکر روانہ فرماتے تو صبح سے ہی دعا بھیجتے اور دعا فرماتے کہ اے اللہ! میری امت کے لئے صبح کے وقت میں برکت عطا فرما۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَارِكُوا وَاطْلُبُوا الرِّزْقَ فَإِنَّ الرِّزْقَ بَرَكَتٌ وَنِجَاحٌ ۖ

تَرْجَمَهُ: "صبح کے وقت میں اپنا رزق تلاش کیا۔ کرو کیونکہ صبح کا وقت برکت اور کامیابی کا وقت ہے۔"

"رزق" کا لفظ عربی زبان میں بہت عام ہے۔ زراعت ہو یا تجارت، علم، منہ ب ہو یا عمل، روحانی نفاذ کی تلاش ہو یا جسمانی نعمت کی، مطالعہ کرنا ہو یا غور۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فجر کے کام ہوں یا گھر کے اندرونی کام، ان سب کاموں کے لئے صبح کا وقت برکت کا وقت ہے۔ اس وقت میں کیئے جانے والے سب کام میں برکت بھی ہوتی ہے اور آسانی بھی اور کامیابی کی بھی قوی امید ہوتی ہے۔ نیز اس وقت میں دینی، دنیائی اور روحانی قوتیں چست اور تازہ دم ہوتی ہیں، جس سے کام بہتر بھی ہوتا ہے اور سہولت والا بھی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بھور خاص اس وقت متوجہ ہوتی ہے۔ اس لئے مردوں اور عورتوں کو یہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

نماز فجر کے بعد دینی کاموں میں مشغول ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد نماز کی جگہ میں بیٹھا رہا، یہاں تک کہ اس نے چاشت کی دو رکعتیں پڑھ لیں اور اس دوران بھٹی بات کے سوا اور کچھ نہ کہا اور نہ کیا تو اس کی خطائیں بخش دی جائیں گی، خواہ وہ سمندر کے جہاز کے برابر ہوں۔“

ملاحی قادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ فضیلت حاصل ہوتی خواہ مسجد میں بیٹھے یا گھر آکر بیٹھ جائے، ذکر میں مشغول رہے یا فکر میں، علم سیکھے یا سکھائے یا بیت اللہ کا طواف کرے۔ یہ فضیلت ہر صورت میں حاصل ہوگی۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی شخص کو طیب یا معاف نے مشورہ دیا ہو اور وہ بحالی صحت یا حفاظت صحت کی خاطر چہل قدمی کرے (اور اس دوران بدگوئی نہ کرے) تو وہ بھی ان شاء اللہ باعث ثواب ہے، کیونکہ صحت کی

سلفہ ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الصبح، ج ۱ ص ۱۸۲

سلفہ مرقاۃ، ج ۲ ص ۲۰۳

حفاظت فرض ہے۔ اس لئے کہ دینی فرائض و واجبات کی ادائیگی صحت پر موقوف ہے۔

”حضرت جابر بن عبد ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر پڑھ لیتے تھے تو اپنی مجلس میں چوڑی مار کر تشریف رکھتے، یہاں تک کہ سورج اچھی طرح طلوع ہو چکا ہو۔ بعض روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے مختلف دینی امور پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔“

صبح کو جلد اٹھنے کی تدابیر

گزشتہ احادیث کے مطالعہ کے بعد اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ صبح اٹھنے کی کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ نماز کی فضیلت بھی مسلم اور ترک نماز کا گناہ بھی مسلم، ان دونوں باتوں سے کس مسلمان کو انکار ہے؟

لیکن ان سب کے علم کے باوجود پرناہ وہیں گرتا ہے کہ صبح کو وقت پر آگئے نہیں صبح۔ اس کا کیا علاج ہے؟

اس کے لئے عرض ہے کہ اس صورت حال کا اصل علاج تین چیزیں ہیں۔

۱) فکر (۲) اہمیت (۳) اوجاز

اگر یہ تین باتیں وقتاً فوقتاً موجود ہوں تو پھر کسی اور تدبیر کی ضرورت نہیں۔

① فکر کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو نماز کی فکر ہو۔ سوتے رہنے سے اللہ کے مذاہب کا خوف ہو۔ اپنی جان و مال پر تباہی کا ڈر ہو۔ دین اور دنیا کے کاموں میں سب لائق کا اندیشہ ہو۔ ایسے وقت میں سونے کی خواہش کا احساس ہو اور صبح اٹھنے کی ضرورت میں اللہ تعالیٰ سے رحمتوں اور برکتوں کی امید ہو اور آخرت کے ثواب کا یقین

سلفہ مرقاۃ، ج ۲ ص ۸۹

ہو۔ اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی امید ہو۔ جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں، اس کی دنیا و آخرت دونوں میں گنتی۔ ان تمام باتوں کو سوچنے سے طبیعت متغیر ہوگی اور وقت پر آنکھ کھلے گی۔

ہم میں سے ہر شخص کا آنکھوں دیکھا مشاہدہ ہے کہ اگر کبھی صبح کے وقت میں ہماری خدمت کا وقت ہو یا نرین کے ذریعہ روانہ ہونا طے ہو یا کوئی اور اہم کام ہو تو نہ صرف یہ کہ وقت پر آنکھ کھل جاتی ہے، بلکہ اس کام کی فکر سے رات کو وقت سے پہلے بھی دو تین مرتبہ آنکھ کھلتی رہتی ہے۔ یہ سب فکر کے کڑے ہیں۔ یہی فکر فرض قیام کے لئے بھی درکار ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ درکار ہے۔ کیونکہ ہوائی جہاز چھوٹ جانے یا نرین سے رہ جانے کی صورت میں تو صرف دنیاوی کام نقصان ہے، مگر فرض قیام چھوٹ جانے سے تو دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہے۔

۱۱) ہمت دو دیجئے ہے، جس کی بدولت انسان وہ سارے کام کر سکتا ہے، ذراست اول نظر میں انتہائی مشکل نظر آتے ہیں۔ ہمت کی بدولت انسان کڑی ساری میں بھی گرم بستر چھوڑ دیتا ہے اور گرم بھتی ہو تو انسان چھو آنکھ کھلنے کی غیبت لینے کے باوجود کابلوں کی طرح بستر پر پڑا رہتا ہے۔ صبح اٹھنے کے لئے بھی ہمت درکار ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جیسے ہی آنکھ کھلے، انگڑائیاں یا سر نہیں لینے کے بجائے انسان بستر پر بیٹھ جائے اور بیٹھ کر مسنون دعا پڑھے، پھر کچھ تھک کر اگر اللہ کرے یا کسی آیت کی تلاوت شروع کر دے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ آل عمران کے آخری ربوہ کی آیات کی تلاوت کرنا منقول ہے) اور اس کے بعد ہمت کر کے اٹھ کھڑا ہو۔ آنکھ کھلنے کے بعد اگر انسان بستر پر انگڑائیاں لے یا کروٹ بدل کر لیٹا رہے یا پطرس بخاری کے بقول ناک کو سر دی گھٹنے کی صورت میں چادر ناک پر ڈال دے تو پھر ظلوٹ آفتاب کے بعد ہی آنکھ کھلتی ہے۔ اس لئے چادر ناک پر ڈالنے کے بجائے، اٹھ بیٹھنا ہی اصل علاج ہے اور اسی کا نام ہمت ہے۔

۱۲) دعا یعنی رات کو ہونے والے مسنون دعائیں کو پڑھ کر ہونے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے صبح قیام کے وقت بیداری کی دعا بھی کرے۔

مزید چند تدابیر

- ۱) رات کو کھانا بہت زیادہ جیت بھر کر نہ کھائیں اور کھانے کے بعد چھل قری کریں۔
- ۲) رات کو صحت از جلد ہونے کی کوشش کریں۔
- ۳) مشایخ نماز کے بعد یا دوستانوں سے یا نیک فوٹ پر فضول گفتگو سے پرہیز کیا جائے۔ اہت شہر اور دیوی کی گفتگو، علم دین کا مشغلہ اور مسافر کی بات چیت وغیرہ کا استثناء خود حدیث میں بھی آیا ہے۔
- ۴) اس لئے ہندو عادات گفتگو کی تمام ممانعت نہیں، بلکہ قیام قیام پر ہونے سے قبل سورہ بقرہ کی آخری آیات "ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات" سے آخری صورت تک پڑھا کر دے کہ یا اللہ فلاں وقت میری آنکھ کھلا جائے، ان شاء اللہ اس وقت آنکھ کھل جائے گی۔ اب آگے اٹھ بیٹھنا، یہ آپ کا کام ہے۔
- ۵) چال گھڑی (الارم) لگا کر سوئیں تاکہ وقت پر آنکھ کھلے۔
- ۶) کسی سب تکلف شخص سے یہ کہہ کر سوئیں کہ وہ فرض قیام کے وقت ہر قیمت پر آپ کو جگا دے اور جب الارم بجے یا وہ شخص آپ کو اٹھائے تو اپنی وقت بستر چھوڑ دے۔
- ۷) بخیر کر کے سوئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص وضو اور سوتے وقت لی وں

نہ نیک نوازہ ج ۱ ص ۶۲
نہ نیک نوازہ ج ۲ ص ۶۰

سنت غیر اختیاری

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔
خلیفہ تھے۔ ان کی آواز کا مشہور ہے۔ یہ مہم کے رہنے والے تھے۔ حضرت مفتی محمد
حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ فقیر
فاقہ کا دور تھا۔ بڑی عورتیں انھار سردار سے تھانوی جوں تشریف لے جاتے۔ ایک
مرتبہ تھانوی جوں تشریف لے جا رہے تھے، مثلاً بعد مہتمم سے انبالہ تک کا سفر
ریل گاڑی میں سفر ہے۔ ہوا لیا۔ گاڑی کھینچا کچھ بھری ہوئی تھی، اس لئے مارے
راستہ کھڑے رہے۔ صبح کے قریب اپنا انشیشن کے بعد بیٹھ کی جگہ لی۔ راستہ بھی
جائے اور کھڑے رہنے کی وجہ سے سلمان بہت ہو چکی تھی، بیٹھتے تو آنکھ لک کی اور
آگے اس وقت کھلی، جب سورج نکل چکا تھا اور فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی۔ بعد میں
نماز تو پڑھ لی، لیکن فرض نماز کے قضا ہو جانے کا طبیعت پر بہت زیادہ اثر ہوا۔ وہاں
میں بار بار یہ بات آتی کہ تم شیخ کی خدمت میں جا رہے ہو، تمہاری فرض نماز قضا ہو
گئی ہے، اب تم شیخ کو متہ دیکھانے کے قابل بھی نہیں ہو، اب کس منہ سے وہاں جا
رہے ہو؟ اسی اثناء اب اور پریشانی کے عالم میں تھا کہ بھون پھٹے اور کسی نے کسی طرف
ہست کر کے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہو گئے۔ مجلس جاری تھی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ کلام روک کر فرمایا:

”سنت کی دو قسمیں ہیں۔ اختیاری اور غیر اختیاری۔ غیر اختیاری پر
اختیار سے عمل نہیں ہے، ہاں بغیر اختیار کے ہو جائے تو اس میں سنت کی
مطابقت ہو جاتی ہے۔“

پھر فرمایا:

”بعض لوگوں کو تقویٰ کا ہیضہ ہو جاتا ہے اور خیال کرتے ہیں کہ زندگی

میں کوئی نماز بھی قضا نہ ہو، کوشش تو یہی کرنی چاہیے کہ کوئی نماز قضا نہ
ہو، لیکن اگر غیر اختیاری طور پر فجر کی نماز قضا ہو جائے تو یوں سمجھ کر کہ اللہ
تعالیٰ نے غیر اختیاری طور پر سنت کا اتنا عصب فرمادیا۔ یہ اللہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایک مرتبہ غیر اختیاری طور پر فجر کی نماز قضا
ہوئی تھی۔“

تنبیہیں: یہ حکم اس وقت ہے جب کہ آدمی وقت پر نماز فجر پابندی سے پڑھنے کا ارادہ
ہو، پھر بھی غیر اختیاری طور پر احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود اتفاقاً نماز قضا ہو
جائے۔ لیکن اگر کسی شخص کی نماز اکثر ہی قضا ہوتی ہو اور کوئی حذر شرعی بھی نہ ہو تو اس
کا یہ حکم نہیں ہے۔ اس پر تو لازم ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے۔ اپنے آپ کو کسی نہ کسی
طرح فجر کی نماز کا بہر حال پابند بنائے، خواہ اپنے نفس کو کچھ سزا دینی پڑے۔

نماز قضا ہوتے رہنے پر اپنے نفس کو سزا دینا

یوں تو قضا نماز کا کفارہ صرف یہ ہے کہ آدمی آنکھ کھلتے ہی فوراً نماز ادا کر لے۔
مزید کوئی صدقہ یا نماز انسان کے ذمہ بطور کفارہ واجب نہیں (جیسا کہ بیہیمل حدیث
میں معلوم ہوا)۔ لیکن اگر نماز قضا ہونے کی عادت ہونے لگے اور نفس سستی اور غفلت
کا حامی ہونے لگے تو بطور تنبیہ کوئی شخص اپنے آپ پر خود کوئی سزا عائد کر لے۔ بعض
حالات میں یہ تدبیر بہت مؤثر ہو جاتی ہے اور آدمی خود اپنی سزا کے ذریعہ سے وقت پر
اٹھ کر ادا نماز پڑھنے لگتا ہے۔ ان تدابیر میں۔

① ہر فرض نماز قضا ہو جانے پر آٹھ یا بارہ گنتیں بطور نفس ادا کرنا۔

② جس روز نماز قضا ہو، اس روز ناشتہ نہ کرنا۔

③ اگر نفس پر صدقہ بھاری ہو تو صدقہ کی کچھ رقم ادا کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

مندرجہ بالا تدابیر میں اصل تدبیر فکر آخرت پیدا کرنا، عادت کا مٹا دینا اور

حق تعالیٰ جمل شے کی محبت دل میں پیدا کرتا ہے۔ جس شخص کی طبیعت میں ہمت ہو، دل میں محبت خداوندی ہو اور اسے آخرت کی فکر کی ہوگی، اس کے لئے نماز کا وقت اچھا بیٹھا، کچھ مشکل نہیں ہوتا اور اگر ایک مرتبہ آدمی ہمت کر کے کچھ بیٹھے اور نماز فجر اپنے وقت پر صحیح طریقہ سے ادا کر لے تو اسے دو روحانی ایف و مرور نصیب ہوتا ہے، جس کے سامنے عیندگی لذت بیچ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں ایمان کی قوت، نیکی کی عادت، اور عبادت کی لذت نصیب فرما دے۔ آمین۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

دنیا و آخرت کی کامیابی کے چند اصول

مثالی باپ دینی ہے، جو اپنی اولاد کی تربیت بہترین انداز سے کرے اور انہیں دو اصول یاد کرے، جن سے ان کی دنیا و آخرت دونوں نہیں برباد ہو۔ اس کے لئے ہم ذیل میں چند اصول تحریر کرتے ہیں، باپ اگر خود بھی ان پر عمل کرے اور بچوں کو اذکار و اُمران پر عمل کرائے تو ان شاء اللہ ہر طرح کی کامیابی ان کے قدموں میں ہوگی اور دنیا کے سارے غموں سے نجات مل جائے گی:

① بچوں کو اچھی طرح یہ نصیحت یاد کروادیں کہ "اِذَا هَذَا بَيْنَا عِنْدَ النَّاسِ يُحْثِلُ النَّاسُ" یعنی اگر تمہیں یہ پسند ہے کہ وہ تم سے محبت کریں تو ان کے مال و جاندار پر غور نہ رکھنا کہ اس سے وہ تمہیں لاپرواہی سمجھیں گے اور تم سے دور ہجائیں گے۔

② اس بات کا پتہ لیجیں کہ جو نصیحت پریشانی تمہیں پہنچی ہو، صورت میں پہنچی ہی تھی اور جو نقص نہ ہو، وہ تمہاری قسمت میں ہی نہ تھا۔ اس لئے کبھی بولی

لے محمدیہ اہل باغ نور ۱۹۹۹ء ص ۱۱۱

۳۳۲

محبت پر اور نہ شے والے فہم پر مایوس نہ کرو کہ یہ سب کار ہے اور گویا اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر کاروائی کا اظہار ہے۔

③ جب تم سے کوئی سوال کرے تو ہر سوال کا جواب مت دو۔ اس لئے کہ ہر سوال کا جواب دینا عقل مندی نہیں۔ ہر اوقات جواب غلط ہوتا ہے یا کسی بات کا اقرار یا انکار ہوتا ہے، جو بعد میں پچھتاوے کا سبب بنتی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جس سوال کا جواب دو، خوب سوچو کہ جواب دو۔ فوراً جواب نہ دو، پہلے سوچو، اپنی بات دل و دماغ تک لادو، اگر دل و دماغ مطمئن ہیں تو زبان سے نکال دو، ورنہ ہر شخص اسی طرح یہ بات بھی یاد رکھو کہ وہ قیمن لوگ بیٹھے ہوتے ہیں اور کوئی مجلس میں کسی کی طرف متوجہ ہو کر سوال پوچھتا ہے تو تم جواب مت دو، خاموش رہو۔ ہاں تمہاری طرف متوجہ ہو کر سوال پوچھتے تو سوچ کر جواب دو۔

④ کسی ضدی شخص سے واسطہ پڑے اور وہ جاننا بات پر ہمدرد ہے، مجھ سے نہ سمجھے اور تمہیں اس سے تکلیف ہو تو سلام کر کے اس سے جدا ہو چلاؤ یا اس موضوع کو ہی تبدیل کر دو۔ مثلاً اگر کسی کسی بات پر بحث مباحثہ ہو جائے تو فوراً بات کا موضوع بدل دو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِذَا حَاطَبْتُمْهُمْ الْجَاهِلُونَ فَلَا تُسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ

تسلیجھو: "یعنی اللہ کے خاص بندوں کی سعادت یہ ہے کہ جب ان سے کوئی چال بکشت مباحثہ کرے تو کہتے ہیں سلام (یعنی بیانی السلام علیکم) مجھے معاف رکھو۔"

⑤ اپنے رشتے داروں اور دوستوں کو غلوں کے ساتھ بھی نہ لیتے ہو۔

اگرچہ وہ قطعاً چند روپے کا ہی کیوں نہ ہو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ ہمارے پیار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تَبَاذَلُوا تَحَابُّوا"۔

۳۳۲

۳۳۲

۳۳۲

یعنی آپس میں تختہ لیا دیا کرو۔ اس طرح کرنے سے آپس میں محبت بڑھے گی۔

﴿۱۶﴾ جو وعدہ کر دے اسے پورا کرے اور چاہے اس میں ہنگام کوئی تمہارا نقصان بھی ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ" یعنی وعدے کو پورا کرو۔ مزید فرمایا کہ "إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا" وعدے کے متعلق قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من لقی فی تمین ما تمین جازا" جس نے ایمان لے لیا۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب وعدہ کرے تو ایفاء نہ کرے۔" ^۱

﴿۱۷﴾ اگر لوگوں کی نظر اس میں محبوب بننا چاہتے ہو تو نیک عمل کرو اور کامل مومن بن کر رہو کہ اس طرح کرنے سے اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ" تحقیق اللہ پسند کرتا ہے احسان (نیک عمل) کرنے والوں کو۔ جب اللہ نے پسند فرمایا اور اللہ کا محبوب ہو گیا تو یکم جیسے کہ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انسان کے لئے زمین و آسمان میں محبت رکھ دیتے ہیں اور تمام مخلوق اس سے محبت رکھتی ہے۔

﴿۱۸﴾ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ کی امداد ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے تو دنیا کے مصائب و مشقتات پر صبر کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ ارشاد ہے کہ "إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ" ہے بلکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور ساتھ ساتھ عمل کرتے کرو، ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کا بدلہ ضرور دیں گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ

۱۔ سورۃ بقرہ آیت ۳۰

۲۔ مشکوٰۃ، باب الکفاۃ و علامات الفلق: ج ۱ ص ۱۷

۳۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۹۵

۴۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۵۳

یا قانون ہے "لَا تُضِيعْ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ" یعنی میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ ہمیشہ یہ قول یاد رکھیے کہ اللہ کے ہاں ہر شے اللہ جہ نہیں۔

﴿۱۹﴾ اگر تم کسی نعمت میں جاؤ یا گھر پر نہ تھیں کہ پابند آج کے قیام کے لئے کی تو ایف بھی نہ کرنا کہ اس سے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے اور کسی حد تک اس کا شکر یہ بھی ادا ہو جاتا ہے۔ اور کھانے پکانے کی تیاری میں جو تھکاوٹ ہوتی ہے، وہ بھی ان جتنے بولوں سے دور ہو جاتی ہے۔

﴿۲۰﴾ اگر کوئی نعمت اللہ کی طرف سے حاصل ہو تو اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کرو کہ یہ قدریچہ ہے اس نعمت کے ہمیشہ رہنے اور بڑھنے اور زیادہ ہونے کا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿۲۱﴾ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

لَتَزِيدَنَّكُمْ یعنی اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں اس نعمت کو تمہارے لئے بڑھا دوں گا۔

اس کے لئے ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا سکھائی گئی ہے:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحَسْبِ عِبَادَتِكَ

اسی طرح نعمتوں پر شکر ادا کرنے کیلئے ان دعائیں کا بھی بہت اہتمام کریں۔

﴿۲۲﴾ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ وَلَكَ الشُّكْرُ كُلُّهُ وَلَكَ الْمُنَافَاةُ

كُلُّهُ وَلَكَ الْخَلْقُ كُلُّهُ بِدَلِكِ الْخَيْرِ كُلُّهُ وَالْبِكْ بِرُحْمِ الْاَمْرِ كُلُّهُ

اَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ وَخَيْرِ ذَلِكِ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ

۱۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۹۵

۲۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۷۷

۳۔ البدائع، کتاب الصلوٰۃ، باب فی الاستغفار: ج ۱ ص ۲۱۳

۴۔ الترغیب والترہیب: ج ۲ ص ۲۸۸، کنز العمال: ج ۲ ص ۱۹۳

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! سب تم ہیسی تیری ہی میں اور ہمارا شکر بھی تیرے لئے ہے اور سب ملک تیرا ہے اور تمام مخلوق تیری ہے، سب بھلائی تیرے ہی قبضہ میں ہے اور ہر معاملہ آخر کار تیرے ہی سامنے آتا ہے، لہذا میں جو نعمانی تھے ہی سے مانگتا ہوں اور ہر شے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

۱۱) رَبِّ اجْعَلْنِي لَكَ شُكْرًا لَكَ ذِكْرًا لَكَ وَفِيكَ لَكَ مَطْوَرًا
لَكَ مُنْجِيًا إِلَيْكَ أَوْ آخَا مُنِيًّا ۝

تَرْجَمَہ: "اے رب! کر دے مجھے ایسا کہ میں تجھے بہت یاد کروں، تیرا بہت شکر کیا کروں، تجھ سے ڈرا کروں، تیری بہت فرمانبرداری کیا کروں، تجھ ہی سے سکون پانے والا اور آہ و زاری کے ساتھ متوجہ ہونے والا ہو جاؤں۔"

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

۱۲) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي صَوْرًا وَاجْعَلْنِي شُكْرًا ۝
تَرْجَمَہ: "اے اللہ! کر دے مجھے اس وجہ کا صبر کرنے والا اور مجھے نہایت شکر گزار بندہ بنا دے۔"

اس دعا میں یہ مانگا گیا ہے کہ مجھے شکر بنا یعنی بہت زیادہ شکر کرنے والا بنا دے، نوح علیہ السلام و قرآن کریم میں "علیہ شُکْرًا" (شکر گزار بندہ) کا خطاب دیا گیا ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ نوح علیہ السلام کو شکر گزار بندہ اس لئے کہا گیا کہ وہ جو بھی کام کرتے تھے، چھوٹا یا بڑا تو "بِسْمِ اللّٰهِ" اور "الحمد لله" کہا کرتے

۱۳) جامع تفسیر لیسوی ص ۵۶

۱۴) جامع تفسیر لیسوی ص ۵۶

تھے۔ جہاں جاتے یا چلتے یا پڑا پھٹتے، اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کر کے اللہ کا شکر ادا کرتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو شکر کے لقب سے نوازا۔

اس لئے احادیث میں ہمیں یہ دعا بھی سکھائی گئی کہ یوں مانگو: "اے اللہ! میں نعمتوں پر شکر کے ساتھ ان نعمتوں پر تعریف کرتے رہا ہوں، اور تمہارے عطا کردہ نعمت و علم فرما دیجئے اور اس کے ساتھ یہ دعا بھی کہ ہم بہت ہی عاجز بندے ہیں، ہم فیض آپ کی نعمتوں کے مستحق ہیں، لہذا آپ تم پر اپنی تمام نعمتیں مسلّم فرما دیجئے۔" چنانچہ ارشاد ہے:

۱۵) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ شَاكِرِيْنَ لِعَمَلِكَ مُنِيًّا قَادِرِيْنَهَا وَنَشِيْئًا عَلَيَّهَا ۝

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! ہم کو اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ان نعمتوں کے حصول پر تعریف کرنے والا بنا دے اور ہمارے اوپر اپنی نعمت پوری فرما دے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم شکر کے لئے یہ دعا بھی لیتے کرتے تھے۔

۱۶) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اَعْظَمَ شُكْرِكَ وَاَكْثَرَ ذِكْرِكَ وَاتَّبِعْ نَصِيْحَتَكَ وَاحْفَظْ رَحْمَتَكَ ۝

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! تو مجھے ایسا بندہ بنا دے کہ خوب تیرا شکر کروں، تجھے یاد کیا کروں اور تیری نصیحت مانوں اور آپ کے حکم کو یاد رکھوں۔" بھی فرماتے

۱۷) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ ۝

۱۸) تفسیر مظہری ج ۳ ص ۳۰

۱۹) مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۶۸

۲۰) ترمذی، ابواب الدعوات، باب اُمِّي الْكَلَامِ اَحْمَدُ اِلَى اللّٰهِ ج ۲ ص ۲۰۱

۲۱) ترمذی، ابواب الدعوات، باب مَا دَعَا اِلَيْهِ اَسْأَلُكَ اَلنَّاسَ فِي الْاُمْرِ ج ۱ ص ۸۵

تسبیح اللہ میں آپ کی نعمت پر شکر ادا کرنا اور آپ کی
عبادت کو حسن و خوبی کے ساتھ ادا کرنے کا طالب ہوں۔“
اور کبھی انصاف و انصاف سے کہ آپ کسی بندہ کا یہ علم اکتف و اس
کے ذریعے اس کو مانگا کرتے تھے۔

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس پر نعمتیں بہت زیادہ ہوں اور وہ نعمتیں بھی ہمیشہ
رہیں تو اس کو چاہیے کہ بہت زیادہ شکر ادا کرے۔ اسی طرح جو شخص یہ چاہتا ہے کہ
اس کی پریشانیوں و غم و غم و غم و غم کے دور سے بند ہو جائے، اسے بھی چاہیے
کہ خوب شکر ادا کرے۔ جس کی دولت حق تعالیٰ کے ہاتھ سے ہے کہ وہ اللہ جل جلالہ سے
اپنے بندوں کو دعا سے سزا دیتی ہے کہ مجھ سے اس طرح دعا کرو کہ اے اللہ! آپ ہمیں
توفیق دیجیے کہ شکر نعمت ہر وقت ہر آن میرے ساتھ رہے۔ کسی وقت بھی مجھ سے
جدا نہ ہو، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿رَبِّ اَوْزَعْنِي اَنْ اَشْكُرَ عَمَلَكَ اَللّٰهُ اَعْلَمْتُ عَلٰى وَ عَلٰى
وَالِدَتِيْ وَ اَنْ اَعْلِلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَ اَدْخُلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ
الصّٰلِحِيْنَ﴾

تسبیح اللہ: ”اے میرے رب! مجھ کو اس پر مداومت اور تمکلی دیجیے کہ
آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں، جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں
باپ کو عطا فرمایا ہے (اس پر بھی مداومت دیجیے کہ) میں نیک کام
کروں، جس سے آپ خوش ہوں، اور شامل کر لیجئے مجھ کو اپنی رحمت
خاصہ سے اپنے نیک بندوں میں۔“

اس دعا پر بار بار غور کیجیے کہ کتنی اہم دعا ہے اور اس دعا کو حضرت سلیمان علیہ

سے سورہ نمل آیت ۱۹

سے بیان آتا ہے ۳۸۲

السلام و السلام مانگ رہے ہیں، یعنی اللہ سے بڑا زید و بندہ اور نبی خود اس بات کی
دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ! مجھے شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ یہ تو اندازہ لگائیں کہ
ہر سب کو شکر کی توفیق حاصل ہونے کے لئے کتنی دعا کیں مانگی ہوں گی۔

یہ سات دعا میں شکر نعمت کے متعلق ہیں، ان کو یاد کر لینا چاہیے اور بار بار
مانگتے رہنا چاہیے۔ جس کو غلامی، دولت ملی ہو، اس کی پریشانیوں و غم و غم و غم و غم
تو حل ہوں گے۔ مانگنا ہے۔ مالک و شکر گزار بندہ بندہ ہی گدہ رہتا ہے۔
اور اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ احسان کرے یا کچھ دے تو اس کا بھی شکر یہ دعا
کرو، اس کے لئے دعا کرو، اس لئے کہ:

﴿مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ﴾

تسبیح اللہ: ”یعنی جو شخص لوگوں کا احسان مان کر شکر یہ دعا نہیں کرتا، وہ اللہ
کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔“

تربیت کے آٹھ سنہری اصول

ذیل میں آٹھ چیزیں لکھی جا رہی ہیں۔ ہم خود بھی انہیں اپنے دل میں بٹھانے
کی کوشش کریں اور اپنے بچوں کی تربیت بھی ان کے مطابق کریں اور بچپن ہی سے
ان کو یہ باتیں بتائیں۔ ان شاء اللہ آگے چل کر یہی آٹھ باتیں ان کے لئے مشعل
راہ ہوں گی اور ان کی ہدایت کا سبب بنیں گی۔

① ساری مخلوق کو کسی نہ کسی سے محبت ہے، (چیزوں سے، کھلونوں سے، گاڑی
سے، اچھے کپڑوں سے، امی سے، ابو سے، بیوی سے، اولاد سے، مال سے، اور احباب
سے وغیرہ) لیکن جب آدمی قہر میں جاتا ہے تو اس کا محبوب اس سے جدا ہو جاتا
ہے۔ اس لئے آدمی کو نیکیوں سے محبت کرنی چاہیے تاکہ جب اس کا انتقال ہو اور وہ

سے ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی صنائع المعروف، ج ۲ ص ۱۷

قہر میں چاہے تو اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی چاہے اور مرنے کے بعد بھی جدا نہ ہو۔

۱۶) اللہ جل جلالہ واقعی قرآن شریف میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَمَرُوا آلَهُمْ﴾ (اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے (آخرت میں) کھڑا ہوئے سے ڈرا ہوگا اور انہیں کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا تو دولت اس کا) ﴿لَوْ كَانَ فِئْتَانًا مِّنْ آدَمَیْنِ کُتِبَ عَلَیْہِمَا الذِّکْرُ فَکَانَ لَکُمَا بَیِّنَاتٌ مِّنْ رَبِّکُمْ﴾ (اگر آدمی کو چاہیے کہ اپنے نفس کو جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان سے روکنے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جم جائے۔

۱۷) دنیا میں دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کو جو چیز بہت محبوب ہوتی ہے، اس کو بڑی احتیاط سے رکھتے ہیں، اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿عِنْدَ نَحْمِہُمْ یَسْتَفْہِمُونَ﴾ (خود وہ جانتا رہے یا تم ہر حال میں وہ فہم ہوگا) اور جو اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔ اس آیت شریفہ کی وجہ سے جو چیز بھی آدمی کے پاس ایسی ہو جو اسے بہت پسند ہو تو اسے چاہیے کہ وہ چیز اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ دے تاکہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔ یعنی اس کو اللہ کی راہ میں قربان کرے۔

۱۸) دنیا میں دیکھا گیا ہے کہ ہر شخص مال میں اپنی عزت و بڑائی سمجھتا ہے۔ کوئی حسب و نسب میں یا کسی اور چیز میں اپنی بڑائی سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّا لَنَعْلَمُ مَخْصَرُکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ﴾ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو) اس لئے آدمی کو اتنی احتیاط کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شریف بن جائے۔

۱۹) سورہ زمر آیت ۴۰

۲۰) سورہ نمل آیت ۹۱

۲۱) سورہ قمر آیت ۱۳

بُکْرَہُ

۱۹) لوگ جو ایک دوسرے سے پر طعن کرتے ہیں اور محب ہوتی کرتے ہیں یا برا سمجھتے کہتے ہیں یہ سب حسد کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر حسد آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَجِدُ أُمَّةَ دِیْنِہِمْ﴾ (تو نہ پائی کہ ان کی روزی بھرتی تقسیم کر رکھی ہے اور (اس تقسیم میں) ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دے رکھی ہے تاکہ (اس کی وجہ سے) ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔) سب کے سب برابر ایک ہی نمونہ کے بن جائیں تو پھر کوئی کسی کا کام نہیں کرے۔ کیوں تو کوری کرے اور اس طرح دنیا کا نظام خراب ہی ہو جائے گا) اس آیت پر نظر کر کے حسد چھوڑ دینا چاہیے اور ساری حقوق سے سب تعلق ہو کر اللہ تعالیٰ سے تعلق ہونا چاہیے۔ جب روزی اللہ تعالیٰ بانٹتا ہے، اس کی کمی زیادتی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور حصول مال میں انسان کا کوئی دخل نہیں تو لوگوں سے حسد و دشمنی فضول ہے۔

۲۰) دنیا میں کچھ تو ہر شخص کی کسی نہ کسی کے ساتھ برائی اور دشمنی ہے جب کہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمُ الشَّیْطَانُ فَاتَّخِذُوہُ عَدُوًّا مَّحَدًّا﴾ یہ شیطان ہے شک تمہارا دشمن ہے سو تو اس کو (اپنا) دشمن (بن) سمجھتے رہو۔ تو مسلمان پر لازم ہے کہ شیطان سے دشمنی رکھے اور باقی لوگوں سے دشمنی ختم کر لے۔

۲۱) دنیا پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ساری مخلوق روٹی کی طلب میں سرگرداں ہے اور اس کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرتی ہے اور ناجائز چیزیں اختیار کرتی ہے جب کہ قرآن کو ہم میں ارشاد ربانی ہے کہ ﴿وَمَا مَن دَانِیَہِ فِی الْآرَاضِ إِلَّا عَلَی اللّٰہِ رَکْعَتَیْنِ﴾ (اور کوئی جائدار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے،

۲۲) سورہ بقرہ آیت ۲۳

۲۳) سورہ طہ آیت ۱۳

۲۴) سورہ ہود آیت ۶

جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔ ہم بھی زمین پر چلتے والوں میں سے ہیں۔ جس کی روزی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

لہذا انسان پر لازم ہے کہ اپنے اوقات کو ان کاموں میں مشغول کرے، جو اللہ تعالیٰ کے طرف سے اس پر لازم ہیں اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اس سے سب فکر ہو جائے۔

غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ساری مخلوق کا اعتقاد اور عزم کسی نہ کسی ایک چیز پر ہے، جو خود مخلوق ہے۔ کوئی اپنی جائیداد پر بھروسہ کرتا ہے، تو کوئی اپنی تجارت پر اعتماد کیے ہوئے ہے، کسی کی ٹیگا اپنی دستکاری پر ہے اور کسی کو اپنے بدن اور قوت پر فخر ہے، حالانکہ یہ سب چیزیں مخلوق اور فانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **يُؤْتِكُنَّ عَلَىٰ اللَّهِ فِئُو حَسْبُهُ** ”جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل (اور اعتماد) کرتا ہے، پس اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔“ اس لئے ہم صرف اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کرنا چاہیے۔

ہم ایک امت ہیں

بچے کو یہ بات ذہن نشین کرانی چاہیے کہ ہم دیگر اقوام کی طرح ایک قوم یا ایک قبیلہ نہیں، جن کی تقسیم ملاقات یا سمانیت کی بنیاد پر ہوتی ہو، بلکہ ہم ایک امت ہیں، جس کا اتنی عقیدہ و قہر آں کی بنیاد پر ہے۔ مسلمان کسی بھی قوم، کسی بھی زبان، کسی بھی رنگ کا ہو، وہ دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور یہ سب ایک امت ہیں۔ اسی چیز کو سمجھانے کے لئے ہر سال بیت اللہ شریف میں پوری دنیا کے مسلمان حج کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ایک ہی لباس (احرام) پہنے ایک ہی کلمہ (تہلیل) پڑھتے اور ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے

بندے اور مسلمان ہیں اور ہم سب ایک ہی امت ہیں۔ ایک مسلمان دنیا کے ایک کونے پر اور دوسرا دوسرے کونے پر آباد ہے، کسی کا تعلق افریقہ سے ہے، تو کسی کا ایشیا سے، کسی کا امریکا سے تو کسی کا آسٹریلیا سے، لیکن سب کا کلمہ ایک، سب کا قرآن ایک، سب کا رسول (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ایک، سب کا دین (اسلام) ایک اور سب ایک امت و جماعت ہیں۔ ان میں سے ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ہے، ایک کی پریشانی سب کی پریشانی ہے، ایک کی مسرت سب کی مسرت ہے اور ایک کا زوال سب کا زوال ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا:

”مسلمانوں کی مثال آپس میں محبت کرنے، پیار کرنے اور رحم کرنے

کے سلسلہ میں ایک جسم کی طرح ہے، اگر جسم کا کوئی حصہ بیمار ہو جاتا ہے، تو

باقی حصے جانتے اور تکلیف (نظر) میں اس کے شریک ہوتے ہیں۔“

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے باہمی تعلق اور ہمدردی، محبت کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کر دیا ہے۔ مسلمانوں کو شرم (امت) ہمدردی کی طرح ہے۔ اگر ایک عضو میں بھی تکلیف ہوتی ہے، تو پورا جسم اس تکلیف میں شریک ہوتا ہے اور اسے محسوس کرتا ہے، اگرچہ وہ بالکل دوسری جگہ میں ہو، تو آگ میں سے ہونے کی باتیں وہی وہی کو جھنک نہیں آتا۔ زبان کرنا ہوتی ہے اور چہرہ تکلیف کے احساس کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان بھی کسی تکلیف یا مسرت میں مبتلا ہوتا ہے، تو تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی تکلیف کو محسوس کریں اور اسے اپنی تکلیف و پریشانی سمجھیں۔ اس سے بڑھ کر پریشانی و مسرت یا ہول کی حدوں اللہ تعالیٰ کی ہدف مانی کی وجہ سے ہضم کی طرف جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ سے پیار۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی پیروی اور قور رہنے ہیں اور شیعوں کے مسلم، کتاب البیہ والصلۃ، ج ۲ ص ۳۳

(کنکار) کے طریقے اختیار کر رہے ہیں، بلکہ اس پر فخر کر رہے ہیں۔ مین اور
میداری کو اپنے لئے باعث شرم سمجھتے ہیں اور اسے اپنی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے
ہیں، جس کا لازمی نتیجہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔

اس لئے بچوں کو یہ بات سمجھائیں کہ ہم سب مسلمان آپس میں ایک ہیں۔ کسی
ایک کی برہائی ہم سب کی برہائی ہے۔ اس لئے ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری
ہے کہ وہ دوسرے کو برہائی اور نقصان سے بچائے، اپنے لئے اور عام مسلمانوں کے
لئے فخر کرے کہ کس طرح یہ امت دو باروں میں مقدم پر پہنچی ہے، جس مقام پر رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انجمن کے دور میں تھے۔ اس لئے
ہر فرد اپنی استقامت کے مطابق اپنی حدود کے اندر اللہ تعالیٰ کے دین کو زندہ کرنے
کی فخر کرے۔

اس کے لئے آپ بچوں کو اچھی اچھی باتیں بتائیں اور ان سے کہیں کہ ان
باتوں کی مشرعت و تبلیغ اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں کریں۔ اس طرح ان کے دل
میں امت کا درد پیدا کریں۔ جیسے جیسے یہ بڑے ہوتے جائیں گے، ان کا یہ درد اور فکر
بڑھتا جائے گا اور آپ کی تربیت کی وجہ سے امت کو ایک ایسا فرقہ ملے گا، جو اس
امت کی نشاۃ ثانیہ کا ایک ذریعہ ہوگا، جو ان شاء اللہ آپ کے لئے اور آپ کے اس
بچے کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں بہت مفید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی
توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت اتمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحتیں

باپ کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد ہر قسم کی خوبیوں کا نمونہ ہو۔ اس کے
لئے باپ وقتاً فوقتاً اپنی اولاد کو نصیحتیں بھی کرتا ہے۔ اسی طرح کی دو چند نصیحتیں جو
حضرت اتمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کیں، جو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ آپ

ابھی اپنی اولاد کو یہ اور ان جیسی اور نصائح کرتے رہیں، لیکن ہر مسلمان والد کو چاہیے
کہ ان نصیحتوں کو پڑھنے سے پہلے خوب دیکھ کر لے۔ اب اللہ تعالیٰ ان نصیحتوں پر عمل
کرنے کی توفیق عطا فرما اور میری آنے والی نسلوں کو بھی اس پر عمل کرنے اور اس کو
پھیلاؤنے کی توفیق عطا فرما۔ یہ تمام وصیتیں نہایت قیمتی اور اہم ہیں، لہذا ہر مسلمان
کے لئے اس پر عمل کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ دہری گزارش ہے کہ یہ وصیت کو یقین
مرتبہ پڑھیں اور کبھی کبھی سب گھر والوں کو پڑھا کر سنائیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس طرح
کرنے سے بہت فائدہ ہوگا۔

منجملہ یہ بھی ہیں:

① بیٹا! علم کی مجلس میں کثرت سے بیٹھا کرو اور حکماء کی بات اہتمام سے سن
کر۔ اللہ تعالیٰ شانہ حکمت کے نور سے مردود دل کو ایسا زندہ و فرما دے جس جیسا کہ مردود
زمین زوردار بارش سے زندہ ہوتی ہے۔

② بیٹا! اللہ تعالیٰ سے ایسی امید رکھو کہ اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جاؤ اور
یہ اس کے عذاب سے خوف کرو کہ اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ صاحبِ اذیت
نے عرض کیا کہ دل تو ایک ہی ہے، اس میں خوف اور امید دونوں کس طرح جمع
ہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ مومن ایسا ہوتا ہے کہ اس کے لئے گویا دو دل ہوتے
ہیں، ایک میں پوری امید اور ایک میں پورا خوف۔

③ بیٹا! ”رب اغفر لی“ بہت کثرت سے پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ شانہ کے الطاف
میں بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں جو کچھ آدمی مانگتا ہے مل جاتا ہے۔

④ بیٹا! نیک عمل اللہ تعالیٰ شانہ کے ساتھ بغیر یقین کے نہیں ہو سکتا۔ جس کا یقین
ضعیف ہوگا، اس کا عمل بھی سست ہوگا۔

⑤ بیٹا! جب شیطان تجھے کسی شک میں مبتلا کرے، تو اس کو یقین کے ساتھ
مغلوب کر اور جب تجھے عمل میں سستی کرنے کی طرف لے جائے، تو قبر اور قیامت

لی یاد سے اس پر غلبہ حاصل کرو اور جب دنیا میں رفعت یا خوف کے راستے سے تم
تیرے پاس آئے تو اس سے کہہ دو کہ دنیا بہ حال میں چھوٹنے والی چیز ہے۔

۱۶) بیٹا! جو شخص جھوٹ بولتا ہے، اس کے چہرہ کی رافق جاتی رہتی ہے اور جس شخص
کی حالت میں خراب نہوں گی، اس پر غم سوار ہوگا۔ پیار کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل
کرنا، محنتوں کے سمجھانے سے زیادہ آسان ہے۔

۱۷) بیٹا! جھوٹ سے اپنے کو بہت محفوظ رکھو۔ جھوٹ بولنا چیز یا کسے دھشت کی طرح
لذیذ تو معلوم ہوتا ہے، لیکن یہی جھوٹ بہت جلد جھوٹ ہو گئے دامن شخص کے ساتھ
دشمن کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

۱۸) بیٹا! جنازہ میں اہتمام سے شرکت کیا کرو اور تقریبات میں شرکت سے گریز کیا
کرو، اس لئے کہ جنازہ آخرت کی یاد کو تازہ کرتا ہے اور شادیوں اور تقریبات دنیا کی
طرف مائل کرتی ہیں۔

۱۹) بیٹا! جب چہنچہاڑا ہو، اس وقت نہ کھاؤ۔ پیٹ بھرے پر کھانے سے کتے کو
ڈال دینا بہتر ہے۔

۲۰) بیٹا! نہ تم اتنے پیٹھے ہو کہ لوگ تمہیں غل جانیں، نہ اتنے کمزور ہو کہ لوگ
تمہیں تھوک دیں۔

۲۱) بیٹا! تم مرنے سے زیادہ عاجز نہ ہو کہ وہ تو سحر کے وقت جاگ کر اذان دینا
شروع کر دے اور تم اپنے بستر پر پڑے سوتے رہو۔

۲۲) بیٹا! توپ میں دیر نہ کرو کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، وہ دفعہ آ جاتی ہے۔

۲۳) بیٹا! چال سے دوستی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ اس کی بھالت کی باتیں تمہیں اچھی
معلوم ہونے لگیں اور حکیم سے دشمنی مول نہ لو، ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے اعراض کرنے

۲۴)

۲۵) بیٹا! کھانا تنقی لوگوں کے سامنے نہ کھاؤ، اور اپنے کاموں میں جہاد سے

مشورہ لیا کرو۔

۱۵) کسی نے ان سے پوچھا کہ بدترین شخص کون ہے؟ انہوں نے فرمایا جو اس کی
پرہیزگار نہ کہتا ہو کہ کوئی شخص اس کو برائی کرتے ہوئے دیکھ لے۔

۱۶) بیٹا! نیک لوگوں کے پاس اپنی اشدست نشات سے بکھا کرو کہ ان کے پاس
پینے سے نیکی حاصل کر سکو گے اور ان پر کسی وقت اللہ کی رحمت غامضہ نازل ہوئی تو
اس میں سے کچھ نہ کچھ تم کو بھی ضرور ملے گا اور اپنے آپ خریدے لوگوں کی صحبت
سے دور رکھو کہ ان کے پاس پینے سے کسی خیمے کی تو امید نہیں اور ان پر کسی وقت
عذاب ہو تو تم کو ضرور پہنچ جائے گا۔

۱۷) بیٹا! جس دن سے دنیا میں آئے ہو، آخرت سے قریب ہوتے جا رہے ہو۔

۱۸) بیٹا! قمر غل سے اپنے کو محفوظ رکھو کہ یہ دن کی رات اور رات کا غم ہے۔

۱۹) بیٹا! جب تم سے کوئی شخص آنکر کسی کی شکایت کرے کہ فلاں نے میری دونوں
آنکھیں نکال دیں اور واقعہ میں بھی اس کی دونوں آنکھیں نکلی ہوئی ہوں تو اس وقت
تک اس کے متعلق رائے قائم نہ کرو۔ جب تک وہ سب سے کی بات نہ سن لو۔ کیا خبر ہے
کہ اس نے اس سے پہلے خود جہنم کی ہو اور چار آنکھیں نکال دی ہوں۔

فقیر ابو الیث نے عرض کیا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا
تو انہوں نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ بیٹا! میں نے تم کو اس مدت زندگی
میں بہت سی نصیحتیں کیں، اس وقت تم کو چھ نصیحتیں کرتا ہوں۔

۱) دنیا میں اپنے آپ کو فتنہ اتنی ہی مشغول رکھنا، جتنی زندگی باقی ہے۔

۲) حق تعالیٰ شانہ کی طرف تمہیں جتنی احتیاج ہے، اتنی ہی اس کی عبادت کرنا۔

۳) آخرت کے لئے اس مقدار کے موافق تیاری کرنا، جتنی مقدار وہاں قیوم کا

ارادہ ہو۔

۴) فضائل صدقات حصہ ۱۱ ص ۲۱۲

۴ جب تک تمہیں جہنم سے خاصی کا لہجہ نہ ہو جائے، اس وقت تک اس سے خاصی کی کوشش کرتے رہنا۔

۵ گناہوں پر اتنی ہزات کرنا، جتنا جہنم کی آگ میں جلتے کی ہمت اور حوصلہ ہو۔

۶ جب کوئی گناہ کرنا چاہو تو ایسی جگہ تلاش کر لینا، جہاں حق تعالیٰ شانہ اور اس کے فرشتے نہ دیکھیں۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے انصاف و مواعظ پر مشتمل ایک کتاب ”صحیحہ فی زندگی“ منتخب از حیات الصحابہ کا بھی مطالعہ فرمائیں۔ اور اس میں سے بھی کچھ انصاف روزانہ کلمہ کے ہالیک بورڈ پر لکھ دیا کریں۔ ایک ایک ہفت ایک بچے کی ذمہ داری ہو کہ ”رسالة الیوم“ (آج کا پیغام) کے تحت یہ لکھ دیا کرے کہ آج کی یہ نصیحت ہے۔ روزانہ دن بھر ایک صحت پر بار بار نگاہ پڑے گی تو وہ دل میں حیرت کر جائے گی۔

شیطان کے دھوکے سے بچیں

شیطان بھرا ازلی اور ازلی دشمن ہے اور اس کا عمومی طریقہ واردات یہ ہے کہ ان چیزوں میں خرابی دکھاتا ہے، جو ہمارے لئے مفید ہیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں ہمارے لئے فائدہ چھپایا ہے۔ اس کے برعکس ایسی چیزیں، جو ہمارے لئے نقصان دہ ہیں، ان میں اقدویت دکھاتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ، صدقہ، خیرات ادا کرنے میں فائدہ دکھایا ہے اور اقدویت ان احکام کو پورا کرنا، مال میں ہزات اور خفاہت کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن شیطان اس میں مالی نقصان دکھاتا ہے۔ اسی طرح سو لینے میں اللہ تعالیٰ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سراسر نقصان بتایا ہے اور شیطان اس میں نفع دکھاتا ہے۔

۱۰ فضل صدقات ص ۸۸

ہم صورت یہاں پر تم شیطان کے زبردست دھوکے کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ دوسرے ہے کہ بعض لوگوں کو ”بیوی“ اور ”سے کی اور بچے اپنے اپنے لگتے ہیں۔“

حالانکہ ایسی بات باطل نہیں ہے۔ آپ یہ سمجھیں کہ جو حق تعالیٰ نے آپ کے لئے منتخب فرما کر آپ کو دی ہو، کیا وہ آپ کے لئے بری ہو سکتی ہے؟

پھر نہیں، آپ تو یہ تصور کریں کہ نبی کی سب سے حسین عورت آپ کی بیوی ہے۔ اگر چہ اس میں کچھ خرابی ہو تب بھی۔

کیوں کہ غلطیوں، جیروں اور کمیوں سے پاک ذات تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور کسی کی نہیں۔ دین اسلام میں نکاح کا بنیادی مقصد، افزائش نسل کے علاوہ محبت و محبت اور پاکیزگی بھی ہے اور یہ سب ہی حاصل ہو سکتا ہے، جب اپنی بیوی ہی انہی تھے اور دوسری طرف نظر کرنا تو درکنار، دل میں بھی کوئی خیال نہ آئے۔

شیطان کے اس دھوکے سے بچنے کے لئے ہم یہاں پر چند ہدایت لکھتے ہیں، ان پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ آپ کو پرسکون ازدواجی زندگی نصیب ہوگی اور دل بھی مطمئن رہے گا اور بچوں کی تربیت بھی اچھی طرح ہو سکے گی، جو دنیا و آخرت میں منجانب اللہ آپ کو انعام کا مستحق بھی بنا دے گی۔

۱۱ قبل اذ یاتوا تو یہ کی جائے کہ تمام نامحرموں سے اپنی نگاہوں کی سخت حفاظت ہو۔ حدیث میں آتا ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: النَّظَرَةُ سِتْرُهُمْ مَسْمُومٌ مِنْ سَيْفِ إِبْلِيسَ ۝

لَتَرْجَحَكَ ۝ عِدَّةُ اللَّهِ مِنْ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَمَاتَ حِينَ كَرَّمَ اللَّهُ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ فَرَمَا: ”نَظَرُ شَيْطَانٍ كَ تِيَرٍ مِّنْ سَيِّئٍ

نَزَلَ يَأْتِيهِ“

۱۰ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۴۷

اس نظر کی مخالفت ہوگی تو دل بھی پال رہے گا۔ لہذا شادی سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اپنی نظریں خوب دھائیے۔ اسپنڈ آفس کی سیر بری، اولیک، ریڈیو سٹیوں اور کالوں میں پڑ جانے والی استریاں، ہم جماعت طالبات، بازاریوں میں بچے سے لے کر عورتیں، پڑوسیوں کے گھر کی عورتیں، بہنوں کی سہیلیاں، چھوٹی زلف تار تار اور تھامڑا، وان لڑکیاں، بڑے یا چھوٹے بھائیوں کی بیویاں یعنی بھابییاں، سہیلیاں، سہیلیوں کی بیویاں یا اس کی بیوی، چچی، ممانی، مانی، سمانے کی بیوی، مانی کے شوہر کی بہنیں، چھوٹی عمر کی بیوی یا بڑی عمر کی نابالغ بھی ہوتی ہیں، ان سب سے اپنی نظروں کو بچانے کا خوب خوب اہتمام کیجیے۔

۲) انسان جو کہ تین تب آتا ہے، جب وہ کسی محرم پر نگاہ ڈالے اور نگاہ نہ پڑے ہی نیچے نہ کرے اور نہ آنکھیں بند کرے تو نفس و شیطان اس میں اس کا زہر چڑھاتے ہیں کہ دیکھا بھائی کی بیوی کتنی خوبصورت ہے؟ اس کو کپڑا پہننے کا کیا سلیقہ ہے؟ اس کے بال کتنے گھنے ہیں؟ وغیرہ۔ پھر اپنی بیوی پر آئے کی اور اس سے چاروں کی غیر ارادی خاموشیوں پر خیال جائے گا۔ ہونہ اس کا رنگ دھیماب، ہر وقت میں کپڑوں میں رہتی ہے، بال بھی روکھے ہیں وغیرہ۔ آپ نے محسوس کیا کہ شیطان نے غیر محرم کی صرف وہی چیزیں دکھائیں، جو نسبتاً اچھی تھیں اور اپنی بیوی کی وہ چیزیں دکھائیں، جن میں نسبتاً کمی تھی۔ وہ چیزیں نہ نظر آئیں کہ کوری تو تھی، نہیں کشش تام کو نہ تھی اور کبھی کسی تقریب میں جانے کے واسطے اچھے کپڑے پہن لئے، ہمیشہ تو یہ معمول نہ تھے اور بال خاص طریقے سے ترتیب دینے پر کشش والے لگے اور کوئی خاص بات نہ تھی۔ اسی طرح اپنی بیوی سناوٹی زونے کے باوجود نہایت پر کشش ہے اور بچوں کے ہتھیلیوں کی وجہ سے اچھے کپڑے پہننے کی فرصت کم ملی، ورنہ انتخاب تو بہت اچھا ہے اور قسمت سے غسل کا موقع دو دن سے نہ ملا۔ اسی وجہ سے بال بے رونق لگے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ اپنی بیوی کی آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں،

نفسی ہے تو ذات موقی کی طرح چمکتے ہیں، وغیرہ۔ یہ چیزیں یاد رکھیں آئیں۔ ہم صورت اور یہی کے علاوہ کسی اور صورت میں کوئی خوبی نظر آجائے تو لازمی طور پر یہ نہ کہیں کہ دیکھو فانی (بی بی) ہے وہی ہے، تم میں یہ برائی اور یہ خرابی ہے۔ اس طرح کرنے سے آپ کی بیوی کی اصلاح تو نہ ہوگی، بلکہ اللہ نے کرے، بیوی کے اعتماد میں کمی آسکتی ہے۔ اس سے کہ آپ بیوی کی غیر اختیاری جسمانی خلقت، دیت پر اعتراض کرتے ہوئے کو یا خالق تعالیٰ جس جلال پر اعتراف کر رہے ہیں۔

۳) آخر میں گزارش یہ ہے کہ اپنی بیوی ہی سب سے اچھی ہے، اس بات پر ہم بائیکاٹ اور دل کے خیالات کی مخالفت کے لئے اپنی نظروں کی خوب مخالفت کیجیے اور خاص کر قریبی، لیکن غیر محرم سے جو ایک ہی گھر میں رہتے ہوں، ان سے اپنی نظریں بچائیں۔ یقیناً تمہیں کہ (الف) اس سے آپ ایمان کی حلاوت ملے گی، (ب) ایمان پر استقامت کی دولت ملے گی، (ج) ایمان کے ساتھ خاتمہ بھی نصیب ہوگا اور (د) ازدواجی رشتہوں سے نجات اور پرسکون زندگی بھی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کیجیے کہ اللہ پالنے والا ہے، اس کے اتنی اچھی بیوی آپ کو دی۔ اسی طرح اپنی بیوی کی خوبیوں پر نظر کیجیے اور خوب سوچئے کہ اس میں اتنی خوبیاں ہیں۔ یہ سرنے سے آپ دونوں میں خوب محبت بڑھے گی، اعتماد بھی بڑھے گا، خوشیوں میں اضافہ ہوگا اور فی نسل بہترین ماحول میں پرورش پڑے گا کہ دین اور ملک و قوم کے لئے خدمت کرنے والی بنے گی۔

آخر میں گزارش ہے کہ مندرجہ ذیل دعاؤں کا اہتمام کیجیے

اَللّٰهُمَّ لِمَا مِنْ اَرْوَاحٍ وَخَرِيْنَا فِرَّةِ اَخِيْنَ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا لِّلْاُمَّةِ

ترجمہ: ”اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے اور

۱۔ سورہ فرقان آیت ۷۷

ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔“

اَرْنَا لَا تُرَخِّقْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

ترجمہ: ”اے ہمارے رب! جب تو ہم کو ہدایت دے چکا تو اب ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو کبھی میں جتنا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم کو رحمت عطا فرما۔ بے شک تو بڑا ہی دینے والا ہے۔“

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ

ترجمہ: ”اے (بیحدہ ہمیشہ) زندہ رہنے والے! اے (تمام مخلوق کو) قائم رکھنے والے! تیری ہی رحمت کے واسطے فریاد کرتا ہوں۔“

تمام فرض نمازوں کے بعد اور تہجد میں اپنی نگاہوں اور دل سے خیر کی خواہش کے لئے تکرار کر دینا مانگنے اور میاں بیوی میں الفت و محبت کی فکر و دعا خوب مانگیے۔

بچوں کا غصہ بیوی پر نہ اتاریں

کبھی یوں ہوتا ہے کہ کئی بار سمجھانے کے باوجود بچہ دانستہ طور پر غصی کرتا ہے۔ یہ وقت محض پیار و محبت سے سمجھانے کا نہیں ہوتا اور تھوڑی بہت ذانت ڈپٹ کی جائے تو آئندہ کے لئے اچھا ہوتا ہے، کیوں کہ بالکل نرمی اختیار کرنے سے بچوں کے دل میں یہ بات ٹھنکتی ہے کہ جو چھو کرنا ہے کرتے رہو، باپ بچہ کہتا ہی نہیں۔

سہ کشف الرحمن : ۳/۱۶۲

سہ سورۃ آل عمران آیت ۸

سہ کشف الرحمن : ۱/۳۹۲

سہ ترمذی، ابواب الدعوات، باب احادیث شنی من ابواب الدعوات: ج ۲ ص ۱۶۲

بذابت شہرت ملی پھلتی ذانت ڈپٹ بہت مناسب ہوتی ہے، لیکن اس میں ایک بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے، وہ یہ کہ بچے کو ڈانٹتے ہوئے بیوی کو لپیٹ میں نہ لیں، یعنی مدرسہ سے واپس پر پھسل بائیں بھول آیا، اب جناب آپ سے باہر ہو گئے اور شامی شرمع کی کہ کم بخت مبینہ میں اس بائیں گراتا ہے، گدے سے کو اپنی چیز کا احساس ہی نہیں، ہم تو کما کما کر تھکتے، یہ الٹا لٹا کر نہ تھکتا۔

اب اپنی بیوی کو بلانا شروع کر دیا کہ تم دونوں ماں بیٹا لاہ واپس ہو، تیری ماں بھی ایسی ہے پرانا ہے، اس کے دل میں میرے پٹے کا درد ہی نہیں۔ بالکل اوقات بچے کو چھوڑ کر بیوی پر ہی برس پڑے، وہ بھی بچے کے سامنے ہی۔

”تیری ہی تو تربیت ہے، اسے تو نے نکالتی بنایا ہے تو نے ہی نہ بڑھایا ہے، تیرے ابا پیارے اس کو بگاڑ دیا ہے، دیکھ لینا بڑا بولر تیرا ہی ساتھ چھوڑ دے گا، وغیرہ۔“

یاد رکھیے! یہ ایک مثالی باپ کو مذہب نہیں دیتا۔ اس کے نتائج بے حد خطرناک ہوتے ہیں۔ اگر کبھی بیوی نے جواب دیا تو فوجت بہت آگے تک پہنچ جاتی ہے یا بچے کے دل میں ماں سے محبت اور آپ سے نفرت ٹھنکتی ہے یا ماں کی اہمیت ہی اس کے دل سے نکل جاتی ہے اور بڑے ہو کر وہ بھی بے چارہ اپنی ماں کو ایسے ہی سناٹا ہے، جیسا باپ کو سناٹے دیکھا تھا۔

اگر آپ کی بیوی ایسے وقت میں آئے آتی ہے، جب آپ بچے کو ذانت دے رہے ہوں تو علیحدگی میں بیوی کو پیار سے دالیں دے کر سمجھائیے کہ دیکھو اس طریقہ پر تنبیہ سے ہی اصلاح ہوتی ہے، لہذا آپ کا حق میں پڑنا مناسب نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر آپ دیکھیں کہ جب تنبیہ کا وقت آیا، بیوی کی مامتا جائے غمی اور وہ فوراً دھیان میں آئی تو پھر بھی ان کو لپیٹ میں نہ لیجیے اور تنبیہ کا مرکز بچے ہی کو بنائے، اس کی ماں کو بچہ نہ کہیے، بلکہ بچے کے سامنے تو اس کی ماں کی تعریف ہی کیجیے۔

بچے کے سامنے اس کی والدہ کی تعریف کریں

مناسب موقع پر وقت، کچھ لمبے کے سامنے اس کی ماں کی تعریف کریں۔ ضرور کریں اور بچے کے سامنے اس کی ماں کو نصیحت بھی دیں۔ بھی ان کی بات بھی مانیں تاکہ بچے کے دل میں بھی اپنی ماں کی محبت بیٹھے اور بیوی بھی آپ سے خوش ہو۔ بھی بچے کی اصلاح مقصود ہو تو بچے بیوی کو احقرہ میں میں کہ فلاں وقت میں فلاں جینے وغیرہں کا، آپ اس وقت باطن خاموش رہیں گے اور بچہ پورا فائدہ اس وقت نہ سمجھ سکے گا۔ کہیں کہ میں بھی غصہ میں نہیں ہوں گا، بلکہ مسخوقی طور پر غصہ کروں گا۔ بعد میں وقت نکل پڑے کہ یا فرار کر کے دبا میں مشغول ہو جائے کہ اسے بعد اس بچے کی اصلاح فرماوے۔ اس کو ماں باپ کے لئے آنکھوں کی خدمتک دیاوے۔ اسی طرح بھی کھانا کھاتے ہوئے بچوں کے سامنے کہیں کہ ماشاء اللہ! آج تو تمہاری والدہ نے اتنا اچھا کھانا پکایا ہے۔ بیٹا ان کے لئے دعا کرو۔ دیکھو! وہ کتنی مشقت اٹھا کر ہمارے لئے کھانا تیار کرتی ہیں۔

کبھی رہنمائی سحر الہی کی تعریف کریں اور کبھی وقت کی پابندی کی تعریف کریں وغیرہ۔ جب بچے ماں باپ میں جوڑ دکھائیں گے اور ایک دوسرے کی تعریف سنیں گے تو ان میں بھی جوڑ پیدا ہوگا، محبت بڑھے گی اور ماں باپ کی یکساں محبت پیدا ہوگی۔ ماں باپ کی عزت و وقار ان کی نگاہوں میں بڑھے گا اور بڑے ہو کر وہ بھی تربیت کا یہی طریقہ سیکھیں گے۔

اگر آپ کی بیوی بچوں کو ڈانٹ رہی ہو تو.....؟

یہ ایک ایسا صبر آزماء اور کھنکھن مصلح ہے کہ اس میں اکثر لوگ پھسل جایا کرتے ہیں۔ یعنی جب یہ منظر سامنے ہوتا ہے کہ بچوں جیسے مصیوبہ بچوں والی کی ماں بڑی طرح جھڑک رہی ہو یا مار پیٹ کر رہی ہو، اس وقت والدہ کو بہت زیادہ قہر ہو۔

برہنہ باری کی خدمت ہوتی ہے۔ کہیں کہ ایسے ہی بیشتر مواقع پر شیطان تمہاری بیوی میں بیٹھنے والے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ ان میں لڑائی کرے، اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔ سب سے پہلے والد کی پوری شفقت جوش میں آ جاتی ہے، جو جوش پر غالب ہو جاتی ہے۔ لہذا اسے بیوی کی نقد اصلاح کا ٹیکہ جذبہ پر والی چڑھتا ہے۔ یہ بیوی کے قصاب کا رخ موڑ دیتا ہے اور بچہ وہ بڑوں کی جھلک میں چند چھوٹوں کا ستیا مان ہو جاتا ہے۔ آخر میں میاں بیوی دونوں پریشان ہوتے ہیں۔ میاں صاحب یہ سوچتے ہیں کہ یہ سب تو میں نے قیل قیلت سے ہی کیا اور مجھے تو گمان بھی نہ تھا کہ یہ جھگڑا اتنا لمبا ہو جائے گا۔

لہذا جب بھی ایسا موقع ہو تو فوراً پوچھ دو جانیں اور ان راستوں ہی کو بند کر دیں، جن سے شیطان کو چھٹنے کا موقع ملتا ہے۔ یعنی ایک تو بچوں سے محبت کے جوش میں نہ کھوئیں اور ایک پریشانی کو ختم کرنے کے لئے دوسری پریشانیوں کو پیدا مت کریں۔ ویسے بھی عربی میں محاورہ مشہور ہے:

اذهب الحصار لطلب القرنين فغادر مظلوم الاذنين

تشریح: کسی پرانے لکھے ماحول میں رہنے والے گدھے کو شوق ہوا

کہ سینک لگوانے چاہئیں، کچھ دلیو بندھ چائے گی تو سینک لگوانے لگے،

جب واپس آئے تو کان بھی کٹے ہوئے تھے۔

ایسا نہ ہو کہ بچوں پر تو دم کھایا اور بیوی پر ظلم کیا یا یہ کہ بچے اور ماں میں جو

ناپاکی، یا جھگڑا ہو رہا تھا، اس کو ختم کرانے کے بجائے خود بیوی سے جھگڑ پڑے۔

ایک جھگڑا ختم ہوا نہیں، دو جھگڑے اور پیدا ہو گئے۔

وہ میاں صاحب جو اس بات پر شکی رہتے ہیں کہ بیوی میں عقل نہیں۔ حالانکہ

ہے۔ بچوں کے ساتھ جانوروں کی طرح سلوک کرتی ہے، اس کے اندر ماں کی مامیت

نہیں، بچوں کو سنبھال نہیں سکتی، بچوں کے ساتھ شفقت و محبت والا معاملہ نہیں کر سکتی،

کیا کرے؟ خود بھی تو ایسے جاہل گھر میں پئی ہے، غیور تو کیا اس وقت شام صاحب..... صاحب عقل ہیں؟

غور فرمائیے! شیطان، جو مسلمان کا کھلا دشمن ہے، اپنے کمر و فریب میں کیسے کامیاب ہو گیا کہ بچے پر شفقت کے جذبہ کو ابھار کر..... مانا اور مانی کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ ایسے والدین صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ سوچیں اور غصہ دل سے غور کیجئے کہ آپ کو اپنی اصلاح کی زیادہ ضرورت ہے۔ آفتاب یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ بیوی اور بچے میں صلح کرائے بیٹھے تو بیوی سے لڑ پڑے، بیوی کو بچوں کی ڈانٹ سے روکنے کے لئے خود بیوی کو ڈانٹے لگے۔ پہلے دو قسم میں تھے، اب تین ہو گئے۔ پہلے شیطان کو کو رہنا رہا تھا، اب تین کو رہنا رہا ہے اور شوخی قسمت اگر یہ بھڑا ہاں اور ہاتھوں نے سن لیا تو چار ہو گئے۔ بہر حال یہ عقل مندی ہر زمین سے کہ بچوں پر رحمت اور شفقت کا جذبہ، میاں بیوی میں نفرت و عداوت کا جذبہ پیدا کر دے، بلکہ یہ تو خالص شیطان کا دھوکہ ہے۔

لہذا اپنے گھر کی معاملات کو صحیح طرح سمجھائیے اور کسی طرح بھی شیطان کو ان معاملات میں دخل اندازی کا موقع نہ دیجیئے۔ کیوں کہ یہ حقوق العباد میں سے ہے اور لوگوں کے ساتھ معاملات، خاص کر گھر کے افراد کے ساتھ اسلامی اخلاق رکھنا نہایت ضروری ہے اور مکمل دین کا یہ ایک بڑا حصہ ہے۔ اس میں غفلت و کوتاہی اور نفس و شیطان کی اطاعت، انسان کو بڑے بڑے ملکی کے کاموں سے دور کر دیتی ہے۔ ”عند اللہ وعند الناس“ لیل و نوار کر کے آخرت کے بڑے اجر و ثواب سے محروم کر دیتی ہے۔

اگر آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ آپ کی وجہ سے گھر میں تو تو میں میں وہی فضا قائم نہ ہو اور گھر جہنم کا نمونہ نہ بن جائے کہ نہ بیوی سکون کا سانس لے سکے نہ معصوم بچے اپنی صحیح جسمانی و روحانی توانائیاں حاصل کر سکیں تو ان شاء اللہ ایسی بات

کبھی ظہور پذیر نہ ہوگی۔

ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے کہ اکثر بچوں کا میلان ماں کی طرف زیادہ ہوتا ہے، وہ ماں کی فطرت تو اچھی جاکمیں گے، لیکن جب آپ بچوں کی ماں کو ڈانٹیں گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ باپ ظالم ہے، جو ماں کو جتنی بیٹھے نہیں، ڈانٹتے ہیں سکون کا سانس لینے دیتا ہے یا یہ سمجھیں گے کہ ماں بھی ظالم ہے اور باپ اس سے بڑا ظالم ہے، دونوں ماں باپ ایسے ہی ہیں، ہم نہیں اور جا کر زندگی بسر کریں۔ بہر حال شیطان کے کمر و فریب اور ایسی نازک صورت حال سے بچنے کے لئے چند تدابیر نکلتی ہیں، انہیں غصہ دل سے اور غور و فکر سے اور عمل کی نیت سے پڑھیں اور ان پر عمل کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ اپنے گھر کے معاملات کو اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ خود ہی سنوارنے کے اہل ہو جائیں گے اور شیطان کے کمر و فریب سے بھی بچ جائیں گے اور آپ کا گھر دنیاوی میں جنت کا نمونہ بن جائے گا۔

❶ جب آپ گھر میں داخل ہوں تو سلام کرنے کے بعد سب سے پہلے دو رحمت نکال پڑھیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معمول تھا۔ ان کی زوجہ فرماتی ہیں:

”إِذَا ارَادَ أَنْ يُخْرَجَ مِنْ بَيْتِهِ صَلَّى وَتَحَنَّنَ فَإِذَا دَخَلَ دَارَهُ صَلَّى وَتَحَنَّنَ..... لَا يَدْعُ ذَلِكَ أَبَدًا“

ترجمہ: ”جب وہ گھر سے نکلنے کا ارادہ فرماتے تو دو رحمت نماز پڑھ کر نکلتے تھے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو اس وقت بھی دو رحمت پڑھتے اور اس کو کبھی نہ چھوڑتے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”مَا حَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِي قِتْلًا إِلَّا

لے کتاب الموعود ج ۲ ص ۲۷۷

صلی و آلعن

قرآن مجید: ”خضر آرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی میرے گھر سے نکلتے ہیں تو دو رکعت پڑھ کر نکلتے ہیں۔“

اس دو رکعت پڑھنے سے آپ کی گتھیں کے گھر میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوں گی۔ بہت ساری خیر و برکات نازل ہوں گی۔ گھر سے پریشانیاں دور ہوں گی۔ بائیں، چپتیں دور ہوں گی۔ اہل گھر میں نماز پڑھیں، اس میں کوئی قصور نہیں ہوئی نہ ہو اور دینے بھی اپنے گھر کو فی دہ اور تہذیب کی آفتوں سے پاک رکھیں گے۔ رحمت کے فرشتوں کے داخلے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

۱۲ جب بھی آپ یہ دیکھیں کہ بیوی صاحبہ بچوں کو نماز یا اللہ یا نامناسب التبادات سے نواز رہی ہے یا اذیت دہی ہے تو آپ اس وقت زبان اور دل سے ذکر و دعا میں مشغول ہو جائیے کہ اب اللہ میری بیوی کو صحیح طرح سمجھانے کی توفیق عطا فرما اور میری اولاد کو ایسی ہدایت عطا فرما کہ وہ ایسے کاموں سے بچیں، جس سے ان کی والدہ کو تکلیف دہتی ہے اور اسی وقت بچے سے کہیں کہ بیٹا دیکھو امی آپ کے لئے اتنی تکلیف اٹاتی ہیں، آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بری بات ہے، جتنے بچے ایسا نہیں کرتے۔ ضد کرنا بری بات ہے۔ گلاس کو اچھی طرح اٹھاتے ہیں، آپ سے کہہ گایا، اس لئے امی ناراض ہو رہی ہیں۔ کتنی اچھی بات امی بتا رہی ہیں کہ غسل کرو، عمر آپ مان نہیں رہے، یا کپڑے تبدیل نہیں کر رہے، یا ہوم ورک نہیں کر رہے۔

الغرض اس طرح آپ بچے کو سمجھا کر تین فائدے حاصل کر سکتے ہیں:

(الف)..... ماں کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔

(ب) بچے کے ذہن میں یہ بات کبھی ہو جائے گی کہ یہ میری اتنی بڑی غلطی تھی کہ ماں باپ دونوں نے اس غلطی پر اتفاق کیا اور آئندہ اس طرح کی حرکت سے امی

۱۳ کتاب اللہ ص ۷۷

اور دونوں ناراض ہو جائیں گے۔

(ج) شیطان گھر سے ناکام ہو گا اور ذلیل و خوار ہو کر نکل جائے گا کہ اسے اپنے مقصد میں ناکامی اٹھانی پڑی۔

۱۳ ان معاملات میں آپ قبائلی میں نہ فہم الہیہ کو سمجھیں نہ بار بار دہرائیں۔ اگر آپ نے میں مرتبہ سمجھا یا اور اس کے باوجود الہیہ نے بچوں کو دہرائیں، یا دہرائیں اور اس بار کٹائی میں الہیہ کی ہی سہ فیصد غلطی تھی، تب بھی ایک سو مرتبہ سمجھنے سے ملے گا اور کوئی راستہ نہیں۔ اس بات پر یقین رکھیں کہ آپ کا وہ سمجھا جائے گا جس طرح اس کے لئے ضرور ہو گا، اس کا نتیجہ ضرور بالآخر وہ نکلتا ہے، چاہے دیر سے نکلتے۔ لیکن ہوسمجھنا لازم ہے نہ ہو، اذیت و ذلت اور سخت لہجہ میں ہوتو اکثر اس طرح سمجھنے کا نتیجہ صحیح نہیں نکلتا، خاص طور پر اگر بیوی سمجھتی ہے یا فیصلہ دہی ہے۔ اس کو ایسا سمجھاؤ، جس کے آخر میں دھمکی ہو یا تازیانہ الفاظ ہو یا اگر دہرائیں ہو، یا پڑھنے کا تذکرہ ہو، یا بچے کے لئے اللہ کی عتابی اور مال کی سہ فیصد غلطی بتائی جا رہی ہو یا بچے کی بڑی غلطی کو چھوڑ دینا جارہا ہو اور ماں کی معمولی غلطی کو بڑھایا جا رہا ہو یا ماں کی غلطی میں اپنے سسرال والوں کو لپیٹا جا رہا ہو، یا اپنی بہنوں اور بھائیوں کی مثالیں دے کر اپنی الہیہ و ذلیل کیا جا رہا ہو تو ایسی صورتوں میں نتیجہ بہت خراب نکلتا ہے، اور معاف کیجئے! اس طرح کا سمجھانا سمجھانا نہ ہوا۔

ابن اپنے دل میں یہ بات سمجھائیں کہ اس کا مانع نرم لہجے میں دہ کر کے سمجھانا اور صرف سمجھانا ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ میں بیوی کے غصہ کے وقت غصہ کرنا یا بیوی کی غلطی پر بچوں کے سامنے ٹوٹنا، نہ یہ بچوں پر رحم ہے، نہ اس طرح بیوی کی اصلاح ہوگی۔ نہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ایسے گھر میں پڑتی ہیں، نہ اس طرح گھر میں دونوں درست رہ سکتے ہیں۔ نہ آپ کے بچے ذہین اور حسرتی آسودگی اور ترقی حاصل

۱۴ کتاب اللہ ص ۷۷

کر سکتے ہیں۔ یعنی جتنا بھی سوچیں گے اور جس پہلو سے سوچیں گے سوچتے سوچتے
تھک جائیں گے، لیکن آپ کو اس پر سے غل کا کوئی خدوہ نظر نہیں آئے گا۔ یہ تو چند وہ
نقصانات ذکر کیئے گئے، جس کا تعلق آپ کے گھر اور بیوی بچوں سے ہے۔ اب مزید
سن لیجئے کہ اگر مشہدہ خاندان کے تحت آپ رہتے ہیں یا خاندان کے بھرانہ اکٹھے
رہتے ہیں تو ایسی زور آوری کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔

دیور، جیند، مندر، ساس، بیوی کے رشتہ دار ماں باپ وغیرہ ہر جگہ شور مچاتے ہیں
کہ فانی کا اس کے شوہر سے اس بات پر جھگڑا ہو گیا کہ اس نے چھوٹے عام کو تھپہ
کیوں مارا؟ جب کہ اسے بخار بھی تھا۔ یا نذیب کے پاؤں میں چوٹ لگی تھی، اس کے
باوجود اشرف کی بیوی نے اس کو مارا تو اشرف کو غصہ آیا اور غصہ میں اس نے نذیب
کی امی کو خوب ڈانٹا اور مارا پیٹا، ٹالیاں دیں۔ تب سے نذیب کی ماں اپنے میکے چلی
گئی اور نذیب اپنی پھوپھی کے گھر میں ہے اور اس کا بھائی اسلم اپنے چچا کے پاس
ہے۔ اس طرح پورا خاندان تھرتھرا رہا اور شیطان کی عید ہو گئی۔

غور کیجئے! اشرف اب دکان پر غن نہیں لے جاتا، اس لئے کہ بیوی صاحبہ میں
نطمی ہوئی ہے۔ بڑا بیٹا چچا کے گھر چھوٹی بیٹی اور بیٹا پھوپھی کے پاس ہے۔ جب
کہ چوتھی بیٹی بیوی اپنے ساتھ لے گئی۔ اب رات کو اشرف کبھی کہیں کھانا کھا رہا
ہے، کبھی نہیں۔ اس حالت میں نہ اشرف کوئی دنیا کا کام سمجھ کر سکتا ہے، نہ دین کا۔
ہر وقت بیوی پر غصہ ہے کہ یہی نالائق بیوی ملی ہے، بچوں پر اس کو رحم اور ترس نہیں۔
اشرف لہازوں میں بھی بیوی کے ظلم کو جی یاد کر رہا ہے۔ اور بیوی کے امتحانات چلنا
رہتے ہیں۔ معصوم بیٹی کو امی اور ابو بھائی بہن سے دھرمی نے جو کچھ یا بھڑا، وہ بھی بھڑا
دیا۔ اب اشرف نے جس عام کو ایک تھپہ سے بچانے کے لئے یہ ہنگامہ مچایا ہے، اس
کی حالت یہ ہے کہ عام کی شروعات سے پھوپھی کے جینے سے فتنی نہیں تھی۔ جب
پھوپھی کا بیٹا شاہد اس کے گھر پر آتا تھا تو عام کو مارتا تھا، اب تو عام اس کے گھر پر نہ

ہوتا ہے۔ اب جو کچھ بھی شاہد کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اس سے مارتا ہے۔ شاہد کی امی
شاہد کو ذائقہ ہے یا مارتی ہے تو شاہد کے ابو اپنی بیوی پر ناراض ہوتے ہیں کہ آخر کیوں
اس فتنی مصیبت کو گھر میں لائی ہو؟

غور فرمائیے! ایک تھپہ سے بچانے کے لئے کتنے تھپے وہود میں آئے! لہذا پوچھنا
رہیئے، وہ شاہد رہیئے، غصے کا پورا خیال رکھیئے اور غم کیجئے۔ جب بیوی کا غم اٹھتا ہو
جائے اور آپ مناسب سمجھیں تو سمجھ لے۔ اور جتنا خود سے ہو سکتا ہے، بچوں کی
ترہیت میں بیوی کے ساتھ تعاون کیجئے۔ مثلاً بیوی بچوں کے ساتھ آپ کسی رشتہ دار
کے ہاں گئے۔ واپسی میں ایک بچہ چل نہیں رہا ہے۔ کہہ رہا ہے: امی مجھے اٹھا کر لے
چلو۔ آپ بھی تجھے ہوتے ہیں اور بیوی بھی تجھی ہوتی، بچہ زور زور سے رو رہا ہے
اور بیوی صاحبہ بچے کو چہ نوروں کی طرح احسیت کر چلا رہی ہے۔ اب یہ مظلوم کیہ کر
ایک تو یہ ہے کہ شوہر زور سے چلائے اور چارہ امی سنیں کہ چٹکی اٹھا کیوں نہیں لیتی،
چارہ عام تھک گیا ہے، چل نہیں سکتا، اٹھانے میں کوئی موت آ جائے گی۔ ایک تو یہ
ہے کہ بیوی کو ڈنکھل کر اپنے کا طریقہ اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ سوچیں کہ گاڑی
کے پاس یا موٹر سائیکل کے پاس یا بس سٹاپ پر میں اتار چندی کیوں چلا گیا؟ بیوی
کے ہاتھ میں سامان ہے، وہ اٹھ نہیں سکتی گی، مجھے بیوی کے ساتھ ہی چلنا چاہیئے
تھا، چلو میں خود ہی اٹھ لیتا ہوں۔ آپ نے خود عام کو اٹھا لیا تو بیوی کو بھی سکون ملا اور
بیوی کے دل میں آپ کی محبت اور عظمت بھی بڑھی اور بچہ کا رونا بھی بند ہو گیا، اور
آپ کو خود اندازہ بھی ہو گیا کہ اللہ کر گاڑی تک لانا آسان کام نہیں۔ ہاں زور سے
چلا کر فتنہ دینا کہ بھگتی! اٹھاتی نہیں ہو، اس کو کیوں چپ نہیں کر داتی؟ وغیرہ کہہ کر
اپنا غصہ اتارنا بہت آسان ہے۔ لیکن جب آپ خود چپ کر دئے تو انھیں گے تو سمجھ
اندازہ ہو جائے گا کہ ضدی بچوں کو چپ کر دینے کے لئے کیسے دل گروہ کی ضرورت
ہے۔

بیوی امتحان کی تیاری کر رہی ہے، بچے کو پڑھا رہی ہے، کسی بات کو بار بار سمجھانے کے لئے باوجود بچے توجہ سے نہیں کر رہا، جس کی وجہ سے اس کو سمجھ نہیں آ رہی تو بیوی نے غصہ میں ٹھہر کر دیا۔ اب آپ کو چاہیئے کہ بیوی کا اس طرح تعاون کیجئے کہ بچے کے سر پر ہاتھ رکھ کر سمجھائیں کہ جتنا جس طرح کہہ رہی ہیں، دھیان سے سنو۔ ورنہ امتحان میں کیسے پاس ہو گئے؟

یا کسی طرح بھی سوچئے کہ میں بیوی کا تعاون اس معاملے میں کیسے کر سکتا ہوں؟

وہ آپ کی ٹیوشن فیس بچا رہی ہے، آپ کے بچے کے وقت کی حفاظت کر رہی ہے۔ اب شیطان آپ کے سامنے وہ طمانچہ تو دکھائے گا اور معصوم بچے کی سستیوں سے بھری ہوئی رونے کی آواز تو سنوائے گا، لیکن آج جسے سمجھنے سے بیوی ایک مضمون سمجھا رہی ہے اور بچہ توجہ نہیں دے رہا، وہ آج جسے سمجھنے کی مغز ماری آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرے گا۔

لہذا خود ہی ایک دن چھوٹے بچوں کو پڑھا کر دیکھ لیجئے، یہ اسامول نہیں تو چٹا، دل کی "ولی کی ضرورت ضرور پڑے گی اور شاید اہلیہ صاحبہ نے تو ایک ہی طمانچہ پر کائنات فرمائی تھی، لیکن جناب کے ہاتھ سے شاید زیادہ کی فوج آجائے۔

یاد رکھیئے! آپ خود بچے کو ہوم ورک نہیں کر دے سکتے، چھوٹے بچے کے آپ کہنے سے بھی نہیں بدل سکتے، صبح اسکول دھڑ دھڑ جانے کے لئے بچوں کے کپڑے وغیرہ نہیں سکتے، امتحانی نہیں کر سکتے، ماسی کے نہ آنے پر باور پتی خانہ کا کوئی کام نہیں کر سکتے، اپنا کھانا وقت سے مؤخر نہیں کر سکتے، بچے کے بیمار ہونے پر وہ نہیں چلا سکتے، سوچئے کہ میرا کام گھر میں تو تو میں میں کی فضا پیدا کرنے کے علاوہ اور کیا ہے؟

یہ روز مرہ کے ہمارے سامنے پیش آنے والے واقعات ہیں۔ چونکہ ہمارا

دارالافتاء سے کچھ تعلق ہے، اس لئے اس طرح کے مسائل اور پریشانیوں سے متعلق اختلاف کی روزانہ بھر مار ہوتی ہے۔ اکثر مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں ایسی چھوٹی چھوٹی چیزیں ہوتی ہیں جن سے شیطان بڑی بڑی آگ لگا دیتا ہے۔ ہر حال اس چھوٹی چیز کو بھاریوں کو بڑی آگ بننے سے روکنے کا طریقہ، بیمار و مبتلا سے سمجھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ لہذا اچھی طرح یہ بات سمجھ لیں کہ ایسے مسائل کا حل صرف اور صرف سمجھانا اور دعائیں کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

اگر آپ کے سمجھانے کے باوجود بیوی کی اصلاح نہ ہو اور وہ اپنی پرانی روش کو برقرار رکھتے تو یہ نہ سوچیں کہ میں نے سمجھا لیا، اب یہ بالاق سمجھتی ہی نہیں تو میں کیا کروں؟ بلکہ یہ سوچیں کہ میرے سمجھانے میں کیا کمی رہ گئی؟ یا میں کسی ایسی چیز پر مجبور تو نہیں کر رہا، جو اس بے چاری کی استطاعت میں نہیں؟ یا سمجھانے کے لئے میں نے مناسب موقع اور مناسب وقت اختیار کرنے میں کوتاہی تو نہیں لی؟ وغیرہ۔

آخر میں یہ کہ ساری دنیا کے انسانوں کے قلوب "اللہ حلّی جلالہ" کے اختیار میں ہیں اور آپ کے پاس بہترین وقت رات کے آخری حصہ کا ہے۔ اس میں انکو کمرہ در کمرہ، اللہ تعالیٰ شانہ، کی بارگاہ میں اتھا کریں کہ "اے اللہ! مجھے سمجھانے کا ذہنک عطا فرمائیے، میری زبان میں محاسن اور شیرینی پیدا فرمائیے، میری اہلیہ کی اصلاح فرما دیجئے اور اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے سمجھ دیا فرما دیجئے۔" اور میری اہلیہ کو ایک بات پر جمع فرما دیجئے اور بچوں کی تربیت میں ہم دونوں کو ایک نتیجہ اور ایک فیصلہ پر جمع فرما دیجئے۔"

مذکورہ بالا دعائیں مانگتے ہوئے مناسب موقع اور مناسب وقت دیکھ کر اہلیہ سے بات کریں اور اس مثالوں کے ذریعہ سمجھائیں، حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہیں نہیں اور سمجھانے کے بعد بھی دعا مانگیں۔ ان شاء اللہ الرحمن اس طریقہ سے بہت ہی فائدہ ہوگا۔ اگرچہ اس طریقہ سے سمجھانے میں کافی وقت لگتا ہے اور مغز ماری بھی

زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ فوراً ملتا ہے اور اس کا فائدہ بھی دینے پر اور مرض کا علاج یقینی اور حتمی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ ہمارے صحیح رہنمائی فرمائیں۔ آمین۔

یہی کہہ سکتا ہے واسطے شہر کا ایک ایسا واقعہ انہی کی زبان پر نقل کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس واقعے کے ذریعے ہم سب کو محبت کچڑے اور نصیحت قبول کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

تہائیوں کا عذاب

میں ایک ایسا مرد ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیدہ و نظر میں لے کر اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور نہ اس کی نعمتوں کو سنبھال کر رکھا۔ میرا باپ بچپن میں فوت ہو گیا تھا اور میری ماں نے مجھے بڑی محنت و مشقت سے پرورش کیا اور اس قابل کیا کہ میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں۔ لوگ مری بننے کے بعد جیسا کہ سب ماؤں کی آرزو ہوتی ہے کہ جلد بیٹے کا کھڑا ہوں، ماں نے بھی مجھے بہت سی لڑائیاں دکھائیں، مگر میں کیونکہ اپنے خاندان کا پہلا فرد تھا اور میں خوش شکل اور چرب زبان بھی تھا اور لوگوں کو متاثر کرنے کے فن سے بھی آشنا تھا، اس کے علاوہ مفرور اور خود ہونے کے باعث میں اپنے غریب رشتے داروں کو مدد تک نہ دیتا تھا۔ آخر ایک ٹرنکی کو دیکھ کر میں نے ہاں کر دی اور ہاں میری شادی ہو گئی۔ اب اسے میری پسند نہیں یا نہ کہیں، لڑکی میری دیکھی بھالی تھی اور ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ سلیقہ شعار اور فرض شناس تھی۔ خوبصورت تو نہ تھی، بس قبول صورت تھی۔ شمع محفل نہ بن سکتی تھی، نہ جان محفل بننے کی صلاحیت رکھتی۔

لہذا جلد ہی وہ میری نظر میں سے گر گئی۔ لیکن وہ میری زیادتیوں کا اپنے گھر والوں سے تذکرہ تک نہ کرتی۔ جس طرح شادی سے پہلے ماں میرے کام کرتی تھی، اسی طرح اس نے سنبھال لئے، مگر جو وہ میرے ماں کے ساتھ لائقیتی کا تھا، وہی یہی

کے ساتھ رہا۔ نہ میں نے بھی ماں کا خیال لیا تھا۔ نہ یہی کا۔ جب بھی میں اپنے دوستوں کے گھر جاتا اور ان کا اپنے خاندان والوں سے پیار محبت کا سلوک دیکھتا تو اپنے رویہ کا فرق محسوس کرتا۔ میں حد سے زیادہ خودم اور خود پرند تھا۔ جلد ہی یہی نے میری طبیعت کا اندازہ کر لیا۔ کبھی کبھی وہ مجھے احساس دہانے کے لئے دوسروں کی مثال دیتی تو میں چڑ جاتا۔ کوئی رشتہ دار عورتیں میری یہی کی تعریف کرتیں تو میں جمل لڑ یہی میں ہمارے عیب نکال کر اس کو بددل کر دیتا اور اگر یہی کسی دوست کی اس طرح تعریف کرتی کہ وہ اپنی یہی کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے، اتنا خیال رکھتا ہے، تو میں دوست میں کوئی بڑا عیب نکال کر اس کو زرا تار تار یا بچہ ایسے دوستوں کے گھر یہی کو لے جاتا ہی تھیں۔ ابتدا میں وہ میرے بڑا خیال کرتی۔ گھر کے اندر باہر کے تمام کام خوش اسلوبی سے ہو جاتے۔ بچے بھی جلد ہی جدی ہونے لگے۔ وہ میرے آداب کی خاطر الگ چھوٹے بچوں کو لے جا کر سوتی۔ جدی جلدی بچوں کی پیہاش اور کامیابی کی زیادتی کے باعث گھر اس سے کوئی کوتاہی سزاؤں ہو جاتی تو اس کے بدلے اس کو نہ صرف اپنی ماں اور بچوں کے سامنے لالچاں دیتا، بلکہ اس کے احتجاج پر اس کے اوپر ہاتھ اٹھانے سے بھی باز نہ رہتا۔ آج دن جاؤں تو پہنچ کر اب میں سوچتا ہوں کہ لوگ جانور بھی پالتے ہیں تو اس سے پیارا کرتے ہیں اس کا خیال رکھتے ہیں، مگر میں تو اپنی ذات کے خول میں بند تھا۔ ماں، یہی، بچوں، سب سے خدمت لیتا مگر خود کسی کے کام نہ آتا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے کیسے بڑے ہونے؟ کب بڑا ہوئے اور کیسے صحت یاب ہوئے؟ کمر کیسے چلایا جاتا ہے؟ اور کس کس اشیاء کی قیمتیں کب بڑھیں؟ مجھے کچھ معلوم نہ تھا، گھر والوں نے مجھے ہر غم سے آزاد کر دیا تھا۔ کچھ بھی میں دفتر جانے اور پیسے کم کر لیا کر دینے کو اپنے گھر والوں پر احسان سمجھتا تھا۔ میرے سارے دوست دفتر کے نور پر جاتے تو یہی کو بھی اپنے پاس سے غلت لے کر جاتے، مگر میں یہی پر روپیہ خرچ کرنے کو مشغول خریدی سمجھتا، نہ صرف اس کی

یہ دینی کو وہم بھوکہ نظر انداز کرتا، بلکہ اس کے طاعت سے بھی بے خبر ہو جاتا۔ اگر وہ بیمار یا تھک کر مجھ سے پہلے سو جاتی تو اس کو گالیاں دیتا۔ بڑھتی ہوئی عمر اور بیماری کے باعث اس نے اپنے کام بچوں میں تقسیم کرنا چاہتے تو یہ بھی میں نے اس کی کام چوری تصور کی اور اسے سخت عاصت کرتا رہا۔ وہ کہتی کہ میں مر جانے کی تو کھڑکوں سنبھلے گا؟ تو میرا جواب ہوتا کہ کل کیوں مرنے لگا؟ آج مر جاؤ تو تمہارا پوچھنے والا کون ہے؟

جب بیوی بیمار ہوتی تو بچانے اس پر توجہ دینے کے دوسری شاہوی کے چکر میں گھر سے باہر رہتا۔ جب وہ مسلسل بیمار رہتے لگی تو میں نے دوسری شادی رچا لی۔ دوسری بیوی بہت چالاک تھی۔ اس نے گھر اور بچوں کے کاموں سے غفلت بردی بھر میرے ذاتی کام خود سنبھال لیے۔ اس طرح مجھے اس نے اپنا غلام بنا لیا اور میں اس کے اثر میں آ کر بچوں تک کو بھول گیا۔ اس کی سزا قدرت نے مجھے اس طرح دی کہ جب میری دوسری بیوی کے ہاں ولادت ہوئی تو دوسری بیوی مر گئی۔ پہلی نے اگرچہ طلاق نہ لی تھی، مگر اپنے بچے جانی بھی تھی۔ مجھے گھر یلو کاموں اور بچوں کو سنبھالنے کے لئے پھر اپنی پہلی بیوی کو بلانا پڑا، مگر اس نے میرے پاس آنے سے انکار کر دیا کہ جس گھر میں میرے بچے نہیں ہیں، میں وہاں آ کر کیا کروں گی؟ کیونکہ وہ تیلی ماں کے سلوک اور شادی کے بعد میری بے رخی کے باعث، میرا انکھوتا اور تھوڑا بیٹا امریکا چلا گیا تھا اور اپنی ماں کو بھی اپنے پاس بلا لیا تھا۔ ایک لڑکی تھی، جس کی سوتیلی ماں نے ایک بڑھے سے شادی کر دی تھی، جو اسے لے کر وہی چلا گیا تھا۔ آج میں تنہا اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہوں۔ دوست احباب رشتے دار مجھے پر طنز کر کے چلے جاتے ہیں کہ یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کی ناشکری اور مخلوق خدا کو ستانا اور غرور و تکبر کا نتیجہ ہے۔ اب میں ہوں اور میری یہاریاں میری ساتھی ہیں۔ مگر نہ اولاد میرے پاس رہن گوارا کرتی ہے اور نہ کوئی رشتہ دار۔ زس رکھنے کی مجھ میں استطاعت نہیں۔ اگر

خوشی حرام نہ ہوتی تو میں اب کا کر چکا ہوتا۔ بس تمہاریس کے مذہب قبول رہا ہوں۔

نکتہ چینی

① نکتہ چینی، محمد صانہ انداز، اعتراض، بحثیں، تہلیل، یہ تمام دور روحانی بیماریاں ہیں جو گھریلو غلط فہمیاں اور تعلقات کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ میاں بیوی میں، حاکم مملوک میں، باپ بیٹے میں اور ماں بیٹی میں محبت کے بجائے نفرت پیدا کر دیتی ہیں۔

لہذا ان تمام بیماریوں سے خود بھی بچنے کی پوری کوشش کیجیے۔ اور غلاموں کے بعد اور تلاوت قرآن کریم کے بعد دعا مانگیے کہ اے اللہ ان تمام بری حالت سے میری اور سارے مسلمان بھائی، بہنوں کی حفاظت فرما۔

ماہر نفسیات کہتے ہیں، دنیا کا آسمان ترین کام، دوسروں کے اعمال پر نکتہ چینی یا اعتراض کرنا ہے۔ لیکن اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے کہ اعتراض کے بجائے اصلاح کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ادفع بالیٰ حسی احسن﴾

ترجمہ: ”جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو۔“

یعنی داعیان حق کی خصلت یہ ہونا چاہیئے کہ وہ لوگوں کی برائی کو طریق احسن سے دفع کریں۔ وہ یہ کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ لینا اور معاف کر دینا تو مکمل حسن ہے اور احسن یہ ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا، تم اس کو خوف بھی کرو، اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ بھی کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں حکم یہ ہے کہ جو شخص تم پر غصہ کا اظہار کرے، تم اس کے مقابلے

۱۷ بنگرہ روزنامہ جنگ

۱۷ سورہ مائدہ آیت ۳۳

میں صبر سے کام لو۔ جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے، تم اس سے ساتھ علم بردباری کا معاملہ کرو۔ اور جس نے تمہیں ستایا، اس کو معاف کرو۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی شخص نے گالی دی یا برا بھلا کہا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: اگر تم اپنے کلام میں بے دھوکہ میں مجھ سے غلط اور برا بھلا کہو، تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے۔ اور اگر تم نے جھوٹ بولا ہے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرما دے۔

بہت سے علماء کرام نے چینی یا اعتراضات صحیح اور صحیح جذبہ سے کرتے ہیں۔ نبوی کو یا اللہ! کو راہ راست پر لانے کے لئے یا گھر کے حالات صحیح کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اور بعض فقہاء اپنے دل کی بجز اس نکتہ چینی کے ذریعے نکالتے ہیں۔

یاد رکھیں! ان دونوں صورتوں میں نکتہ چینی اور اعتراض، جلتی پر تیل کا کام دیتا ہے۔ یا اعتراض کی چوٹی ہی چٹکائی، آگ کے شعلوں کی شکل میں بجڑا۔ اسی

نکتہ چینی اور اعتراض کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بار بار اس طرح کہنے سے طبیعت میں احتجاج و مزاح میں چڑچڑاہٹ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر ہم بات کہنے اور سمجھنے کا انداز بدل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جینے اور چرنے کی حالت ہی بن جاتی ہے۔

تیسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بار بار نکتہ چینی اور اعتراض سے جب اثر نہیں ہوتا تو خود والد تھک جاتا ہے اور بالآخر خاموش ہی ہو جاتا ہے کہ میرے کہنے سے بھی کسی کے کان پر جوں تک نہیں رہتی تو کیا فائدہ ہے! میں تو انہیں کے فائدے کے لئے کہہ رہا تھا، مگر یہ نہیں مانتے تو یہ جانیں اور ان کا کام۔ اور اس طرح شیطان اس نکتہ چینی اور اعتراضات کے ذریعے سے کھوں میں لڑائی جھگڑے کروا کر کامیاب ہو

جاتا ہے۔ یا مایوس کروا کر اصلاح کی کوشش کو ناکام بنا دیتا ہے۔

نکتہ چینی تعلقات کو ایسے راستے پر لے آتی ہے، جو بھی قسم نہ دے دے وہی چکر کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ نکتہ چینی اصل مسئلہ سے قہر ہٹا کر بذات خود ایک مسئلہ بن جاتی ہے۔ ایسے افراد کسی ایک مسئلے کو حل کرنے نہیں چاہتے۔ تو انہیں سے پہلے تین مسئلے اور پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ پہلا مسئلہ حل ہونے کے بجائے اور پیچیدہ ہو جاتا ہے۔

مثلاً: بچے اسکول یا مدرسہ سے آکر جوتے، موزے، بیگ، قمراس اس طرح لاپرواہی سے رکھ دیتے ہیں کہ ایک یا شعور و محبت، ذمہ دار خاتون خانہ اور ایک ماں کی حیثیت سے یہ تمام منظر و کلیہ کو سمجھ جاتی ہے۔ اور روایتی انداز میں سب پر چینی پڑاتی ہے۔ خصوصاً اس کے یوم میں یا بچہ کو دودھ پلانے کے زمانے میں اس کی تیند کے چرنے نہ ہونے کی وجہ سے اس کی طبیعت میں چڑچڑاہٹ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس پر شوم، اکی پن اور اس کی تربیت پر نکتہ چینی کرتا ہے اور اس کے نقصانات میں سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بچے زیادہ بے ادب ہو جاتے ہیں، تشدد ہو جاتا ہے، بڑے بیٹے اور بیٹیاں ماں کے اندر چڑچڑاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ بیوی، شوہر سے شک آ جاتی ہے اور شوہر، بیوی سے اور اپنے خیالات کی تائید میں، اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ بھی برسنی سے پیش آئے، الٹی ان کی ماں کا قتل، اس لئے مزید ایک ثبوت فراہم کرکے کہ میری بیوی اتنی خالہ ہے جس نے مجھے اور میرے بچوں کو دق کر رکھا ہے۔ یہ مجھ سے اور میری والدہ اور بہنوں سے کیا نہیں کی۔ بلکہ اپنے ہی بیٹے، جن کو وہ بے تک پیٹ میں رکھا، اپنے خون جگر سے ان کی دودھ کی شکل میں پیرہن کی، لیکن آج وہ بیٹے بھی اس سے شک ہیں۔

لہذا یاد رکھیں! نکتہ چینی جس پریشانی کو دور کرنے کے لئے یا جس مسئلے کے حل کرنے کے لئے کی جاتی تھی، وہ تو حل نہیں ہوا، بلکہ اور بہت سارے مسائل پیدا ہو

گئے۔ اور بہت سی پریشانیوں و جدوجہد میں آئیں۔ اور گھر کے بہت سے افراد کو آپ نے اپنے سے دور کر دیا۔

ابزارتہ بخفی سے خود بھی پچھنے اور دوسروں کو پچھنے۔ غلط فہمی سے بچنے کے لئے ہم پیشہ آور نکلتے ہیں۔ ان کو غور سے پڑھنے اور سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ حسن اخلاق و نرم لہجہ اور شفقی زبان عطا فرمائیے۔

۱) بات واضح انداز میں سمجھائیں

بات صاف اور واضح کریں مبہم بات نہ کریں۔

اسکول یا مدرسہ۔ ٹیچنگ کے لئے غائب! ساری رات سو رہے، صبح صبح صبح بھی سو رہے ہیں۔ یہ تو برا کھڑا ہے۔ جو چاہے کہ وہ کچھ لوہا، کپڑا، خانہ لک رہا ہے۔ اسکول کے بچوں پر بھی استری نہیں ہوتی۔ رات کو سو رہے کہ کب کیوں نہیں سوئے! لائق سمجھا یا تھا کہ پیشاب کر کے سو جاؤ، رات کو پیشاب نہیں کیا تا؟ وغیرہ یہ تمام غلط فہمیاں سے پر ہیں۔ بڑی بی بی سے، میں تمہیں اتنا غیر ذمہ دار کیسا نہیں چاہتا، یہ عزت اپنے بال سلکھا کر کٹکھی میں بال بونٹی بھوز دیتی ہو۔ ہمیشہ میں چہتا رہتا ہوں کہ بال ٹسلی جلی میں چپک چپک کر نالی بند کر دیتے ہیں، وغیرہ جیتے دکھائے ہوئے کے بجائے انہیں واضح الفاظ میں نرمی سے سمجھائیں اور ہرگز تھک نہ انداز نہ ہو۔

مثلاً بچوں سے کہا کہ اپنے کپڑے الماری میں قرینے سے رکھو۔ اس سے آپ کو بھی یہ فائدہ ہوں گے اور میرے کاموں میں بھی آسانی ہو جائے گی، جس سے اللہ تعالیٰ بھی آپ سے خوش ہو جائیں گے اور میں بھی۔ یا "دیر نہ لگانا" کے بجائے، مغرب کی نماز پڑھ کر فوراً آجانا یا شام پانچ بجے آجانا" کہہ کر وضاحت کریں۔ اور اس کے فوائد ضرور بتائیں۔

۲) الزامات نہ تھوپیں

کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے پریشان ہونا چھوڑ دیں۔ اور ساتھ ہی گھر والوں پر الزام نہ لگائیں کہ اس خرابی میں ان کا ہاتھ ہے۔ کسی مسئلہ میں زیادہ وقت پریشان ہوں، تو فوراً اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت صلوٰۃ الٰہیہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے باتیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَسْتَعِينُوا بِالْغَضَبِ وَالصَّلَاةِ﴾

تَرْجُمہ: "اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے۔"

یعنی مشکلات میں اور مہمات میں اجرت برداشت اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ ہر مشکل وقت اور مہم میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہو جاتے تھے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور بظاہر جو کام بندوں کے ہاتھ سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں، دراصل وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے قیاد سے ہوتے ہیں۔ اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں۔ اور صلوٰۃ الحالت، اپنی حاجتیں پوری کرانے اور پریشانیوں دور کروانے اور ذہنی بچوں سے باتیں متوانے کا بہترین اور معتد ترین اور سب سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جن بندوں اور بندوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہوا ہے، ان کا یہی تجربہ ہے اور انہوں نے دو رکعت حاجت کی نماز کو خزانہ الہیہ کی کنجی پایا ہے۔

جب آپ صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر، دعا مانگ کر، پھر اپنی ذہنی بچوں سے کہیں گے، تو آپ کا یہ عقیدہ اور یقین زیادہ مستحکم اور مضبوط ہو جائے گا کہ کام کرنے والا

۱۵ سورۃ البقرہ آیت ۲۵

دراصل وہ بندہ نہیں ہے۔ نہ اس کے پاس اختیار میں ہے۔ بلکہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر اگر وہ کام ہو گیا تو آپ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے پر مزید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب و انعامات میں کے اور نعمتوں میں اور زیادہ ترقی ہوگی اور کام نہ ہونے پر یقین ہوگا کہ یا تو اس کام کے نہ ہونے میں میرے لئے خیر ہے۔ یا میرے مانگنے میں کمی ہے یا مجھے مانگنے کا تو اجر مل گیا۔ اور اس چیز کے نہ ہونے یا قدرت کی جانب سے صبر حاصل ہو جانے کا اور یہ جو شکایت بیوی سے یا بچوں سے ہوتی ہے، وہ ختم ہو جانے کی اور دل بھی مطمئن ہو جائے گا۔ کسی پر الزامات تو اپنے کے بچائے اپنے ہی نفس پر اور اپنے ہی برے طریقے سے ڈالنے اور کلمہ چینی کرنے کے انداز پر افسوس ہوگا اور مزید وہ نہیں مانگنے اور رو کر دعا میں مانگنے کی توفیق ہوگی۔

کوئی واقعہ رونما ہونے کے بعد اس کے نتائج پر بھی الزامات نہ توہیں۔ کہ کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ گھاس یہاں پر مت رکھو پھر بھی نہیں مانا۔
یانی ختم ہو جانے پر سب پر الزام نہ ڈالیں کہ کیجھو کتا زیادہ زیادہ پانی تم لوگ بہاتے رہتے ہو یا تم سے اتنا کام نہیں ہوا کہ کئی دنوں سے ٹکا ٹپکا رہا ہے اور اب تک ٹکا نہیں بدلا۔ یہ طریقے سب نامناسب ہیں۔
موقع شناسی اور مردم شناسی، یہ فعل مند شاہ اور باپ کے وہ جوہر ہیں۔ جس کا استعمال ہر حالت میں بہت ہی مفید رہتا ہے۔

۳ "کیا چیز صحیح ہے؟" پر توجہ دیں

یہ ایک ایسا بہترین اور قیمتی اصول ہے کہ والدین، اساتذہ یا کسی بھی شعبہ کا سربراہ اس کو اپنالے، تو وہ اپنے ماتحتوں میں محبوب بھی بن جائے گا اور طاقت اس کی خواہش و مشاک کے موافق کام بھی کریں گے اور اس کو اپنا سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ

اپنا استاد اور معلم بھی بنیں گے۔ وہ یہ بات کہ خوش گوار ماحول پیدا کرنے کے لئے "کیا چیز صحیح ہے؟" کے جانے، "کیا چیز صحیح ہے؟" پر توجہ مرکوز کریں۔ جو غلط ہے، اس کو بھول جائیگا اور صحیح کیا ہے، وہ بچوں کو سمجھائیں۔ اپنا کرنا چاہیے اور کیا ہونا چاہیے، یہ سمجھائیں، نہ یہ کہ یہ کیوں کیا؟

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی عادت مبارک تھی "كُنَّا نُوَافِقُ رَسُوْلَ الْمَدِيْنَةِ لِمَا ذَكَرَ هَا" وہ برائی کو نہ کر دیا کرتے تھے، اس کے ذکر کو ختم کر کے۔

جب برائی کا ذکر ہی نہیں ہوگا تو وہ خود ہی ختم ہو جائے گی۔ جس بری بات یا عادت کو آپ اپنے گھر کے بچوں سے ختم کرنا چاہتے ہیں، اس کا ذکر ہی ختم کر دیں۔ کچھ کو کوئی شخص بنانے کے لئے پتھر پھینکے تو اس کے چھیننے کرتے پر بھی پڑیں گے۔ لہذا برائی کو برائی سے جمنے کی بجائے، برائی کو نیکی سے دور کیجیے۔ اسی طرح بڑوں کا ارشاد ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

بَانَ لِلّٰہِ عِبَادُ یَسْتَوْنَ السَّاطِلُ یُصْخَرُہُ وَیُخْیَوُ الْحَقُّ یَذْکُرُہُ
تَنْجَحُہُ۔ "اللہ تعالیٰ کے کچھ بند ہیں، جو باطل کو مار دیتے ہیں اس طرح پر کہ باطل بات و چیز دیتے ہیں اور حق کو زندہ کرتے ہیں، اس کا تذکرہ کر کے۔"

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قادیہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو وصیت فرمائی۔ جس میں ایک وصیت یہ بھی تھی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں،

اِنَّا سَعْدُ لَا یَغْوُ ثَلَاثُ مَنَ اللّٰہِ اِنْ قُلَّ حَاقِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ وَصَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ۔ فَاِنْ اللّٰہُ

عزوجل لا یضخو النبیء مالمشیء ولکنه یضخو النبیء
بالحسن (۱)
ترجمہ: ”سعد ہمیں یہ بات بتاؤ کہ میں نہ اے کرتے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کے ماموں کو ملاتے ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ابو عبد
اللہ برائی کو برائی سے نہیں ملاتے، بلکہ برائی کو بخلائی سے ملاتے
ہیں۔“

ان تین تدبیر پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضرور سوچیں کہ اہلیہ صاحبہ
میں چیز چاہتیں کس وجہ سے پیدا ہو رہی ہیں؟ غیظ کی کمی کی وجہ سے یا کسی بیماری کی وجہ
سے یا کاموں کی کثرت کی وجہ سے؟ اگر کوئی ایسی عارضی وجہ ہے تو اس سے حل کی
پوری کوشش کیجیے، اور اس زمانے میں اہلیہ کو معذور سمجھیں۔ اگر وہ اس وقت بچوں کو
پور پیار نہیں دے سکتی تو آپ اس کی کوپورا فرمادیں۔

اب دھا کریں کہ اللہ تعالیٰ انفرادی و اجتماعی (یعنی گھر میں اور گھر کے باہر کی)
زندگی کے مراحل میں ان اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین یا
رب العالمین۔ اب کتاب بند کر کے ان تین اصولوں کو سوچیں کہ آپ اس پر عمل
کر سکتے ہیں؟ اور کتنا عمل اب تک کیا ہے؟

بیوی کی غلطی پر صبر باعث مغفرت

حضرت مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے یہ بات کتنی واضح
ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ خود باقی رہنے والا ہے۔ اس لئے جو کچھ اس کے پاس ہے
وہ بھی باقی رہنے والا ہے۔ اور جو کچھ تمہارے پیچھے ہوئے عمل اس کے پاس پہنچے گئے
وہ بھی باقی رہیں گے۔ یعنی دنیا کی لذت اور خوشی پا کر ہم نے اگر اللہ تعالیٰ کا شکر

کر لیا تو لذت اور خوشی تو اسے دیں نہیں۔ مگر اللہ کے وہ چند نعمات جو ہم نے اپنی
زبان سے ادا کر لئے، وہ اللہ تعالیٰ کے پاس باقی رہیں گے اور مسرت اور کیف کا
صدمہ تو ہمیشہ باقی رہے گا، ہاں اس پر صبر کے نئے نئے اسباب حیات چھوڑنی
اختیار کر لیں گے اور قیامت کے دن اللہ سے نہ کہہ سکیں گے کہ اگر ایک نیکو کا نیکو بار
بدلہ عطا فرمائیں گے۔ (۱)

اب سوچئے اور ذہن دیکھئے کہ آج سے بیوی کی غلطیوں پر صبر کروں یا
برداشت کروں گا خواہیسی تہ غلطی ہو یا بے، لیکن برداشت کر لوں گا۔ اس لئے کہ
اس غلطی پر جو صدمہ اور تلافی ملے گی، وہ سب، جیسا وہ کبھی نہ کبھی ختم ہو جائے گی،
لیکن اس ذہنی صدمہ پر صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرنا اور اللہ تعالیٰ کو راضی
کرنے کے جذبہ سے معاف کر دینے کی باقی رہنے والی فضیلت، ہمیشہ ہمیشہ کے
لئے اللہ کے پاس ہمارے حساب میں جمع ہو جائے گی۔

مثلاً: اگرچہ بیوی کی غلطی کا ذہن درست طریقے سے بند نہ کرنے یا بھلی سے
استعمال کی کم سے کم کرنے کی تاکید کے باوجود غفلت و کوتاہی پر یا باہر چلی جانے کے
باسب خراب ہونے اور جلدی نہ بدلنے کی وجہ سے رات کو اندھیرے میں کسی چیز سے
ٹکرا گیا، اب اس سے جو تلافی ہوئی، اس پر سخت لہجہ میں آپ نے بیوی کو ذرا اور
اس نے بھی پلٹ کر غصہ کا انداز اختیار کیا۔ اب اس کے معمولی غصہ پر آپ کو شدید
غصہ آئے گا، مگر اس پر صبر کیجیے اور یہ سوچئے اور بار بار محاسبہ کریئے کہ بدزبانی نہ تو
بہت رہے گی اور نہ اس کا نقصان ہمیشہ قائم رہے گا، بلکہ صرف بدزبانی بھی سب
فیاض چیز پر ہم نے اس کے بدلے ایک اور گالی دے دی تو بیوی کی اور ہماری دونوں
کی بدزبانی کا کتنا وہ دونوں پر باقی رہ جائے گا اور یہ کہ ہم کو دنیا و آخرت دونوں میں
نقصان پہنچا سکتی ہے۔ لیکن اگر ہم اس وقت بدزبانی کو برداشت کر گئے اور جواب اس کو
دلا اور اس مفتی اعظم مروجہ مفتی عبدالرؤف سکروی مدظلہ

کہہ دیا کہ اللہ تم کو نیک ہدایت دے، جب تمہارا قصہ ختم ہو جائے گا، پھر بات کریں گے اور میں تمہیں سمجھا دوں گا یا تم مجھے سمجھا دیو۔ جس کی غلطی ہو، وہ مان جائے۔ تو یہ دعا یہ سنتے ہوئے واسطے سرمایہ آخرت ہو، اس کے واسطے ذرا پیچہ ہدایت بن جائیں گے۔

یاد رکھئے! انسان و معدومہ کے آثارات تصور کی اور جس یا تھوڑے دنوں میں ختم ہو جائیں گے، لیکن باقی رہنے والی اس صبر یا سہمہ کی کہ ہر سہمہ میں ملنے والی نیکیاں یا برائیاں ہوں گی، جس کا مظاہرہ اس انسان کو پا کر ہم نے اپنے دل اور زبان سے کیا۔

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس حضرت مولانا محمود دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ دیوبند ہی کے باشندے تھے۔ بڑے عالم تھے اور فاروق علماء کے استاد تھے۔ حضرت شیخ الہند دارالعلوم کے پہلے شاگرد اور مولانا محمود پہلے استاد، ان دونوں حضرات سے دارالعلوم کی بنیاد پڑی۔ ان کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا۔ ان سے پوچھا کیا گزری؟ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اس نے بخش دیا۔

پھر پوچھا: مغفرت کا سبب کیا ہوا؟

فرمایا اور کسی چیز کے بارے میں یا پڑھنے سمجھنے کے بارے میں تو کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ درس و تدریس کے بارے میں بھی اسی نے نہیں پوچھا۔ البتہ کہا گیا کہ فلاں دن تم نے اپنے گھر میں کچھ بی پکانے کو کہا تھا اور کچھ بی میں نمک تیز ہو گیا تھا۔ اور بیوی نے غلطی سے نمک تیز کر دیا۔ اور تم نے اس کچھ بی کو میرے ساتھ کھا لیا۔ اور اپنی بیوی کو کچھ دیا نہیں اور تم نے اس تلیف کو میرا اور قتل کے ساتھ برداشت کیا اور اس لئے اس کا اظہار نہیں کیا کہ اس سے اس کا دل دکھے گا۔ اس سیر و جمل کے نتیجے میں تمہیں بخشا جاتا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ انوی و ظائف ہوتے ہیں، جب کسی کو انجام دینا ہوتا ہے تو معمولی چیز پر بھی انوی دیا جاتا ہے۔

دیوبند ہی کے ایک مدرس اور بڑے عالم مولانا مفتی علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہزاروں بزرگوں کے استاد تھے، خود میرے والد صاحب رحمہ اللہ علیہ (یعنی مفتی عبدالرؤف صاحب مدظلہم کے والد) کے استاد تھے۔ کچھ عرصہ میں چنانچہ ان کا انتقال ہو گیا۔ شاید یہ کوئی قہری مرض پیش آیا اور وفات ہو گئی اور کوئی تمہیں دیکھ تو لے دیا کوئی دوسرا شخص بھی پاس نہیں تھا۔ ان کے مرنے کے بعد ہمارے عزیزوں میں سے ایک صاحب نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا ہوا؟

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور یہ فرمایا کہ تیری موت بے کسی میں آئی اور اس پر ہمیں رحم آیا اور تمہیں بخش دیا۔

تو ایسا ہوا کرتا ہے کہ بعض اوقات اللہ جل شانہ چھوٹی چیزوں کو قبول کر لیتے ہیں، عمل چھوٹا ہوتا ہے، لیکن وہ اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے، اس سے قبول کر لیا جاتا ہے اور ہمارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، بار بار اس لئے کہہ رہا ہوں تاکہ لوگ اس معاملہ میں نہ پڑ جائیں کہ بس اتنا چھوٹا سا عمل کر لیا اور باقی سب کا سچوڑ، یہ تو بھی بخشش ہو جائے گی۔

ایک شخص سے کوئی کہہ دو گیا تو کسی اللہ تعالیٰ کے ولی کے پاس گیا کہ یہ گناہ ہو گیا ہے۔ تو فرمایا، تم اپنی بیوی کو محبت سے ایک قصہ اللہ و راضی کرنے کے جذبہ سے کھلا دیا، اللہ تعالیٰ یہ بھی اللہ کے غنیمت و عذر کرے گی، اس لئے کہ یہ بیوی کو قصہ کھانا بھی صدقہ ہے، اور صدقہ اللہ کے غنیمت اور عذر کرتا ہے، صدقہ بنا کر کھانا جاتا ہے۔

سلہ از مجلس مفتی اعظم مرتبہ حضرت مفتی عبدالرؤف سکھری مدظلہم ص ۴۰۰

بیوی کا دل نہ دکھائیے

ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ مقدمہ اور عملی طور سے اس بات کی وحش کرے کہ میرا زین کھن، اشنا بیٹھا، چن بھرا، غیہ دایا ہو، جس سے دوسروں کو راحت پہنچے، کسی کو جھگ سے تکلیف اور ذرا بھی غصے نہ پہنچے۔ غور کیجئے قرآن کریم میں ایسے لوگوں کا عہدہ اور جمن کیا گیا ہے، جو زمین پر چلتے ہیں، آہستہ۔ یہ مطلب نہیں کہ چال چروٹی کی ذمہ بھگد ان کی چال سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی بڑا آدمی جا رہا ہے۔ یا لوگ ان سے جا ملتا نہ کھٹکوا کریں تو وہ کھٹاں "سائن" اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ چال کا جواب سائنٹی سے دین۔ یہ قلم کا جواب عدل سے دین۔ اس عنوان سے اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے آہستہ چلتے ہیں کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، پستی یا جزی سے چلتے ہیں۔ سینہ کھل کر نہیں، چلتے کسی کو دھکا دے کر نہیں چلتے، اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبَدَنِهِ"

"مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہے۔"

مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو تکلیف عام طور پر کسی کو زبان اور ہاتھ سے پہنچتی ہے۔ اپنے زین کھن اور چال، چال، بول چال، ایسی بنائے کہ کسی اپنے یا پرانے کو تکلیف نہ پہنچے۔ اسی طرح فرمایا ایمان کے ستر شعبے ہیں اس میں اونی یہ ہے کہ راستہ کی تکلیف دینے والی چیز بھادو، جس سے دوسروں کو فزیت ہو۔

آتی اہمیت دی ہے، اس عمل کو کہ شعبہ ایمان قرار دیا ہے۔ ایک یہ ہے کہ ہم نے پھر راستہ میں آگ لگائی، مگر ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو راستہ سے ہٹا دیں۔ اور جو خود ذال و سب لگتی چیزیں اس کا دیا کرنا، ہمیں یہ بات یاد رکھنا چاہئے

سَلَامَةُ الْإِيمَانِ بِكَلِمَاتِ الْإِيمَانِ وَالْمُسْلِمُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَبَدَنِهِ

سَلَامَةُ الْمُسْلِمِينَ بِكَلِمَاتِ الْإِيمَانِ وَبَدَنِهِ

کہ مسلمان کو تکلیف دینا گناہ و گنہگار ہے۔ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ کسی کے دل کو بھون کرنا اس سے بڑا گناہ ہے کوئی گناہ نہیں، اور کسی مومنین کا کسی طریقہ سے دل خوش کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ قرآن وحدیث جاری کوئی گناہ نہیں ہے، اس بات سے کہ ایذا دہانی سے بچو۔

ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ قید ہونے کا جواب بیان کیے۔ ان میں سے ایک کی یہ تعبیر تھی کہ تم پیش کرو گے، بادشاہ کی خدمت میں ہو جاؤ گے، دوسرے کو چھائی ہوئی۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کی تعبیر متعین تھی اور یہ بھی متعین تھا کہ شاہی ساتھی بڑی ہو کر اپنی ماہریت پر پھر فخر فرماؤ گا اور باورچی کو سولی دی جائے گی، مگر غیہ اندہ شفقت و رحمت کی وجہ سے متعین کر کے نہیں بتایا کہ تم میں سے فلاں کو سولی دی جائے گی۔ تاکہ وہ ابھی سے غم میں نہ کھلے، بلکہ جہانی طور پر یوں فرمایا کہ تم میں سے ایک رہا ہو جائے گا اور دوسرے کو سولی دی جائے گی۔

غرض یہ ہے کہ اللہ وہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے دل کو اونی درجہ کی تشویش دینے سے بھی منع کیا ہے۔ فرمایا ایک مجلس میں تین آدمی ہوں تو وہ آدمیوں کو کاٹا پھوسی نہ کرنا چاہئے کہ تیسرا اکیلا رہ جائے گا۔ اس کے دل کو تشویش ہونے کا ہنگامہ اس کو لگائی نہیں دی، برا نہیں کہا مگر اس سے پھانیا کہ تشویش نہ ہو۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ گھر میں تھنا تھے، اہلیہ صاحبہ کسی عزیزہ کے یہاں گئی تھیں اور حضرت سے کوئی بھی نہیں کہہ کر پہنچا دیں۔ حضرت کو یاد نہ رہا اور ڈر رہ گھولنا بھول گئے۔ نماز و سلامت میں دل نہ لگا، کچھ دیر بعد مضمین لکھنا چاہتے تھے مگر اللہ نہ ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے بعد قہقہے سے مولاں چاہی، اس وقت دل میں آیا آج مرغیاں کھولنا بھول گیا ان کو بند کر لے کہ یہ انی کچھ ۲۷ ص ۲۷ (یوسف ۲۱)

کہا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے میرا دل بند کر دیا۔ اللہ پاک نے جن کو ہوسیت دی ہے ان کے سامنے تو مرفعی کا دل دکھانے پر بھی دھماکہ ماری ہو چاتی ہے، جو اندھا دھند کھٹے دل دکھاتے ہیں اس کا احساس ہی نہیں۔ ان کا دل بھلا ہوا تھا۔ وہ اگر کسی وقت ذرا بھی حق قبولی سے دور ہو جاتے تو ان کو اطلاع ہو جاتی ہے اللہ پاک فرماتے ہیں ”جس کسی کے گھر جاؤ بغیر اجازت کے نہ جاؤ، اور جا کر سلام کرو۔“ اور ایسے وقت جاؤ کہ اس کے کھانے کا وقت نہ ہو۔ آرام کا وقت نہ ہو یہ فرائض میں ہے اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔

قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ دوسرے کو ایذا پہنچانے سے بچو۔ کسی کی ناموسری سے بچو کسی کے دل پر بار نہ آئے پاس۔ اپنی طرف سے پوری وحش ہو۔ وہ بوجہ ارادہ ہو کہ مجھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ میری وجہ سے کسی کا دل نہ دکھے، قصد نہ دیا جائے ارادہ نہ ہو کہ میں کسی کے دل دکھنے کا ذریعہ نہ بنوں۔ حسب یہ نیت ارادہ ہوگا اور پھر اس کے لئے دعا بھی ہوگی اور کوشش بھی ساتھ ساتھ جاری رہے گی تو اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔ خاص طور پر نبوی اور مانتوں کا بہت ہی خیال رکھنا ہوگا کہ میری وجہ سے ان کو تکلیف نہ پہنچے نبوی کا دل نہ دکھے۔ صرف شوہر کی اس نیت اور دعا سے کہتے مسائل حل ہو جائیں گے۔

بعض لوگ کسی کا دل دکھنے کا ذریعہ بن کر ذہنیت کا سبب بن کر کہتے ہیں کہ میرا ارادہ نہیں تھا کہ ایسا ہو، بس ہو گیا، اہل علم فرماتے ہیں کہ اتنا کافی نہیں ہے کہ ارادہ نہیں تھا بلکہ یہ ضروری ہے کہ یہ ارادہ کرے کہ مجھ سے تکلیف کسی کو نہ پہنچے۔ یعنی حقوق العباد کے معاملے میں صرف عدم قصد اذیت کافی نہیں ہے بلکہ قصد عدم اذیت کرنا ضروری ہے۔ جیسے نگاہوں کی حفاظت کے معاملے میں بھی بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ نگاہ کار ہونے سے بچنے کے لئے صرف عدم قصد نظر کافی نہیں ہے بلکہ قصد عدم نظر ضروری ہے۔ ورنہ ہر شخص اپنی روایت سے نگاہوں کو وسیلاً تجوز سے رکھنے

اور تھیں عام غیر عام عورتوں کی ریل ریل ہوتی تو نظریں گھما کر رہتے اور کہتے کہ میں نے جان کر ارادہ سے تو نہیں دیکھا، تو اس کو بھی سنبھالنا پڑے گا کہ تو اس ارادہ ہی کب کیا کہ نظر نہ پڑے، خوب سمجھ لیں کہ صرف یہ دعویٰ کہ میرے قصد کے بغیر نظر دل کے سامنے آ رہی ہیں تو میں کیا کروں؟ کافی نہیں ہے۔ بلکہ یہ قصد اور ارادہ (اور اس کے مطابق عملی بہت بھی) لازم ہے کہ میری نظر نہ پڑے۔

نظر کی حفاظت نہ کرنے کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اپنی بیوی چاہے وہ اتنی بھی حسین ہو نگاہ سے گر جاتی ہے، اس لئے کہ شیطان کا یہ بہت بڑا ہتھیار ہے کہ دوسروں کی عورتوں کو مرد کی نگاہ میں بہت خوبصورت دکھاتا ہے اور اپنی حیا کی بیوی کو بدصورت دکھاتا ہے، تاکہ مریاں نبوی میں جھگڑے ہوں۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ اپنی نگاہ چشمی و بیہ قلبی دونوں کی ترقی سے حفاظت کرے کہ دل میں بھی کسی ناجوز عورت کا تصور کر کے لذت حاصل نہ کرے۔

اور یہ دعا کرے:

اللہم طہیر قلبي من النفاق وعسلي من الزیاء ولساني من الکذب وعيني من الغیابة فإنک تعلم خائنة الأعین وما تخفی الصدور

ترجمہ: ”اے اللہ! میرا دل پاک کر دے نفاق سے اور میرا عمل ریا سے اور میری زبان جھوٹ سے اور میری آنکھ خیانت سے کیونکہ تو خوب جانتا ہے آنکھوں کی چوری اور جو سینوں میں چھپا ہوا ہے۔“

نظر کی حفاظت کے لئے موابہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا ایک وعظ ”آنکھوں کی حفاظت کیجیے“ کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید رہے گا۔

نیوی کو بھی بُرے القاب سے یاد مت کیجئے

اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ بُرے القاب کے خلاف یا کُرت اور طعنے لہر کے ساتھ مخالفت سے اصلاح نہیں ہوتی، قبیح طور پر شوہر کے ظالم و بابر ہونے کا تو احساسِ نبوی کے دل و دماغ پر چھا جاتا ہے۔ اسی طرح شوہر کے بے وقوف اور بے وفا ہونے کا بھی یقینِ نبوی کو ہو جاتا ہے کہ چھوٹی سی نشانی پر یا غصے پر ہی باتِ تحقیق کیلئے اپنے خیالات میں میرے تصور وار ہونے کا حتمی فیصلہ کر کے مجھ پر بچوں کے سامنے کس طرح برکتے ہیں، ایک تو ان میں عقل نہیں، دوسری بات دوسرے جانوروں سے بھی زیادہ بے وفایں کہ میں صبح سے شام تک شوہر اور بچوں کے لئے کاموں میں لگی ہوئی ہوں اور تھوڑی سی غفلت پر ان سب احسانات کو بھول کر آپ مجھ سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں ظالم، جنگلی، پاگل، کام چور وغیرہ.....

اس طرح کے بُرے القاب بعض اوقات نبوی کے دل و دماغ میں اس طرح بیوست ہو جاتے ہیں کہ وہ بھولے بھی نہیں بھولتے۔ اور بعض اوقات تو شوہر کے انتقال پر جب اس کے کفنِ کفن کی تیاری کی جا رہی ہوتی ہے اور عورتیں سب روتی ہیں اور بیوی بھی خوب دل سے روتی ہے مگر اس واپسے تصورات میں وہ غلط، وہ جگہ و وقت، وہ اچھا یا بُرا رہتا ہے کہ اس وقت بھی جہاں شوہر کے اور احسانات یاد رہتے ہیں وہاں یہ برا منظر بھی یاد رہتا ہے کہ مرحوم جب فصد ہوتے تھے تو چیر چھڑنے والے دندوں کی طرح کانٹے دھرتے، اور جو کچھ منہ آتا تھا بول دیتے تھے۔

لہذا ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ ضرور اس بارے میں اپنا محاسبہ کرتا رہے، بار بار اکیلے میں اپنے آپ سے کہتا رہے کہ وہ شوہر ضرور ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں پہلے وہ انسان یعنی اشرف المخلوقات ہے۔ وہ شیر، چیتا، یا سانپ، بچھو کی طرح نہیں ہے۔ اور پھر اشرف المخلوقات میں وہ مسلمان ہے۔ جس کی تعریف و تہنیت سادق، سید

الرسول، آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے

”الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ“

ترجمہ: ”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔“

تو ہر مسلمان میں سے نبیِ نبوی کے لئے حق داخل ہیں۔ مسلمان کے پاس سمجھانے اور نصیحت و تنبیہ کے علاوہ اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ اگر ۹۹ مرتبہ کوئی بات آپ نبوی کو سمجھانے کے لئے کہے اور پچھلے میں نے وہی خطی کی ہے تو یہ دیکھیے، سوئی مرتبہ بھی آپ کے پاس سمجھانے کے علاوہ اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔

نوٹ: ادا فائدہ میں اگر کہتے ہیں کہ مفتی صاحب! ہم نے اپنی بیوی کو ہزار مرتبہ یہ بات سمجھائی ہے پھر بھی نہیں سمجھتی۔ تو مفتی صاحب! ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟

کوئی بتاتا ہے دس سال، بارہ سال، تیرہ سال وغیرہ تو ہزار مرتبہ تو پھر بھی نہ ہوا ہزار مرتبہ تو سفید جھوٹ ہے۔

یاد رکھیئے! شیطان آپ سے ہزار مرتبہ کا اٹھوا کر آپ کے نفس کو دھوکہ دیتا ہے کہ ”دیکھ تو ملے ہزار مرتبہ سمجھا، یا پھر بھی یہ بات نبی نبوی نہ سمجھی!“

بلکہ آپ تو اپنے آپ کو یوں مطمئن کیجئے کہ اگر بالفرض داخل میں نے ہزار مرتبہ بھی سمجھا دیا تو اب بھی میرے پاس سمجھانے کے وہ کوئی راستہ نہیں ہے۔

حضرت شیخ الاسلام حضرت شبیب احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے ”حق بات حق نیت سے حق طریقہ سے کہی جائے تو ضرور مؤثر ہوتی ہے۔ جہاں بات مؤثر نہیں ہوتی وہاں ان تین باتوں میں سے کسی بات کی کمی ہوتی ہے۔ اگر ان رعایتوں کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ مؤثر ہوگی، مخاطب اثر قبول

۱۰۰ بخاری، کتاب الایمان باب المسلم من مسلم المسلمون من لسانہ ویدہ: ج ۱ ص ۶

اگر کے صحیح عمل کرے گا۔ اگر غلط عمل نہ بھی کرے تو کم از کم یہ فائدہ دانی ہے کہ اس کو صحیح علم ہو جاتا ہے۔

غور کیجئے، اس عبارت کو دوبارہ پڑھیں یہ اس تجربہ کار عالم کی بات ہے جس کو امام شیخ الاسلامؒ کے نام سے پکارا جاتا ہے اور بے شمار لوگ ان کی تفسیر اور مسلم شریف کی شرح سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

آپ اگر نبی کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو ان بڑے القابات سے اگر جدا ہو جائیں گے کبھی بھی اصلاح نہیں ہو سکتی، جو اصلاح کا طریقہ ہے وہ اپنا ہے، آپ کے لئے بھی اس میں عافیت ہے حفاظت ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اپنے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں لکھتے ہیں، حضرت والد فرمایا کرتے تھے کہ تکلیف (علامت) ہمیشہ مذہبی یا ناجائز بات پر ہوتی چاہیے اور تعمیر مٹھ پر تکلیف کرنا خود قہرِ قلیب ہے کیونکہ یہ مٹھ ہے۔ لہذا بعض لوگ جو مساجد پر یا محفلِ آداب و مستحبات کی تعمیر پر تکلیف کرنا شروع کر دیتے ہیں ان کا طرزِ عمل درست نہیں ہے۔ آداب و مستحبات کی تعمیر تبلیغ تو کرنی چاہیے ان کی ترقیب بھی دینی چاہیے اگر کوئی شخص کسی مستحب کو چھوڑ دے تو اس کو تنہائی میں نرمی سے متوجہ کرنے میں بھی مضائقہ نہیں لیکن اس پر تکلیف و ملامت کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جو حضرات محفل کسی ترکِ مستحب پر مجمع عام میں روک ٹوک یا ناراضگی کا اظہار شروع کر دیتے ہیں ان کے طرزِ عمل میں دو غلطیاں ہوتی ہیں۔ ایک تو تعمیر مٹھ پر تکلیف کرنا۔ دوسرے جس شخص پر روک ٹوک کی جاری ہے اسے مجمع عام پر دھوا کرنے کا انداز اختیار کرنا۔ اور بعض اوقات

۱۔ خود دہلی میں مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا ہے

۲۔ تعمیر مٹھ

۳۔ حج التلم

اس تمام تکلیف و ملامت کے جس پشتِ جب اور نظرائیت بھی کار فرما ہوتی ہے جو ایک مستقل عہدہ ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو حضرات اس طرزِ عمل پر کار بند ہوتے ہیں، عام طور سے دیکھ کر یہ سب کچھ دین کے اہم معاملات سے ان کی نگاہیں اوجھل جاتی ہیں۔ آداب و مستحبات بڑے محبوبِ اعمال ہیں۔ ان پر چلنے و سمٹنے میں جو تو عمل کرنا چاہیے اور دوسروں کو پھیلانے و محبت سے ان کی ترقیب بھی دینی چاہیے لیکن ان کے ترک پر تکلیف و ملامت کا انداز اختیار کرنا درست نہیں۔

یہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ امرانی ہے قرآن و حدیث فقہ و تفسیر کی تعلیمات کا تجویز اور خیر ہے۔ لہذا وہ بھی کیجئے اور کسی وقت میں اور کثرتِ نفل پڑا کر دیا جائے۔ اب اللہ امیر ہے اندر سے اپنی قوم بڑی عادتیں نکال دیں اور لوگوں کے ساتھ خاص خود پر نبوی پچوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

بعض اوقات چھوٹی سی بات پر شوق و بہت ہی فضا آجاتا ہے خصوصاً اگر قوتِ یرغویٰ چھ نہ ملے۔ مثلاً شہید پیاس کا تھنا ہے، اب دیکھا تو گھاس نہیں مل رہا، سر میں درد ہو رہا ہے، منہ میں کوئی آواز لی، اب پانی پینے فریق کے پاس گئے تو بوتل نہیں رہی، ہوئی غسل کرنے میں گئے تو صابن نہ تھا، اب ان طرح سب مراحل پر صبر کریں، اور یہی کو ضرورت سمجھیں لیکن طریقہ سے سمجھائیں۔ سب سے پہلے تو پوشش کریں کہ اسی وقت نہ سمجھائیں بلکہ تین نمازوں کا وقت گزرنے کے بعد سمجھائیں۔ شہد آپ کو یہ پادشانیِ فقر کے بعد ہوتی ہے تو ظہر، عصر، مغرب ان تین نمازوں کا وقت گزر چکا ہے۔ پھر مٹھا کے بعد سمجھائیں۔ اسی طرح اگر کوئی تکلیف و بات عصر کے بعد پیش آئی تو پوشش کیجئے کہ فجر کے بعد سمجھائیں اور سمجھتے ہوئے یہ طریقہ

۱۔ ماخوذ از میرے والد میرے شیخ برص ۱۳۸

ہرگز اختیار نہ کریں۔

یہ قوم تین سے بڑے بڑے باطل ہو، دہلی کی سب سے پہلی چٹانوں مجھے پانی کی خدمت دینی ہے تو مردوں میں لڑائی نہیں رکھتی، تین تمام دولت ہو کر میں نے تعجب کیا کہ تم آج تو اسے بڑے میں دے رہے ہو، چھوٹی لڑائی میں جو کچھ تم نے چھوٹی نہیں بنائی وغیرہ۔

بلکہ برے القابات دینے کے اس انداز سے بچتے ہوئے مثبت انداز میں سمجھیں۔ اور تین نمازوں کے وقت گھر سے نکلتے ہوئے یہ بھی ضرور سمجھیں کہ اس میں میری کیا غلطی ہوگی، دہلی آپ انداز کرتے ہوئے غلطی نہ ملے۔ سوچیں کہ تو فیوض کی غلطی میں آپ کو اپنی بھی غلطی نظر آئے گی۔ مثلاً، اپنے آپ کو بول سبھنے کے تم نے بولی مرد میں کیوں رکھی بغیر پانی کے کھوسے ہوئے یا غسل کرنے سے پہلے صابن، تولیہ خود کیوں نہ دیکھ لیا وغیرہ۔

کچھ دینی کے لئے دوبارہ اگر میں یاد دہانی کروا دیتا تو کوئی میری شان میں بد لگ جاتا، اور انسان ہے جس میں جاتی ہے صرف جھوٹے پر خام، چور، پاتھ، بیوقوف، باطل، ظالم، بدتریت اور غلطی کے القابات سے آرمیں کسی کو نوازتا ہوں تو حقیقت یہ کہ میں اپنے آپ ہی کو بدتریت، بدتریت، ان تمام القابات اس طرح کرنے سے بہت ہی فی حد و کما آپ اوسوں میں سے ہونا، صحت و صافیت ملے گی، کھریلو، جھڑوں کے ساتھ اور بہت سارے باز کے جھڑے بھی فتم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے دونوں کے درمیان آپ محبوب ہو جائیں گے۔

دوسری کی غلطی کو اپنی غلطی تسلیم کرنا اور اپنی غلطی نہ ہونے کے باوجود اعتراف جرم اور تداومت کا انداز اختیار کرنا بڑے دل گروہ کی بات ہے۔

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اپنے آخری دور میں ایک جماعت نے ساتھ انصاف تحریف لے گئے، اور احکامِ مذہب میں قیام نہ

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے پانا پور میں غلامی، بیعت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریب میں رکھا تو حضرت امجد علی کے لئے اپنے بچوں نے بڑی حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو گھبراہٹ ہو کر ہاتھ لگ کر سے تاحی سے پھینکے اور پانا پور حضرت کے پھینکے میں تاحی ہوئی، جس کے سبب شایک ہوئے والے مہمان انتہائی گھر کے وہاں پہنچ گئے۔ جب مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ پہنچے تو مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے تاحی سے آنے کی شکایت کی تو حضرت نے فوراً فرمایا کہ غلطی ہوگی۔

اللہ بھلا اپنے وقت سے فرمایا کہ ابھی میری ہی غلطی کہہ کر اپنی غلطی دینی چاہتی تھی مگر یاد رہے کہ ابھی ہے کہ ہم غلطی کے دوست ہوتے ہیں اسی وقت کریں، یہ کام اس مزاج و چاہتا ہے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس کا مزاج اچھا اور غلاموں کی جھیلنا ہے۔

تو ہم پہلے اگر اپنی غلطیوں کو محسوس نہ کیا ہوں گے تو اللہ تعالیٰ آپ میں وہ صفات قبولیت پیدا فرمائیں گے جن صفات کی بنا پر آدمی سے نبیوں کا کام یعنی (دعوت الی اللہ) کا کام لیا جاتا ہے۔

بچے سے دوستی کیجیے

تعلیم کا مقصد فقط یہ نہیں کہ ایک مخصوص نصاب آپ نے بچے کو دیا اور بچے نے امتحان پاس کر لیا، بلکہ باپ کا فرض ہے کہ وہ اپنے معصوم بچے کی عمومی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کی عملی زندگی کو بھی پیش نظر رکھے اور اس کی ایسی تربیت کرے کہ وہ زندگی کے ہر امتحان اور زمانے کے ہر طرح کے حالات کو سہارنے کی طاقت رکھتا ہو۔

سلا مافول از ارشادات و مکتوبات حضرت مولانا شاہ محمد الیاس دہلوی ص ۲۲

اس کے لئے ضروری ہے کہ بچے کے اندر ایک طرح کی خود اعتمادی ہو اور وہ یہ کام اعتماد سے کرتا ہو اور یہ خود اعتمادی بغیر کچھ کے خود اعتماد اور مددگار ماحول سے پیدا ہونا مشکل ہے، اس لئے کچھ کے اندر کا ماحول خود اعتماد، مددگار اور بے تکلف ہونا چاہیئے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر معصوم بچے کو ڈانٹنا، پینکارنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اس سے بچے میں اضطراب اور خوف پیدا ہوتا ہے جس سے وہ زندگی کا کوئی کام چھوڑنا شروع کر سکتا۔ اس لئے باپ یا چاہیئے کہ بچوں کی بہتری کا خیال رکھتے ہوئے ان کے لئے مثبت اور قیمتی دلچسپیاں اور مشاغل فراہم کریں جن سے صحت مند خطوط پر بچوں کی جبلتوں کی تسخیر ہوتی ہو اور ان کے جذبات کی صحیح تفسیر ہو اور وہ کسی محرومی کا شکار نہ ہوں۔ بچوں کو آہستہ کا احساس دلائیے، اور اس بات کا احساس دلائیے کہ کچھ میں اس کی بات بھی وزن رکھتی ہے، اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور اس کا ایک مقام ہے۔ اس کے لئے بچوں کو ان باتوں اور احساسات کے اظہار کا موقع دیجیئے جو وہ دوستوں کی محفل میں اپنی مہمندی یا کسی اور وجہ سے ظاہر نہیں کر سکتے۔

لہذا بچوں کو کبھی کبھار اپنے پاس ڈھالیے، ان سے بات کیجیئے، ان کی بات سنئیے، ان کو باتوں میں سہ آگوشی سے شریک کیجیئے، ان کو موقع محفل کے مطابق سوچ سمجھ کر بیان کھلائیے، ان کے چھوٹے چھوٹے مسائل سنئیے اور ان میں دلچسپی کا اظہار کیجیئے، ان کے ساتھ ان کے تخیل میں شریک ہو جائیے اور ان سے یوں محفل مل جائیے کہ وہ آپ کو اپنا گہرا اور مفصل دوست سمجھیں اور اپنی ہر بات آپ سے بلا تکلف کہہ سکیں۔ اس طرح ان کی پریشیاں اور مسائل آپ کے سامنے آئیں گے اور آپ آسانی کے ساتھ اس کا حل تلاش کر سکیں گے اور انہیں کئی خارجی لغویات اور اغزشوں سے بچا سکیں گے۔

لیکن اس بات کا خاص خیال رکھیئے کہ اگر آپ کے سامنے بچے کی کوئی خطا یا

نقصانی آنے تو آپ جان بوجھ کر اس کو نظر انداز نہ کریں اور نہ آپ کا یہ طرز عمل بھی اس کو اس کام کا ماحول بنا دے گا، بلکہ ایسی صورت میں آپ اس کی غلطیوں کی نشان دہی اکیلے پا کر کریں اور اسے مناسب طریقے سے بغیر دلچسپی کے ہوئے سمجھا کر منع بھی کریں کہ اسے ناگوار نہ گزرتے اور وہ آپ سے اپنی باتیں چھپانے نہ لگے۔

ایک نکتہ سمجھیں کہ اتنی جتنی خفیک نہیں کہ وہ بچہ آپ کو ناگوار سمجھ کر کچھ نہ کہہ سکے، اور اتنی بے تکلفی بھی خفیک نہیں کہ باپ بیٹے کے مقدس رشتے کا خیال ہی نہ رہے اور جو منہ میں آئے وہ جھٹ سے کہہ دے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے بچوں کی صحیح تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بچوں کے لئے ایسے دوست تلاش کیجیئے

یہ بات ایک حقیقت ہے کہ انسان پر اس کے ہم نشین کا بہت زیادہ اثر پڑتا ہے، اگر ہم نشین اچھا اور نیک ہے تو اس کی طبیعت بھی نیک کی طرف مائل ہوتی ہے اور اچھے اور نیک کام کرنا اس سے سیکھا آسان ہو جاتا ہے اور برے کاموں سے اس کی طبیعت خود بخود متعلق ہو جاتی ہے۔ اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے "المرءۃ علی ذین علیہا" یعنی آدمی اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے۔ لہذا ہم میں سے ہر ایک کو یہ لے کر وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے مقام پر مثال سے سمجھایا ہے۔ فرمایا: نیک دوست کی مثال ایسی ہے جیسے مشک (خوشبو) بیچنے والا کہ یا تو آپ اس سے خوشبو خرید لیں گے، یا وہ آپ کو بدبو دے گا ورنہ کم از کم اس کی خوشبو تو تپتی ہی رہے گی۔ اور برے دوست کی مثال بھی جھوٹے والے کی طرح

ملے • مکتبہ جہانگیر

ہے کہ یا تو بھاری اثر کرتے ہیں یا کم از کم اس کی آگاہی دے دیا تو بدبو تو بچنے کی ہے۔
اس نے باپ کی فہم داری ہے کہ وہ بچے کے دوستوں پر نظر رکھے اور کسی ایسے
بچے سے پرہیز کرے جو بدی کی راہ لے۔ جس سے اس کے اخلاق یا اعمال بگڑنے کا
خطرہ ہو، اور خود اپنے بچے کے لئے اچھے دوست تلاش کر کے بچے کی دوستی ان سے
کرائے۔ بچے کے لئے اچھے دوست تلاش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی
کرائے، اپنی اہلیہ یعنی بچے کی والدہ سے بھی دعا کروائیں کہ اللہ ان کی اولاد کو
نیک ساتھی اور شریف دوست عطا فرما اور برے دوستوں سے ان کی حفاظت فرما۔

دوستی کے لئے جن صفات کا ہونا ضروری ہے وہ آپ اچھے طریقے سے جانتے
ہیں، الہت یاد دہانی کے لئے ہم چند صفات بیان کرتے ہیں جن کا حامل، اچھا دوست
ثابت ہو سکتا ہے۔ ان صفات سے پہلے یہ بات اچھی طرح یاد رکھیں کہ دینی ماحول کا
بچوں پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ لہذا اپنے بچے کو دینی ماحول دیجئے، اس کے لئے
آپ کے پورے گھر کا دین دار ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ بچے بات سے زیادہ
عمل سے سیکھتے ہیں۔

وہ صفات یہ ہیں:

① جس بچے سے آپ اپنے بچے کی دوستی کرنا چاہتے ہیں، وہ بچہ آپ کے بچے
کا ہم عمر ہو، اپنے سے عمر میں وزن یا چھوٹے بچوں سے دوستی نقصان دہ
ثابت ہو سکتی ہے۔

② اسی طرح اس بچے کے والدین بھی نمازی اور دیندار ہوں، ان کے گھر میں فی
دی اور اسی طرح کی دوسری خرافات نہ ہوں۔ اور ان کا معیار آپ کے معیار
زندگی کے برابر ہو، اپنے سے بہت زیادہ امیر سے دوستی بھی مناسب نہیں۔

③ نماز، روزہ اور شرعی احکام کا پابند ہو اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دینے والا

۱۔ مکتوبہ باب المحب فی اللہ ومن اللہ: ج ۲ ص ۴۴۶

④ اگر بچیاں ہوں تو ان کی والدہ کے ذریعے انی دوستوں کا انتخاب کروائیں جو
شرعی پروردہ اور دوسرے شرعی احکامات کی پابند ہوں۔

⑤ یہ بات بھی ضروری ہے کہ دوست ایسا ہو کہ اپنے دوستوں میں سے کسی میں اگر
کوئی برائی دیکھے تو اس کا تہہ پانا نہ کرے اور نہ اس کی ہاں میں ہاں ملائے، بلکہ
محبت اور پیار سے اس برائی سے بٹانے کی کوشش کرے۔

اگر آپ نے ان صفات کو خیر کر بچے سے دوستی کرانی تو ان شاء اللہ وہ آپ کے گھر
سے قوی امید ہے کہ اس سے بہت سی اچھے نتائج برآمد ہوں گے اور آپ کا بچہ بہت
ناری خوبیوں کا مالک ہوگا۔ لیکن جس طرح اچھے دوست نفع اور فائدے کا باعث
ہیں اسی طرح برے دوست نقصان کا سبب ہوتے ہیں، اس لئے اپنے بچوں کو برے
دوستوں کی صحبت سے دور رکھیں۔ دوستوں کے پاس جانے کا وقت بھی متعین رکھیں،
مغرب کے وقت بچے ضرور گھر پر آجائیں، اس کی پابندی کرانیں۔

بچے کی نگہداشت

”بچے قوم کے معیار ہوتے ہیں۔“ یہ مقولہ تو سب نے ہی سنا ہوگا، لیکن اس
مقولے کو بہت کم لوگ اہمیت دیتے ہیں۔ آپ نے بھی سوچا ہے کہ ایسا کیوں کہا
جاتا ہے؟ چھوٹے چھوٹے بچے کس طرح معیار ہو سکتے ہیں؟

مثلاً: جب انسان زمین میں کسی پودے کا بیج لگاتا ہے، صبح و شام وہ اس کے
سے دعا کرتا ہے، ہر روز زمین کے اس بیج کی دیکھ بھال کرتا ہے جہاں بیج بویا گیا
ہو، جب چند دنوں کے بعد وہاں کوئی ننھی پھول پھوٹتی ہے تو اس آدمی کی خوشی کی
تہہ نہیں رہتی اور پھر پابندی کے ساتھ وہ اس پودے کی دیکھ بھال کرتا ہے، پابندی
سے پانی دیتا ہے، کھاد داتا ہے، دوسرے جانوروں اور پرندوں سے اس پھولے

پہ۔ کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے ساتھ اس کی دھاتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔
دسپ دتی چھو سا پورا ہوا اور تھوڑا درخت بنتا ہے تو اس کی ٹھنڈی پھاؤں اور مو
راکھیں ان کے لئے باعثِ رحمت ہوتی ہیں، اس درخت کی پیر اور ٹھوکے مٹانے میں
اہم کردار ادا کرتی ہے۔

کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرنے، دھول مٹی، سیلاب، گرمی کی تپش و
روشنے میں جی یہ درخت مددگار ہوتے ہیں، اسی طرح کسی بھی قوم کا مستقبل اس کی
نئی نسل سے وابستہ ہوتا ہے۔ بچے ہی مستقبل کے معیار ہوتے ہیں، صحت مند بچے
صحت مند قوم اور صحت مند معاشرے کے خاستگان ہوتے ہیں۔ آج کے بچے ہی
آگے والے ملک کے کھانے ہیں۔ یہی حال ہمارے ہو رہا ہے۔ قوم اور مین و ملت کی
حفاظت کریں گے۔ اس لئے بہت ضروری ہے کہ بچوں کی صحت پر خاص توجہ دی
جائے۔ چنانچہ بچوں کی صحت و تندرستی کے لئے ضروری ہے کہ پیدائش سے پہلے اور
پیدائش کے بعد ان کی خاص طور سے نگہداشت کی جائے۔ ایک صحت مند جسم ایک
صحت مند مائع کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس لئے بچوں کی جسمانی صحت کے ساتھ
ساتھ ان کی ذہنی نشوونما کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

آپ بچے کی نگہداشت، جیسی و جسمانی صحت اور شخصیت میں توازن برقرار
رکھنے کے لئے مندرجہ ذیل باتوں پر خصوصی توجہ دیں۔

یہ اصول ماں باپ دونوں کے لئے یکساں ہیں:

۱) بچے کی صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھیں۔

۲) بچے کا لباس ہلکا، ڈھیلا اور آرام دہ ہونا بہت ضروری ہے۔

۳) موسم کے مطابق بچے کے لباس کا انتخاب کریں۔

۴) ہمیشہ بچے رنگ پسند کریں، کیونکہ جس طرح بچے نرم و نازک ہوتے ہیں اس
 لحاظ سے ان کے لئے رنگ بھی نرم و ملائم ہی مناسب رہتے ہیں۔

۵) بچے سے کبھی چیخ کراہٹ نہ کریں، بلکہ نہایت دھیمے لہجے میں آہستہ اور آسان
بات کریں۔

۶) بچے میں احساسِ ذمہ داری پیدا کریں، وہ اسی طرح کہ اس کے ذہن میں یہ
بات ڈالنے کی کوشش کریں کہ وہ اپنی چیزوں کا خیال خود رکھے۔ اپنے کام خود
اپنے ہاتھ کرے۔ اسی طرح اس میں اپنی پروائی کی عادت کم ہوگی۔ مثلاً کھانے
کا قصہ ہے تو دسترخوان بچے سے پچھوائیں، کھانے کے بعد برتن اٹھانے کی
اور صفائی کی ترغیب دیں، اس کے فوائد بیان کریں۔

۷) بچے کے ساتھ ہمیشہ لفظ ”آپ“ کے ساتھ گفتگو کریں۔

۸) اُس بچے سے کوئی غلطی ہو جائے یا قیمتی چیز نوٹ جائے تو بچے کو نہایت پیار
سے سمجھائیں کہ وہ آئندہ اس بات کا خیال رکھے، اگر آپ مارنے یا ڈانٹنے
سے کام لیں گے تو آپ کا نقصان تو ہرگز پورا نہ ہوگا، بلکہ بچے کے ذہن میں
آپ کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے گی۔

۹) بچے کو ہمیشہ مارنے یا ڈانٹنے سے گریز کریں، کیونکہ جب آپ بچے کو ڈانٹیں
گے تو ممکن ہے وہ اس ڈانٹ سننے کو اپنی عادت بنا لے اور جب آپ مار کا
حرب استعمال کریں گے تو آپ کا بچہ ڈھیٹ ہو جائے گا، ڈھیٹ ہونے کے
ساتھ نڈر بھی ہو جائے گا اور وہ کوئی بھی نقصان وہ کام کرنے سے پہلے یہ
سوچے گا کہ جو کرنا ہے کر گزرو، زیادہ سے زیادہ مار ہی پڑے گی نا۔

۱۰) بچے کی ہر خواہش کو ہرگز پورا نہ کریں۔ اسی طرح بچہ خود مر ہو جاتا ہے۔ ہر
خواہش پوری کرنے سے بچے کی شخصیت میں سب، ہمدردی، یکسانیت اور مل
جل کر رہنے جیسے جذبات کی نفی ہو سکتی ہے۔

۱۱) آپ کا بچہ جو بات آپ سے کہتا چاہتا ہے، اس کی بات بھر پور توجہ سے سنیں
تاکہ جواب دہ بھی آپ کی بات توجہ سے سن سکے۔

۱۶ ایک بچے کی خامیاں دوسرے بچے کے سامنے ظاہر نہ کریں، اس طرح اس دوسرے بچے میں غرور پیدا ہونے کا امکان ہے۔

۱۷ ایک بچے کی تعریف دوسرے بچے کے سامنے بہت زیادہ اور بار بار نہ کریں، اس طرح وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

۱۸ بچے میں خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اور بچے کو اس کی عمر کے مطابق چھوٹی چھوٹی باتوں کا فیصلہ کرنے کا موقع فراہم کریں۔ مثلاً وہ کون سی آنس کریم کھانا پسند کرے گا، انڈے کا آلیٹ کھائے گا یا فرائی انڈا لے گا۔ اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بچے میں اس کی رائے ضرور لیں۔ اور ہلکی پھلکی تقریبات میں بچوں کو بھی شامل کریں۔ اس طرح ان کی شخصیت میں اعتماد پیدا ہوگا۔

۱۹ بچے کو کسی چیز سے ڈرانے کی ہرگز کوشش نہ کریں مثلاً ”بابا آجائے گا۔“ اس جگہ جن بابا ہے۔ ”اگر تم نے فلاں کام کیا تو میں ماروں گا۔“ وغیرہ کے بجائے فلاں کام کی نفرت دلائل سے اس کے دل میں بٹھانے کی کوشش کریں، اور اس کے مقابلہ میں اچھے کام کے فضائل و فوائد اتنے سمجھا دیں کہ وہ برے کام سے بچ جائے۔

۲۰ بچے کی غذا کا خاص خیال رکھیں۔ مثیل (بھاری) اور دیر سے ہضم ہونے والی غذا سے پرہیز کروائیں۔

۲۱ بچے کی حرکات و سکنات، آنکھوں، جلد، پیٹ کا غیر معمولی بڑے جسم کی حرارت، پیشاب اور فضیلے کی رنگت، روتا اور سستی دکھائی پر نظر رکھیں۔ اس لئے کہ بچے بڑوں کی طرح اپنے محسوسات بیان نہیں کر سکتا اور یہ ساری نشانیاں بچے کی صحت اور بیماری کا پتہ دیتی ہیں۔

۲۲ اپنے بچوں کو بہت زیادہ کھلونے نہ لے کر دیں۔ خاص طور پر ایسے کھلونے جو

تصویر کے حکم میں ہوں، مثلاً گڈ سے گڑ یا وغیرہ، ہاں ایسے کھلونے ضرور لے کر دیں جو ان کی جسمانی صحت کے لئے بھی مفید ہو، جتنی آزمائش اور مشغولیت بھی ہو۔

۲۳ بچے کے ساتھ تصوراتی گفتگو نہ کریں، بلکہ اسے حقیقی باتوں سے آگاہ کریں۔

۲۴ بچے کے ساتھ ہمیشہ صحیح بولیں، بلکہ اسے صحیح اور صحت کی تیز کروائیں۔

۲۵ بچے کو کسی قسم کا دھوکا دینے کی کوشش نہ کریں۔ ممکن ہے کہ وہ بڑا ہو کر آپ کو دھوکا دینے لگے۔

۲۶ بچے کو روزانہ کے کاموں کے اوقات کا عادی بنائیں۔ مثلاً: وقت پر سونا، چائنا، کھانا، پڑھنا، کھیلنا وغیرہ۔

۲۷ بچے کے لئے ایسے کمرے کا انتخاب کریں جو کھانا، ہوا دار اور صاف ستھرا ہو۔

۲۸ بچے کو سمجھائیں کہ لباس تبدیل کر کے کپڑے مخصوص جگہ پر رکھے۔ یہ نہ ہو کہ پورے کمرے میں کپڑے پھیلاتا پھرتے ہوئے ایک کونے میں ڈالے اور جوتے دوسرے کونے میں رکھے۔

۲۹ اپنے اور بچے کے درمیان ذہنی فاصلہ نہ رکھیں، بلکہ دوستانہ رویہ رکھیں۔

۳۰ بچے کو دوسروں کی موجودگی بالخصوص اس کے ہم عمر دوستوں کے سامنے کسی بات پر نہ ڈانٹیں اور نہ ہی اس کی غلطیاں متواتر کریں، اس طرح آپ کے بچے کی عزت نفس مجروح ہو سکتی ہے۔

۳۱ سات سال کے بعد بچوں کو اپنے کمرے میں نہ سلائیں، بچوں کے درمیان برابری روادار رکھیں۔

۳۲ اگر بچے کی نگہداشت ان اصولوں پر کی جائے تو یہ ایک نسل پر احسان ہوگا، ایک معاشرے پر احسان ہوگا اور کسی حد تک معاشرتی برائیاں، آپس کے اختلافات، جتنی فحش، امیری و غریبی کا فرق، طبقاتی نظریات اور حرص و کینہ پروری میں کمی کی چا

سکتی ہے۔ بچے کی صحیح نگہداشت ہی اسے قوم کا بہترین ہمار بنا سکتی ہے۔

بچے کے پیٹ کے درد کی شکایت کو نظر انداز نہ کریں

اسکول سے بچنے کے لئے عموماً بچوں کا یہ بہانہ ماؤں کو پسند نہیں آتا نتیجتاً روتے دھوتے بچے اسکول روانہ کر دیے جاتے ہیں جہاں وہ پوری توجہ سے پرہیز نہیں کر پاتے۔

یاد رکھیں! اگر کوئی بچہ مستقل پیٹ میں درد کی شکایت کرتا ہے تو اسے نظر انداز مت کریں، ضروری نہیں کہ یہ محض بہانہ ہی ہو۔

بچوں کو عموماً پیٹ میں درد کی شکایت رہتی ہے جو جلد ٹھیک نہیں ہو پاتی۔ ہو سکتا ہے کہ بچے درد کو صحیح طور پر بیان نہ کر پاتے ہوں، اس صورت حال میں مکمل ڈاکٹری معائنہ ضروری ہے۔ خون اور پیشاب کے ٹیسٹ اس مسئلہ کو سمجھنے میں بہت مددگار ثابت ہوتے ہیں اور ان کی مدد سے ”خون کی کمی“ یا ”یورین انفیکشن“ کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔

پیٹ کے درد کی دیگر وجوہات بھی ہو سکتی ہیں، پیٹ میں (LYMPH NODES) کی سوجن، حلق میں انفیکشن، ناقص خوراک، دودھ یا گندم کے باعث نوز الرجی بھی اس تکلیف کا مودب ہو سکتی ہے۔ دیگر ممکنات میں السر، پتہ کی بیماری، فی بی اور زہریلے مادوں کے فعل ہونے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، لیکن ضروری نہیں کہ جسمانی عوارض ہی پیٹ کے درد کا مودب ہوں، ماہرین نفسیات کے مطابق عموماً شدید درد نفسیاتی دباؤ یا تھکر کا باعث بھی ہو سکتا ہے مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ یہ محض ذہنی اختراع ہے۔ بچوں میں افسردگی، تھکر اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے پیدا ہونے والے خوف، چاہ وہ گھر میں ہوں یا اسکول میں، جسمانی درد کا باعث بھی بنتے ہیں۔ بچوں کا زرد رنگ، پیٹ کی خفگی، ابلانیاں یا قبض کی علامات ایسے اشارے نہیں ہیں۔

قبض بچوں کو پیٹ کے درد کے دو اہم نشانوں اور سردی کی شکایت بھی ہوتی ہے اور اگر آدھے سر کا درد موروٹی ہو تو اس کی شکایت بھی سننے میں آتی ہے۔

تجربیات سے پتہ چلا ہے کہ جن بچوں کے والدین یا کھر کے دیگر افراد بچوں کے مسائل حل کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں اور انہیں یہ احساس دلاتے ہیں کہ وہ تکی نہیں، ایسے بچے نمایاں طور پر اس مسئلے پر قابو پا لیتے ہیں۔

ایک بچے کے سلسلے میں تمام ڈاکٹری ٹیسٹ درست ثابت ہوئے، لیکن اس کے درد کی اہم وجہ یہ تھی کہ اسے اسکول میں بچے بہت زیادہ تنگ کرتے اور مستقل مذاق کا نشانہ بنائے رکھتے تھے۔ جب اس کا طبع اس کے والدین اور اساتذہ کو دیا اور انہوں نے باہمی کوششوں سے اس شکایت کو دور کر دیا، تو بچے کو نفسیاتی دباؤ کی وجہ سے ہونے والے پیٹ کے درد سے نجات مل گئی۔

اسی طرح کم پانی پینا، یا پیشاب کے تقاضے پر پیشاب نہ کرنا، پیشاب کرنے کے بعد اچھی طرح جسم کو نہ دھونا یہ بھی بیماریوں کا سبب بن سکتے ہیں، ابتداً صحیح اچھے پی پانی کا گلاس ضرور پلانے کی عادت بنائیے، اسی طرح وقتاً فوقتاً پانی کا پوچھتے رہیں، اور پیشاب روکنے کی عادت کے نقصانات بتائیے اور سمجھائیے کہ اس سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ پیشاب کے تقاضے پر فوراً پیشاب نہ کرنا، یہ ایک بری عادت ہے، جس کو اسلام نے پسند نہیں کیا۔ اسی لئے فوری پیشاب کے تقاضے پر نماز کو مؤخر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح پیشاب کرنے کے بعد اچھی طرح پانی پیادینا، جسم کی اچھی طرح صفائی کرنا، صحت اور پاکیزگی کی علامت ہے۔

اسی طرح بچے کو ابلا ہوا پانی استعمال کروائیں اور خود بھی ابلا ہوا پانی ہی استعمال کریں۔

چھالیہ جیسے مہلک زہ سے بچے کو دور رکھیں، چھالیہ کے مسلسل استعمال سے

مہلک بیماریوں کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔

چونکہ ”نچے“ سے بچنے کو درکار ہے، مسلسل جیونم چبانے سے بچنے کے لئے کابھاب شرم ہو جاتا ہے۔ یہ کابھاب کھانے کو نکلنے اور بانٹنے کے عمل میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

غیر معیاری نوافیاں بچوں کے دانت خراب کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہیں اور مستقل منہ کی اشیاء کا استعمال اور دانت کی صفائی کا فقدان، بچوں کے چمکتے دانتوں و دانتوں کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیتے ہیں۔ ہمیشہ بچوں کو معیاری کھانے کی نوافیاں دلوایئے اور فوراً اچھی طرح برش کروائیئے۔ کبھی بھی بچے کو مصنوعی رنگ والی اشیاء خرید کر نہ دیں۔ یہ اشیاء بچوں کے معدے میں پیچھے کر رہے کام انجام دیتی ہیں۔

آپ کا بچہ مکمل شخصیت کا مالک بن سکتا ہے

بچے کے دنیا میں آنے کے بعد جو بات توجہ طلب ہے، وہ یہ کہ بچے کی ”جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی نشوونما“ بہتر سے بہتر ہو سکے۔

جب بچہ پلانا شروع کرے تو کبھی بھی اس کو کوئی برا لفظ مت سکھائیں۔ بچپن میں اکثر اذیتاں میں گھر والے، بچے کو غلط الفاظ سکھا دیتے ہیں اور جب بچہ تو قلعی زبان میں ان لفظوں کو بار بار دہراتا ہے تو سب خوش ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دوبارہ سننے کی فرمائش بھی کرتے ہیں۔ اس سے بچہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ کوئی بہت اچھی بات ہے، لیکن جب وہ یہی الفاظ کسی مہمان کے سامنے دہرائے تو اس کا فعل بالظن شرم ہوتا ہے۔

مثلاً بڑے بھائی یا چچا تو بھائی کسی بچے کو پاگل کہتے ہیں، اب وہ تو قلعی زبان میں ”پادل، پادل“ کہتا ہے تو سارے گھر والے محفل کو مزین کرنے کے لئے اس سے یہ لفظ کہلاواتے ہیں، بھئی وہ کون ہے؟ اچھا پادل، دوفیرہ۔ والدین کو چاہئے ایسے

وقت میں طریقے سے سمجھادیں کہ یہ غلط لہجہ تو خدا کر دیتے ہیں۔ ان الفاظ سے بدبو پیدا ہوتی ہے۔

لہذا بچے کے بولنے کا آغاز ہمیشہ اچھے لفظوں سے کریں۔

اسی طرح جب آپ کے گھر مہمان آئیں تو ان کے استقبال میں کبھی بھی اپنے بچوں کو غلط انداز مت کریں، بلکہ بچے کا پورا نام لے کر مہمانوں سے اس کا تعارف کروائیں تاکہ بچے کو اپنی اہمیت کا احساس ہو۔

اگر آپ مہمانوں کے پاس بیٹھتے ہوں اور آپ کا بچہ آخر کچھ پوچھتے تو اپنی گفتگو میں کبھی بھی بچے کو نہ ڈالیں، بلکہ گفتگو رک کر اس کی بات توجہ سے سنیں اور مناسب جواب دے کر اسے مطمئن کریں۔

بچے کی کسی بھی خرابی کا ذکر ہر منہ والے سے نہ کریں۔ بچہ جب دیکھے گا کہ میری فاس عادت کا ذکر ہر ایک کے سامنے کیا جاتا ہے، تو سوچے گا کہ ضرور اس میں کوئی خاص بات ہے، تو وہ عادت کو چھوڑنے کے بجائے مستقل طور پر اپنالے گا۔ بچے کی کسی ناکامی کا ذکر کسی منہ والے سے نہ کریں۔ آپ کے اس عمل سے بچے کی شخصیت بری طرح ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔

بچے کی معمولی کامیابی کو بھی بچے کے سامنے بڑھا چڑھا کر بیان کریں تاکہ اس میں اعتماد اور آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہو۔

جب بھی بچے کے اسٹول میں ”یوم والدین“ ہو، اس میں ضرور شرکت کریں۔ آپ کے اس رویے سے بچے میں تحفظ کا احساس اور خود اعتمادی پیدا ہوگی۔ کسی دوسرے بچے کو اس کے مقابل نہ لائیں، ایسا کرنے سے ایک تو آپ کے بچے میں آپ کے لئے بہت زیادہ نفرت پیدا ہو جائے گی اور دوسرا اس کی مضبوط شخصیت پر جو کاری ضرب لگے گی، آپ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

بچے کے سامنے، مہمانوں سے اور ملنے والوں سے دل کھول کر بچے کی تعریف

کریں۔ بچے کو اعتماد کی دولت سے مالا مال کرنے کی یہ سب سے آسان ترکیب ہے۔

بچے سے کبھی بھی جھڑک کر بات نہ کریں۔

بچے کو ہمیشہ مہم و نیت سے ہر چہ پر بہانوں کے واقعات سنائیں، اس سے بچے کا اندر کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔

بچے کے دوستوں پر نظر رکھیں کہ وہ کس گھر اسے لے جاتے ہیں؟ کس مزارع کے ہیں؟ بچے کے دوست تقریباً اس کے ہم عمر ہی ہونے چاہئیں۔

اسکول سے آنے کے بعد کوشش کریں کہ بچہ کا زیادہ وقت گھر میں ہی گزرے، کیونکہ باہر نکل کر وہ ایک بات اچھی سمجھتا ہے تو وہ خراب باتیں نہ دیکھتا ہے۔ بچے کے ساتھ وقت نکال کر کھیلے۔

بچے کی صلاحیتوں کو سراہیں، کیونکہ ہر بچہ اپنی تعریف پر خوش ہوتا ہے۔ ابتدا اپنے بچے کو اس خوشی سے محروم نہ رکھیں۔

بچے کو اپنی حیثیت کے موافق اس کی مرضی کی خریداری کرنے دیں۔ کبھی بھی بچے پر اپنی مرضی مسلط نہ کریں، آج یہ چھوٹے چھوٹے فیصلے خود کر کے کھل بڑے فیصلے بھی خود کرے گا۔ اسے اعتماد سے فیصلہ کرنے دیں۔

بچپن میں اپنے بچے کے ساتھ کام خود مت کریں۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو اپنے بچے کے حق میں بہت نہیں کرتے۔ بچوں کو شروع سے ہی چھوٹے چھوٹے کام کی عادت ڈالیں، اس طرح ان میں احساس ذمہ داری پیدا ہوگا اور وہ بڑے ہو کر بھی چست و چالاک بن سکیں گے۔

ہمیشہ اپنے بچے کو بڑوں کی عزت اور چھوٹوں سے محبت کرنے کی تلقین کریں۔ اگر آپ نے سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے مندرجہ بالا باتوں پر عمل کر لیا تو یقیناً جانے کہ آپ کا بچہ ان شاء اللہ ایک مکمل اور پر اعتماد شخصیت کا مالک ہوگا اور

یقیناً آپ کو بھی خوشی ہوگی۔ کیونکہ اولاد کی کامیابی، ماں باپ کی بہترین پرورش کا ہی نتیجہ ہوتی ہے۔

بچوں کو صبح کا ناشتہ اپنی نگرانی میں کروائیے

علماء نے ناشتہ کو صحت کے لئے بہت ہی مفید و نفع بخش سمجھا ہے۔ اگر صبح صبح طریقہ سے ناشتہ کرایا جائے تو بچہ ان شاء اللہ تعالیٰ صحت مند ہوگا اور صحت مند جسم ہی صحت مند دماغ پیدا کرتا ہے۔ یہی دماغ بعد میں جا کر آپ کے لئے دنیوی و آخری کامیابی کا ذریعہ بنے گا۔ لہذا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے، اسی میں سے خود اپنے آپ پر اور اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیجئے۔ قیمتی اور فضول میوہات و غذائی چیزوں پر خرچ کرنے کے بجائے یہی رقم بچوں اور مقوی غذاؤں پر خرچ کریں اور بچوں کی بھی تربیت اسی طرح کریں کہ وہ اپنے آپ پر اور غریبوں پر خرچ کریں اور ناشتہ کی اہمیت ان کو ذہنی نشین کرادیں، اور اس بات کا خصوصی خیال رکھیں کہ بچہ بغیر ناشتہ کیے ہوئے اسکول یا مدرسہ وغیرہ نہ جائے اور ہاں ناشتہ کے بعد کی دوا بچوں کو ضرور یاد کروائیں اور ان سے سنیں بھی تاکہ ان کو عادت پڑ جائے۔ دعا یہ ہے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ﴾

ترجمہ: ”تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں، جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا، اور ہمیں مسلمان بنایا۔“

رات بھر بھوکے رہنے کے بعد صبح کے وقت ناشتہ بہت ضروری ہوتا ہے، کیونکہ معدہ ایک طویل وقت تک خالی رہتا ہے۔ صبح ناشتہ کرنے سے دماغ کو بھی توانائی حاصل ہوتی ہے، رات کو خون میں گلوکوز کی سطح کم ہو جاتی ہے، اس لئے صبح کے وقت اس کو دوبارہ بڑھانے کے لئے قدرے طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ گلوکوز کی

ضرورت و مانع کو یا ناشتہ کے عمل کے لئے ہوتی ہے، یہ اسکل کے بچوں اور مشقت کرنے والے نوجوانوں کے لئے ضروری ہوتی ہے۔

بقول اہل علم صبح کا ناشتہ تیزی سے اثر دکھاتا ہے، اور چائے پانی کے معائنہ میں کارآمد ہوتی رہتا ہے۔ ماہرین کے مطابق کدوم سے بنی ہوئی لٹل (لٹل ہم) برائن (یہ بھی کہتے ہیں)، تمام انواع و ایش، دار غذا، قبض کو کم کرنے میں مدد دیتی ہے۔ روزانہ کدوم کے ریشے کے استعمال سے کولون سرطان کا خطرہ کم جاتا ہے۔

ناشتہ نہ کرنے کا ایک بھانہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ناشتے میں موجود اشیاء کھانے کا جی نہیں چاہتا یا جو لوگ رات کے لئے سو رہے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی نیند پوری نہیں ہوتی، اس لئے صبح کا ناشتہ نہیں کرتے۔ لیکن ایسا کرنا ان کی صحت کے لئے بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔

اگر آپ روزانہ بچوں کو ناشتہ نہیں کرا سکتے تو صرف ایک گلاس جوس ضرور پلائیں، چند دنوں بعد اس کے ساتھ ایک نوٹ اس وقت تک دیں، جب تک بچہ کا وزن آپ کے مطلوبہ معیار کے مطابق نہ ہو جائے۔ ناشتہ کے لئے ہمیشہ اپنے پاس ایک سے زائد اقسام کے انواع رکھیں تاکہ بدل بدل کر کھلا سکیں۔ اگر صبح جلدی ہو تو رات کو ہی ناشتے کا انتظام کر لیں۔

ان کے علاوہ دودھ، دہی، شیر، مختلف قسم کے پھل اور ان کا جوس بھی صحت کے لئے بہت زیادہ مفید ہے۔

ان تمام نعمتوں کو خود اور اپنے بچوں پر استعمال کریں اور منعم حقیقی کا فائدہ اٹھائیں۔ جس مالک نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اس کو راضی کرنے کی فکر کریں۔ ہم سے کوئی ایسا کام نہ ہو، جس سے وہ مالک ناراض ہو جائے۔ اس لئے کہ یہ بہت ہی بے غیرتی کی بات ہوگی کہ نعمتیں تو اس مالک کی دی ہوئی کھائیں اور پھر اس سے جو قوت حاصل ہو، وہ اس کی فرمانبرداری پر خرچ کرنے کے بجائے نافرمانی پر لگے۔

توبہ توبہ

نہیں نہیں! اگر گناہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ آج ہی سے توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت پر بار بار "الحمد للہ، الحمد للہ" کہتے رہیں اور دل و جان سے اس کے حکموں پر عمل کریں اور بچوں کو بھی پیار و محبت سے سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق عمل کرنے والا بنائیں۔

فورا کیجئے! جس رب العالین نے رات بھر منشی فہم سلایا اور حافیت سے صبح اٹھایا اور ناشتہ میں اتنی نعمتیں دکھائیں، پھر فجر کی نماز میں سستی کرنا یا قضا کر کے پڑھنا اتنی محرومی کی بات ہے! اس لئے ہونا تو یہ چاہیے کہ جس دن فجر کی نماز مسجد میں جماعت سے رہ جائے یا عورتیں اور بالغ بچیاں گھر پر وقت پر نہ پڑھ سکیں، تو اس دن غصے کو سزا کے طور پر ناشتہ ہی نہیں دینا چاہیے کہ اسے غصے آج تو ناشتہ کا مستحق نہیں ہے، آج تو نے مالک حقیقی کی پکار پر جواب نہیں دیا۔ اگر فجر میں اتنا دشوار ہو تو یہ سوچئے کہ اگر ملک کا صدر یا وزیر اعظم رات چار بجے ہمیں انعام دینے کے لئے بلائے کہ آ جاؤ، تو کیا ہم انکار کریں گے؟ ہرگز نہیں۔ "احکمکم الحاکمین" میں بار رہے ہیں "اللہ لاف حیر من النور، الضلالت حیر من النور"۔

نماز بہتر ہے نیند سے، نماز بہتر ہے نیند سے، پکار رہے ہیں، تو خود بھی اور گھر کے تمام بالغ بچوں، بچیوں کو بھی فجر کی نماز وقت پر پڑھنے اور پڑھانے کا اہتمام کریں، پھر ناشتہ کریں تو یہ ناشتہ قوت اور طاقت کا ذریعہ بنتا گا، ورنہ یہی ناشتہ اللہ نہ کرے بیماروں کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

بچے کو گھر پر ہی ناشتہ کروائیں، اگر بچہ ناشتہ لے کر اسکول جائے گا تو یا تو وہ چلتے ہوئے ناشتہ کرے گا، جو کہ صحت کے لئے مفید ہے یا پھر اسکول جا کر دوسرے بچوں کے سامنے ناشتہ کرے گا۔ دوسرے بچے اگرچہ ناشتہ کر کے آئے ہوں گے، لیکن بچپن کی فطرت کے باعث ضرور اسے لپٹائی ہوئی انکابوں سے دیکھیں گے اور

ان کا دل بھی کھانے کو چاہے گا۔ ممکن ہے کہ اسکول میں کچھ ایسے بچے بھی ہوں، جن کے گھر کے مالی حالات زیادہ مستحکم نہ ہوں، ان کے والدین ہشتک ان کی پڑھائی کا بوجھ برداشت کر رہے ہوں اور انہیں ایسا اچھا ناشتہ دے رہے ہوں، جیسا کہ آپ کا بچہ کر رہا ہے۔ اس سے ان کم سن اور محسوس بچوں میں افسردگی پیدا ہوگی اور ان میں کمتری کا احساس ابھرے گا۔

اس لئے کوشش کریں کہ بچوں کو اپنے سامنے ہی ناشتہ کرائیں۔ بعض گھرانوں میں والدین صبح اسکول جانے والے بچوں کو ناشتہ کرانے کی ذمہ داری اپنے ملازمین کو دے دیتے ہیں، یہ بالکل ہی نامناسب ہے۔ ملازمین عام طور پر اس سلسلے میں غیر ذمہ داری اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کیونکہ والدین جتنی شفقت ان میں عموماً مفقود ہوتی ہے۔ والدین جتنی شفقت سے وہ بچے کو ناشتہ تو کیا، کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں کر سکتے، اور بعض اوقات والدین بھی ملازمہ کی طرح سلوک کرتی ہے یا خود بچے کی والدہ کی نیند پوری نہیں ہوتی ہوتی، یا شوہر کی غلط غلطیوں کی وجہ سے دو بیزار ہو جاتی ہے۔

لہذا والدین کو چاہیئے کہ بچوں کو بہت ہی پیار و محبت سے ناشتہ کرائیں۔

اچھا کھانا کون سا ہے؟

اچھا کھانا صرف حلو و نمک، صرف ٹیک، پیسٹری نہیں، صرف سوے یا کباب یا آئس کریم اور کولا مشروبات نہیں، بلکہ اچھا کھانا وہ ہے، جس میں خوراک اور گوشت پیدا کرنے والی چیزیں یعنی لحمیات (پروٹین) بھی ہوں۔ جس میں قوت اور طاقت پیدا کرنے والی چیزیں یعنی نشاستہ (کاربوہائیڈریٹ) بھی ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے گھروں میں روزانہ خوراک میں دودھ، دہی، گوشت، اناج، دالیں، سبزیاں اور پھل سب شامل ہوں۔ اس طرح ہمارا کھانا صحیح معنوں میں اچھا کھانا ہوگا۔

اور ہماری صحت ان شاء اللہ ہمیشہ اچھی رہے گی۔

کسی سبزی ترکاری، کسی پھل، کسی دال اور کسی بھی شے کو ٹھیک نہ سمجھیں۔ قدرت نے ہر چیز کو کسی نہ کسی فائدے کے لئے پیدا کیا ہے۔ مثلاً شہوت، اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھانے کی بیماری کو روکتا ہے۔ مولی، جگر اور کلی کو اللہ کے حکم سے ٹھیک کرتی ہے۔ گاجر، اللہ کے حکم سے آنکھوں کو طاقت دیتی ہے۔ پیپٹا، پیٹ کے لئے بہت اچھا ہے۔ لیموں، مالٹ اور کیٹو، بیماریوں کو روکتے ہیں۔ لہسن، رگوں کو صاف کرتا ہے۔ پیاز، جراثیم کو مارتی ہے۔ ادراک، پیٹ کو ٹھیک رکھتا ہے۔ پودینہ، کھانا ہضم کرتا ہے۔ سویا کھانے سے پیٹ نہیں پھولتا۔ تل، اللہ تعالیٰ کے حکم سے طاقت پیدا کرتے ہیں، ہری مرچوں میں حیاتین "سی" ہوتی ہے۔ جو ذلہ زکام جیسی بیماریوں کو روکتی ہے۔

اولاد کے لئے رشتہ کا انتخاب

والدین کو چاہیئے اولاد کے رشتے کے لئے شروع سے دعا کرتے رہیں۔ نمازوں کے بعد ذکر و تلاوت کے بعد اولاد کا نام لے کر گزرا کر خوب دعا مانگتے رہیں کہ اے اللہ اس بچی یا بچے کا رشتہ اچھی جگہ مقرر فرما۔

اور جب اولاد شادی کے اہل ہو جائے تو شادی کرنے میں دیر نہ کرے۔ حدیث شریف میں آتا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تمہارے پاس کوئی شخص نکاح کا پیغام بھیجے اور تم اس شخص کی دینداری اور اس کے اخلاق سے مطمئن و خوش ہو تو (اس کا پیغام منظور کر کے) اس سے نکاح کر دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔“

لفظی، ابواب النکاح، باب ما جاء فی من نواہی من دینہ و لہو و جوارحہ، ج ۱ ص ۲۰

حدیث کی کتاب مشکوٰۃ شریف کی شرح مظاہر حق میں لکھا ہے:
 "اگر ایسا نہ کر دو گے، بلکہ ایسے شخص کے پیچھے کو نظر انداز کر کے کسی مالدار
 یا ثروت والے شخص کے پیغام کے انتظار میں رہو گے، جیسا اکثر
 دنیا داروں کی عادت ہے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اکثر عورتیں بغیر خاوند
 کے بیٹھی رہ جائیں گی، اور اکثر مرد بغیر بیوی کے پڑے رہیں گے۔ اس
 کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ بدکاری اور برائیوں کا عام چلن ہو جائے گا،
 بلکہ ان عورتوں کے سر پرست اور ولی بری بری قسم کے عار و غیرت میں
 مبتلا ہوں گے۔ پھر جو لوگ ان کو عار و غیرت دلائیں گے، وہ ان سے
 لڑنے جھگڑنے لگیں گے۔ آخر کار اس برائی و فحاشی اور لڑائی جھگڑے
 سے ایک ہمہ گیر فتنہ و فساد کی شکل پیدا ہو جائے گی۔" پ

اسلام نے انسانیت کے لئے اور خصوصاً اس کے ماننے والے مردوں و عورتوں
 کے لئے بغیر عذر شرعی غیر شادی شدہ رہنا کسی حال میں بھی پسند نہیں کیا۔ اس پر غیر
 معمولی اصرار کرایا گیا اور اس قسم کی شدید وعیدوں والے الفاظ استعمال فرمائے تاکہ
 فتنوں اور گناہوں کا جڑ ہی سے قلع قمع ہو جائے۔ اور بے حیائی، بد نظری، زنا کاری
 کے دروازے بالکل بند ہو جائیں۔ اسلام نے عصمت و عفت کے اصول سرمایہ کی
 حفاظت کے لئے نکاح کی کتنی اہمیت بتلائی، بلکہ اس کی ترغیب کے ساتھ وعدہ غنی
 فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُفْقِرِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

اس کے ساتھ ساتھ تین کاموں کا اہتمام کرے، اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ بعد

میں ندامت نہ ہوگی۔

۱۔ مظاہر حق ج ۳ ص ۵۸

۲۔ پارہ ۱۸ سورۃ نور آیت ۳۲

۱۔ جب بھی کسی بنگ یا بیٹے کا رشتہ آئے تو مشورہ کا ضرور اہتمام رکھئے۔ شریعت
 میں مشورے کی اہمیت، تاکید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں مومنین کی
 مناسبات بیان فرماتے ہیں:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۚ﴾

ترجمہ: "یعنی ان کے کام آپس میں مشورے سے طے ہوتے ہیں۔"

﴿إِنَّ الْحَسَنَ قَالَ وَاللّٰهُ مَا اسْتَشَارَ قَوْمٌ قَطُّ إِلَّا هَدَوْا الْاَفْضَلَ
 مَا يَحْتَضِرُ تَيْمَةً ثُمَّ قَالَا: وَالْاَمْرُ خَيْرٌ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۚ﴾

ترجمہ: "حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں
 نے قسم کھا کر فرمایا کہ جب کوئی قوم مشورے سے کام کرتی ہے تو ضرور
 ان کی بہترین راستہ کی طرف راہنمائی کی جاتی ہے۔ پھر انہوں نے
 یہی آیت تلاوت فرمائی۔"

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تک تمہارے
 امراء و حکام وہ لوگ ہوں گے، جو تم میں بہتر ہیں اور تمہارے مالدار لوگ تہی نبول
 (کہ اللہ کی راہ میں اور غرباء پر خرچ کریں) اور تمہارے کام باقی مشورے سے طے
 ہوا کریں۔ اس وقت تک تمہارے لئے زمین کے اوپر رہنا یعنی زمرہ رہنا بہتر ہے۔
 اور جب تمہارے امراء و حکام تمہاری قوم کے برے لوگ ہو جائیں اور تمہارے مالدار
 بخل ہو جائیں اور تمہارے کام عورتوں کے سپرد ہو جائیں، کہ وہ جس طرح چاہیں
 کریں، اس وقت تمہارے لئے زمین کی پیٹھ کی بجائے زمین کا پیٹ بہتر ہوگا (یعنی
 زندگی سے موت بہتر ہوگی)۔ پ

۱۔ سورہ شوریٰ آیت ۳۸

۲۔ الادب المفرد، باب المشورة ص ۸۶

۳۔ ترمذی، ابواب الفتن: ج ۳ ص ۵۲ (الحج، ایم سعید کمپنی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کام کا ارادہ کیا اور اس میں مشورہ لے کر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو بہترین معاملے کی طرف ہدایت فرما دے گا۔ یعنی اس کا رخ اسی طرف پھیر دے گا جو اس کے لئے انجام کار، خیر اور بہتر ہو۔

اور مشورہ بیوی سے بھی ضرور لیجئے۔ اس لئے کہ جہاں آپ بچے کے والد ہیں، اسی طرح وہ بچے کی والدہ ہے۔ چاہے بیوی آپ سے تعظیم میں، قابلیت میں، ذہنی صلاحیت میں کتنی بھی کم ہو، لیکن اس سے مشورہ ضرور لیجئے۔

بیوی سے مشورہ لینے کی اہمیت کا اندازہ ہم اس سے لگا سکتے ہیں کہ بچے کی دودھ چھڑانے کی مدت مقررہ سے کم میں دودھ چھڑانا چاہیں، تو شرعاً ماں باپ کو حکم ہے کہ باہمی رضامندی اور مشورے سے ہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دودھ چھڑالیں (یعنی دو برس کے اندر ہی اپنی رضا اور مشورے سے) تو ان پر کچھ مکنا نہیں۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "یعنی اگر بچے کے ماں باپ دونوں آپس کی رضامندی اور باہمی مشورے سے یہ ارادہ کریں کہ شیر خوارگی کی مدت یعنی دو سال سے کم میں ہی دودھ چھڑا دیں، خواہ ماں کی معذوری کے سبب یا بچے کی کسی بیماری کے سبب تو اس میں بھی کوئی مکنا نہیں۔ آپس کے مشورے اور رضامندی کی شرط اس لئے لگائی کہ دودھ چھڑانے میں بچے کی مصلحت پیش نظر ہونی چاہیے۔ آپس کے لڑائی جھگڑے کا بچے کو کچھ مشق نہ بنائیں۔"

۱۔ سورہ بقرہ آیت ۲۳۳

۲۔ غار، صافات، الزمر، ص ۵۹

غور فرمائیے! اپنے کے دودھ پلانے کی مدت، کم و بیش کرنے کے لئے قرآنی ہدایت یہ ہے کہ آپس کے مشورہ اور باہمی رضامندی سے ہو تو بچے یا بچی کے رشتہ کے سلسلہ میں مشورہ کی کتنی اہمیت ہوگی۔ خاص طور پر بچیوں کے رشتے کے معاملے میں تو بہت ہی زیادہ ضروری ہے کہ والد صرف اپنی مرضی نہ چلائیں، بلکہ لڑکی والی والدہ سے ضرور مشورہ کرے۔ اسی لئے حدیث میں حکم ہے:

﴿امروا النساء فی بناتہن﴾

ترجمہ: "عورتوں سے مشورہ کرو، ان کی بیٹیوں کے بارے میں۔"

اسی لئے مشورہ استخارے سے زیادہ اہم ہے۔ لیکن مشورہ ان افراد سے لیا جائے، جو اس بارے میں اچھی بھلی واقفیت بھی رکھتے ہوں۔ اس کے علاوہ چند باتوں کا خیال رکھنا چاہیے کہ: ۱۔ افراد ۲۔ اعتبار ۳۔ تجربہ ۴۔ رازدار ۵۔ یوں۔ کیوں کہ ایسے افراد آپ کو ظلم میں نہ کر سکیں، بلکہ ساتھ اپنے تجربہ کے مطابق اور آپ کے راز کی حفاظت کرتے ہوئے مفید ترین مشورہ دیں گے۔

اسی طرح خاندان کے بزرگوں سے بھی رائے معلوم کریں کہ میرا فلاں بچہ رشتہ جیسے کا ارادہ ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟ مزید یہ کہ اس لڑکی کے بہن بھائیوں کے جہاں رشتے ہوئے ہیں، ان سے اور ان کے گھر والوں سے بھی ضرور مشورہ کر لیں۔

کہتے ہیں کسی کو بہت زیادہ خیر خواہی کا جذبہ الٰہی تو سوچا کہ وہ ستاروں کا آپس میں نکاح کروانا چاہیے (شریا اور سہیل کی جہوزی اچھی رہے گی)، لیکن مشورے کی اہمیت سے واقف تھا، ہماری طرح نہیں تھا کہ "جو میرے بی میں آیا وہی نکاح ہے۔" کسی کے پاس جا کر مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ:

۱۔ کنز العمال: ج ۱۶ ص ۱۱۱، رقم: ۴۳۶۳۳

أَيُّهَا الْمُنِجُّ الثَّرِيَّا سَهِيلاً
عَمْرَكَ اللَّهُ كَيْفَ يَلْتَقِيَانِ
جَنِّ شَامِيَةً إِذَا مَا اسْتَقَلْتُ
وَسَهِيلاً إِذَا مَا اسْتَقَلُّ يَمَانُكَ

اے ثریا کے ساتھ سہیل کا نکاح کرنے والے! اللہ تم کو ایسی جہانیاں کے کام کرنے کے لئے لمبی عمر دے۔ لیکن سوچو تو صحیح کہ ان دونوں میں ملاپ ہوگا کیسے؟ اس لئے کہ ثریا جلد ہوتی ہے تو شام پہ نمودار ہوتی ہے اور سہیل جب طلوع ہوتا ہے تو یمن پر بلند ہوتا ہے۔

لہذا میاں بیوی میں مناسبت بھی دیکھنی چاہیے۔ ہمارے خاندان کے مناسب بھی ہے یا نہیں۔ معمولی فرق اور تفاوت تو چل جاتا ہے، لیکن بہت زیادہ فرق مثلاً لڑکا بہت امیر ہو اور لڑکی بہت ہی غریب یا اس کے برعکس، یا لڑکی بہت ہی تعلیم یافتہ اور لڑکا بالکل ان پڑھ، لڑکی تو حاملہ ہے اور لڑکا ایسا کہ ناظر قرآن بھی پڑھنا نہیں آتا یا اس کے برعکس وغیرہ..... ان امور میں دو خاندانوں کو ضرور مناسبت دیکھنی چاہیے۔ دولہا کے والدین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دیکھیں کہ لڑکی کی پرورش کس گھرانہ میں ہوئی ہے، اس کی ماں کا کیا حال ہے؟ اس کی بہنوں کا کیا حال ہے؟ وغیرہ۔

آپ کی سہولت کے لئے کتاب کے آخر میں چند دکا پر علمائے کرام کے نفی فون نمبر اور پتے لکھے ہیں، ان سے بھی ضرور رابطہ فرمائیں۔

پھر جب آپ کے پاس کئی آراء جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس فیصلے میں اپنی مدد شامل فرما دیں اور مشورے کی دعا پڑھ کر اپنے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کسی ایک رائے پر عمل کریں۔

اللہ پاک نے چاہا تو یقیناً آپ کے فیصلے میں خیر و برکت ہوگی۔ مشورے کی دعا مندرجہ ذیل ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَلْهِنِّيْ وَنَشِدِيْ وَاعْذِلِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ

ترجمہ: ”اے اللہ! میرے دل میں وہ بات ڈال دے، جس میں میرے لئے بہتری ہو اور میری، میرے نفس کے شر سے حفاظت فرما۔“

اولاد کی رائے کو ضرور ترجیح دیں۔ اللہ نہ کرے کہ اگر والدین میں سے کسی کی رائے، بچے کی رائے کی یکسر مخالف ہو تو اولاد کو ضرور سمجھائیں۔ دوستوں اور سہیلیوں کے ذریعے سے سمجھائیں، لیکن ہرگز اپنی رائے زبردستی ان پر مت تقویں۔ صرف اپنی انا کا مسئلہ بنا کر ان کی رائے کے خلاف فیصلہ نہ فرمائیں۔ ہماری عاجزانہ گزارش ہے کہ تصورات کی دنیا میں ۲۵، ۲۰ سال چھپے چلے جائیں، جب والد یا والدہ خود ہی دولہا یا دلہن بن رہے تھے کہ جب آپ کے والدین آپ کے رشتے کے لئے فکر مند تھے تو آپ کے دل کی دھڑکن اور نبض کی حرکت میں عام اوقات کی نسبت فرق نہیں آ جاتا تھا؟

اپنے ضمیر کی عدالت میں ہمیشہ ہوئے قاضی سے فیصلہ لیجیے۔

لڑکی بعض اوقات ماں سے بھی دل کی بات اور ارمان کھل کر کہہ دینے کی ہمت اپنے اندر نہ پاتی تھی اور سبکی کو فون کر کے یا ہم عمر خالہ زاد اور چھوٹی زاد لڑکی کو پرچہ لکھ کر دل کا نام اور دل کے ارمان ناقصاً ان کو بتاتی تھی کہ میں تو یہ چاہتی ہوں، مگر مجھ سے میری مرضی اور تمنا تو معلوم ہی نہیں کی گئی وغیرہ۔

لہذا محترم والدین! آپ سے گزارش ہے کہ اولاد کا رشتہ بالخصوص بیٹی کے رشتہ والا مرحلہ طے کرتے وقت ان سے ضرور رائے لیں۔ ان کی رائے پر توجہ دیں، ورنہ مستقبل میں یہ ایک خطرناک صورت اختیار کر سکتے ہیں۔

اگر بچی دیندار شو ہر چاہ رہی ہو اور والدین صرف دنیا میں تین اور مست لڑکے کے انتخاب پر ایسی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تو غور فرمائیں کہ اس کشمکش میں اگر کوئی غلط فیصلہ والدین کی طرف سے ہو گیا تو خوش وہ بھی نہیں رہیں گے۔

اسی سلسلے میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بچی کی طرف سے اپنے رشتے کے سلسلے میں بھیجا ہوا سوال اور مولانا کی طرف سے اُس کا دیا گیا جواب ہم نقل کرتے ہیں۔

اپنی بچی کے لئے رشتہ کا انتخاب

سوال: میرا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے، جو بظاہر تو نماز روزے کا پابند ہے اور خاندان کے زیادہ تر افراد کو فحش و محرے ادا کر چکے ہیں، لیکن آج کل کے بیشتر خاندانوں کی طرح ہمارے خاندان میں بھی دین کے صرف آسمان فرائض کو ہی دین سمجھ لیا گیا ہے اور وہ بھی صرف سطحی طور پر اور اس پر بہت فخر کیا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ میرے خاندان میں نماز، روزے کی تو تھوڑی بہت پابندی ہے اور اسی کو دین سمجھ لیا گیا ہے، جب کہ دوسرے فرائض و واجبات مثلاً: پردے کا اہتمام، دازھی کا رکھنا یا حلال حرام کی تیز کرنا، ان باتوں پر کوئی زور نہیں دیا جاتا نہ کوئی اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے برعکس آج کل کی تمام بدعات کی جاتی ہیں اور ان پر ہزاروں روپے بے جا خرچ کئے جاتے ہیں اور خوش اس بات پر ہیں کہ ان کی وجہ سے ہم پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔ (اللہ پاک ان کو ہدایت دیں۔ آمین) دوسری طرف ہر گھر میں دُش دشمناء، وی سی آر کا چومیس سمجھنے استعمال میں رہتا ہے اور شادی بیاہ کے موقع پر یہ قسم کی خرافات، مثلاً گانا وغیرہ اپنے عروج پر ہوتا ہے۔

مولانا صاحب! کچھ عرصے پہلے تک اعلیٰ کی بناء پر (اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے) میں بھی ان تمام کاموں میں حصہ لیتی تھی، لیکن کچھ عرصے پہلے کچھ اچھے اور

دین دار لوگوں کی صحبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مجھے ہدایت نصیب ہوئی اور مجھ پر یہ روشن ہوا کہ ہم آج تک کتابوں میں جتنا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں معاف فرمائے۔ (آمین) اس کے علاوہ میں نے آپ کی کتابوں کا مطالعہ کیا، جن سے مجھے اپنے دین کو صحیح طور پر سمجھنے میں بے انتہا مدد ملی۔ خاص طور پر آپ کی کتاب ”اختلاف امت اور صراطِ مستقیم“ پڑھ کر مجھے صراطِ مستقیم کے معنی پتہ چلے۔ جس کے بعد میں نے آہستہ آہستہ اپنے آپ کو بدانا شروع کیا۔ اب میں پڑے ہ جس حد تک ممکن ہے، اہتمام کرتی ہوں۔ تمام ناشی سے محاذِ حد تک بچنے کی کوشش کرتی ہوں، فی دی جیسی خرافات کو مکمل طور پر تہیہ چکی ہوں۔ اللہ پاک مجھے مطلوبہ رکھے اور میرے ارادوں میں استقامت عطا کرے۔ آمین۔ تمام بدعات سے ہ ممکن طریقے سے بچنے کی کوشش کرتی ہوں اور کلمہ والوں کو بھی ان سے بچنے کی تلقین کرتی رہتی ہوں۔ لیکن ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہ گا، ان کے دلوں کو پلٹ دے گا۔ فی الحال میری کوششیں بالکل ناکام ہیں۔ آپ سے اپنے لئے دعا کی طالب ہوں کہ اللہ پاک مجھے استقامت عطا فرمائے، کیونکہ میں اس راستے پر اور آگے تک جانے کی خواہش مند ہوں۔

اب میں اصل مسئلہ کی طرف آتی ہوں۔ میرے والدین اب میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ رشتے بھی بہت آ رہے ہیں، لیکن مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ میرے والدین کے پیش نظر شخص میری کسی اچھے کھاتے پیتے لڑکے کے ساتھ شادی ہے اور انہیں میرے دینی رجحان اور دینی مستقبل کا کوئی خیال نہیں۔ میرے والدین ہر بات کو اہمیت دیتے ہیں، لیکن اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کہ وہ شخص دیندار کتنا ہے؟ نماز روزے کا پابند ہے یا نہیں؟ حلال کھاتا ہے یا نہیں؟ اس کی دازھی ہے یا نہیں؟ جب کہ میری خواہش ہے کہ میری شادی جس شخص سے ہو، وہ مکمل باشرع مسلمان ہو۔ جو خود میری رہنمائی کرے۔

میری گزارش دوسری لڑکیوں کے والدین سے بھی ہے کہ وہ خدا را اس بات کو اولین اہمیت دیا کریں۔ میں نے یہ سب کچھ پوری خلوص نیت سے لکھا ہے اور دل کی گہرائیوں سے میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی خواہش مند ہوں۔ اللہ گواہ ہے کہ جو کچھ میں سوچتی ہوں اور کرنا چاہتی ہوں، وہ میں نے دل کی تمام تر سچائی کے ساتھ آپ کو لکھ دیا ہے۔ لکھنے کو تو ابھی اور بھی بہت سی باتیں ہیں، لیکن آپ کے قیمتی وقت کا بھی خیال ہے۔ مجھے نہیں پتہ کہ ان لفظوں میں، میں اپنے جذبوں کی شدتیں سمجھتی ہوں یا نہیں؟ بہر حال ان تمام باتوں کی روشنی میں آپ مجھے مشورہ دیجیے گا:

❶ اگر میں اپنے والدین سے اس معاملے میں نفی کرتی ہوں تو کہیں میں ان کی نافرمانی کی مرتکب تو نہیں ہو رہی؟

❷ اگر میرے والدین سب کچھ جانتے بوجھتے اور میرے والدین کو دیکھتے ہوئے بھی میری شادی کسی ایسے شخص سے کر دیں، جو شرع کا پابند نہ ہو تو اس کا گناہ کس کے سر ہوگا؟ اور اس میں میرا قصور کتنا ہوگا؟

❸ سوال حذف کر دیا گیا۔

جواب: آپ کا خط پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کی ہدایت عطا فرمائے۔ دراصل بات یہ ہے کہ دنیا تو ہمارے سامنے ہے، لیکن آخرت ہماری نظر دوسرے جانب ہے۔ جب مرنے کے بعد دوسرے عالم میں پہنچیں گے، اس وقت ہمیں حقیقت حال معلوم ہوگی، مگر انہوں نے اس وقت ہماری بات کو سننے والا بھی نہیں ہوگا اور کوئی ہماری فریاد کو اللہ تعالیٰ کے سوا سننے والا بھی نہیں ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے:

”دانا اور ہوشیار وہ آدمی ہے، جس نے اپنے نفس کو احکام الہی کے تابع کر لیا، اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے محنت شروع کر دی۔ اور احق ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگا دیا اور اللہ تعالیٰ

پہ آواز نہیں دے گا (کہ اللہ تعالیٰ نفس ہی دے گا)۔

اس لئے اب آپ کے سوالوں کا جواب لکھتا ہوں۔

❶ اگر آپ کے والدین کسی ایسے شخص کے ساتھ شادی کرن چاہیں، جو دنیا میں مست ہو اور آخرت سے غافل ہو، جس کو نماز روزے کی اہمال حرام کی، دین کے دوسرے احکام کی کوئی پروا نہ ہو، تو آپ والدین سے صاف کہہ دیجیے کہ آپ شادی کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ والدین کی نافرمانی نہیں، کیونکہ جس کام میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو، اس میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔

❷ بچیاں والدہ کے ساتھ کھل کر بات کر لیا کرتی ہیں۔ آپ اپنی والدہ ماجدہ سے یہ کہہ دیں کہ آپ ایسے آدمی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے ہرگز راضی نہیں ہوں گی، جو دین طار نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کا ساتھ اسی لئے بنایا ہے کہ وہ دین کے معاملے میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں اور ایک دوسرے کو جہنم کے عذاب سے بچانے والے بنیں۔ شادی کے لئے ایسے آدمی کا انتخاب کرنا، جو کہ خود بھی جہنم کا راستہ اختیار کیئے ہوئے ہو، ہرگز ہرگز جائز نہیں۔

❸ اس سوال کے تین حصے ہیں:

(الف) ساری عمر تجھ کی زندگی گزارنا ایک لڑکی کے لئے مشکل ہے، اس لئے میں اس کا مشورہ آپ کو ہرگز نہیں دوں گا۔

(ب) جو پہلے سے شادی شدہ ہو، اور اس کے دل و عیال بھی ہوں، اس کے ساتھ شادی کرنا بھی نامناسب ہے، کیونکہ سو کنوں میں ان بن رہتی ہے، اس طرح آپ کا دین برباد ہوگا۔

(ج) میرا مشورہ یہ ہوگا کہ کسی ایسے ویدار آدمی سے شادی کی جائے، جو عالم ہو، تہنیتی جماعت میں جڑا ہوا ہو، اللہ تعالیٰ کا دل میں خوف رکھتا ہو، مزاج کا سخت نہ ہو، اور ہر معاملے میں آخرت کو پیش نظر رکھتا ہو۔ اس کے ساتھ بہتر

ضرورت دیتا بھی رکھتا ہو۔ ان شاء اللہ ایسا رشتہ مبارک ہوگا۔

ایک مفید تدبیر

ایک مفید تدبیر یہ بھی ہے کہ والدہ اور بہنوں نے جہاں جہاں رشتوں کے لئے سوچا ہے تو لڑکی اور اس کے گھر والوں کے کوائف لکھ لیں، مثلاً لڑکی کی عمر، لڑکی کی دینداری، لڑکی کی تعلیم، لڑکی کی شکل و صورت و جسمانی ہیئت، لڑکی کی والدہ کا خاندان، لڑکی کے والد کا خاندان، لڑکی کے والد کا پیشہ، لڑکی کے والد اور بھائیوں کی نمازوں کی ترتیب اور حالت، لڑکی کے بہن بھائیوں کی شرافت و لیاقت، جہاں لڑکی کی دوسری بہنوں کا رشتہ ہوا ہے، وہ لوگ صابروں و شاکر ہیں یا نہیں.....؟

ان سب باتوں کو ایک کاغذ میں لکھ کر گھر کے سمجھ دار افراد نماز پڑھ کر دے، نگ کر بیٹھ جائیں اور والد کو یا ان کی غیر موجودگی میں کسی کو امیر بنا لیں اور پھر باری باری ہر ایک سے والد یا دولہا خود یا والدہ مشورہ لے لیں۔ آپ کا کیا مشورہ ہے؟ مثلاً ان تین لڑکیوں میں سے ہمارے گھر کے لئے یا بھئی کے لئے کون سی لڑکی مناسب رہے گی؟ پھر امیر سب کی رائے کو سامنے رکھ کر فیصلہ کر لے کہ پہلے اس جگہ رشتہ بھیجتے ہیں۔ پھر اگر اس رشتے کے جواب کے بعد دوبارہ مشورہ کی ضرورت پیش آگئی تو دوبارہ سب بیٹھ جائیں گے۔ امیر کو چاہیے کہ ہونے والے دولہا کی رائے کو زیادہ اہمیت دے۔

اس مشورہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ گھروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشورہ کی سنت زندہ ہوگی۔ اور جہاں سنت زندہ ہوگی، وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوگا۔

دوسرا اہم فائدہ یہ ہوگا کہ گھر کے افراد میں آپس میں محبت قائم ہوگی۔ تمام

بھائی بہن یہ سمجھیں گے کہ والد کی نظر میں یا والدہ کی نظر میں میری اہمیت ہے، میرا مقام ہے، خصوصاً شادی شدہ بڑے بیٹے بہت سی زیادہ خوش ہوں گے کہ والد نے چھوٹے بھائیوں کے لئے ہم سے مشورہ لیا۔ یہ سب سے بڑا فائدہ ہے کہ گھر کے تمام افراد کے دل آپ میں ملے ہوئے ہوں۔

تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ ایک کا فیصلہ نہیں ہوگا، بلکہ یہ اجتماعی فیصلہ ہوگا۔ بظاہر تو ایک امیر کا فیصلہ ہوگا، لیکن حقیقتاً یہ پورے گھر کا فیصلہ ہوگا، اور بعد میں کسی کو کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ ابا آپ نے مجھ سے نہیں پوچھا؟ بڑی بھائی کہے گی: امی آپ نے مجھ سے نہیں پوچھا، اس لئے پھنس گئے، وغیرہ.....

آداب مشورہ

ہاں یہ ضرور ہے کہ مشورہ کے آداب ضرور بیان کر لئے جائیں کہ:

۱۔ ہر ایک باری باری سے رائے دے۔ دوبارہ رائے دینی ہے تو بیچ میں نہ بولے، بلکہ آخر میں اجازت لے کر بولے۔

۲۔ کوئی دوسرے کی رائے کاٹے نہیں۔ ہاں آپ اپنی رائے کا فائدہ اور حکمت بتا سکتے ہیں۔

۳۔ رائے، رائے سمجھ کر دے فیصلہ سمجھ کر نہیں۔ اگر کسی کی رائے پر فیصلہ نہ ہو سکا تو اس پر طعن و تشنیع یا جھگڑانا نہ کرے، یا خدا نہ کرے، کسی آزمائش کے آنے پر یہ نہ کہے کہ میں نے تو پہلے سے کہا تھا... دیکھو تم نے میری بات نہ مانی، اگر میری بات مان لیتے تو یہ نہ ہوتا... وغیرہ

حدیث شریف میں آتا ہے:

﴿لَوْ تَفَتَّحَ عَمَلُ الشَّيْطَانِ﴾

۱۔ مشکوٰۃ، باب النواکل والصر: ج ۲ ص ۴۵۲

تقریباً: لفظ ”اگر“ شیطان کا دروازہ کھولتا ہے۔

اور جو امیر یا گنہگار کا بڑا فیصلہ کر دیں اس پر سب راضی ہو جائیں۔ ان آداب کی رعایت رکھتے ہوئے گھر کے چھجھدور..... رازدار..... بیٹھ کر مشورہ کر لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت سی خیریں وجود میں آئیں گی۔

اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو دولہا کو چاہیے کہ یہ کوائف ایک کاغذ میں لکھ کر کسی ایسے تجربہ کار معمر عالم / مفتی کے پاس جائے، جو اپنے حقائق اور قوم کے رہنے سہنے اور ان کے مزاج سے واقف ہو اور اس سے مشورہ کر لے۔

تیسری بات یہ کہ استخارہ کا اہتمام کرے۔ استخارہ کرنے میں بھی چند باتوں کا ضرور خیال رکھے، جن کی علامتے حقانی اور بزرگان دین نے وضاحت فرمائی ہے کہ:

(الف) استخارہ کے لئے نفل پڑھنے میں رات یا عشاء کے بعد کسی کوئی قید حدیث میں نہیں ہے۔ لہذا جو میں گھنٹوں میں کسی بھی وقت (جو وقت نوافل کی ادائیگی کے لئے مسموع نہ ہو) نوافل ادا کر کے دعا کرے۔

(ب) ... دوسرے یہ کہ استخارہ خود کریں۔ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو عینہ و گمار میں اور کسی دوسرے سے استخارہ کرواتے ہیں۔ ایسے حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ پہلے چھوٹے بڑے گناہوں سے توبہ کریں، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور پھر استخارہ کریں۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ زیادہ راضی ہوں گے۔

(ج)۔ تیسرے یہ کہ اس بات کو ضروری نہ سمجھیں کہ استخارہ کرنے سے جواب خواب میں آئے گا، بلکہ صرف حالات پر نظر رکھیں۔ جس کام کے لئے استخارہ کیا ہے، اس کی موافقت میں حالات بن رہے ہیں یا کام میں کوئی رکاوٹ پڑ رہی ہے؟ اگر اس کے موافق حالات بن رہے ہیں تو سمجھ لیں کہ اس میں خیر ہے۔ اور اگر رکاوٹ پڑ رہی ہے تو سمجھ لیں کہ اس کام کے نہ کرنے میں خیر ہے۔

ہے۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ مشورہ، استخارہ سے زیادہ اہم ہے۔ پھر بڑوں سے مشورہ بھی کر لیں، پھر ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ دل کس بات پر جم رہا ہے؟ اسی کے موافق عمل کریں۔ اگر ایک بار اسی عمل سے کسی بھی صورت پر دل مطمئن نہ ہو تو بار بار نفل پڑھ کر دعا مانگیں۔

آپ کا سلوک اپنے والدین کے ساتھ

یہ بڑا توجہ طلب موضوع ہے۔ دراصل آپ اپنے والدین کے ساتھ جیسا سلوک کریں گے، آپ کے بچے بھی بڑے ہو کر ایسا ہی سلوک کریں گے۔ بے شک آپ مالی اعتبار سے اور دینی اعتبار سے اپنے آپ کو بہتر محسوس کر رہے ہوں اور اپنے بچے کی صحیح تربیت کے خواہاں ہوں۔ لیکن اللہ نہ کرے، کسی موقع پر آپ نے اپنے والدین کو دکھ یا تکلیف پہنچائی ہو تو دل سے ناام ہو کر فوراً والدین سے معافی مانگیں اور ان کے سامنے خوب عاجزی کریں، حتیٰ کہ انہیں راضی کر لیں۔

حدیث شریف میں ایک آدمی کا واقعہ آتا ہے کہ زندگی کے آخری وقت میں اُس سے کلمہ شہادت نہیں پڑھا جا رہا تھا، باوجود کوشش کے انہیں ایسا محسوس ہوا کہ دل پر ایک قفل سا لگا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق فرمائی تو معلوم ہوا کہ ان کی والدہ ان سے ناراض ہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب دینے پر جب ان کی والدہ نے معاف کیا، تب ان سے کلمہ پڑھا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَيَالِ الَّذِينَ إِحْسَانًا هُمْ إِذَا
يَبْتَغُونَ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا
تَنْهَرَهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿١٩﴾ وَخَفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ

مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْنِي كَمَا رَحِمْتَ صَغِيرًا ۝

ترجمہ: ”تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ بجز اس (معبود برحق) کے کسی کی عبادت مت کر اور تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو، اگر (وہ) تیرے پاس (ہوں اور) ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے (کی عمر) کو پہنچ جائیں، (جس کی وجہ سے محتاج ہو جائیں اور جب کہ طبعاً ان کی خدمت کرنا بیماری معلوم ہو) سو (اس وقت بھی اتنا ادب کرو کہ) ان کو کبھی (ہاں سے) ہوں بھی مت کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھگڑنا اور (ان کے لئے حق تعالیٰ شانہ سے) یوں دعا کرتے رہنا کہ اس میرے پروردگار! (ان دونوں پر رحمت فرمائیے) جیسا کہ انہوں نے مجھ کو بچپن (کی عمر) میں پالا پرورش کی ہے۔ (اور صرف ظاہری توقیر و تعظیم پر اکتفا مت کرنا، دل میں بھی ان کا ادب اور قصد اطاعت رکھنا)۔“

آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کے نزدیک والدین کی اطاعت اور ان کی ولجوبی کا کتنا بڑا مقام ہے۔ لہذا اپنے بچوں کی صحیح تربیت کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے والدین کا خوب احترام کریں، خاص کر جب وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں۔ ایسے وقت میں بڑھاپے کے عوارض طبعی طور پر انسان کو چڑچڑاہٹ دیتے ہیں اور بعض اوقات وہ ایسی خواہشات کرنے لگتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا اولاد کے لئے نہایت مشکل معلوم ہوتا ہے، اس وقت اولاد کی ذرا سی بھی بے رخی ان کے دلوں کو زخمی کر دیتی ہے اور ان کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔

۱۔ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۳

۲۔ معارف القرآن: ج ۵ ص ۶۶۳

مثلاً آپ کا بچہ بیمار ہوا، آپ کو اندازہ ہے کہ اس وقت اگر بہلا پھلا کر اس کو اسکول بھیج دیا جائے تو کچھ نہ ہوگا، بلکہ ہم عمروں میں بولنے کھیلنے سے طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔

اب دادا دادی نے شروع کر دیا: ”اے آج ہی بی اے کرائے گا کیا؟“ معلوم پر ظلم کر دیا، وغیرہ۔ اسی طرح گھر میں کوئی چیز ذرا سی بے ترتیب رکھی دیکھی تو فوراً ڈانٹنا شروع کر دیا: ”اے بہو اس کو اٹھا کر یہاں رکھ دے۔“ آپ کے دفتر سے یا محلے سے جوئے گھر پر آتے ہی آپ سے کوئی بات پوچھنا شروع کر دی یا کاروبار کے متعلق کسی بات پر خوب زور دیتے رہے، بار بار اسی کام کو انجام دینے کی رٹ لگانی شروع کر دی۔ گھر میں بلب کے خراب ہونے پر یا ننگے کے پھٹنے پر، جب بھی کبھی سامنا ہوا، بات شروع کر دی کہ بدلو اتا کیوں نہیں؟ آپ کی مشغولی اور مصروفیات سے بے نیاز ہو کر آپ کے آرام اور ذہنی سکون حاصل کرنے کے اوقات میں آپ سے سیاست، حکومت، کاروبار، تجارت، ملازمت وغیرہ کے موضوع پر جب وہ کوئی بات یا نکتہ چینی یا تکرار کریں۔۔۔ تو ہرگز غصہ میں آکر انہیں نہ جھڑکیں، بلکہ حتی الامکان ان سے بات کرنے کی اور ان کی دل جوئی کی کوشش کریں۔ ان کے ڈانٹنے، بار بار کہنے پر غدر و تاویلات کا سہارا لینے کے بجائے خاموش ہو کر ”جی ہاں جی ہاں“ کہتے رہیں۔ حتی الامکان کوشش کریں کہ جس طرح وہ کہیں، اسی طرح کریں۔ لیکن اگر وہ کام آپ کے لئے ممکن نہ ہو تو یہ نہ کہیں کہ ”آپ کو پتہ نہیں، آپ برائے مہربانی اس معاملہ میں نہ بولیں“، بلکہ یوں کہیں: ”جس طرح آپ نے کہا تھا، اسی طرح میں نے کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن نہ ہو سکا۔ ان شاء اللہ آئندہ خیال رکھیں گے۔“

اسی طرح والدہ شفقت کے جذبے میں بہت سے ایسے کام بتائیں، جو آپ کے مزاج کے خلاف ہوں تو اس پر بھی صبر کریں، اور ان کی طرف سے جو بھی اکرام

ہو، اس کی تعریف کر کے قبول کر لیں۔ جن باتوں میں پہلے سے یہ پتہ ہو کہ والدہ اس بارے میں اصرار کریں گی تو بہتر ہے کہ والدہ کے سامنے ان چیزوں کا ذکر ہی نہ کریں، انہی باتوں کا ذکر کریں، جن کے بارے میں ان سے رائے لینا مفید ہو، اور اگر کبھی ایسی بحث چھڑ جائے تو کوشش کریں کہ بات کا موضوع بدل جائے، مثلاً اگر کوئی ایسی بات ہوگی کہ والدہ سے تکرار ہو رہی ہے۔ والدہ آپ کو کوئی بات سمجھا رہی ہیں اور وہ بات آپ کی سمجھ نہیں آ رہی، یا والدہ محترمہ آپ کی بات نہیں سمجھ رہی ہیں، تو بات لمبی کرنے کے بجائے بات بدل دیجئے۔ یوں کہیے: ”ماں! وہ جو ہماری رشتہ دار بیمار تھیں، ان کا کیا حال ہے؟ یا ماں! اس بچی کی شادی کی تاریخ طے ہوئی؟“ وغیرہ۔

اس سلسلے میں مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ایک صاحب بوڑھے ہو گئے، انہوں نے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلا کر فاضل بنا دیا۔ ایک دن گھر کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک کوا گھر کی دیوار پر آکر بیٹھ گیا تو باپ نے بیٹے سے پوچھا: ”بیٹا! یہ کیا چیز ہے؟“ بیٹے نے کہا: ”ابا جان! یہ کوا ہے۔“ تھوڑی دیر بعد باپ نے پوچھا: ”بیٹا! یہ کیا چیز ہے؟“ اس نے کہا: ”ابا جان! یہ کوا ہے۔“ پھر جب تھوڑی دیر گزر گئی تو باپ نے پوچھا کہ ”بیٹے! یہ کیا ہے؟“ بیٹے نے کہا: ”ابا جان! ابھی تو آپ کو بتایا ہے کہ یہ کوا ہے۔“ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد پھر باپ نے پوچھا: ”بیٹا! یہ کیا ہے؟“ اب بیٹے کے لہجے میں تبدیلی آ گئی، اور اس نے جھڑک کر کہا کہ ”ابا جان! یہ کوا ہے کوا۔“ پھر تھوڑی دیر بعد باپ نے بیٹے سے پوچھا: ”بیٹا! یہ کیا ہے؟“ اس نے کہا کہ ”آپ ہر وقت ایک بات پوچھتے رہتے ہیں، ہزار مرتبہ کہہ دیا کہ یہ کوا ہے، آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔“ بہر حال اس بیٹے نے باپ کو سخت لہجہ میں کہنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد باپ اپنے کمرے میں گیا اور ایک پرانی ڈائری نکال لایا اور اس ڈائری کا ایک صفحہ کھول کر بیٹے کو دکھاتے ہوئے کہا کہ ”بیٹا! یہ ذرا پڑھنا، کیا لکھا ہے؟“ چنانچہ اس نے پڑھا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ ”آج

میں اور میرا چھوٹا بیٹا صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک کوا آ گیا تو بیٹے نے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا کہ ابا جان! یہ کیا ہے؟ تو میں نے ۲۵ مرتبہ اس کو یہ جواب دیا کہ بیٹا! یہ کوا ہے اور اس کی اس ادا پر بڑا پیارا آیا۔“ اس کے پڑھنے کے بعد باپ نے کہا: ”بیٹا! دیکھ باپ اور بیٹے میں یہ فرق ہے۔ جب تم بچے تھے تو تم نے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا اور میں نے ۲۵ مرتبہ بالکل اطمینان سے صرف جواب ہی نہیں دیا، بلکہ میں نے اس بات کا اظہار بھی کیا کہ مجھے اس ادا پر بڑا پیارا آیا۔ آج جب میں نے تم سے صرف ۵ مرتبہ پوچھا تو تمہیں اتنا غصہ آ گیا۔“

لہذا والدین کے کسی عمل پر ہرگز غصہ نہ کریں، بلکہ تحمل اور انکساری کے ساتھ ان سے بہترین برتاؤ کریں۔ ان کے ہر حکم کا جواب ”جی ہاں“ کی صورت میں دیں اور حتی الامکان اپنی جان سے، اپنے مال سے اور ہر اعتبار سے انہیں سکھ پہنچانے کی کوشش کریں۔ خصوصاً والدین میں سے اگر کسی ایک کا انتقال ہو گیا ہو تو دوسرے کی حد سے زیادہ رعایت کریں، اس لئے کہ اب تو ان کے لئے صرف آپ ہی کا ظاہری سہارا رہ گیا ہے۔ اب والدہ یہ سوچے گی کہ اس کے والد بھی چلے گئے، اب تو میں اکیلی ہو گئی ہوں اور بیٹا اب صرف اپنی بیوی ہی کی منتا ہے، میری طرف کوئی توجہ ہی نہیں کرتا۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے ہو۔ اور ساتھ ہی اپنے والدین کے لئے دعا بھی کیجئے۔ اس دعا کو اپنا معمول بنا لیجئے کہ ”رَبِّ ارْحَمْهُمَا نَحْمًا وَرِثَةً صَغِيرًا“ اور اپنے اس وقت کو سوچیں، جب آپ نہایت کمزور اور چھوٹے اور بے عقل تھے، جب انہوں نے کسی تکلیف اٹھا کر آپ کی پرورش کی۔ اب جب کہ وہ کمزور اور آپ طاقتور ہو چکے ہیں تو کیا آپ کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ آپ کسی بھی ناگواری پر انہیں ”آف“ بھی کہیں؟ بالکل نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ ایذا رسانی میں ”آف“ کہنے سے بھی تم

کوئی درجہ ہوتا تو یقیناً وہ بھی منع کر دیا جاتا۔

کبھی بھی اس بات کو دل میں جگہ نہ دیں کہ آپ نے ماں باپ کا حق ادا کر دیا ہے، ان کے لئے اچھے مکان میں تمام تر سہولتوں کے ساتھ رہائش کا بندوبست کر دیا ہے، یا نوکر چاکر کا انتظام کر دیا ہے۔ آپ کچھ بھی کریں حتیٰ کہ اگر وہ معذرتوں اور آپ انہیں اپنے کندھے پر بٹھا کر سو بار بھی حج کرادیں، تب بھی ان کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اس بات پر مطمئن نہ ہوں کہ انہیں گھریا، نوکر چاکر تو دے دیئے، اب ان سے ملنے کی کیا ضرورت؟ بلکہ دروازہ ان سے ملے، ان سے باتیں کیجئے اور ان کے کچھ چھوٹے موٹے کام اپنے ہاتھ سے کیجئے۔ حدیث میں والدین پر شفقت و رحمت کی نظر ڈالنے پر حج کا ثواب ملنے کی خوشخبری ہے۔ علاوہ، نے والدین سے برتاؤ کے جو آداب بتائے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

اولاد جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرے، بے ادبی نہ کرے، تکبر سے پیش نہ آئے، اپنی آواز کو ان سے بلند نہ کرے، ان کو نام لے کر نہ پکارے، کسی کام میں ان سے پہل نہ کرے، ان کی بات کے درمیان نہ بولے، وہ بات فرما رہے ہوں تو کتنی ہی غلط بات کیوں نہ کر رہے ہوں، بیچ میں نہ بولے، بلکہ ان کو پورے اطمینان سے بولنے دیں، جب وہ بات پوری کر لیں پھر اپنی طرف سے کوئی بات کرنا مفید ہو تو بولیں، ورنہ اقرار کر لیں کہ غلطی ہوئی، معافی چاہتا ہوں، اگر کبھی ان کو نصیحت کرے تو چھوٹا بن کر کرے، اور ان کی ایسی خدمت کرے کہ ان کی دعاؤں کا مستحق ہو جائے۔

حدیث میں آتا ہے کہ دو چیزیں بغیر حجاب کے آسمان کے اوپر جاتی ہیں۔ ایک کلمہ طیبہ کا پڑھنا اور دوسرا باپ کی دعا اولاد کے لئے۔ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا، باپ کی رضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، باپ کی

ناراضگی میں ہے۔

یہاں پر ایک بات توجہ طلب ہے کہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ تبلیغ میں وقت لگا کر یا کسی دینی حلقے میں یا بزرگوں کے پاس بیٹھ کر دین پر عمل کرنے والے بن جاتے ہیں، اور یہ چیز والدین کی ڈانٹ یا طعنوں کا سبب بن جاتی ہے۔ مثلاً باپ یوں کہتا ہے کہ میاں! چلے لگانے سے ہمارے حقوق ادا نہیں ہوتے یا ڈاڑھی رکھتے اور بچوں کو مدارس دینیہ میں بٹھانے پر ماں یا باپ کوئی بات کریں، تب بھی ان سے گستاخی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اچھا سلوک کریں اور ان کے لئے دعا و استغفار کا معمول بنالیں۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد کو نصیحت کرنے کے بعد یہ جملہ نقل کیا گیا ہے:

﴿قَالَ سَلِّمْ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ تَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي﴾

ترجمہ: ”ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: (بہتر)، میرا سلام لو (اب تم سے کہنا سنا ہے سو ہے)، اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی (اس طرح) درخواست کروں گا (کہ تم کو ہدایت کرے) جس پر مغفرت مرتب ہوتی ہے۔“

بس آخر میں یہ گزارش ہے کہ جیسا کہ آپ اپنے والدین کے ساتھ سلوک کریں گے، ویسا ہی اپنی اولاد سے پائیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم لوگوں کی عورتوں سے عقیقہ رہو، تمہاری عورتیں بھی عقیقہ رہیں گی۔ تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کا برتاؤ

سہ ترمذی، ابواب البر والصلۃ: ج ۲ ص ۳۵۴

سہ سورہ مريم آیت ۳۷

سہ معارف القرآن: ج ۶ ص ۳۳

کرے گی۔

اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے والدین کا خوب خیال رکھیں، اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی کرنے سے بچیں، اور اگر کبھی نادانستہ کوئی تکلیف دہ عمل ہو گیا ہو تو ان سے اتنی معافی مانگیے کہ وہ آپ کو معاف کر کے آپ سے راضی ہو جائیں۔

والدین اور اساتذہ خود مشائی کردار پیش کریں تو بچہ فطری طور پر ان کی تقلید کرتا ہے۔ اگر آپ اپنی زندگی میں اخلاق اور اصولوں کو کچل رہے ہیں تو پھر بچے کے بڑ جانے پر آپ کو کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ وہی بچہ جھگڑاؤ ہو سکتا ہے، جس کے والدین بات بات پر دوسروں سے جھگڑتے ہوں۔ صلح پسند اور خوش مزاج والدین کا بچہ بھلا کیوں کر جھگڑاؤ ہو سکتا ہے۔

والد صاحب کی شکایت نہ کریں

زندگی کے کسی بھی موڑ پر بعض اوقات انسان کے دل میں ایسے احساسات پیدا ہوتے ہیں، جن کی بنیاد پر انسان اپنے والدین کو قصور وار سمجھ کر ان سے بدول ہو جاتا ہے۔ مثلاً: دوسرے بھائی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ۱۸ گریڈ کے افسر بنے تو چھوٹے بھائی بیرون ملک میں مستحکم ہیں اور ایک بھائی اپنے ملک میں پریشان۔ بڑے بھائی کی شادی کروڑ پتی گھرانے میں ہونے کی وجہ سے وہ بڑے تاجر ہیں اور ایک بھائی چھوٹی سی دکان کو رو رہے ہیں۔ تقسیم جائیداد کے وقت ایک بھائی کے حصے میں زمین کا وہ ٹکڑا آیا کہ جس کی قیمت وقت گزرنے پر مزید گر گئی، وغیرہ۔

اس طرح کے حالات میں اکثر لوگوں کو روتے ہوئے، جگہ جگہ اپنے باپ کی ستم ظریفی کا تذکرہ کرتے ہوئے یا انہیں برا بھلا کہتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔

۱۔ الترغیب والترہیب، کتاب البر والصلة الترغیب فی ہر الوالدین: ج ۳ ص ۲۱۸

حالانکہ غور کیا جائے تو تقدیر کے فیصلوں کی وجہ سے ایک بیٹے پر خدا خواستہ کوئی برا حال آگیا تو اس میں باپ کا کیا قصور؟ انہوں نے تو اپنی پوری کوشش کی کہ سب بھائیوں بہنوں کو برابر ملے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے آگے کس کی چل سکتی ہے؟ یعنی جائیداد کی تقسیم میں ایک بیٹے کے حصہ میں جو دکان آگئی تھی، اس وقت وہ بہت چل رہی تھی، لیکن کچھ عرصے بعد دکان کے مالک نے دکان خالی کرنے کا نوٹس دے دیا، اور اس بیٹے کو مجبوراً دکان خالی کرنی پڑی۔ جب کہ دوسرے بھائیوں کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوا اور وہ خوب ترقی کرتے رہے۔ جو فلیٹ ایک بیٹے کے نام ہوا تھا، اس وقت اس کی قیمت اتنی ہی تھی جتنی دوسرے بھائیوں کے مکان یا فلیٹ کی تھی، لیکن تقدیر سے کچھ عرصے بعد وہاں پر سیمنٹ فیکٹری کے بننے اور دھوئیں و آلودگی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے فلیٹ کی قیمت گر گئی۔

اگر ایسے شیطانی دساؤں کہ باپ نے میرے ساتھ ظلم کیا یا بڑے بھائیوں کو مجھ سے زیادہ دیا۔ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، وغیرہ کو اپنے دل میں جگہ دیں گے تو اس کے تین بڑے نقصان ہوں گے۔

① آپ کے روتے دھونے، جگہ جگہ شکایت کرنے سے آپ کی عزت میں فرق تو آئے گا ہی، ساتھ ہی اس کی پلیٹ میں آپ کے بے چارے، بے قصور بھائی اور بہنیں بھی آسکتے ہیں۔ ان کی عافیت والی زندگی بے سکون ہو سکتی ہے۔ آپ کے جگہ جگہ اس طرح تذکرہ کرنے کی وجہ سے لوگ آپ کے بھائی بہنوں کو ظالم یا قصور وار سمجھیں گے۔ ان کے کاروبار یا ملازمت میں نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔

② دوسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ بھائیوں سے لڑکر انہیں ناراض کیا اور جو کچھ تھوڑا بہت آپ کو اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے، اس کی ناشکری ہوئی تو اللہ تعالیٰ کو بھی ناراض کر دیا۔ حالانکہ صرف جذبہ حسد کا فرما ہے کہ میرے بھائی کروڑ پتی ہیں

اور میں لکھتی کیوں نہیں ہوں؟ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ اور جو کچھ دنیوی عافیت حاصل تھی، وہ بھی ہاتھ سے گئی۔

تیسرا نقصان یہ ہوگا کہ جب آپ اس عمر کو پہنچیں گے، جس عمر میں آج آپ کے والد صاحب ہیں۔ تو جیسے آپ شکوہ کرتے ہیں، ویسے ہی آپ کی اولاد بھی آپ سے شکوہ کرے گی۔ چاہے آپ نے ہر لحاظ سے اور ہر اعتبار سے برابری کی ہو۔ اردو کا محاورہ ہے: ”جیسی کرنی ویسی بھرنی۔“

لہذا ان نقصانات سے بچنے کے لئے اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جب بھی کوئی حال، کوئی مصیبت، کوئی پریشانی آئے تو اس کی نسبت کسی مخلوق کی طرف نہ کریں۔ نہ والدین یا بھائی، بہن نہ دوست یار، بلکہ اپنے اعمال کا جائزہ لیں، انہیں درست کریں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں روروی التجا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے حال کو اور دنیوی و اخروی زندگی کو خوشحال بنادیں، اور یہ سوچیں کہ جس حال میں اللہ تعالیٰ نے مجھے رکھا ہے، وہ حال میرے لئے بہت ہی بہتر ہے۔ کیا پتہ جو حال میں طلب کر رہا ہوں، اس میں مختیبتیں زیادہ ہوں؟ پیسا زیادہ ہو لیکن بیماریاں بھی زیادہ ہوں اور وہی پیسہ دواؤں میں لگے تو کیا فائدہ؟ وہ پیسہ مزید پریشانیوں کا سبب بنے تو کیا فائدہ؟

ہاں ان پریشانیوں کو دور کرنے کی فکر کریں، مثلاً ملازمت نہیں مل رہی تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھ جائیں، والد صاحب کی شکایت نہ کرتے پھریں، بھائیوں کے مظالم بہنوں کے سامنے نہ ذکر کریں، بلکہ کوشش کریں کہ ملازمت مل جائے اور اگر بڑے بھائیوں نے ظلم بھی کیا ہو تو معاف کر دیں، اور یہ یقین رکھیں کہ اگر میرے مقدر میں یہ مال ہوگا تو مجھے ضرور مل کر رہے گا، اگر میرے مقدر میں نہیں ہے تو کیا فائدہ ہے کہ بھائی بہنوں میں جھگڑے کا سبب بنوں۔ اگر میرے صبر اور شکر کی وجہ سے بھائی بہن سکون سے رہ رہے ہیں اور والدین کی عزت سلامت ہے، یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ میرے جھگڑوں کی وجہ سے میرا سکون بھی تباہ ہو اور ان کا چین و سکون بھی برباد

ہو، نیز والدین مرحومین کی عزت پر دھبہ آئے۔ اگر مجھے مال مل بھی گیا اور میرا مقدر نہیں تو مجھ سے کوئی اور چین کر لے جائے گا۔ اپنے دل کو اس طرح تسلی دے کر مطمئن کریں۔ تجربہ کار لوگوں کا کہنا ہے کہ جن کے مقدر میں مال نہیں، دتا، وہ سونے میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو مٹی ہو جاتا ہے اور جن کے مقدر میں ہوتا ہے، وہ مٹی میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو سونا بن جاتا ہے۔

لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جس حال میں رکھا ہے، اس پر شکر کرے، اور یقین رکھے کہ میرے لئے یہی بہتر ہے۔ مجھ نے اگر کاٹا ہے تو حال تو برا ہے، لیکن اگر یہ سوچا جائے کہ سانپ کے ڈسنے سے بچا کر مجھ کا زخم دے دیا تو اس پر بھی شکر کی توفیق ہوگی۔

آپ کا سلوک اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ

اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ شفقت اور محبت والا معاملہ رکھئے۔ جب اپنے بچوں کے لئے کوئی چیز خریدیں تو کوشش کریں کہ اپنے بچوں اور بھائیوں کو بھی یاد رکھیے۔

اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد میں بھی آپس میں محبت والا معاملہ رہے گا۔

ہاں! اگر بھائی بہنوں کے گھر کا ماحول اچھا نہیں ہے، فی وی یا کمپیوٹر جیسی خرافات کی بچوں کو آزادی ہے، تو پھر تو اپنی اولاد کو وہاں جانے سے خوب بچائیں۔ ہاں! آپ خود بد یہ تھک بھیتے رہیں اور ان کو دین پر لانے کی فکر فرماتے رہیں، اور قطع تعلق سے بچتے رہیں۔ حتی الامکان صلح اور معافی کا معاملہ رکھئے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے باپ شریک بھائی محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ (ماں کی طرف سے نسبت ہے، جو بنو حنفیہ سے تھیں) میں کسی بات پر تلخی پیدا

ہو گئی اور دونوں آپس میں ناراض ہو کر چل دیے۔ محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے گمہ پہنچ کر درج ذیل مضمون پر مشتمل ایک مکتوب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

”محمد بن علی کی طرف سے اس کے بھائی حسین بن علی کی طرف

سلام مسنون کے بعد۔۔۔ آپ کو ایسا مقام و مرتبہ اور اشرف فضیلت حاصل ہے، جس تک میری رسائی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ میری والدہ بنو حنفیہ کی ایک خاتون ہیں اور آپ کی والدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا دختر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ اگر میری والدہ جیسی عورتوں سے زمین بھر جائے، پھر بھی آپ کی والدہ کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ لہذا اس مقام و مرتبہ کی بنا پر میرا مکتوب پڑھتے ہی مجھے راضی کرنے میرے ہاں چلے آئیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس فضیلت کو پانے کے لئے آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں، میں اس میں پہل کر جاؤں، والسلام۔“

ادھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب خط پڑھا تو فوراً محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر آئے اور انہیں راضی کیا۔ باہمی رضا مندی کا یہ کس قدر اچھا انداز ہے۔

اپنے والد صاحب کی خدمت کیجیے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد آپ کی عزت کرے، آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھے اور آپ کی فرمانبرداری کرے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے بچوں کے دل میں آپ کی عزت و عظمت بٹھا دے اور آپ کو آخرت کی کامیابی کے علاوہ بے شمار دنیوی

لے گاغذہ کتابوں کی دس گاہ میں ہم

فوائد بھی حاصل ہوں، تو آپ کو چاہیے کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ مشہور محاورہ ہے کہ ”آدمی جو پوتا ہے، وہی کاٹا ہے۔“ گندم بو کر جو کی تمنا رکھتا اور باجرہ بو کر چاول حاصل کرنے کی توقع بیوقوفی ہے۔ آج ہم اپنے والدین کے ساتھ جیسا برتاؤ کریں گے، کل اپنی اولاد سے ویسا ہی سلہ پائیں گے۔ اس لئے والدین کے ساتھ نہایت ہی ٹیک سنوک کیجیے، ان کی کسی ہمت پر ”آف بھی نہ کیجیے، اور اپنا مال خرچ کرنے اور لینے کی ان کو پوری اجازت دیجیے اور اس پر کسی قسم کی نا تواری کا بالکل اظہار نہ کیجیے کیونکہ آپ کے مال میں ان کا پورا پورا حصہ ہے۔ بلکہ آپ اور آپ کا سارا مال، آپ کے والد ہی کا ہے۔

ایک واقعہ عجیبہ

قرطبی نے اپنی استاد مفتاح کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا مال لے لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے والد کو بلا کر لاؤ! اسی وقت جبریل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جب اس کا باپ آجائے تو آپ اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں؟ جو اس نے دل میں کہے ہیں، خود اس کے کانوں نے بھی ان کو نہیں سنا۔ جب یہ شخص اپنے والد کو لے کر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والد سے کہا کہ کیا بات ہے؟ آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کا مال چھین لیں؟ والد نے عرض کیا کہ آپ اسی سے یہ سوال فرمائیں کہ میں اس کی پھوپھی، خالہ یا اپنے نفس کے سوا کہاں خرچ کرتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”ایہ۔“ (جس کا مطلب یہ تھا کہ بس حقیقت معلوم ہو گئی، اب اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں)۔ اس کے بعد اس کے والد سے دریافت کیا کہ وہ

کلمات کیا ہیں؟ جن کو ابھی تک خود تمہارے کانوں نے بھی نہیں سنا۔ اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ آپ پر ہمارا ایمان اور یقین بڑھا دیتے ہیں (جو بات کسی نے نہیں سنی، اس کی آپ کو اطلاع ہوگی، جو ایک عجزہ ہے)۔

پھر اس نے عرض کیا کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے چند اشعار دل میں کہے تھے، جن کو میرے کانوں نے بھی نہیں سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہمیں سناؤ اس وقت اس نے یہ اشعار سنائے ۔

غَذَوْتُكَ مَوْلُودًا وَ مَنَعْتُكَ يَافِعًا تَعَلَّ بِمَا اخْنَى عَلَيْكَ وَ تَنَهَلْ
تَرْجُمُكَ: ”میں نے تجھے بچپن میں غذا دی اور جوان ہونے کے بعد بھی
تمہاری ذمہ داری اٹھائی۔ تمہارا سب کھانا چٹا میری ہی کمائی سے تھا۔“

إِذَا لَيْلَةٌ خَافَتْكَ بِالشَّغَمِ لَمْ أَبْتَ لِسُخْبِكَ إِلَّا سَاهِرًا أَمَامِي
تَرْجُمُكَ: ”جب کسی رات میں تمہیں کوئی بیماری پیش آگئی تو میں نے
تمام رات تمہاری بیماری کے سبب، بیداری اور بے قراری میں گزاری۔“

كَأَنِّي أَنَا الْمَطْرُوقُ ذُوْنَكَ بِالذِّي طَرَفْتُ بِهِ ذُوْنِي فَعَيْنِي تَهْمَلْ
تَرْجُمُكَ: ”گویا کہ تمہاری بیماری مجھے ہی لگی ہے، تمہیں نہیں۔ جس کی
وجہ سے میں تمام شب روتا رہا۔“

تَخَافُ الرِّدْيَ نَفْسِي عَلَيْكَ وَأَنْهَا لَنَعْلَمَ إِذْ الْمَوْتُ وَقْتُ مَوْجَلْ
تَرْجُمُكَ: ”میرا دل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ
موت کا ایک دن مقرر ہے، جو پہلے یا پیچھے نہیں ہو سکتا۔“

فَلَمَّا بَلَغْتَ الْبَيْنَ وَالْفَافِيَةَ الْبَنِي إِلَيْهَا مَدَيْ مَا نَحْنُ فَيْكَ أَوْجَلْ
تَرْجُمُكَ: ”پھر جب تم اس عمر اور اس حد تک پہنچ گئے، جس کی میں تمنا
کیا کرتا تھا۔“

جَعَلْتُ جِزَانِي غِلْظَةً وَ بَظَاطَةً كَأَنَّكَ أَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمُنْفَعِلْ
تَرْجُمُكَ: ”تو تم نے میرا بدلہ سختی اور سخت کلامی بنا دیا۔ گویا کہ تم ہی مجھ پر
احسان و انعام کر رہے ہو۔“

فَلَيْتَكَ إِذْ لَمْ تَزُجْ حَقَّ أَبَوَتِي لَعَلْتُ غَمًّا الْجَارِ الْمَصَاقِبْ يَنْعَلْ
تَرْجُمُكَ: ”کاش! اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہو سکتا تو
کم از کم ایسا ہی کر لیتے، جیسا ایک شریف پڑوی کیا کرتا ہے۔“

فَاؤْتِنِي حَقَّ الْجَوَارِ وَلَمْ تَكُنْ عَلَيَّ بِمَالِ دُونَ مَالِكَ تَبْخَلْ
تَرْجُمُكَ: ”تو کم از کم مجھے پڑوی کا حق تو دیا ہوتا اور خود میرے ہی مال
میں، میرے حق میں بخل سے کام نہ لیا ہوتا۔“

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سننے کے بعد بیٹے کا گریبان پکڑ لیا
اور فرمایا: ”أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ“ یعنی جاتا تو بھی اور تیرا مال بھی، سب تیرے۔ باپ کا
ہے۔

حرف یہ ہی نہیں کہ وادین کی خدمت اور فرماں برداری سے اللہ تعالیٰ راضی
ہوتے ہیں اور ان کی خدمت سے جنت ملتی ہے، بلکہ اس دنیا کے اندر بھی بیشمار فوائد
خاصل ہوتے ہیں، مثلاً رزق میں کشادگی اور عمر میں درازی وغیرہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو، اور اس کی
روزی میں کشادگی ہو، اسے چاہیے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے اور رشتہ
داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔“

۱۰ ص ۲۳۶، مأخذ معارف القرآن: ج ۵ ص ۴۶۸

۱۱ ص ۲۱۵، الترغیب والترہیب، کتاب البر والصلة وغیرہما، الترغیب فی بر الوالدین: ص ۲۱۵

دوسری حدیث جو حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس آدمی نے والدین کے ساتھ بھلائی کی، اس کے لئے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دو دراز فرما دے گا۔" ^۱

پیارے بھائی! یہ دنیا دار احمق ہے اور آخرت کی کامیاب زندگی بنانے کے لئے ایک مہلت ہے۔ اس میں جس قدر مل ہو سکے، انسان کو کر لینا چاہیے۔ مومن کی تو خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ قیامت و آخرت کے لئے تیاری کرے اور اس کے لئے جتنا زیادہ وقت ملے، نتیجتاً ہے۔ اس معنی میں مومن کے لئے عمر کی درازی بڑی نعمت و انعام ہے اور یہ کسی اور کے ہاتھ میں بھی نہیں، بلکہ آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ والدین کی خدمت کیجیے اور انعام کے مستحق بنیے۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیاوی مقاصد بھی اللہ تعالیٰ پورے فرما دیتے ہیں اور پریشانیاں دور کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف میں ایک واقعہ مذکور ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو سنایا کہ ایک مرتبہ تین آدمی کہیں سفر پر جا رہے تھے، رات میں بارش نے ان کو آگھیرا، وہ پناہ کے لئے ایک غار میں داخل ہو کر بیٹھ گئے۔ اللہ کی قدرت کہ پہاڑ سے ایک بڑا پتھر لڑھکا اور غار کے منہ پر آن کر اور غار کا وہانہ بالکل بند ہو گیا۔ تینوں افراد بہت گھبرائے کہ نہ وہ اس پتھر کو کس کا سکتے ہیں اور نہ وہاں کوئی آدمی ان کی مدد کے لئے موجود ہے۔ لہذا ناامید ہو کر بیٹھ گئے اور موت کا یقین کر لیا کہ اب آئی کہ تب آئی۔ لیکن پھر آپس میں کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ آؤ ہم میں سے ہر ایک اپنی زندگی کے سب سے اچھے عمل کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی سبیل اس مصیبت سے نکلنے کی بنائی دیں گے۔ ان میں سے ایک گویا ہوا: "یا اللہ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ میں دن بھر بکریاں چراتا تھا، شام

کو گھر لوٹتا اور دودھ دوہ کر سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا، ان کو پلانے کے بعد اپنے بچوں کو دیتا تھا۔ ایک دن میں دور نکل گیا، راتوں میں کافی دیر ہو گئی، رات گئے جب میں گھر پہنچا تو والدین سو چکے تھے۔

میں نے روزانہ کی طرح بکریوں کا دودھ نکالا اور ایک پیالے میں لے کر ماں باپ کے سر ہانے جا کھڑا ہو گیا، اور انتظار کرتا رہا کہ یہ جاگیں تو میں دودھ پیش کروں۔ رات خاصی گزر چکی تھی، میرے بچے بھوک سے بے چین تھے، لیکن مجھے یہ گوارہ نہ ہوا کہ ماں باپ سے پہلے ان بچوں کو پلاؤں۔ ماں باپ تو بھوکے سوئیں اور میرے بچے پیٹ بھر کر آرام کریں۔ غرض رات بھر میں اسی طرح پیالہ لئے کھڑا رہا، ماں باپ سوتے رہے، پوری رات گزر گئی۔ یا اللہ! اگر میں نے والدین کے ساتھ یہ سلوک تیری رضا اور خوشنودی کے لئے کیا ہو تو یا اللہ! تو اپنی رحمت سے اس پتھر کو غار کے منہ سے ہٹا دے۔"

اس آدمی کا کہنا تھا کہ پتھر غار کے منہ سے کچھ کسک گیا اور آسمان صاف نظر آنے لگا، پھر باقی دونوں افراد نے اپنے اپنے نیک عمل کا واسطہ دے کر دعا کی، اللہ تعالیٰ نے غار کا منہ کھول دیا۔ ^۲

تفصیل کے لئے حدیث کی کتاب ریاض الصالحین دیکھیے۔ اس واقعہ میں غور فرمائیے! اللہ تعالیٰ نے والدین کی خدمت کی وجہ سے ان کو ناگہانی موت سے بچالیا اور پریشانی اور مصیبت سے نجات دلائی۔ اس لئے اپنے والدین کا غایت درجہ احترام کیجیے۔

وَحَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ غُرَافَةَ عَنْ أَبِيهِ أَوْ غَيْرِهِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ

تَعَالَى عَنْهُ أَبْصَرَ رَجُلَيْنِ فَقَالَ لَأَخِيهِمَا: مَا هَذَا مِنْكَ؟ فَقَالَ: أَبِي

فَقَالَ: لَا تَسْمِهِ وَلَا تَمْشِ أَمَامَهُ وَلَا تَجْلِسَ قَبْلَهُ ۖ

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو آدمیوں کو دیکھا، ان میں سے نو جوان سے پوچھا: یہ تمہارے کون ہیں؟ اس نے جواب دیا: یہ میرے والد ہیں۔ آپ نے فرمایا: دیکھو! کبھی ان کا نام لے کر مت پکارنا۔ نہ کبھی ان کے آگے چلنا (یعنی جب ان کے ساتھ چلو تو ہمیشہ ان کے پیچھے چلنا) اور کسی مجلس میں جب بیٹھنے لگو تو ان سے پہلے مت بیٹھنا۔“

لہذا محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے والدین کی خوب خدمت کیجیے، ان کے ادب و احترام کا خوب لحاظ رکھیے۔ اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ خود بھی ایک مثالی والد بنیں گے اور آپ کی اولاد آپ کے لئے دنیا و آخرت میں آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گی۔

اولاد والدین کے لئے یہ دعائیں کرے

قرآن کریم اور احادیث میں بعض ایسی دعائیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانی ہمیں سکھائی گئیں ہیں، جو خود انبیاء علیہم السلام نے اپنے والدین کے لئے یا والد کے لئے مانگی ہیں۔ ہم بھی ان دعاؤں کو مانگ کر اپنے والدین کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کر سکتے ہیں، اور اپنی اولاد کو یہ دعائیں سکھا کر اپنے معصوم بچوں اور بچیوں کی زبانی اپنے لئے دعائیں کروا سکتے ہیں، مثلاً:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾

ترجمہ: ”اے ہمارے رب! مجھ کو بخش دے اور میرے ماں باپ کو

۱۔ الاواب المفرد ص ۲۷، باب لا یسمی الرجل اباه ولا یجلس قبلہ ولا یمشی امامہ

۲۔ سورۃ ابراہیم آیت ۴۰

بخش اور سب ایمان والوں کو۔ اس دن، جب کہ حساب ہو۔“

یہ مبارک دعا اپنے لئے اور والدین کے لئے گناہوں کی معافی کی دعا ہے۔ اے اللہ! ہم سب کی مغفرت فرما۔ اپنی اولاد کو، نواسے، نواسیوں، پوتے، پوتیاں سب کو وصیت کر جائیں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا تین مرتبہ ضرور مانگ لیا کریں۔

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا﴾

ترجمہ: ”اے رب! ان پر رحم فرما، جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔“

یہ مبارک دعا والدین کے لئے رحمت کی دعا ہے۔ اولاد اللہ تعالیٰ سے یہ مانگے کہ اے اللہ! جیسے والدین نے بچپن میں مجھ پر رحم کیا، ویسے آپ ان پر رحم فرمائیں۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں اولاد کو والدین کے ادب کی رعایت کے بارے میں دیا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ والدین کی خدمت و اطاعت، والدین ہونے کی حیثیت سے کسی زمانے اور کسی عمر کے ساتھ متغیر نہیں، ہر حال میں ہر عمر میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک واجب ہے۔ لیکن واجبات و فرائض کی ادائیگی میں جو حالات عادیہ کا کاٹ بنا کرتے ہیں، ان حالات میں قرآن حکیم کا عام اسلوب یہ ہے کہ احکام پر عمل کو آسان کرنے کے لئے مختلف پہلوؤں سے دھنوں کی تربیت بھی کرتا ہے اور ایسے حالات میں تعمیل احکام کی پابندی مزید تاکید بھی کرتا ہے۔ والدین کے بڑھاپے کا زمانہ، جب کہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں، ان کی زندگی و اولاد کے رحم و کرم پر رہ جائے، اس وقت اگر اولاد کی طرف سے ذرا سی بے رخی بھی محسوس ہو تو ان کے دل کا زخم بن جاتی ہے۔

دوسری طرف بڑھاپے کے آخری دور میں جب عقل و فہم بھی جواب دینے لگتے ہیں، تو ان کی خواہشات و مطالبات کچھ ایسے بھی ہو جاتے ہیں، جن کا پورا کرنا

۳۔ سورۃ اسراء آیت نمبر ۲۳

اولاد کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان حالات میں والدین کی دلجوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اس کا زمانہ طفولیت یا دہلیا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے، جس قدر آج دو تہا رہے۔ محتاج ہیں۔ تو جس طرح انہوں نے اپنی راحت و خواہشات کو اس وقت تم پر قربان کیا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیارے ساتھ برداشت کیا، اب جب کہ ان پر محتاجی کا یہ وقت آیا تو عقل و شرافت کا تقاضا ہے کہ ان کے اس سابق احسان کا بدلہ ادا کرو۔ آیت میں ”کَمَا رَيْنَانِي ضَعِيفًا“ سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور آیات مذکورہ میں والدین کے بڑھاپے کی حالت کو پہنچنے کے وقت چند تاکیدیں احکام دیئے گئے ہیں۔

اول یہ کہ ان کو ”أَف“ بھی نہ کہے، لفظ ”أَف“ سے مراد ہر ایسا کلمہ ہے، جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو۔ یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا، جس سے ان پر ناگواری کا اظہار ہو، وہ بھی اس کلمہ ”أَف“ میں داخل ہے۔ دوسرا حکم ہے: ”وَلَا تَهْزُهُمَا“۔ لفظ ”تهز“ کے معنی ”جھڑکنے اور ڈانٹنے“ کے ہیں۔ اس کا سبب ایذا ہونا ظاہر ہے۔

تیسرا حکم ﴿وَقُلْ لَهُمَا قَوْلَا كَرِيمًا﴾ ہے۔ پہلے دو حکم منفی پہلو سے متعلق تھے، جن میں والدین کی ادنیٰ سے ادنیٰ بار خاطر کو روکا گیا ہے، اس تیسرے حکم میں مثبت انداز سے والدین کے ساتھ گفتگو کا ادب سکھایا گیا ہے کہ ان سے محبت و شفقت کے نرم لہجہ میں بات کی جائے۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی کیفیت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: جس طرح کوئی غلام اپنے سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے۔

چوتھا حکم ﴿وَإِنْ خِفْتَ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجز و ذلیل آدمی کی صورت میں پیش کرے، جیسے

غلام آقا کے سامنے۔ جنات کے معنی بازو کے ہیں۔ لفظی معنی یہ ہیں کہ والدین کے لئے اپنے بازو عاجزی اور ذلت کے ساتھ جھکائے۔ آخر میں ”مِنَ الرَّحْمَةِ“ کے لفظ سے ایک تو اس پر متنب کیا کہ والدین کے ساتھ یہ معاملہ محض دھماوے کا نہ ہو، بلکہ رحمت و عزت کی بنیاد پر ہو۔ دوسرے شاید اشارہ اس طرف بھی ہے کہ والدین کے سامنے ذلت کے ساتھ پیش آنا، حقیقی عزت کا مقدمہ ہے۔ کیونکہ یہ واقعی ذلت نہیں، بلکہ اس کا سبب شفقت و رحمت ہے۔

پانچواں حکم ﴿وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا﴾ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ والدین کی پوری راحت رسانی تو انسان کے بس کی بات نہیں، اپنی مقدور بھر راحت رسانی کی فکر کے ساتھ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کی سب مشکلات کو آسان اور تکلیفوں کو دور فرمائے۔ یہ آخری حکم ایسا وسیع اور عام ہے کہ والدین کی وفات کے بعد بھی جاری ہے۔ جس کے ذریعہ وہ ہمیشہ والدین کی خدمت کر سکتا ہے۔

یہ آپ کی بہت ہی بڑی خوش قسمتی اور سعادت ہوگی کہ آپ اور آپ کی اہلیہ ان کے لئے اعتماد اور ہمت پیدا کرنے کا ذریعہ بنیں کہ پیارے ابا بیاری امی! آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں۔ اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور جس طرح آپ اپنے بچوں کی تربیت کر رہے ہیں وہ ان کی طرف سے ملنے والی تکلیفوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے ہیں، اسی طرح ان کی ہر کڑوی سسلی کو برداشت کریں تو یہ آپ کی بہت بڑی سعادت ہوگی۔

✽ علامہ منشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح بخاری میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ یہ دعا پڑھے:

﴿اللّٰهُمَّ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. وَلِلّٰهِ الْكِبَرِيَّاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ

الْحَكِيمُ. اللَّهُ الْخَمْدُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ رَبُّ الْعَالَمِينَ.
وَلَهُ الْعِظَمَةُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. هُوَ
الْمَلِكُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَالَمِينَ. وَلَهُ النُّورُ
فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٠﴾
تَرْجُمَہ: "ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جو دونوں جہانوں کا
پالنے والا ہے۔

آسمانوں کا رب اور زمین کا رب، دونوں جہاں کا رب ہے۔
اور اسی کے لئے بڑائی آسمانوں میں اور زمین میں، وہی زبردست حکمت
والی ذات ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تعریف ہے جو آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا
رب اور دونوں جہانوں کا رب ہے۔
اسی کے لئے بڑائی آسمانوں میں اور زمین میں، وہ زبردست حکمت والا
ہے۔

وہی بادشاہ ہے۔ آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور دونوں جہانوں کا
رب ہے۔

اسی کے لئے روشنی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہ زبردست
حکمت والا ہے۔"

اور اس کے بعد یہ دعا کرے کہ یا اللہ! اس کا ثواب میرے والدین کو پہنچا
دے تو اس نے والدین کا حق ادا کر دیا۔

❶ ارشاد الساری کے آخر میں یہ دعا ہے:

﴿اللَّهُمَّ افْعَلْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمَا عَاجِلًا وَاجَلًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
مَا أَنْتَ لَهُ أَهْلٌ، وَلَا تَفْعَلْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمَا عَاجِلًا وَاجَلًا فِي الدُّنْيَا

وَالدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مَا أَنْتَ لَهُ أَهْلٌ يَا مُؤَلَّانَا﴾

تَرْجُمَہ: "اے اللہ! میرے ساتھ اور میرے والدین کے ساتھ جلدی
ہو یا دیر سے، دین و دنیا اور آخرت کے تمام مراحل میں وہ معاملہ فرما، جو
آپ کی شایان شان ہو۔ اور میرے والدین کے ساتھ جلدی
ہو یا دیر سے، دین و دنیا اور آخرت کے تمام مراحل میں وہ معاملہ نہ فرما،
جس کے ہم اہل ہیں، اے میرے آقا! (یعنی اے اللہ! ہمارے ساتھ
اپنے خاص فضل و کرم والا معاملہ فرما)۔" ۸

مرنے کے بعد نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے

اولاد کی زندگی میں اگر آپ دنیا سے رخصت ہو گئے، تو اولاد آپ کے لئے ایسا
صدقہ ہے، جس کا اجر رفتی دنیا تک آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔ موت
سے ہم آغوش ہوتے ہی آدمی کی مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے، لیکن وہ اگر اپنے پیچھے
صالح اولاد چھوڑ جائے تو یہ ایک ایسا عمل ہے، جس کا اجر مرنے کے بعد بھی آدمی
کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب انسان وفات پا جاتا ہے تو اس کی مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے،
سوائے تین اعمال کے (کہ ان کا اجر مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے)،
کوئی ایسا صدقہ کر جائے، جو اس کے بعد بھی جاری رہے۔ یا ایسا علم
چھوڑ جائے کہ اس کے بعد بھی لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ یا
پھر نیک اولاد چھوڑ جائے، جو بعد وفات اس کے حق میں دعا کرتی
رہے۔" ۹

۸ مآخذ ارشاد الساری، کتاب الادعیۃ المحج والعمرة: ص ۸

۹ مشکوٰۃ، کتاب العلم: ج ۳ ص ۳۲

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن کا ارشاد ہے کہ "جب کسی میت کے درجات بلند ہوتے ہیں، تو وہ حیرت سے پوچھتی ہے کہ یہ کیونکر ہوا؟ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو بتایا جاتا ہے کہ تمہاری اولاد تمہارے لئے دعائے مغفرت کرتی رہی (اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا۔)"

"حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک شب ہم لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور حاجزی کے ساتھ فرمایا: "اے میرے پروردگار! ابو ہریرہ کی مغفرت فرما، اے پروردگار! ابو ہریرہ کی مغفرت فرما، اور اے پروردگار! ان سب لوگوں کی مغفرت کر دے، جو ابو ہریرہ اور اس کی ماں کے لئے دعائے مغفرت کریں۔"

لہذا ہم برابر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی والدہ کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں تاکہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا میں شامل رہیں۔"

لہذا اپنی اولاد، بیٹا، بیٹی، اس کی دینی تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔ ہر طرح سے انہیں دین دار بنانے کی اور دین کو پوری دنیا میں پھیلانے کی محنت کرنے والا بنائیں۔ بلوغت سے پہلے ہی انہیں نماز، ذکر اور تلاوت کا پابند بنائیں۔ لڑکیوں کو حجاب کا پابند بنائیں اور شرم و حیا، والی بنائیں۔ غیبت، جھوٹ، گالی، چغلی سے اجتناب کرنے والی بنائیں اور کوشش کریں کہ آپ کے بچے مسلمانوں کی عزت و احترام اور قدر کرنے والے ہوں اور دین کو پوری دنیا میں پھیلانے کا جذبہ رکھنے والے اور اس کے لئے محنت، کوشش اور خصوصاً دعا کرنے والے ہوں۔ اگر خدا نخواستہ کسی والد کی جوانی منکرات میں گزر چکی ہے تو اب توبہ استغفار کر کے اپنے بچوں کو ضرور دیندار، دین کا عالم، حافظ اور داعی بنائیے اور وصیت کر جائیے کہ میرے غلام بیٹے یا غلام

پوتے / پوتی کو حافظ / حافظہ بنانا اور غلام / غلامہ بنانا وغیرہ۔ اس سلسلہ میں ہم ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں۔

ایک شخص اپنی پوری جوانی شراب و کباب میں لگا بیٹھا۔ جب شادی ہوئی اور بچے ہوئے تو اللہ پاک نے ہدایت عطا فرمائی۔ اپنے مانسی پر بہت مام ہوا۔ اپنے بیٹے کو قرآن کا حافظ بنانے کے خواب دیکھنے لگا، مگر قفسے الہی آچھٹی۔ عالم نزع میں اپنی بیوی کو وصیت کر گیا کہ بچہ جیسے بیٹا ہوا اس کو حافظ قرآن بنانا، پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ بیوی بے چاری نے بھی وصیت پوری کی اور مقررہ وقت پر بچے کو مدرسہ چھوڑ آئی۔ بچے کو مدرسہ کے قاری صاحب نے وضو کروا کر اپنے پاس بٹھایا اور کہا: بیٹا! پڑھو میرے ساتھ "بسم اللہ الرحمن الرحیم"۔ بچے نے جیسے ہی تو قلی زبان سے تسبیح پڑھا، بس رحمت الہی جوش میں آئی اور باپ سے، جو قبر کے تحت عذاب میں گرفتار تھا، عذاب کو دور کر دیا گیا۔ جب اس نے پوچھا تو فرمایا گیا کہ تمہارے بچے نے جب اللہ تعالیٰ کو رخصت و رحیم پکارا تو اللہ تعالیٰ نے تم پر رحمت کر دی۔

اسی طرح کے متعدد واقعات ہیں، لیکن مقصود یہ ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت و تعلیم دینی رخ پر ہونی چاہیے۔

شوہر، بیوی اور اولاد کی ذمہ داریاں

دین اسلام نے میاں بیوی اور اولاد کی الگ الگ ذمہ داریاں مقرر کی ہیں اور ہر ایک کو اپنی اپنی ذمہ داریوں پر قائم و پابند رہنے کی سختی سے تاکید کی ہے کہ اسی میں ہماری فلاح ہے، مثلاً: ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کی اچھی اور دینی تربیت کریں اور ان کی تربیت میں کوئی کسر باقی نہ رکھیں، ان کی تربیت کے لئے آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ بہت زیادہ پیار و محبت کے ساتھ رہیں اور ہر معاملے

میں نرمی اختیار کریں، سختی اور درشت کلامی سے بہت زیادہ احتیاط کریں، اس لئے اگر اللہ نہ کرے آپ بیمار ہیں اور بیماری کی وجہ سے یا ویسے ہی مزاج میں کچھ تیزی اور چڑچڑاہٹ پیدا ہو رہا ہے، تو فوراً اسے دور کرنے کی کوشش کیجیے اور سوچئے کہ میری یہ بیماری یا پریشانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہے، گھر والے بے چاروں کا اس میں کیا قصور کہ میں ان پر برسوں یا ان کے ساتھ سخت لہجہ میں بات کروں۔ کیونکہ اس سے نہ تو بیماری دور ہوگی نہ پریشانی۔ البتہ گھر کا ماحول خراب ہوگا اور آپ کی زندگی اللہ نہ کرے اجیرن ہوگی۔

یہاں ہم مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشہور مجموعہ فتاویٰ ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ میں سے ایک سوال اور اس کا جواب نقل کرتے ہیں، جس سے واضح ہوگا کہ درشت کلامی سے کس طرح گھر برباد ہوتے ہیں اور اولاد ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں آمین۔

سوال: میری بیوی ہر بات میرے خلاف کرتی ہے، حقوق ادا نہیں کرتی۔ گزشتہ روز میں نے اپنی بڑی لڑکی کو بلا کر والدہ کو سمجھانے کو کہا۔ اس نے کہا کہ اب نبھاؤ مشکل ہے۔ اچھا ہے کہ آپ کے درمیان علیحدگی ہو جائے۔ ایک نالائق بیٹا درمیان میں آگیا اور فیصلہ یہ کیا کہ میں اس (ماں) کو لے جاتا ہوں۔ باوجودیکہ میں نے اس کی ماں کو کافی روکا کہ بغیر اجازت آپ نہیں چا سکتیں، مگر وہ بیٹے کے ساتھ چلی گئی۔ نامعلوم وہ کہاں ہے۔ اب میں اپنے بیٹے کو عاق کرنا چاہتا ہوں اور بیوی کے لئے کیا کروں؟ اس بارے میں مشورہ طلب کرتا ہوں۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ بیٹے، ماں باپ کو ایک دوسرے سے علیحدہ کریں اور اوپر سے طرہ یہ کہ سب بچے ہی یک زبان ہو کر ماں کے طرف دار بن گئے۔

جواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا اندوہناک خط تفصیل سے پڑھا، بہت صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات کو آسان فرمائے۔ غمی اور ذاتی معاملات

میں، میں مشورہ دینے سے گریز کیا کرتا ہوں۔ اس لئے چند اصولی باتیں عرض کرتا ہوں۔

① اولاد جب جوان ہو جائے تو ان کے جذبات کا احترام ضروری ہوتا ہے اور والدین کی چپقلش اور سر پینٹول، اولاد کے دل سے والدین کا احترام نکال دیتی ہے۔ بیوی سے لڑائی جھگڑا اولاد کے سامنے کرنا اصولی غلطی ہے۔

② بیوی کے ذمہ شوہر کے حقوق ادا کرنے کی بہت ہی تاکید کی گئی ہے، لیکن شوہر کو بھی یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ (بیوی) کتنے حقوق کا بوجھ اٹھانے کی متحمل ہے۔ اسی لئے شریعت نے مرد کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے، تاکہ ایک بیوی پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہ پڑے اور ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں شریعت نے شوہر پر یہ کڑی پابندی عائد کی ہے کہ وہ تمام بیویوں کے ساتھ کانٹے کے قول سے برابری کرے۔ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ رکھے اور کسی ایک کی طرف ادنیٰ جھکاؤ بھی روا نہ رکھے۔

③ قیامت کے دن صرف بیوی کی نافرمانیوں ہی کا محاسبہ نہ ہوگا، بلکہ شوہر کی بدخلقی، درشت کلامی اور اس کے ظلم و تعدی کا بھی حساب ہوگا اور پھر جس کے ذمہ جس کا حق لکھے گا، اسے دلایا جائے گا۔

④ آپ نے جو حالات لکھے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالات کے ہکاڑ میں سب سے زیادہ دخل آپ کی درشت کلامی کا ہے، (جس میں آپ غالباً اپنی بیماری اور مزاجی ساخت کی وجہ سے کچھ معذور بھی ہیں)۔ آپ کی اہلیہ اور اولاد پر اس کا رد عمل غلط ہوا ہے۔ اگر آپ اپنے طرز عمل کو تبدیل کر لیں اور اپنے رویے کی اصلاح کر لیں تو آپ کے اہل و عیال کے انداز میں تبدیلی آ سکتی ہے۔

⑤ اگر آپ اپنے مزاج کو حالات کے مطابق تبدیل نہیں کر سکتے تو آخری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ بیوی کو فارغ کر دیں۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ اپنی اولاد سے

بھی کٹ جائیں گے۔ کیونکہ آپ کی جوان اولاد، آپ کو ظالم اور اپنی والدہ کو مظلوم سمجھ کر اپنی ماں کا ساتھ دے گی اور بطور انتقام آپ سے قطع تعلق کر لے گی۔ یہ دونوں فریقوں کی دنیا و آخرت کی بربادی کا باعث ہوگا۔

۶۱ بیوی کی ایذاؤں پر صبر کرنا مستقل جہاد ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بہت بڑا درجہ ہے۔ پس اگر آپ اس اجر عظیم کے خواستگار ہیں، تو اس کا راستہ صبر و استقامت کی خردوار وادی سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس صورت میں آپ کو اپنی ہلیہ اور اولاد سے صلح کرنی ہوگی۔ ان کو ظالم اور اپنے آپ کو مظلوم سمجھ کر نہیں، بلکہ یہ سمجھ کر کہ ان کی غلطیاں بھی درحقیقت میری ناپلی کی وجہ سے ہیں۔ ظالم میں خود ہوں اور الزام دوسروں کو دیتا ہوں۔

۶۲ اگر آپ صبح کرنا چاہیں تو اس کے لئے اپنے آپ کو منانا ہوگا اور چند باتوں کا التزام کرنا ہوگا۔ ایک یہ کہ آپ کی زبان سے خیر کے سوا کوئی بات نہ نکلے، کبھی کوئی ناگوار لفظ زبان پر نہ آنے پائے۔ دوسرے یہ کہ اپنے حق کسی کے ذمہ نہ سمجھیں اور نہ کسی کی شکایت آپ کے دل میں پیدا ہو، بلکہ اگر کوئی آپ کے ساتھ حسن سلوک کرے تو اس کو عطیہ الہی سمجھیں اور اگر کوئی بدخلقی یا سختی کے ساتھ پیش آئے تو یہ سمجھ کر کہ میں اس سے بھی زیادہ کا مستحق تھا۔ مالک کا شکر ہے کہ اس نے میری بد عملیوں کی پوری سزا مجھے نہیں دی، اس پر صبر کیجیے۔ تیسرے یہ کہ آپ کی ہر ادا سے اولاد اور ہلیہ کے ساتھ شفقت و محبت کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔ آپ کو ایک محبوب شوہر اور شفیق باپ کا کردار ادا کرنا چاہیے۔

۶۳ اولاد کو عاق، یعنی وراثت سے محروم کرنا شرعاً حرام ہے اور اولاد عاق کرنے سے عاق ہوتی بھی نہیں۔ اس لئے میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ اس غلط اقدام سے باز رہیں۔ دنیا کو تو آپ اپنے لئے دوزخ بنا ہی چکے ہیں۔ خدا را آخرت میں بھی دوزخ نہ خریدیں۔ جس لڑکے کو عاق کرنے کی دھمکی دی تھی، اسے بلا کر اس

سے صلح مثنائی کر لیجیے۔

۶۴ بعض اکابرین کا ارشاد ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑتا اور مالک کی نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو پہلی سزایہ متی ہے کہ اس کے بیوی بچوں کو اس کے خلاف کر دیتے ہیں۔ اس لئے اگر آپ اپنی بیوی بچوں کے روئے کو قابل اصلاح سمجھتے ہیں تو اس پر بھی توجہ فرمائیے کہ مالک کے ساتھ آپ کا رویہ کیسا ہے؟ اور کیا وہ بھی اصلاح کا محتاج تو نہیں؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح کر لیجیے۔ حق تعالیٰ شانہ آپ کے ساتھ بیوی بچوں کا معاملہ درست فرمادیں گے۔ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے:

پانچ چیزیں آدمی کی سعادت کی ماست ہیں۔

۱۔ اس کی بیوی اس کے موافق ہو۔

۲۔ اس کی اولاد نیک اور فرمانبردار ہو۔

۳۔ اس کے دوست متقی اور خدا ترس لوگ ہوں۔

۴۔ اس کا ہمسایہ نیک ہو۔

۵۔ اور اس کی روزی اپنے شہر میں ہو۔

۶۵ ممکن ہے میری یہ تحریر آپ کی ہلیہ محترمہ اور صاحبزادہ گرامی کی نظر سے بھی گزرے۔ میں ان سے بھی گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ معاملہ کو بگاڑنے سے احتراز کریں۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ نیک خاتون کی چھ علامتیں ہیں:

۱۔ نماز پنجگانہ کی پابند ہو۔

۲۔ شوہر کی تابعدار ہو۔

۳۔ اپنے رب کی رضا پر راضی ہو۔

۴۔ اپنی زبان کو کسی کی برائی، غیبت اور چغلی سے محفوظ رکھے۔

۵۔ دنیاوی ساز و سامان سے بے رغبت ہو۔

۶۱ تکلیف پر صابر ہو۔

اسی طرح اولاد پر لازم ہے کہ والدین کا احترام کریں۔

حدیث میں ہے:

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! میری والدین کا میرے ذمہ کیا حق ہے؟ ارشاد فرمایا: وہ تیری جنت ہیں یا دوزخ۔“

ایک حدیث میں ہے:

”حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے ایک شخص سے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ باپ جنت کا بہترین دروازہ ہے۔ اب اگر تو چاہے تو اس دروازے کی حفاظت کر، یا اس کو ضائع کر دے۔“

ایک حدیث میں ہے:

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رضامندی، والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، والد کی ناراضگی میں ہے۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص والدین کا مطیع ہو، اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر (والدین میں سے)

۱۔ مشکوٰۃ، باب البر والصلة: ج ۲ ص ۳۱

۲۔ مشکوٰۃ، باب البر والصلة: ج ۲ ص ۳۱۹

۳۔ مشکوٰۃ، باب البر والصلة: ج ۲ ص ۳۱۹

ایک ہو تو ایک۔ اور جو شخص والدین کا فرمان ہو، اس کے لئے دوزخ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر (والدین میں سے) ایک ہو تو ایک۔ کسی نے عرض کیا کہ خواہ والدین اس پر ظلم کرتے ہوں؟ فرمایا: خواہ اس پر ظلم کرتے ہوں، خواہ اس پر ظلم کرتے ہوں۔“

انسان کے بدن سے صادر ہونے والے اعمال کا دار و مدار اس کے دل پر ہے، جس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

”انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹھنڈا ہے۔ اگر وہ صحیح ہو تو سارا بدن صحیح رہتا ہے، اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔“

لہذا اپنے دل کو صحیح کرنے کی فکر کیجیے۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ ”جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ نقطہ نازل ہو جاتا ہے۔ اگر توبہ نہیں کرتا اور مزید گناہ کرتا رہتا ہے تو نقطوں کی کثرت سے دل آہستہ آہستہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس میں خیر کی کوئی رغبت بھی باقی نہیں رہتی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کے دل دو طرح کے ہیں۔ ایک نورانی اور ایک ظلماتی۔ اب یہ ہمارے اور آپ کے اختیار میں ہے کہ ہم اپنے دل کو کیسا بنانا چاہتے ہیں۔ دل کو نورانی بنانے کے لئے ذیل میں ہم چند تدابیر لکھتے ہیں، جن پر عمل پیرا ہونے سے ان شاء اللہ تعالیٰ دل نورانی بن جائے گا، جس کے نتیجے میں اعمال بہتر

۱۔ مشکوٰۃ، باب البر والصلة: ج ۲ ص ۳۱۱، (انظر یہ آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج ۱ ص ۲۳۵-۲۳۶)

۲۔ مشکوٰۃ، باب الاستغفار: ج ۱ ص ۲۰۲

ہوتے چلے جائیں گے۔ یہ تدابیر قرآن و حدیث سے ماخوذ اور علمائے حقانی کے فرمودہ ہیں۔ لہذا ان پر بلا شک و شبہ ضرور عمل کرنا چاہیے۔

۱۴) توبہ و استغفار کو اپنا معمول بنائیں اور فجر اور عصر کے بعد "استغفر اللہ العظیم اللہ ی لا الہ الا هو الْحَيُّ الْقَیُّوْمُ وَالتَّوْبُ الْیَوْمَ" تین تین بار پڑھیں۔

۱۵) کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا ورد اکثر اپنی زبان پر رکھیں۔ روزانہ ایک وقت مقرر کر کے سو مرتبہ تو کلمہ طیبہ ضرور پڑھیں۔

۱۶) قرآن پاک کی تلاوت روزانہ کریں، کم از کم ایک یا آدھ پارہ تو ضرور پڑھیں اور آداب کی رعایت کے ساتھ اس طرح پڑھنے کی کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ کو سنا رہے ہیں۔ رسالہ "فضائل قرآن" مؤلف شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرتقہ میں اس کے آداب لکھے ہیں، ان کا مطالعہ کریں۔

۱۷) موت کو کثرت سے یاد کریں اور ہو سکے تو یہ دعا "اللّٰہُمَّ بَارِکْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَفِی مَا بَعْدَ الْمَوْتِ" روزانہ ۲۵ مرتبہ ضرور پڑھا کریں۔

۱۸) وقت فارغ کر کے تبلیغی جماعتوں میں اوقات لگانے کی کوشش کریں۔ اسی طرح مساجد میں فضائل اہمال کی تعلیم اور درس قرآن اور درس حدیث میں چیلنے کو اپنا معمول بنالیں۔

۱۹) اپنا میل ملاپ دین داروں اور شریعت کے پابند لوگوں کے ساتھ رکھنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح علمائے حقانی اور علمائے ربانی کی مجالس میں اکثر شرکت کیا کریں۔

۲۰) مستند اسلامی کتابوں کو اپنے مطالعہ میں کثرت سے رکھیں۔ "فضائل اعمال" اور "فضائل صدقات" مؤلف مولانا محمد زکریا نور اللہ مرتقہ، حیاۃ الصحابہ مؤلف مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، ترجمہ مولانا احسان الحق صاحب دامت

برکاتہم، "اصلاحی خطبات" مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم، "روح کی بیماریاں اور ان کا علاج" جناب حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم، "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" مؤلفہ ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ، "طریقت و صیقت" تالیف اساتذہ مدرسہ بیت العلم وغیرہ۔

۱) اور اوراد و وظائف کی چند کتابوں کا پڑھنا اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کریں۔ مثلاً

(الف)۔ "مستند مجموعہ وظائف" مؤلفہ اساتذہ مدرسہ بیت العلم۔

(ب)۔ "الحزب الاعظم" مترجم مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ۔

(ج)۔ "ذریعۃ الوصول" الی جناب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" مترجم مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(د)۔ "استغفار کی ستر دعائیں" مرتب کردہ اساتذہ مدرسہ بیت العلم۔

مسلمان والدین کے لئے مفید مشورے

ہر مسلمان والد کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام مملوکہ اشیاء کے بارے میں اتنی وضاحت سے لکھ کر رکھے کہ اس کی موت کے بعد اس کی اولاد میں جھگڑے کی فوج نہ آئے۔ اس کے لئے ہم کچھ تدابیر لکھتے ہیں۔ حتیٰ الامکان اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ چونکہ یہ چیزیں معاشرہ میں رائج نہیں ہیں، اس لئے بظاہر مشکل یا ناممکن الوقوع سمجھی جاتی ہیں اور ان کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ حالانکہ اگر تھوڑا سا اہتمام کیا جائے تو نہ یہ مشکل ہے اور نہ ناممکن، اور اس کے ذریعے سے اولاد بہت سارے جھگڑوں سے محفوظ رہتی ہے۔

۱) بہتر یہ ہے کہ دو بیٹوں کی شادی ایک ساتھ نہ کریں، یعنی دو بہوئیں کو ایک ساتھ گھر میں نہ لائیں اور نہ ساتھ رکھیں کہ اس سے دونوں میں تقابل اور ایک

دوسرے کو کمتر دکھانا، اور ساس کا ایک کی تعریف اور ایک کے عیوب کا اظہار کرنا، دونوں بیٹوں میں نفرت اور مایوسی پیدا کرتا ہے اور بیٹے اور بہو کے درمیان بلاوجہ اختلاف کا سبب بن جاتا ہے اور اس سے گھر کا سکون تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ دیورانیوں جیٹھانیوں کا ایک گھر میں رہنا، جس میں باورچی خانہ بھی ایک ہی ہو، خانگی فسادات کی جڑ ہے۔ بہت ہی مجبوری میں دو بہوؤں کو ایک ساتھ رکھنا ہو تو کم از کم چوبیسے الگ الگ کمرے کہ یہ چوبیسائی گھروں میں آگ بجھ کا تا ہے۔^{۱۱}

۱۲ اگر اتنی گنجائش ہو کہ ہر بیٹے/بیٹی کو جائداد پلاٹ یا مکان دے سکیں تو ہر ایک کو الگ الگ دے کر اسے قبضہ دلوا کر مالک بنا دیا جائے اور معاملے کو تحریری طور پر محفوظ کر لیا جائے۔

اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو موجودہ مکان کی قیمت لگا کر جتنا حصہ ایک بیٹے کی ملکیت میں آتا ہے، اتنی ہی مقدار یا (اگر گنجائش نہ ہو تو) اس کا نصف بیٹیوں کو دے دیا جائے یا اس رقم سے ان کو کوئی پلاٹ دلوا دیا جائے اور ان کو قبضہ دلوا کر مالک بنا دیا جائے اور موجودہ مکان صرف بیٹوں اور ان کی والدہ کے نام کر کے ان کو قبضہ کروا دیا جائے تو یہ بہت ہی بہتر ہوگا۔ ایسا کرنے سے والد کے انتقال کے بعد بیٹوں پر مکان کو بیچ کر بہنوں کو ان کا حق دینے کا بوجھ نہیں رہے گا اور چونکہ بیٹیاں الحمد للہ اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ گھروں پر ہوتی ہیں، ان کو اکثر صورتوں میں مکان کی ضرورت نہیں پڑتی، اور بیٹوں کا بغیر مکان کے گزارہ نہیں ہو سکتا، تو اب صرف بیٹوں کو آپس میں بھائیوں میں ہی تقسیم کرنے کی ضرورت ہوگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جس بیٹی یا بیٹے کو مکان بنانے میں یا دلوانے میں آپ نے مدد کی ہے اور ان کو کچھ رقم دی ہے تو وہ رقم بطور قرض دیں اور لکھ کر دستخط کروائیں۔^{۱۳} مزید تفصیل کے لئے ”تمہ زوچین“، ”اسلامی شادی“، ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ، ”تمہ دہلیا“ وغیرہ کتابوں کا مطالعہ ہر والد کو کرنا چاہیے۔

کہ اس بیٹے یا بیٹی کو اتنی رقم مکان بنوانے کے لئے قرض دی ہے، جو ان سے وصول کی جائے گی تاکہ والد کے انتقال کے بعد اس سے اس قرض کا مطالبہ کیا جاسکے۔ بصورت دیگر وہ رقم اس کے میراث کے حصہ سے متبہا کی جاسکے اور یہ شکایت نہ رہے کہ بڑے بھائی یا بہن کا تو اپنا مکان ہے، جو والد صاحب کے تعاون سے بنا اور اب والد صاحب کے مکان میں ہم سے پورا حصہ مانگ کر ہمارے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔

۱۳ تیسرا مشورہ یہ ہے کہ زندگی میں کبھی بھی ایسا نہ کیجیے کہ سب کچھ تقسیم کر کے خود بالکل ہی فقیر ہو جائیں۔ کیونکہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے اور اس کا واقعہ مشاہدہ بھی ہوا کہ جب باپ نے اپنی ساری جائیداد اپنی زندگی ہی میں اپنی اولاد میں تقسیم کر دی تو وہی اولاد بہو یا داماد کے ورغلانے سے باپ کو اس مکان سے بے دخل کرنے پر تیار ہو گئی یا ماں باپ کی خدمت اور خبر گیری میں لا پرواہی برتنی شروع کر دی۔

۱۴ چوتھا مشورہ یہ ہے کہ اگر آپ کا کاروبار ہے تو کوشش کیجیے گا کہ ہر بچے کا الگ الگ کاروبار سیٹ کریں۔ خصوصاً اگر کسی دو بھائیوں میں شروع سے بنتی نہیں ہے تو ایک ہی کاروبار میں ان کو جمع نہ کریں، بلکہ الگ الگ کر دیں۔ چھوٹا کاروبار ہو اور دونوں بھائی محبت سے رہیں، یہ بہت ہی بہتر ہے اس سے کہ بڑا کاروبار ہو اور دونوں بھائیوں میں کھٹ پٹ ہو۔ ہاں اگر ایسے بھائی ہیں کہ چھوٹے بڑے کی مان کر چل رہے ہیں اور بڑے چھوٹوں سے مشورہ کر رہے ہیں تو ایسی صورت میں ضرور ساتھ رکھیں، لیکن ملکیت اور حصے کی تعیین ضرور ہونی چاہیے تاکہ الگ ہوتے وقت اختلاف نہ ہو۔ ورنہ بہت ہی بہتر صورت یہی ہے کہ الگ الگ کاروبار رکھیں کہ اس زمانہ میں طبیعتوں کے مختلف ہونے اور تھوڑی ناگواری والی بات برداشت کرنے کا جذبہ نہ ہونے کی وجہ سے، اور اس وجہ سے بھی کہ چھوٹے بڑے کا احترام نہیں کرتے اور بڑے چھوٹوں سے مشورہ نہیں کرتے، اکثر اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ خاص طور

پر اگر بیویوں کا ایک ساتھ رہنا ہو اور ایک چولہے پر کھانا پکنا ہو۔

اس لئے کہ دیورانیوں جیٹھانیوں کا ایک ساتھ رہنا سکے، بھائیوں میں اختلاف کا سبب ہو جاتا ہے۔ ایک ہی گھر میں رہنے کی وجہ سے کچھ نہ ہو تو شیطان بچوں کو لڑوا کر دیورانی اور جیٹھانی کے ذریعہ دو بھائیوں میں پھوٹ پیدا کر دیتا ہے یا مایاں اس کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اور آج کل ایک اور آفت آئی ہوئی ہے، وہ یہ کہ اگر کسی بھائی کا بچہ رنگ روپ میں یا بھول پن میں دوسرے بھائی کی اولاد سے زیادہ پیارا ہے اور دادا دادی یا چچا چچی کی یا پھوپھیوں کی طبعاً رغبت اس بھولے میاں کی طرف زیادہ ہو جاتی ہے تو یہ خود ایک مستقل وجہ بن جاتی ہے جھگڑے کی۔ وہ اس طرح کہ یہ بیویوں اس انتظار میں رہتی ہیں کہ دیکھیں دادی نے بسکت یا پکڑا پہلے کس کو دیا، یا روتے ہوؤں میں سے پہلے کس کو اٹھایا اور چکارا..... بس پھر اپنے شوہروں کو بھرتی ہیں کہ تمہاری ماں میرے والے کو تو گھاس بھی نہیں ڈالتی، فلاں کے بچے کو زیادہ پیار کرتی ہے۔ پھر وہ مرد دکان یا کاروبار میں لگ کر بھی یہی سوچتا رہتا ہے، جو رات بالکل سوتے وقت یا صبح ناشتہ کے وقت بیوی صاحبہ نے کان بھرے تھے۔ پھر اس بھائی کے ذرا سے نامناسب طرز عمل سے اس بات کو ملاتا ہے کہ اس کی اتنی چلتی ہے اور میں اور میرا بچہ گرے پڑے رہیں وغیرہ۔

لہذا بچوں کی شادی کے بعد جس قدر ممکن ہو، ان کے مکان خصوصاً باورچی خانے، الگ الگ رکھیں۔ ہو سکے تو دور دور علاقوں میں رکھیں۔ اسی طرح کاروبار بھی الگ الگ رکھیں۔

۱۵) اسی طرح اگر آپ کا کاروبار آپ کے بھائیوں کے ساتھ مشترک ہے تو آپ اس میں بھائیوں کو راضی کر کے اپنا حصہ متعین کیجیے۔ یہ ذمہ داری تو شوہر ہوتے ہی آپ کے کاندھوں پر آ جاتی ہے، لیکن اب تک غفلت رہی تو اب والد بنتے ہی اس ذمہ داری کا احساس کیجیے کہ آپ کے کاروبار میں آپ کا حصہ متعین ہو، تاکہ آپ کی

موت کے بعد آپ کے بیوی بچے کسی کے محتاج نہ رہیں اور ان کو آپ کے متعین حصہ میں سے بغیر کسی کے احسان اٹھائے مل سکے۔ بعض اوقات کاروبار مشترک چلتا ہے اور ہر شریک جتنا چاہے، ماہانہ خرچ لیتا رہتا ہے اور جب ان کو شریعت کی بتائی ہوئی یہ تدبیر سمجھائی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم بھائی بہنوں میں ”انڈر سٹینڈنگ“ اچھی ہے۔ یاد رکھیے! اسی وہم میں رہتے ہوئے کہ ہم میں مفاہمت اچھی ہے کوئی ایک بیو یا داماد کچھ کہہ دیتا ہے تو دو پارٹیاں بن جاتی ہیں اور یہی دو بھائی جو شریعت کی طرح رہتے تھے، ایک دوسرے کی شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتے، اور ہزاروں لاکھوں روپے عدالت میں وکیلوں کی فیسوں پر اور مختلف محکمہ کے لوگوں پر لگتے ہیں اور ایک ہی گھر کا پیسا پانی کی طرح عدالت میں بہتا ہے اور اس دوران جب تک فیصلہ نہ ہو، بعض اوقات حکومت کی طرف سے دکان، کارخانہ پر سس لگ جاتی ہے، جس سے دونوں خاندان اچھے بھلے پریشانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لہذا ہر مسلمان والد کو چاہیے کہ حکمت کے ساتھ بہت ہی سنجیدہ طریقے سے اپنے بھائیوں اور والد کو راضی کر کے کاروبار میں ہر ایک کا حصہ متعین کروائے، مکان میں بھی ہر ایک کا حصہ متعین کروائے تاکہ کسی قسم کی پریشانی نہ ہوتے پائے۔

۱۶) ہر مسلمان والد کو چاہیے کہ کتاب ”اسلام اور تربیت اولاد“، ترجمہ ڈاکٹر حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ضرور مطالعہ کرے۔

۱۷) اگر آپ کی شادی شدہ اولاد میں سے کوئی بیٹا یا بیٹی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اور آپ مناسب سمجھتے ہیں تو کسی ماہر مفتی صاحب سے پوچھ کر اپنی بیوہ بہو، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیوں کے لئے، اتنے مال کی وصیت تحریری طور سے لکھ کر رکھ لیجیے، جتنا مال آپ کے انتقال کے بعد آپ کے ترکہ میں سے موجودہ ایک بیٹے یا ایک بیٹی کو ملے گا (لیکن یہ وصیت ایک تہائی یا اس سے کم کے اندر اندر ہو)۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کے انتقال کے بعد جہاں آپ کے ورثہ میں سے زندہ بیٹے بیٹیوں کو ملے

گا تو آپ کے مرحوم بیٹے اور مرحومہ بیٹی کی اولاد کو بھی آپ کی وصیت کے موافق اتنا مل جائے گا، جتنا ان بچوں کے مرحوم والد کے بھائی اور والدہ مرحومہ کی بہنوں کو ملا ہے۔ اور اگر آپ کی طرف سے وصیت موجود نہ ہو تو ان کو اس حالت میں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ لیکن یہ وصیت کرنا ضروری نہیں، اگر آپ اپنے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مناسب سمجھتے ہوں تو یہ وصیت کر جائیں تاکہ پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں، بالکل محروم نہ ہوں۔ ایسا کرنا ان شاء اللہ تعالیٰ باعث ثواب بھی ہوگا اور خاندانی محبت میں اضافہ کا ذریعہ بھی۔

بڑے بیٹے کو تجارت میں ساتھ رکھنے

کی بہترین صورت

ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس بات کی بھرپور کوشش کرے کہ اس کے بڑھاپے میں یا انتقال کے بعد اس کی اولاد اور ورثاء میں کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو۔ اس کے لئے ہر آدمی اپنی نوعیت اور حالات کے اعتبار سے ماہر مفتیان کرام سے اور تجربہ کار دین دار لوگوں سے مشورہ کر کے ہر کام کو انجام دے اور ہر معاملہ کو اتنا صاف رکھنے کی کوشش کرے کہ اپنی زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ من جملہ ان حالات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بڑے بیٹوں کے والد ماجد کے ساتھ تجارت میں لگنے کی شرعی صورت کیا ہونی چاہیے؟

دارالافتاء میں بہت سے ایسے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں کہ والد کی تھوڑی سی غفلت یا معاملات کو تحریری شکل میں نہ رکھنے کی وجہ سے یا زندگی ہی میں ماہر علماء کرام سے مشورہ نہ کرنے کی وجہ سے والد کے انتقال کے بعد پورے خاندان میں بہت سے جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ گئے بھائی بہنوں میں قطع رحمی کی نوبت پیدا ہو جاتی ہے۔

اللہ نہ کرے، کسی مسلمان گھرانے میں یہ کیفیت پیدا ہو کہ فانی دنیا کے چند سکوں کی خاطر گئے بھائی بہنوں میں جدائی یا قطع رحمی کی نوبت آئے۔ لہذا اس سے بچنے کے لئے یہاں چند تدابیر لکھی جاتی ہیں، اس پر عمل سے انشاء اللہ تعالیٰ جھگڑے فساد کی نوبت نہیں آئے گی۔

① ہر مسلمان والد کو چاہیے کہ بڑے بیٹے کو جس وقت تجارت میں شامل کرے تو شروع سے اس کی تنخواہ متعین کر دے اور جیسے جیسے تجارت بڑھتی جائے اور بیٹا ذمہ داریاں لینا شروع کر دے، ویسے ویسے اپنی منجائش کے موافق اس کی تنخواہ میں اضافہ کرتا جائے۔ اتنی تنخواہ ضرور رکھے کہ ماہانہ ضروریات پوری کرنے کے بعد اس کے پاس کچھ جیب خرچ اور جمع کرنے کے لئے کچھ رقم بچے۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ بڑے بیٹے کو شروع سے کاروبار میں شریک بنالے..... فیصد حصہ اس کا متعین کر دے، جس سے وہ خوش ہو جائے اور اس کی محنت کا اس کو صلہ بھی مل جائے اور چند سالوں بعد اس کے لئے کچھ جمع شدہ پونجی ہو جائے۔ اسی طرح جو بھی بیٹا جوان ہوتا جائے اور اس کو جب بھی کاروبار میں شامل کرے تو اس کا فیصد حصہ متعین کرے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ان دو تدبیروں پر عمل کرنے سے باپ کی زندگی میں اور موت کے بعد وہ اشکالات پیدا نہیں ہوں گے، جن سے قطع رحمی یا اختلاف و انتشار کی نوبت آ سکے۔

یاد رکھیے! اگر یہ دو تدبیریں عمل میں نہ لائی جائیں اور شروع میں غفلت برتی جائے یا یہ سوچا جائے کہ الحمد للہ میرے بیٹوں میں آپس میں بہت محبت ہے، کوئی مسئلہ نہیں ہوگا یا ابھی تو بہت ہی چھوٹی سے دوکان ہے، معمولی سا سرمایہ ہے، اس میں کیا جھگڑا ہوگا؟ وغیرہ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ:

① بعض اوقات والد کے انتقال کے بعد بڑے بیٹے دوکان اور سرمایہ پر قابض ہو جاتے ہیں اور چھوٹے بھائی بہنوں کو بہت ہی جھگڑوں اور پنچایت کے بعد بہت

تھوڑا سا دیتے ہیں اور وہ بھی زلا زلا کر اور مال مال کر۔ اگر پنجائیت فیصلہ بھی کر دے تو بھی بہانہ کرتے ہیں کہ ابھی رقم کیش میں نہیں ہے، آہستہ آہستہ ادا کریں گے۔ قسطوں میں دے دے کر اس رقم کی ویلیو بھی گر جاتی ہے اور چھوٹے بھائی بہن اپنے لئے نہ کوئی جائیداد خرید سکتے ہیں، نہ تجارت میں سرمایہ لگا سکتے ہیں۔ اور والد مرحوم پر افسوس کرتے ہیں کہ کن ظالم ہاتھوں میں والد نے اپنی عمر بھر کی کمائی دے دی۔ بعض بھائی کہتے ہیں کہ بڑے بھائی تو بہت شریف تھے، لیکن بھائی نے اور بھائی کے گھر والوں نے بھائی کو بیوقوف بنا دیا۔ الغرض یہ ساری پریشانیوں اور اختلافت اس لئے وجود میں آئے کہ شروع سے غفلت برتی گئی یا موت کا استحضار کم رہا یا بعد پر نال دیا گیا۔

۲۱ بعض اوقات یہ صورت بھی پیش آتی ہے کہ بڑے بیٹے جب تقسیم کرنے بیٹھتے ہیں اور اس وقت ان کو اپنا حصہ بھی اسی قدر ملتا ہے، جتنے دوسرے چھوٹے بھائیوں کو ملتا ہے تو اس پر بڑے بیٹوں کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ والد مرحوم نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اس لئے کہ ہم بچپن سے والد کے ساتھ دوکان پر لگ گئے، تجارت کو چوکایا، اپنی تعلیم کی قربانی دی، بہنوں کی شادیاں کروائیں، پلاٹ خریدوائے، مکان بنوایا، اب جب والد کا انتقال ہوا تو ہمیں اس میں سے اتنا ہی حصہ ملا، جتنا اس بھائی کو ملا جس نے اپنی تعلیم بھی پوری کر لی، ساری عمر بیٹھے بیٹھے کھانا پیا اور اس کا اب تو کوئی خرچہ بھی نہیں ہے اور ہمارے تو بیٹے اس بھائی کے برابر ہو گئے۔ آخر ہمیں اپنی محنت کا کوئی صلہ بھی تو ملنا چاہیے۔ اس لئے والد صاحب شروع ہی سے ایسی ترتیب بنالیں، جس سے ایسے بڑے بیٹوں کو والد کی موت کے بعد یہ اشکال نہ ہو کہ ہمیں اپنی محنت کا کوئی صلہ نہ ملا، اور چھوٹے بھائیوں کو یہ اشکال نہ ہوگا کہ ہم دنیا میں دیر سے آئے، اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ والد مرحوم نے تجارت کی باگ ڈور اس طرح بڑے بھائیوں کے حوالہ کر دی کہ ہمیں کچھ بھی نہیں ملا۔ کوئی لکھت پڑھت یا تحریری

کاروائی نہیں چھوڑی، جس سے ہمیں اپنا جائز حق وصول ہو جاتا۔ لہذا ہم والد کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ اپنے تمام حالات ماہر علمائے کرام اور تجربہ کار مفتی حضرات کی خدمت میں پیش کر کے ان سے مکمل رہنمائی حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی زندگی اور موت دین کے مطابق فرمائے۔

ملازمت کرنے والے والد سے گزارش

ملازم حضرات سے گزارش ہے کہ وہ جہاں بھی ملازمت کر رہے ہوں، اس کو حلال اور پاکیزہ بنانے کی کوشش فرمائیں۔ جو آپ نے ادارہ یا کمپنی سے معاہدہ کیا ہے، وہ کام پورا کریں۔ اوقات میں کمی کوتاہی نہ کریں، کسی قسم کی بھی خیانت نہ ہو۔ آپ نے یومیہ آٹھ گھنٹہ کی بات کی ہے تو آدھا گھنٹہ/ پندرہ منٹ روزانہ کے ضائع نہ کریں، یا دیر سے نہ پہنچیں۔

امانت کے ساتھ پورا وقت دیں گے تو تھوڑی تنخواہ میں بھی آپ برکت پائیں گے، اور پاکیزہ رزق جب بیوی بچوں کے پیٹ میں جائے گا تو وہ بھی ان کے ٹیک اور صالح بننے کا ذریعہ بنے گا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے والد غلام تھے۔ اپنے مالک کے باغ میں کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مالک باغ میں آیا اور کہا: ”بیٹھا انار لائیے۔“ مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک درخت سے انار کا دانہ توڑ کر لائے۔ مالک نے چکھا تو کھٹا تھا۔ اس کی تیوری پر بل آئے، کہا: ”میں بیٹھا انار مالک رہا ہوں، تم کھٹا لائے ہو۔“ مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ جا کر دوسرے درخت سے انار لائے، مالک نے کھا کر دیکھا تو وہ بھی کھٹا تھا۔ غصہ ہوئے، کہنے لگے: ”میں نے تم سے بیٹھا انار مانگا ہے اور تم جا کر کھٹا لے آئے ہو۔“ مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ گئے اور ایک تیسرے درخت سے انار لے کر آئے، اتنا قافہ بھی کھٹا تھا۔ مالک کو غصہ بھی آیا اور تعجب بھی ہوا۔ پوچھا: ”تمہیں

ابھی تک بیٹھے کھنے کی تیز اور پہچان نہیں؟“۔ مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ”بیٹھے کھنے کی پہچان کھا کر ہی ہو سکتا ہے اور میں نے اس باغ کے کسی درخت سے کبھی کوئی انار نہیں کھایا“۔ مالک نے پوچھا: ”کیوں؟“۔ مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اس لئے کہ آپ نے باغ سے کھانے کی اجازت نہیں دی ہے اور آپ کی اجازت کے بغیر میرے لئے کسی انار کا کھانا کیسے جائز ہو سکتا ہے“۔ یہ بات مالک کے دل میں گھر کر گئی اور تھی بھی یہ گھر کرنے والی بات! تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعہ مبارک نے کبھی کسی درخت سے کوئی انار نہیں کھایا۔ مالک اپنے غلام مبارک کی اس عظیم دیانت داری سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کرایا۔ اسی بیٹی سے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کو اللہ جل شانہ نے علمائے اسلام میں جو مقام عطا فرمایا ہے، وہ محتاج تعارف نہیں۔^۱

ملازم حضرات، چاہے وہ اپنے ملک میں ملازمت کر رہے ہوں یا بیرون ملک، ان سے گزارش ہے کہ اپنی تنخواہ کے وہ خود مالک ہیں، کسی کو بھی دیتے ہوئے وہ اس کی وضاحت ضرور کریں کہ وہ ہدیہ ہے یا امانت ہے یا شراکت یا مضاربت کے طور پر دی گئی ہے۔

اس وضاحت نہ کرنے کی وجہ سے یہ معاملہ بعد میں بہت پریشان کن مراحل تک پہنچ جاتا ہے۔ والد کی موت کے بعد دارالافتاء میں جو مسائل آتے ہیں اور سگے بھائی جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا گریبان پکڑتے ہیں اور خاندان بھر میں بدنامی ہوتی ہے، اس کا تصور بھی تنخواہ دیتے وقت نہیں ہوتا۔

شریعت نے ہمیں ہر معاملہ میں صاف گوئی، تکلف سے پرہیز، ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم اس طریقہ سے دی ہے کہ کوئی پریشانی، جھگڑے یا قطع رحمی

۱۔ وفیات الاعیان: ج ۳ ص ۳۲، بحوالہ کتابوں کی درگاہ میں: ص ۱۹۱

کی نوبت نہ آئے۔

لہذا ہر مسلمان کو اس میں بہت سے کام لینا چاہئے اور یہ سوچ کہ گھر والے کیا کہیں گے؟ والد کیا کہیں گے؟ اقرباء کیا کہیں گے؟ ان سب سوچوں کو ہٹا کر یہ سوچیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے؟ اس طرح وضاحت کرنے سے ممکن ہے تھوڑے دنوں تک گھر والے ناراض ہوں گے، لیکن پھر اللہ تعالیٰ ان کو ضرور راضی کر دیں گے، اور وہ اس صاف گوئی اور شریعت کی بتائی ہوئی تدبیر پر عمل پیرا ہونے سے حاصل ہونے والے فوائد پر خوش ہوں گے۔ اس لئے:

① آپ اپنی تنخواہ کا جتنا حصہ اپنے والد محترم کو یا والدہ محترمہ کو دے رہے ہیں اور یہ رقم وہ اپنے ذاتی استعمال میں لا رہے ہیں تو اسے آپ ہدیہ سمجھ کر دیجئے۔ اس کی واپسی کی والدین سے امید نہ رکھیں، نہ چھوٹے بھائی بہنوں پر اس کا احسان جتائے، بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر ان کے ساتھ حسن سلوک کیجئے، اور کوشش کیجئے کہ اتنا چھپا کر دیں کہ آپ کے بیوی بچوں اور دوسرے بہن بھائیوں کو بھی پتہ نہ چلے کہ آپ نے کتنا دیا۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی بہنوں کی شادی کے سلسلہ میں جو رقم دیں، وہ بھی ہدیہ کی صورت میں دیں اور صرف اتنی دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق سادگی سے آپ کی بہنوں کی شادی کرانے میں کافی ہو۔ اس میں عورتوں کی ماننے کے بجائے خود اپنے حالات سامنے رکھتے ہوئے سادگی سے شادی کروائیں۔ یہ دونوں صورتیں تو اس وقت ہیں، جب گھر میں غربت زیادہ ہے اور تنخواہ صرف ضروری امور پر خرچ ہو جاتی ہے۔

③ تیسری صورت یہ ہے کہ آپ کے والد کی چھوٹی سی دوکان ہے اور آپ جو تنخواہ بھیج رہے ہیں، وہ ساری دوکان پر لگ رہی ہے۔ اس صورت میں آپ خود یہ وضاحت کریں کہ یہ میں جو تنخواہ بھیج رہا ہوں، یہ ہدیہ ہے..... یا قرض ہے..... یا

میں دوکان میں شریک ہوں اور جب کاروبار ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ تو اتنا فیصد نفع مجھے ملے گا۔

وضاحت نہ کرنے کے نقصانات

ایک بھائی گھڑے دور بیرون ملک یا دوسرے شہر یا اپنے ہی شہر میں محنت کر کے خود قناعت کر کے والد کو پیسہ بھیجتا ہے، اور اسی کے پیسے ہوئے جیسوں سے کاروبار چمکتا ہے۔ اب والد کے انتقال کے بعد دوسرے بھائی اس کو ورثہ دینے کے لئے تیار نہیں یا تیار ہیں تو اس طرح کہ خود انہوں نے اپنے کاروبار یا اپنی ملازمتیں یا اپنا فلیٹ بنا لیا اور اب والد کا وہ مکان یا دوکان، جو اسی بھائی کے پیسے سے بنی ہے، اسی میں سے ایک حصہ جو اس کا بن رہا ہے، وہ دے رہے ہیں، اور اپنا حصہ بھی پورا پورا لے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ خود اسی بھائی کی کھجی ہوئی کماٹی سے اس قابل ہوئے کہ خود اپنے حالات کے کفیل ہوئے۔ اور اب اس بھائی کو (جس نے عمر بھر بیرون ملک ملازمت کر کے یا تجارت کر کے اپنی جمع شدہ پونجی بھیجی) جو حصہ مل رہا ہے، وہ اتنا نہیں جس سے وہ اپنا مکان لے سکے یا اپنا کاروبار چلا سکے۔ لہذا اپنے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کریں کہ یہ تنخواہ یا کاروبار کی آمدنی جو والد کو بھیج رہے ہیں، وہ ہدیہ یا قرض یا امانت ہے، تاکہ آپ کا انتقال ہو جائے تو آپ کے بیوی بچے آپ کے والد سے قرض یا امانت وصول کر سکیں۔ اور آپ کے والد کا انتقال ہو جائے تو آپ کو اپنی رقم مل سکے۔ اور اگر آپ کی بھیجی ہوئی رقم بہن بھائیوں کی شادیوں پر، فضول رسموں اور لغویات پر خرچ ہوتی ہے یا مکان کی تزئین اور فنیوں عمارتوں پر لگتی ہے اور گناہ کے کاموں میں خرچ ہوتی ہے تو بالکل نہ بھیجیں۔ تاکہ ان گناہوں میں آپ شامل نہ ہوں اور اگر بھیجیں بھی تو بہر حال اپنی تنخواہ سے ضرور اپنے لئے اتنا بچا کر رکھیے کہ جب نوکری چھوٹے یا کمانے کی عمر نہ رہے تو اس وقت کام آئے اور کسی

کے آگے ہاتھ نہ پھیلا کر پڑے۔ اسی طرح ملازمت کے دوران ہی بیوی بچوں کے لئے ضرور کچھ نہ کچھ رقم جمع کر کے رکھیں۔ چاہے کچھ جائداد ہو، چاہے نقدی جمع کریں کہ اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو بیوی بچے آپ کے بھائیوں یا ساس سسر پر بوجھ نہ بنیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ والد اور بھائی برسہ روزگار ہیں۔ والد نے اپنی جمع شدہ پونجی سے ایک پلاٹ خریدا، اب تعمیر کے لئے پیسہ نہیں ہے۔ صرف دو بھائی جو باہر ہیں وہ تعمیر کے لئے پیسہ بھیج رہے ہیں، تو وہ وضاحت سے تحریری طور پر دستخطوں کے ساتھ معاہدہ کر لیں کہ یہ ہماری طرف سے قرض ہے اور والد کے انتقال کے بعد اگر یہ مکان تقسیم ہوا تو پلاٹ کی قیمت میں تو میراث جاری ہوگی، لیکن مکان میں لگائی ہوئی رقم کے تناسب سے تعمیر ہماری ہوگی۔ اس کا ایک فائدہ اس وقت ہوگا، جب بھائی بہنوں کو مکان مل جائے گا اور اپنے اپنے حصہ میں سب خوش ہوں گے۔ اس وقت آپ کے پاس گنجائش ہو تو آپ یہ تعمیر بھائیوں کو ہدیہ بھی کر سکتے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان چھوٹے بھائیوں کو ان کی بیویوں کے ذریعے یا کسی اور ذریعہ سے ورغلا نہیں سکے گا کہ بڑے بھائیوں کو ہوا دو۔ باپ کے ساتھ ہم نے محنت کر کے بنایا ہے اور بڑے بھائی تو باہر مزے کرتے رہے۔ ہم نے یہاں محنت کی اور بڑے بھائیوں نے لاکھوں یا ہزاروں میں بھیجا ہے تو ہم نے بھی تو سینکڑوں لگا کر تعمیر میں حصہ لیا ہے۔ لہذا ان کو سچ میں سے ٹک آؤٹ کرو۔

ایک ضروری گزارش

جب بھی کسی مکان یا دوکان کا سودا یا تعمیر وغیرہ کا سلسلہ ہو، والد کریں یا بڑے بھائی کریں، پیسہ اپنا ہو یا قرض لیں، کچھ بھائی یہاں پیسہ لگا رہے ہوں، کچھ بھائی باہر سے بھیج رہے ہوں، ان تمام صورتوں میں گھر کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ

اپنے بڑے کو اس پر آمادہ کریں کہ شرعاً ہمیں یہ حکم ہے کہ تحریری طور پر وضاحت کے ساتھ یہ بات لکھیں۔ اس پر خاندان کے دو بڑے بزرگوں کو گواہ بنائیں کہ مثلاً یہ مکان جو بن رہا ہے، کس کا ہے؟ کون سے بھائی اس میں شریک ہیں؟ کیا میرا بھی اس میں حصہ ہوگا؟ اور بہنوں کو جو ہمیز میں یا سونے کی شکل میں شادی کے وقت دیا گیا ہے، کیا اس سے ان کے مکان کا حصہ ادا ہو گیا؟ اب اس مکان میں ہم کتنے بھائی شریک ہوں گے؟ کیا جس بھائی نے والد ہی کے پیسے اور کچھ اپنے پیسے ملا کر اپنا مکان بنا لیا ہے، وہ الگ ہو جائے گا؟ کیا تایا بھی اس میں شریک ہوں گے؟ وغیرہ۔

کتنے بھائی اس میں شریک ہوں گے؟ یہ سب تحریری طور سے لکھوا کر مفتی حضرات سے پوچھ لیں۔

یاد رکھیں! ہر مسلمان کو چاہیے کہ بیوی بچوں کی محبت میں بھائی بہنوں، والدین کو محروم نہ کریں، اور والدین اور بھائی بہنوں کی محبت میں بیوی بچوں کو محروم نہ رکھیں، ہر ایک کو اپنا حق ضرور دیجیے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان بہن بھائیوں میں محبت پیدا فرمائے۔ مرتے دم تک دلوں میں کینہ، بغض، حسد پیدا ہونے سے حفاظت فرمائے۔ ہر وہ کام جس کے ذریعہ سے بھائی بہنوں میں جھگڑا ہو اس سے حفاظت فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

مثالی والد ایک نظر میں

① اولاد کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا انعام سمجھیے، ان کی پیدائش پر خوشی منائیے، ایک دوسرے کو مبارک باد دیجیئے، خیر و برکت کے ساتھ استقبال کیجیئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیئے کہ اس نے آپ کو اپنے ایک مسلمان بندے کی پرورش کی توفیق بخشی، اور یہ موقع فراہم فرمایا کہ آپ اپنے پیچھے اپنے دین و دنیا کا جائزین چھوڑ

جائیں، اور مسلمانوں کی آبادی میں ایک مسلمان داعی اور خادم دین کے انصاف کا ذریعہ بنیں۔

② اولاد نہ ہو تو اللہ جل جلالہ سے صالح اولاد کے لئے دعا کیجیئے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام نے صالح اولاد کے لئے دعا فرمائی:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾
”میرے رب! تو اپنے پاس سے مجھے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔
بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔“

③ اولاد کی پیدائش پر کبھی تنگ دل نہ ہوں، معاشی تنگی یا صحت کی خرابی یا کسی اور وجہ سے اولاد کی پیدائش پر کڑھنے یا اس کو اپنے حق میں ایک منہیت سمجھنے یا ایسے بول بولنے یا کوئے، طعنے دینے وغیرہ سے سختی کے ساتھ پرہیز کیجیئے۔

④ ولادت کے بعد مہلہ و احلا کر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہیئے۔ پیدا ہوتے ہی بچے کے کان میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پہنچانے میں بڑی عکست ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ”تختہ الودود“ میں فرماتے ہیں:

”انسان کے کان میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کی آواز پہنچے۔ اور جس شہادت کو وہ شعوری طور پر ادا کرنے کے بعد داخل اسلام ہوگا، اس کی تلقین پیدائش کے دن ہی سے کی جائے گی، جس طرح مرنے کے وقت اس کو کلمہ توحید کی تلقین کی جاتی ہے۔ اذان اور اقامت کا دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ شیطان جو گھات میں بیٹھا ہوتا ہے

اور چاہتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی انسان کو آزمائش میں مبتلا کرے، اذان سنتے ہی ہنگام جاتا ہے اور شیطان کی دعوت سے پہلے بچے کو اسلام اور عبادت الہی کی دعوت دی جاتی ہے۔“

اگر ممکن ہو تو اذان و اقامت کے بعد کسی نیک مرد یا عورت سے کچھ ریا کوئی اور متضی چیز چاہ کر بچے کے تالو میں لگوائے اور بچے کے لئے خیر و برکت کی دعا کرائے۔

بچے کے لئے اچھا سا نام تجویز کیجیے، جو غمخیزوں کے نام پر ہو، صحابہ کرام و صحابیات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام پر ہو یا اللہ تعالیٰ کے نام سے پہلے عبد اللہ یا عبد الرحمن ہو۔ جیسے عبد اللہ، عبد الرحمن وغیرہ۔

اگر بھی لامبلی میں غلط نام رکھ دیا ہو تو اس کو بدل کر اچھا نام رکھ دیجیے۔

ساتویں دن عقیقہ کیجیے۔ لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا کیجیے، لیکن لڑکے کی طرف سے دو بکرے کرنا ضروری نہیں ہے۔ ایک بکرا بھی کر سکتے ہیں اور بچے کے بال منڈوا کر اس کے برابر سونا یا چاندی خیرات کیجیے۔

لڑکے کی ساتویں دن ختہ بھی کرا دیجیے۔ لیکن کسی وجہ سے نہ کرا سکیں تو سات سال کی عمر کے اندر اندر ضرور کرا دیں۔ ختہ اسلامی شعار ہے۔

جب بچہ بولنے لگے تو سب سے پہلے اس کو کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ سکھائیے۔

بچے کو ماں کا دودھ بھی پلوائیے۔ ماں پر بچے کا یہ حق ہے۔ قرآن نے اولاد کو ماں کا یہی احسان یاد دلایا کہ ماں کے ساتھ غیر معمولی حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ جو ماں بچے کو دودھ پلاتی ہے، اس بچے کے دل میں ماں کی محبت، فطری طور پر بڑھتی رہتی ہے اور اکثر ایسے بچے ماں کے فرمانبردار بھی ہوتے ہیں اور ایسی ماؤں کو اپنے بچوں سے بہت کم شکایت ہوتی ہے۔ اس طرح ماں کا فرض

یہ ہے کہ وہ بچے کو اپنے دودھ کے ایک ایک قطرے کے ساتھ توحید کا درس، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق اور دین کی محبت بھی پلائے اور اس محبت کو اس کے قلب و روت میں بسانے کی کوشش کرے۔ لہذا اس کے لئے آپ کوشش کیجیے اور بچے کی ماں سے ہر طرح کا تعاون کیجیے۔ پرورش کی ذمہ داری ماں پر ڈال کر اپنا بوجھ ہلکا نہ کیجیے، بلکہ اس خوشگوار دینی فریضے کو خود انجام دے کر روحانی سکون اور سرور محسوس کیجیے۔ حتی الامکان بچوں کے لئے تعویذ سے بچیں۔ تعویذ کے بجائے بچوں کو دعائیں یاد کروائیے۔ خود ان پر دم کیجیے۔ منزل پڑھنے اور بچوں کو منزل میں درج شدہ آیات یاد کروانے کا اہتمام کیجیے۔

بچوں کو ڈرانے سے پرہیز کیجیے۔ ابتدائی عمر کا یہ ڈر ساری عمر دل و دماغ پر چھایا رہتا ہے، اور ایسے بچے بالعموم زندگی میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دینے کے لائق نہیں رہتے۔ اسی طرح بھوک کی حالت میں بچے کو زبردستی کوئی حکم نہ دیجیے۔

اولاد کو بات بات پر ڈانٹنے، جھڑکنے اور برا بھلا کہنے سے سختی کے ساتھ پرہیز کیجیے اور ان کی کوتاہیوں پر بیزار ہونے اور نفرت کا اظہار کرنے کے بجائے حکمت و سوز کے ساتھ ان کی تربیت کرنے کی محبت آمیز کوشش کیجیے، اور اپنے طرز عمل سے بچوں کے ذہن پر یہ خوف بہر حال غالب رکھیے کہ ان کی کوئی خلاف شرع بات آپ ہرگز برداشت نہ کریں گے۔

اولاد کے ساتھ ہمیشہ شفقت، محبت، نرمی کا برتاؤ کیجیے۔ اور حسب ضرورت و حیثیت ان کی ضروریات پوری کر کے ان کو خوش رکھیں اور اطاعت و فرمانبرداری کے جذبات کو ابھاریں۔ بچوں سے کیا، کب، کیسے کے سوالات سے بچیں۔ ”ایسا کیوں کیا؟ مجھے سمجھ نہیں پڑتی“ اس طرح ڈانٹنے کے بجائے مثبت پہلو سے سر پر ہاتھ رکھ کر وعادیتے ہوئے سمجھائیے کہ بیٹا! ایسا نہیں کرنا چاہیے تھ وغیرہ۔

۱۵) چھوٹے بچوں کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرے، بچوں کو گود میں لیجئے، پیار کیجئے اور ان کے ساتھ خوش طبعی کا سلوک کیجئے۔ ہر وقت تند خو اور سخت گیر حاکم نہ بنے رہیے۔ اس طرز عمل سے بچوں کے دل میں والدین کے لئے والہانہ جذبہ محبت بھی پیدا نہیں ہوتا اور ان کی فطری نشو و نما پر بھی خوشگوار اثر نہیں پڑتا۔

۱۶) اولاد کو پاکیزہ تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کے لئے اپنی ساری کوشش وقف کر دیجئے اور اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کیجئے۔ یہ آپ کی دینی ذمہ داری بھی ہے اور اولاد کے ساتھ عظیم احسان بھی اور اپنی ذات کے ساتھ سب سے بڑی بھلائی بھی۔

۱۷) بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز سکھائیے۔ نماز پڑھنے کی تلقین کیجئے۔ ماں کے ساتھ نماز پڑھوائیے اور بچوں کو اپنے ساتھ مسجد لے جائیں ان میں شوق پیدا کروائیے۔ اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور نماز میں کوتاہی کریں تو انہیں مناسب سزا بھی دیجئے اور اپنے قول و عمل سے ان پر واضح کر دیجئے کہ نماز کی کوتاہی کو آپ برداشت نہ کریں گے۔

۱۸) بچے جب دس سال کے ہو جائیں تو ان کے ہسٹریک کر دیجئے اور ہر ایک کو الگ الگ چارپائی پر سلائیے۔

۱۹) بچوں کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھئے۔ ان کی طہارت، نظافت اور غسل وغیرہ کا خیال رکھئے۔ کپڑے بھی پاک صاف رکھئے، البتہ زیادہ بناؤ سنگھار اور نمودار نمائش سے پرہیز کروائیے۔ لڑکی کے کپڑے بھی نہایت سادہ رکھئے اور زرق برق لباس پہنا کر بچوں کے مزاج خراب نہ کیجئے۔

۲۰) دوسروں کے سامنے بچوں کے عیب نہ بیان کیجئے اور کسی کے سامنے ان کو شرمندہ کرنے اور ان کی عزت نفس کو ٹھیس لگانے سے بھی سختی کے ساتھ پرہیز

کیجئے۔ اسی طرح ایک بچے کی غلطی پر سب بچوں کو نہ ڈانٹیں، بلکہ جس کی غلطی ہے اس کو علیحدگی میں سمجھا دیجئے یا مناسب تنبیہ کیجئے۔

۲۱) بچوں کے سامنے کبھی بچوں کی اصلاح سے مایوسی کا اظہار نہ کیجئے، بلکہ ان کی ہمت بڑھانے کے لئے ان کی معمولی اچھائیوں کی بھی دل کھول کر تعریف کیجئے۔ ہمیشہ ان کا دل بڑھانے اور ان میں خود اعتمادی اور حوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کیجئے۔

۲۲) بچوں کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے، کہ انہوں نے کافروں کو کس طرح اسلام کی دعوت دی، کافروں کو اسلام میں لانے کے لئے کس اخلاق کا مظاہرہ کیا، صالحین کے واقعات اور صحابہ کرام کے مجاہدانہ کارنامے ضرور سناتے رہیے۔ تربیت و تہذیب، کردار سازی اور دین سے شغف کے لئے اس کو انتہائی ضروری سمجھئے اور ہزار مصروفیتوں کے باوجود اس کے لئے وقت نکالئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اور تمام مسلمان والدین کی بھرپور مدد فرمائے۔ واقعات کی کتابوں کے نام اسی کتاب میں موجود ہیں۔

۲۳) کبھی کبھی بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کچھ کھانا پیسہ وغیرہ بھی دلوائیے تاکہ ان میں غریبوں کے ساتھ سلوک اور سخاوت و خیرات کا جذبہ پیدا ہو۔ اور کبھی کبھی یہ موقع بھی فراہم کیجئے کہ کھانے پینے کی چیزیں بہن بھائیوں میں خود ہی تقسیم کریں تاکہ ایک دوسرے کے حقوق کا احساس اور انصاف کی عادت پیدا ہو۔

۲۴) بچوں کی ہر جاوے جاسد پوری نہ کیجئے، بلکہ حکمت کے ساتھ ان کی یہ عادت چھڑوانے کی کوشش کیجئے۔ کبھی کبھی مناسب سختی بھی کیجئے، بے جا لاد پیار سے ان کو ضدی خود سر نہ بنائیے۔

۲۵) کرخت آواز سے بولنے اور گلا بھاز کر چیتنے چلانے سے خود بھی پرہیز کیجئے اور

ان کو بھی تاکید کیجیے کہ درمیانی آواز میں نرمی کے ساتھ گفتگو کریں اور آپس میں بھی ایک دوسرے پر چیخنے چلانے سے سختی کے ساتھ بچیں۔

۱۶۱ بچوں کی عادت ڈالیں کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کریں۔ ہر کام میں دوسروں کا سہارا نہ لیں۔

۱۶۲ بچوں میں باہم لڑائی ہو جائے تو اپنے بچے کی بے جا حمایت نہ کیجیے۔ یہ خیال رکھیے کہ اپنے بچے کے لئے آپ کے سینے میں جو جذبات ہیں، وہی جذبات دوسروں کے سینے میں اپنے بچوں کے لئے بھی ہیں۔ اسی طرح بھائیوں کے بچوں اور پڑوسیوں کے بچوں کی شکایت بیوی سے ہرگز نہ سنیے۔

۱۶۳ اولاد کے ساتھ ہمیشہ برابری کا سلوک کیجیے اور اس معاملہ میں بے اعتدالی سے بچنے کی پوری کوشش کیجیے۔ اگر طبعاً کسی ایک بچے کی طرف زیادہ میلان ہو تو معذوری ہے، لیکن سلوک و برتاؤ اور لین دین میں ہمیشہ انصاف اور مساوات کا لحاظ رکھیے۔

۱۶۴ بچوں کے سامنے ہمیشہ اچھا عملی نمونہ پیش کیجیے۔ آپ کی زندگی ان کے لئے ایک ہمہ وقتی خاموشی معلم ہے، جس سے بچے ہر وقت پڑھتے اور سیکھتے رہتے ہیں۔ بچوں کے سامنے کبھی مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولیے۔

۱۶۵ لڑکی کی پیدائش پر بھی اسی طرح خوشی منائیے، جس طرح لڑکے کی پیدائش پر مناتے ہیں۔ لڑکی ہو یا لڑکا، دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا عطیہ ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ آپ کے حق میں لڑکی اچھی ہے یا لڑکا۔

۱۶۶ لڑکیوں کی تربیت و پرورش انتہائی خوش دلی، روحانی مسرت اور دینی احساس کے ساتھ کیجیے۔ اور اس کے صلے میں خدا سے ہمیشہ بریں کی آرزو کیجیے۔

۱۶۷ لڑکی کو حقیر نہ جانئے، نہ لڑکے کو اس پر کسی معاملہ میں ترجیح دیجیے۔ دونوں کے

ساتھ یکساں محبت کا اظہار کیجیے اور یکساں سلوک کیجیے۔

۱۶۸ جائیداد میں لڑکی کا مقررہ حصہ پوری خوش دلی اور اہتمام کے ساتھ دیجیے۔ اور اپنے بعد وصیت بھی کر جائیں کہ بیٹیوں کو محروم نہ کیا جائے، اور اس کے لئے کتاب ”طریقہ وصیت“ اور کتاب ”احکام میت“ کا ضرور مطالعہ کریں۔

۱۶۹ مثالی والد وہ ہوتا ہے جو بچوں کے دلوں میں اپنی بیوی یعنی بچوں کی والدہ کی خوب عزت و عظمت بنھائے۔

۱۷۰ اسی طرح مثالی والد وہ ہوتا ہے جو بچوں کے سامنے بیوی سے بحث و مباحثہ یا تو تو، میں میں کسی حال میں بھی نہ کرے، بلکہ بیوی کی ناگوار سے ناگوار بات پر بچوں کے سامنے صبر کر لیتا ہے، پھر اکیسے میں بیوی کو سمجھاتا ہے کہ بات یوں تھی، مگر بچوں کی تربیت کی خاطر چپ رہا۔ اسی طرح بیوی اور بچوں کو گنہگار آتے ہی کوئی غم کی خبر یا سوالات کی بوچھاڑ، یا ان کی کسی کی کوتاہی پر تنبیہ کرنے کے بجائے، ان کے سلام کا جواب دے کر غصہ پانی وغیرہ لی کر خوب اطمینان سے ان کو سمجھاتا ہے۔

۱۷۱ مثالی والد وہ ہوتا ہے جو دو بچوں کے درمیان اتنا مناسب وقفہ کرنے کی کوشش کرے کہ ایک بچہ مکمل شرعی مدت تک ماں کا دودھ پیئے اور پھر سنبھلا ہوا ہو جائے اور ماں بھی کھوئی ہوئی کمزوری (جو بچہ کے پیدا ہونے اور دودھ پلانے سے ہوئی تھی) پر قابو پالے اور بہت ننھے منے بچے کے جھیلے سے اس کی گردن چھوئے تاکہ دونوں بچوں کی تربیت و نگہداشت صحیح طرح ہو سکے اور ہر بچے پر انفرادی توجہ دی جاسکے۔ زچگی و رضاءت کا ضعف دور ہو سکے۔ موجودہ شیر خوار بچے کے دودھ پر دوسرا حمل ٹھہر جانے کی وجہ سے ضعف کا اثر نہ پڑے۔

۱۷۲ مثالی والد اپنی بیوی کی ماں اور خود اپنی ماں کا اتنا عزت و احترام کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل سے راضی ہو کر اس کے بچوں میں بھی وہی شرافت اور دین

حیثیت اور والدین کا احترام پیدا کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ جو خود اپنی بیوی کے والدین کے لئے اور اپنے والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنتا ہے۔ تو اس کی اولاد بھی اس کے لئے اسی طرح آنکھوں کی ٹھنڈک بنتی ہے۔

۳۸ مثالی والد وہ ہوتا ہے جو خود بھی اس کتاب میں دی ہوئی ہدایتوں پر عمل کرے اور اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں میں بھی ان صفات کو پیدا کرنے کی کوشش کرے، اور زیادہ سے زیادہ مسلمان بھائیوں کو ”تحفہ دولہا“، ”فضائل اعمال“ اور ”فضائل صدقات“ جیسی کتابوں کے پڑھنے کی ترغیب دے اور شوق دلوائے۔ اسی طرح اس کتاب کی ترتیب دینے والے اور اس میں ہر قسم کے تعاون کرنے والوں کے لئے اور دین کی محنت کرنے والے مردوں اور عورتوں کے لئے خوب خوب دعائیں کرے۔

۳۹ دو مختلف المزاج، بلکہ ضد المزاج بہوؤں کو ایک ساتھ نہ رکھیں، کوشش کریں کہ دو بیٹوں کی شادی کبھی ایک ساتھ نہ ہو اور اگر کرنا ہی ہو تو شادی کے بعد الگ الگ رہیں۔ اس میں بہت سے فوائد اور بہت سی مصلحتیں ہیں، اس کیلئے کتاب ”تحفہ دولہا“ کے اندر دولہا کے والد اور والدہ کو نصیحت کا باب ملاحظہ فرمائیں۔

۴۰ سات سال کی عمر سے بچی کی تربیت اس طرح کریں کہ وہ کسی مرد سے مصافحہ نہ کرے اور باہر جائے تو سر اس طرح ڈھک کر رکھے کہ کوئی بال کھلا نہ رہے اور اسی طرح بچپن سے شلوار کرتا پہنانے کا اہتمام کروائے تاکہ ناگلیں کھلی نہ رہیں۔

۴۱ ان تمام عملی تدبیروں کے ساتھ ساتھ نہایت سوز اور دل کی لگن کے ساتھ اولاد کے حق میں دعا بھی کرتے رہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے خود بھی بچتے اور ان کو بھی بچاتے رہیے۔ خدائے رحمن و رحیم سے امید ہے کہ وہ والدین کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی پر سوز دعائیں کبھی ضائع نہ فرمائیں گے۔

امتحانی پرچہ

محترم والد صاحب.....

مندرجہ ذیل سوالات کو غور سے پڑھیے اور سوال کو کم از کم تین بار تو ضرور پڑھیے۔ پھر ٹھنڈے دل و دماغ سے اچھی طرح سوچ سمجھ کر صحیح صحیح اور بالکل انصاف کے ساتھ جواب دیجیے، اگر آپ کا پورا جواب ”جی ہاں“ میں ہے تو آپ دس نمبروں کے مستحق ہیں۔ لہذا نمبر والے خانے میں دس نمبر لگا لیجیے، اور اگر کسی سوال کا آدھا جواب ”جی ہاں“ اور آدھا ”جی نہیں“ میں ہے تو اس نمبر والے خانے میں پانچ نمبر لگا لیجیے، اگر خدا نخواستہ کسی سوال کا جواب ”جی نہیں“ میں ہے تو آپ اس سوال میں صفر کے مستحق ہیں، لہذا نمبر کے خانے میں صفر لگائیے۔ اس طرح اگر آپ کے کل نمبرات سو بنے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مثالی والد بنایا ہے۔ اور اگر خدا نخواستہ آپ کے نمبرات سو سے کم ہیں تو اس کے لئے دعاؤں کے ساتھ ساتھ فکر اور کوشش کیجیے کہ یہ کمی دور ہو اور اللہ تعالیٰ آپ کو مثالی والد بنائے، اب ذرا سوالات کی طرف آئیے۔

سوال نمبر ۱: کیا آپ نے نکاح کرتے وقت اپنے لئے نیک، دیندار اور وفا شعار بیوی اور بچوں کے لئے ایک مثالی ماں کا انتخاب کیا ہے؟ یا اگر اس وقت آپ کو ان باتوں کا خیال نہیں رہا تو کیا اب آپ اپنی اہلیہ کو نیک اور دیندار اور مثالی بنانے کی فکر کرتے ہیں؟

جواب:.....

سوال نمبر ۲: کیا آپ اپنے لئے طلب اولاد کی دعا کرتے ہیں اور اولاد

کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اولاد کی قدر کرتے ہیں؟ اور شکر اور قدر کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان پر شفقت اور ان کی دینی تربیت کی پوری پوری فکر کرتے ہیں؟ نیز اولاد کو ماں کا دودھ پلاتے ہیں؟

جواب: منہیں:

سوال منہیں ۳: کیا آپ فجر کے وقت پہلے اٹھ کر اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنی بیوی اور بڑے بچوں کو نہایت پیار و محبت سے اور ترغیب کے ساتھ نماز کے لئے اٹھاتے ہیں؟ اور بڑے بچوں کو اپنے ساتھ مسجد لے جا کر جماعت کے ساتھ تکبیر اولیٰ میں شریک ہوتے ہیں؟ اور بیوی اور بڑی بچیوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں؟ نیز بیوی اور بچوں کے لئے خوب خوب دعاؤں کا اہتمام کرتے ہیں؟

جواب: منہیں:

سوال منہیں ۴: آپ اولاد کے ساتھ خصوصاً لڑکے اور لڑکیوں کے مابین برابری کا سلوک کرتے ہیں؟ کیا لڑکیوں کی پیدائش پر بھی آپ اسی خوشی کا اظہار کرتے ہیں، جو لڑکے کی پیدائش پر کرتے ہیں؟ نیز بچوں کے کسی اچھے کام پر ان کی خوب خوب تعریف کرتے ہیں؟ تاکہ ان کا اعتماد بڑھے اور ان میں مزید اچھے کام کرنے کا حوصلہ پیدا ہو۔

ذہن اور غی بچوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دونوں کی برابر حوصلہ افزائی کرتے ہیں؟

جواب: منہیں:

سوال منہیں ۵: کیا آپ بچوں کے ساتھ پیار، محبت، شفقت اور نرمی کے ساتھ اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے ہیں؟ اور بچے کی کسی نادانستہ غلطی پر آپ

بچے کو اس کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے نرمی سے سمجھانے کے بعد پیار سے تنبیہ کرتے ہیں؟ اور ایسے مثبت تدابیر اختیار کرتے ہیں کہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہو؟ اور کسی ایسی غلطی پر، جس کے کرنے پر آپ نے سزا کی دھمکی دی ہو، سزا دیتے ہیں تاکہ بچے کے دل میں آپ کا رعب رہے؟ اسی طرح بچوں کے دل میں ان کی والدہ کی اہمیت اور رعب بٹھانے کے لئے آپ ان کے سامنے ان کی والدہ کی تعریف کرتے ہیں؟

جواب: منہیں:

سوال منہیں ۶: کیا آپ اپنے بچوں کی نگہداشت، ان کی صفائی ستھرائی، ان کے کھانے پینے کا خیال رکھتے ہیں؟ انہیں صبح کا ناشتہ اپنے سامنے کرواتے ہیں؟ ان کے اسکول و مدرسہ وغیرہ کی تیاری میں ان کی والدہ کی مدد کرتے ہیں؟ اسلامی آداب اور دعائیں ان کو یاد کراتے ہیں؟ ان کے اندر عالم اور عالمہ بننے کا شوق پیدا کرتے ہیں؟

جواب: منہیں:

سوال منہیں ۷: آپ اولاد کے خلاف کسی کی شکایت پر سب کے سامنے انہیں برا بھلا کہنے اور ذلیل کرنے سے بچتے ہیں؟ اور خدا نخواستہ مارنے پینے کے بجائے اپنے بچوں سے تحقیق کرتے ہیں؟ نیز غلطی ثابت ہونے پر تنہائی میں نہایت پیار و محبت اور نرمی سے سمجھاتے ہیں تاکہ اس کی عزت نفس مجروح نہ ہو؟ اسی طرح آپ کی اولاد یا بیوی کی جانب سے کسی کے خلاف شکایت پر آپ ٹھنڈے دل سے اس بات اور شکایت کی تحقیق کرتے ہیں، تاکہ کوئی ایسا امر پیش نہ آئے جس پر بعد میں پشیمانی ہو؟

جواب: منہیں:

سوال نمبر ۸: اس خوف کے تحت کہ اس زمانہ میں دیورانیوں اور جیٹانیوں کے ساتھ رہنے سے کئی گھریلو مفاسد پیدا ہوتے ہیں، اس سے بچنے کے لئے آپ بچوں کی شادی کے بعد حتی الامکان ہر بہو کا باورچی خانہ الگ رکھتے ہیں؟ اسی طرح ساس بہو کے ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے جو جھگڑے فساد پیدا ہوتے ہیں، نیز آپ جس سلوک کے اپنی اولاد سے خواہشمند ہیں، کیا وہی سلوک آپ اپنے والدین کے ساتھ کرتے ہیں؟ والد کی شکایت کرنے سے آپ اجتناب کرتے ہیں؟

جواب: **نمبر ۸:**

سوال نمبر ۹: ”اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔“ اس آیت کے تحت آپ پر جتنی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، یعنی بیوی، بچوں کی دینی تربیت کرنا اور ان کو دیندار بنانے کی بھرپور کوشش کرنا وغیرہ..... ان کو آپ مثبت طریقے پر داعیانہ اسلوب اور داعیانہ تربیت سے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

جواب: **نمبر ۹:**

سوال نمبر ۱۰: کیا آپ نے اپنا وصیت نامہ لکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی اور بالغ بچوں کو ترغیب دے کر ان سے وصیت نامہ لکھوا لیا ہے؟ اور اس کے لئے کتاب ”طریقہ وصیت“ مرتبہ اساتذہ مدرسہ بیت العلم، ”احکام میت“ مرتبہ ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ، ”اکابر کے وصایا“ مرتبہ مفتی صبار دانش اور ”کتاب وصایا“ مرتبہ خواجہ آفریدی، ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے؟

جواب: **نمبر ۱۰:**

معاشرے کو سنوارنے میں ایک استاذ کا کردار کتنا اہم ہے
اس سلسلے میں قرآن اور حدیث کی روشنی میں اساتذہ کرام کے لئے ہدایات اور
بزرگان دین کے نصائح اور ارشادات پر مشتمل ایک راہ نمائے کتاب

مشالی استاذ

اس کتاب میں بچوں کی معیاری اور مناسب تربیت کے لئے بہترین
راہنما اصول، واقعات اور تجربات کی روشنی میں پیش کئے گئے ہیں

استاذ بحیثیت مربی
استاذ بحیثیت دوست
استاذ بحیثیت روحانی باپ

منصب استاذ کی فضیلت
استاذ کا مقام و مرتبہ
بہترین استاذ کی صفات

پرنسپل اور مہتمم صاحب کی ذمہ داریاں
پرنسپل اور مہتمم کو پیش آمد مسائل کا تعجب یہ
بچوں کی اصلاح میں والدین کے کردار پر روشنی

پسند فرمودہ

حضرت مفتی نظام الدین شاہی مدظلہ

بیت العلم ٹرسٹ گلشن اقبال کراچی فون ۶۳۳۹، ۶۳۳۹

